تفسیر نور الامین

سنہ ۱۴۴۳

مُدرّس

مُحمّد سَعید احمد اسعد

ناشر

سنی اتحاد مرکزی دفتر جامعہ امینیہ رضویہ

بفیضان نظر فقیہ عصر حضرت قبلہ مفتی محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ آستانہ عالیہ محمد پورہ شریف فیصل آباد

نام کتاب	تفسیر نور الامین
مدرس	محمد سعید احمد اسعد
مرتب	محمد عبد المقیت امینی
تعاون	الحاج میاں محمد خالد صاحب، محترم کاشف رضا نوری صاحب
ناشر	سنی اتحاد مرکزی دفتر جامعہ امینیہ رضویہ شیخ کالونی جھنگ روڈ فیصل آباد
اشاعت	اوّل
تعداد	۱۱۰۰
صفحات	۸۳۳
ہدیہ	۱۸۰۰ روپے

ملنے کا پتہ

جامعہ امینیہ رضویہ — شیخ کالونی فیصل آباد 0322-6263588

تحریک تبلیغ الاسلام (انٹرنیشنل) — II فلور بی سی ٹاور، ۵۴-جناح کالونی، فیصل آباد 041-2602292

مکتبہ سلطانیہ — محمد پورہ، فیصل آباد 041-2637239

ابتدائیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّی وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ

اَمَّا بَعۡدُ! اللہ تعالیٰ کے بے پناہ فضل وکرم اور نبی اکرم، شفیع معظم، جان دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی غلامی کی برکت اور میرے والدین کریمین کی سحری کے وقت میرے لیے دعاؤں کی وجہ سے میرے دل میں ہوش سنبھالنے سے لے کر بحمد اللہ قرآن اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عشق کی حد تک محبت مجھے نصیب ہوئی ہے۔ کئی دوستوں کا، تلامذہ کا کافی عرصہ سے اصرار تھا کہ قرآن مجید فرقان حمید کی آسان الفاظ میں ایک عوامی تفسیر لکھنی چاہیے جس سے ایک تھوڑا پڑھا ہوا انسان بھی قرآن حکیم سمجھ سکے جوں جوں ان احباب کا اصرار بڑھتا گیا توں توں میرے دل کے اندر اس کام کرنے کا جذبہ بھی بڑھتا گیا آخر اللہ تعالیٰ نے یہ بات دل میں ڈالی کہ آج کل چونکہ اسکرین کا دور ہے ہر آدمی کی پہنچ میں یوٹیوب ہے تو کیوں نہ مکمل قرآن پاک کی تفسیر ریکارڈ کروادی جائے چنانچہ محض اپنے پروردگار کے فضل وکرم سے پانچ شوال المکرم ۱۴۴۱ ہجری بمطابق ۲۶ مئی ۲۰۲۰ بروز جمعرات اس کا پہلا سبق ریکارڈ کروایا گیا۔ اکثر مجھے موسم سرما میں تکلیف ہو جاتی ہے اور انہی دنوں کرونا وائرس کا بھی حملہ ہوا جس کی وجہ سے مسلسل کچھ عرصہ تفسیر قرآن ریکارڈ نہ ہو سکی لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا، ہمت بخشی تو رمضان المبارک ۱۴۴۲ ہجری کی ستائیسویں شب بمطابق ۹ مئی ۲۰۲۱ بروز اتوار آخری سبق ریکارڈ کروایا گیا۔ آج بھی یوٹیوب پر جامعہ امینیہ رضویہ

کے آفیشل چینل پر ایک سو اکہتر اسباق میں پورے قرآن پاک کی تفسیر موجود ہے اور میں دل کی گہرائیوں سے اپنے سنگی عزیزم محمد زاہد سلطانی حفظہ اللہ کے لیے دعا گو ہوں کہ انہوں نے بڑی محنت، لگن اور توجہ سے سارے درسِ قرآن کو ریکارڈ کیا۔ اس دورہ تفسیر القرآن کی تکمیل پر جہاں مجھے بے پناہ خوشی حاصل ہوئی وہیں پر میرے دوست احباب نے بھی قلبی محبت کا اظہار کیا اور ۱۲ جون ۲۰۲۱ بروز ہفتہ ایک پروگرام منعقد ہوا جس میں مجھ سے پیار کرنے والے علماء، مشائخ، تلامذہ اور عوام اہلسنت کی ایک بہت بڑی تعداد نے خوشی منائی اور اس کا نام ''جشن تکمیل دورہ تفسیر القرآن'' رکھا گیا اور میرا ارادہ یہ تھا کہ جشن تکمیل دورہ تفسیر القرآن کے موقع پر تشریف لانے والے اہل علم کی خدمت میں کم از کم سورۃ فاتحہ کی تفسیر چھپوا کر بطور تحفہ پیش کی جائے۔ اس سلسلہ میں میرے ایک اور سنگی جو کہ بحمد اللہ با قاعدہ عالم دین ہیں اور آستانہ عالیہ محمد پورہ شریف سے سند فراغت لینے کے بعد وہیں پر آج کل کافیہ، تفسیر جلالین، نحو میر، تعلیم المنطق، مناظرہ رشیدیہ، ہدایۃ الحکمۃ اور نورالانوار پڑھا رہے ہیں جن کا نام مولانا محمد عبدالمقیت امینی حفظہ اللہ ہے نے بڑی محنت سے اس ذمہ داری کو نبھایا۔ وہ پہلے سبق کو سنتے تھے پھر اس کو ضبطِ تحریر میں لاتے تھے یوں سورۃ فاتحہ کی تفسیر ''نورالامین'' کے نام سے سامنے آگئی اور اس کی طباعت کے جملہ اخراجات ہمارے والدِ ماجد فقیہ العصر حضرت علامہ مولانا ابوسعید مفتی محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتہائی خاص خادم بڑے محبوب مرید جناب میاں محمد خالد اقبال صاحب حفظہ اللہ نے برداشت کیے۔ اللہ تعالیٰ میرے ان تمام محبین کو قرآن مجید کی خدمت کی وجہ سے بھی دونوں جہاں میں اپنے فضل و کرم سے مالا مال فرمائے۔

سورۃ فاتحہ کی تفسیر کے چھپنے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے دل میں ڈالا کہ باقی کی تفسیر بھی مکمل ہونی چاہیے پھر تحریری شکل میں اس تفسیر کو سامنے لانے کی ذمہ داری بھی مولانا محمد عبدالمقیت امینی ہی کے سپرد کی گئی۔ انہوں نے بڑی محنت سے اسباق کو سنا پھر اس کو لکھا، لکھنے کے بعد تقریباً ہر ہفتہ کے بعد پچھلا لکھا ہوا مجھے چیک کروایا اور یوں سورۃ فاتحہ سمیت پہلے پارہ کی تفسیر آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ یہاں پر میں اپنے ایک بڑے پیارے ساتھی عزیزِ محترم جناب شفاقت احمد صاحب حفظہ اللہ جن کا تعلق انگلینڈ سے ہے ان کے لیے بھی دعا کرتا ہوں اور ان کا شکریہ بھی ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے تفسیر کو تحریر کی شکل میں لانے کے لیے بہت زیادہ تعاون کیا۔ میں ایک بار پھر میاں خالد صاحب اور جناب محترم کاشف رضا نوری صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ ان کے مالی تعاون کی وجہ سے یہ پہلی جلد آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے۔

میں انسان ہوں، بشر ہوں، مجھ پر وحی بھی نازل نہیں ہوتی کہ میں کوئی غلطی کر ہی نہیں سکتا پھر اوپر سے کتاب بھی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو عظیم المرتبت، غیر محتاج اور مستقل ذات کا کلام ہے۔ اس کے کلام کی تفسیر کرتے ہوئے مجھ سے غلطیاں بھی ہوئی ہوں گی کہیں عبارت بھی بے ربط ہوگئی ہوگی۔ میری مخلص اہل علم سے درخواست ہے کہ بڑے پیار سے مجھے میری غلطی پر آگاہ فرمائیں۔ الحمدللہ! میں ایسا مسلمان ہوں جس کا ایمان ہے کہ اسے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے اور مجھ سے جو بھی غلطی ہوئی ہے یا ہو گی اگر میں اس پر اڑ گیا تو مجھے سزا بھی ملے گی اور اگر میں نے اپنی غلطی کی اصلاح کر لی

اور توبہ تائب ہو گیا تو مجھے اللہ کی رحمت سے حصہ بھی ملے گا اس لیے میں شکریہ کے ساتھ راہنمائی قبول کروں گا اور اگر کسی جگہ یہ محسوس ہوا کہ یہ تنقید صرف عناد کی وجہ سے کی جا رہی ہے تو پھر میں معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دوں گا۔

پہلی جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے اور دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے اسے مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

میں سمجھتا ہوں کہ میرے اللہ کریم نے جو مجھ پر کرم کیا ہے اور نبی رحمت ﷺ کی برکت سے جو عنایت ہوئی ہے اس میں میرے والدین کریمین کی دعاؤں کا بھی بہت زیادہ اثر ہے۔ میرا اللہ کریم میرے لیے، میرے والدین کے لیے اور جس جس نے بھی کبھی میری دینی خدمات کے سلسلہ میں مجھ سے تعاون کیا ہے اللہ تعالیٰ سب کی مغفرت فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

محتاجِ دعا

محمد سعید احمد اسعد غفرلہ الاحد

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

سورۃ الفاتحہ

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہم تفسیر القرآن شروع کررہے ہیں سب سے پہلے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں خلوص کی دولت عطا فرمائے اوراس میں صرف اور صرف اس کی رضا شامل ہواور دوسری دعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں جوقرآن کا صحیح مفہوم ہے اس کو بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

قرآن کوقرآن کہنے کی وجہ

لفظ قرآن ''قَرْءٌ'' سے بنا ہے یا ''قِرَاءَةٌ'' سے بنا ہے۔

اگر یہ ''قَرْءٌ'' سے بنا ہوتواس کا معنی جمع کرنا ہے۔[1]

چونکہ اس قرآن مجید میں تمام اولین وآخرین کا علم جمع کردیا گیا ہے اس لیے اسے قرآن کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''وَ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ''[2]

اور ہم نے آپ پر یہ قرآن نازل فرمایا ہے یہ ہر ہر چیز کا روشن بیان ہے۔

اس لیے بھی اسے قرآن کہتے ہیں کہ اس نے مختلف قسم کے لوگوں کو جمع کردیا ہے اس نے سندھ، بلوچستان، پنجاب، خیبر پختونخواہ، ایران، عراق، روس، انگلستان اور عرب وعجم کے لوگوں کو جمع کرکے ان کا نام مسلم رکھ دیا ہے۔

یا یہ لفظ قرآن ''قِرَاءَةٌ'' سے بنا ہے جب اسے ''قِرَاءَةٌ'' سے مشتق مانیں تو معنی ہوگا: ''پڑھا ہوا''[3] قرآن کو قرآن اس لیے بھی کہتے ہیں کہ یہ پڑھا ہوا نازل ہوا۔ جبریل علیہ السلام

---

[1] (قَرَأَ و قُرْآنًا) الشَّیْءَ: جمع کرنا، اکٹھا کرنا۔ (مصباح اللغات صفحہ ۶۳۸) [2] سورۃ نحل: ۸۹

[3] قَرَأَ (ف، ن) قَرْأً و قِرَاءَةً و قُرْآنًا وَاِقْتَرَأَ الْكِتَابَ پڑھنا'' (مصباح اللغات صفحہ ۶۳۸)

آتے، نبی کریم ﷺ کے سامنے قرآن پڑھتے تو نبی کریم ﷺ سنتے اور اللہ تعالیٰ ان پڑھے ہوئے الفاظ کو نبی کریم ﷺ کے مقدس سینے میں محفوظ فرما دیتا تھا۔

قرآن کو قرآن اس لیے بھی کہتے ہیں کہ آج تک جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں کوئی کتاب قرآن جتنی نہیں پڑھی گئی۔ روزانہ کروڑوں لوگ قرآن مجید کے کسی نہ کسی حصے کی تلاوت کرتے ہیں کوئی جتنی بھی دلچسپ کتاب ہو ایک دو بار پڑھنے کے بعد پھر پڑھنے کو جی نہیں چاہتا لیکن قرآن مجید ایسی مقدس اور بابرکت کتاب ہے جتنی بار بھی پڑھ لو جی نہیں بھرتا بار بار پڑھنے کو دل چاہتا ہے۔

سورۃ کو سورۃ کہنے کی وجہ

سورۃ کا مادہ (س، و، ر) "سور" ہے۔

سور کا معنی بلندی، برتری، شرف، فضیلت، سطوت و شوکت، جاہ و جلال، زور اور دبدبہ ہے۔ لفظ سورۃ کا مفہوم سمجھنے کے لئے اتنا ہی بیان کر دینا کافی ہے کہ عربوں کے ہاں یہ لفظ اُس عمارت کے لئے بولا جاتا ہے جو خوبصورت بھی ہو اور منزل بہ منزل آسمان کی طرف بلند بھی ہو۔ اہل عرب ایسی عمارت کی ہر منزل کو سورۃ کہا کرتے تھے۔[1]

اسی طرح سمجھ لیجئے کہ قرآن مجید بھی مجموعی حیثیت کے اعتبار سے ایک انتہائی خوبصورت اور بلند عمارت ہے جسکی ایک سو چودہ منزلیں ہیں اور ہر منزل کو سورۃ کہتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اہل عرب خوبصورت اور بلند عمارت کی ہر منزل کو سورۃ کہتے

---

[1] وَالسُّورَةُ مِنَ الْبِنَاءِ مَا حَسُنَ وَطَالَ۔ اَلْجَوْهَرِيُّ: وَالسُّوْرُ جَمْعُ سُوْرَةٍ مِثْلُ بُسْرَةٍ وَبُسْرٍ وَهِيَ كُلُّ مَنْزِلَةٍ مِّنَ الْبِنَاءِ سورۃ وہ عمارت ہے جو خوبصورت اور بلند ہو، جوہری نے کہا کہ سور، سورۃ کی جمع ہے جیسے بسرہ اور بسر اور سورۃ عمارت کی ہر منزل ہے۔ (لسان العرب صفحہ ۳۸۶ جلد ۴)

ہیں اور کسی عمارت کی پہلی منزل اُس عمارت کی بنیاد ہوتی ہے اسی لیے سورۃ فاتحہ کا ایک نام ''سورۃ الاساس'' بھی ہے۔ اساس بنیاد کو کہتے ہیں مطلب یہ کہ یہ سورۃ پورے قرآن کریم کی بنیاد ہے ترتیب کے اعتبار سے یہ سورۃ سب سے پہلے نمبر پر ہے۔ قرآن کریم میں اگر کوئی سورۃ مکمل طور پر سب سے پہلے نازل ہوئی تو وہ یہی سورۃ فاتحہ ہے۔ ایک بات یہ بھی ذہن نشین کرلیں کہ کچھ سورتیں مکی ہیں جو مکہ میں ہجرت سے پہلے نازل ہوئیں اور کچھ سورتیں مدنیہ ہیں جو مدینہ میں ہجرت کے بعد نازل ہوئیں۔

سورۃ فاتحہ مکیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ نبی کریم ﷺ کو مکہ مکرمہ میں عطا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَ لَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ

اور بے شک ہم نے تم کو سات آیتیں دیں جو دہرائی جاتی ہیں اور عظمت والا قرآن [1]

سبع سات کو کہتے ہیں اور مثانی جن کو بار بار دہرایا جائے۔ مطلب یہ کہ بار بار پڑھی جانے والی سات آیتیں۔ سبع مثانی سے مراد سورۃ فاتحہ ہے۔ سورۃ فاتحہ وہ سورۃ ہے جسے نماز میں بار بار پڑھا جاتا ہے۔ بعض علماء نے یہ بھی فرمایا کہ یہ سورۃ مکیہ ہے [2] لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے شرف اور بزرگی کی وجہ سے اسے دو مرتبہ نازل فرمایا۔ ایک مرتبہ مکہ شریف میں اور دوسری مرتبہ مدینہ شریف میں۔

سورۃ فاتحہ کی عظمت

۱۔ نبی مکرم شفیع اعظم، جان دو عالم ﷺ نے فرمایا:

---

[1] سورۃ حجر: ۸۷ [2] الاتقان فی علوم القرآن باب اول، فصل فی تحریر السور المختلف فیھا، ص ۳۸، رسالہ پبلشر دمشق سوریا

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَا اُنْزِلَتْ فِیْ التَّوْرَاۃِ وَلَافِی الْاِنْجِیْلِ وَلَافِی الزَّبُوْرِ وَلَافِی الْفُرْقَانِ مِثْلُھَا اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ نے تورات میں، انجیل میں، زبور میں، فرقان میں (کسی بھی کتاب میں) ام القرآن کی مثل نازل نہیں فرمایا۔[1]

۲: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ھِیَ السَّبْعُ الْمَثَانِیْ''

سورۃ فاتحہ سبع مثانی ہے۔[2]

۳: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک شخص کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا:

''اَلَا اُخْبِرُکَ بِاَفْضَلِ الْقُرْآنِ؟''

کیا میں تمہیں افضل القرآن کی خبر نہ دوں؟

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُس آدمی پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کی تلاوت کی۔[3]

۴: حضرت ابوسعید بن معلیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

لَأُعَلِّمَنَّکَ سُوْرَۃً ھِيَ أَعْظَمُ السُّوَرِ فِي الْقُرْآنِ قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ

---

[1] جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ماجاء فی فضل فاتحہ الکتاب صفحہ ۴۶۰، رقم الحدیث ۲۸۵۷ / مسند ابی یعلی، مسند ابی ھریرہ، صفحہ: ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، رقم الحدیث: ۶۴۷۵، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت

[2] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب ماجاء فی فاتحۃ الکتاب، صفحہ: ۱۰۹۵، رقم الحدیث: ۴۴۷۴

[3] مستدرک حاکم، کتاب فضائل القرآن، اخبار فی فضائل القرآن جملۃ، صفحہ ۷۴۷، جلد ۱، رقم الحدیث ۲۰۵۶

میں تجھے تیرے مسجد سے نکلنے سے پہلے قرآن کی سب سے عظمت والی سورۃ سکھاؤں گا۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد سے نکلنے کا ارادہ کیا تو میں نے عرض کی:

أَلَمْ تَقُلْ لَأُعَلِّمَنَّكَ سُورَةً هِيَ أَعْظَمُ سُورَةٍ فِي الْقُرْآنِ ؟

کیا آپ نے یہ نہ فرمایا تھا کہ میں تجھے قرآن کی سب سے عظمت والی سورۃ سکھاؤں گا؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ [1]

۵: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى أَعْطَانِي فِيْمَا مَنَّ بِهِ عَلَيَّ اَنِّيْ أَعْطَيْتُكَ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَهِيَ كَنْزٌ مِنْ كُنُوْزِ عَرْشِيْ

بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے کچھ ایسی چیزیں عطا فرمائیں جن کی وجہ سے مجھ پر احسان کیا فرمایا: بے شک میں نے تجھے فاتحۃ الکتاب عطا کی اور یہ فاتحۃ الکتاب میرے عرش کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ [2]

۶: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"وَلَوْ أَنَّ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ جُعِلَتْ فِيْ كِفَّةِ الْمِيْزَانِ وَجُعِلَ الْقُرْآنُ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب ماجاء فی فاتحۃ الکتاب، صفحہ ۱۰۹۵، رقم الحدیث ۴۴۷۴

[2] الجامع لشعب الایمان، فصل فی فضائل السور والآیات، ذکر فاتحۃ الکتاب، صفحہ ۳۹، جلد ۴، رقم الحدیث: ۲۱۴۸

فِيْ الْكِفَّةِ الْاُخْرٰى لَفَضَلَتْ فَاتِحَةُ الْكِتَابِ عَلَى الْقُرْآنِ سَبْعَ مَرَّاتٍ“

اگر فاتحۃ الکتاب کو میزان کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور باقی کے قرآن کو دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو فاتحۃ الکتاب باقی کے قرآن پر سات مرتبہ فضیلت رکھتی ہے۔ ۱

۷: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

أَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مِائَةً وَّأَرْبَعَةَ كُتُبٍ مِّنَ السَّمَاءِ أَوْدَعَ عُلُوْمَهَا أَرْبَعَةً مِّنْهَا: اَلتَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيْلَ وَالزَّبُوْرَ وَالْفُرْقَانَ. ثُمَّ أَوْدَعَ عُلُوْمَ التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيْلِ وَالزَّبُوْرِ وَالْفُرْقَانِ، ثُمَّ أَوْدَعَ عُلُوْمَ الْقُرْآنِ الْمُفَصَّلَ۔ ثُمَّ أَوْدَعَ عُلُوْمَ الْمُفَصَّلِ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ فَمَنْ عَلِمَ تَفْسِيْرَهَا كَانَ كَمَنْ عَلِمَ تَفْسِيْرَ جَمِيْعِ كُتُبِ اللّٰهِ الْمُنَزَّلَةِ

اللہ تعالیٰ نے ایک سو چار کتابیں نازل فرمائیں ان ایک سو چار کتابوں کے علوم چار کتابوں تورات، زبور، انجیل، فرقان میں رکھ دیئے پھر تورات، زبور اور انجیل کے علوم فرقان میں رکھ دیئے۔ پھر قرآن کے علوم مفصل سورتوں میں رکھ دیئے پھر مفصل سورتوں کے علوم فاتحۃ الکتاب میں رکھ دیئے۔ جس نے سورۃ فاتحہ کی تفسیر سیکھ لی گویا اُس نے ان تمام کتب کی تفسیر سیکھ لی۔ ۲

---

۱ درمنثور صفحہ ۱۶ جلد ا / مسند فردوس، باب الفاء، جلد: ۳، صفحہ: ۱۴۴، رقم الحدیث: ۴۳۸۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان

۲ درمنثور، جلد: ا، صفحہ: ۱۷، ۱۶ / الجامع لشعب الایمان، فصل فی فضائل السور والآیات، ذکر فاتحۃ الکتاب، جلد: ۴، صفحہ: ۴۴، رقم الحدیث: ۲۱۵۵، مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض

۸: حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”رَنَّ اِبْلِیْسُ اَرْبَعًا حِیْنَ نُزِلَتْ فَاتِحَۃُ الْکِتَابِ وَحِیْنَ لُعِنَ وَحِیْنَ اُھْبِطَ اِلَی الْاَرْضِ وَحِیْنَ بُعِثَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ“

ابلیس چار موقعوں پر بلبلا کر رویا۔

۱: جب سورۃ فاتحہ نازل ہوئی۔

۲: جب وہ ملعون ہوا۔

۳: جب اُسے زمین کی طرف اتارا گیا۔

۴: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہوئی۔[۱]

امام سُھَیلی رحمۃ اللہ علیہ نے ابلیس کے بلبلا کر رونے کے چار مقام یوں بیان فرمائے۔

”رَنَّ أَرْبَعَ رَنَّاتٍ، رَنَّۃً حِیْنَ لُعِنَ، وَرَنَّۃً حِیْنَ اُھْبِطَ، وَرَنَّۃً حِیْنَ وُلِدَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَرَنَّۃً حِیْنَ اُنْزِلَتْ فَاتِحَۃُ الْکِتَابِ“

ابلیس چار موقعوں پر بلبلا کر رویا۔

۱: جب وہ ملعون ہوا۔

۲: جب اس کو زمین کی طرف اتارا گیا۔

۳: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا میلاد ہوا۔

---

[۱] درمنثور، مقدمہ سورۃ فاتحہ، صفحہ ۱۷، جلد ۱ / حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء لابی نعیم الاصفہانی، ترجمہ: مجاھد ین جبر، جلد: ۳، صفحہ: ۲۹۹، مطبوعہ مصر

۴:	جب فاتحۃ الکتاب نازل ہوئی [1]

سوال: سورۃ فاتحہ کے نزول پر شیطان کیوں رویا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''اِنَّ الشَّیْطَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ''

بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔[2] شیطان کی پوری کوشش رہتی ہے کہ رحمٰن کے بندے دوزخی بن جائیں لیکن جب سورۃ فاتحہ نازل ہوئی تو اس کے منصوبے کو زبردست دھچکا لگا جس کی وجہ سے یہ بلبلا کر رویا اور اس نے خوب واویلا کیا۔

تفسیر کبیر میں ہے:

حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا:

"کُنْتُ اَخْشٰی الْعَذَابَ عَلٰی اُمَّتِکَ فَلَمَّا نَزَلَتِ الْفَاتِحَۃُ اَمِنْتُ"

آقا! میں آپ کی امت پر عذاب کا خوف کرتا تھا لیکن جب سے سورۃ فاتحہ نازل ہوئی ہے میرا خوف دور ہو گیا ہے۔ قَالَ لِمَ یَا جِبْرِیْلُ؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے جبریل! کیوں؟

قال: لِاَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَالَ: (وَاِنَّ جَھَنَّمَ لَمَوْعِدُھُمْ اَجْمَعِیْنَ لَھَا سَبْعَۃُ اَبْوَابٍ لِکُلِّ بَابٍ مِّنْھُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ) وَآیَاتُھَا سَبْعٌ فَمَنْ قَرَأَھَا صَارَتْ کُلُّ آیَۃٍ طَبَقًا عَلٰی بَابٍ مِّنْ اَبْوَابِ جَھَنَّمَ فَتَمُرُّ اُمَّتُکَ

---

[1] الروض الانف، فصل فی المولد، جلد دوم، صفحہ: ۹۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت/ عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر لابن سید الناس، ذکر مولد رسول اللہ، صفحہ: ۲۱، مطبوعہ دار ابن جوزی القاھرہ/ السیرۃ النبویۃ لابن کثیر، باب مولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صفحہ: ۱۹۸، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت [2] سورۃ یوسف: ۵

عَلَيۡهَا مِنۡهَا سَالِمِيۡنَ [1]

حضرت جبریل نے عرض کی: اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (اور بے شک جہنم ان سب کا وعدہ ہے اس کے سات دروازے ہیں ہر دروازے کے لئے ان میں سے ایک حصہ بٹا ہوا ہے) سورۃ فاتحہ کی بھی سات آیتیں ہیں تو جو ان سات آیتوں کو پڑھے گا تو ہر آیت جہنم کے ہر دروازے پر پردہ بن جائے گی۔ آپ کی امت جہنم کے دروازے پر سے سلامتی کیساتھ گزر جائے گی۔

سورۃ فاتحہ کے نام

سورۃ فاتحہ کے کئی نام ہیں۔ کسی چیز کے متعدد نام اُس چیز کی عظمت پر دلالت کرتے ہیں سورۃ فاتحہ کے متعدد نام بھی اس کی عظمت پر دلالت کر رہے ہیں۔

۱: سورۃ فاتحہ کا ایک نام فاتحۃ الکتاب ہے۔ یہ نام خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکھا ہے۔ [2]
فاتحۃ الکتاب کا معنی کتاب کی ابتداء یا کتاب کا خطبہ و دیباچہ ہے۔ یہ نام اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن کریم کی سورتوں کی ترتیب بھی خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لگوائی ہے۔

۲: سورہ فاتحہ کا ایک نام اُمّ القرآن ہے یہ نام بھی خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکھا ہے۔ [3]
اُمّ، مقدّم کو کہتے ہیں اسی سے امام ہے چونکہ یہ سورۃ بھی سارے قرآن پر مقدم ہے اس لیے اسے اُمّ القرآن کہتے ہیں۔ اُمّ کا معنی خلاصہ، اصل اور جڑ بھی ہے چونکہ سارے

---

[1] تفسیر کبیر، الکتاب الثالث، الکلام فی سورۃ الفاتحۃ وفی ذکر اسماء ھذہ السورۃ، الباب الاول، اسماء الفاتحۃ وسببھا، جلد:۱، صفحہ:۱۵۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

[2] صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب وجوب القرآۃ للامام والماموم فی الصلوات کلھا فی الحضر والسفر، صفحہ:۱۸۶، رقم الحدیث:۷۵۶

[3] صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب وجوب قرآۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ، صفحہ:۱۶۷، رقم الحدیث:۸۷۵، مطبوعہ دار السلام للنشر والتوزیع الریاض

قرآن کی اصل، سارے قرآن کا خلاصہ اور سارے قرآن کا مغز سورۃ فاتحہ میں ہے اس لیے اس کو اُمّ القرآن کہتے ہیں۔

:۳ سورۃ فاتحہ کا ایک نام القرآن العظیم ہے یہ نام بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکھا۔

بخاری شریف میں ہے:

"هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْآنُ الْعَظِيْمُ الَّذِيْ أُوْتِيْتُهُ"

سورۃ فاتحہ سبع مثانی ہے اور سورۃ فاتحہ ہی قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا کی گئی۔ ۱

:۴ سورۃ فاتحہ کا ایک نام السبع المثانی ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا۔

:۵ سورۃ فاتحہ کا ایک نام وافیہ ہے۔ وافیہ کا مطلب ہے "پوری ہونے والی" باقی کی سورتیں نماز میں جتنا آپ کا دل چاہے پڑھ لیں خواہ آدھی سورۃ، خواہ پوری آپ کا دل چاہے تو بس اتنا ہی پڑھ لیں: اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝۱ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝۲ ۲ اور رکوع میں چلے جائیں نماز ہو جائے گی لیکن آپ سورۃ فاتحہ کو نماز میں آدھا نہیں پڑھ سکتے۔ اس کو پورا ہی پڑھا جائے گا اس لیے اس کو وافیہ کہتے ہیں۔

:۶ سورۃ فاتحہ کا ایک نام کافیہ ہے یعنی کفایت کرنے والی۔ یہ سورۃ خیرات و برکات کے حصول کے لئے کافی ہے اس لیے اس کو کافیہ بھی کہتے ہیں۔

:۷ سورۃ فاتحہ کا ایک نام اساس ہے یعنی بنیاد جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا۔

:۸ سورۃ فاتحہ کا ایک نام شفا بھی ہے۔

---

۱ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب ماجاء فی فاتحۃ الکتاب، صفحہ: ۱۰۹۵، رقم الحدیث: ۴۴۷۴ ۲ سورہ الفیل: ۱، ۲

حضرت عبد الملک بن عمیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فَاتِحَةُ الْكِتَابِ شِفَاءٌ مِّنْ كُلِّ دَاءٍ

فاتحۃ الکتاب ہر بیماری سے شفا ہے۔[1]

ہمارے بزرگ ایک وظیفہ بتایا کرتے تھے کہ اگر کوئی اس وظیفہ کو پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ ہر بیماری سے شفا عطا فرما دیتا ہے۔ وظیفہ یہ کہ فجر کی سنتیں پڑھ کر کسی سے بات نہیں کرنی اور فجر کی جماعت تک اکتالیس دن اکتالیس مرتبہ سورۃ فاتحہ پڑھنی ہے۔ سورۃ فاتحہ پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اول و آخر درود پاک پڑھے، پہلی بار تعوذ بھی پڑھے اور بسم اللہ شریف بھی جبکہ باقی کی چالیس بار صرف بسم اللہ شریف پڑھے اور ہر مرتبہ بسم اللہ شریف اس طرح پڑھے کہ اَلرَّحِيْمِ کا میم، اَلْحَمْدُ کے لام کے ساتھ مل جائے یعنی اَلرَّحِيْمِ الْحَمْدُ تو انشاء اللہ اکتالیس دن پورے ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ شفا عطا فرما دے گا۔

۹: سورۃ فاتحہ کا ایک نام اَلرُّقْيَه ہے۔ رقیہ دم اور تعویذ کو کہتے ہیں۔ اس حوالے سے دو احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ أَبِي الْمُتَوَكِّلِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: اِنْطَلَقَ نَفَرٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفْرَةٍ سَافَرُوهَا حَتّٰى نَزَلُوا عَلٰى حَيٍّ مِنْ

---

[1] الجامع لشعب الایمان، فصل فی فضائل السور والآیات، ذکر فاتحۃ الکتاب، صفحہ ۴۳، جلد ۴، رقم الحدیث: ۲۱۵۴/ سنن دارمی، کتاب فضائل القرآن، باب فضل فاتحۃ الکتاب، جلد دوم، صفحہ: ۵۳۸، رقم الحدیث: ۳۳۷۰، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ کراچی

أَحْيَاءِ الْعَرَبِ فَاسْتَضَافُوهُمْ فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُمْ فَلُدِغَ سَيِّدُ ذٰلِكَ الْحَيِّ، فَسَعَوْا لَهُ بِكُلِّ شَيْءٍ لَا يَنْفَعُهُ شَيْءٌ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَوْ أَتَيْتُمْ هٰؤُلَاءِ الرَّهْطَ الَّذِينَ نَزَلُوا لَعَلَّهُ أَنْ يَكُونَ عِنْدَ بَعْضِهِمْ شَيْءٌ فَأَتَوْهُمْ فَقَالُوا: يَا أَيُّهَا الرَّهْطُ إِنَّ سَيِّدَنَا لُدِغَ وَسَعَيْنَا لَهُ بِكُلِّ شَيْءٍ لَا يَنْفَعُهُ فَهَلْ عِنْدَ أَحَدٍ مِنْكُمْ مِنْ شَيْءٍ؟ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: نَعَمْ وَاللّٰهِ إِنِّي لَأَرْقِي وَلٰكِنْ وَاللّٰهِ لَقَدِ اسْتَضَفْنَاكُمْ فَلَمْ تُضَيِّفُونَا فَمَا أَنَا بِرَاقٍ لَكُمْ حَتّٰى تَجْعَلُوا لَنَا جُعْلًا فَصَالَحُوهُمْ عَلٰى قَطِيعٍ مِنَ الْغَنَمِ فَانْطَلَقَ يَتْفِلُ عَلَيْهِ وَيَقْرَأُ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ فَكَأَنَّمَا نُشِطَ مِنْ عِقَالٍ فَانْطَلَقَ يَمْشِي وَمَا بِهِ قَلَبَةٌ قَالَ: فَأَوْفَوْهُمْ جُعْلَهُمُ الَّذِي صَالَحُوهُمْ عَلَيْهِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: اَقْسِمُوا فَقَالَ: الَّذِي رَقٰى لَا تَفْعَلُوا حَتّٰى نَأْتِيَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَذْكُرَ لَهُ الَّذِي كَانَ فَنَنْظُرَ مَا يَأْمُرُنَا. فَقَدِمُوا عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرُوا لَهُ فَقَالَ: وَمَا يُدْرِيكَ أَنَّهَا رُقْيَةٌ، ثُمَّ قَالَ: قَدْ أَصَبْتُمْ اَقْسِمُوا وَاضْرِبُوا لِي مَعَكُمْ سَهْمًا فَضَحِكَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند اصحاب کسی سفر میں گئے حتی کہ وہ عرب کے قبائل میں سے کسی قبیلہ کے پاس پہنچے انہوں نے لوگوں سے ضیافت طلب کی تو انہوں نے اُن کو کھانا کھلانے سے انکار کر دیا اس قبیلہ کے سردار کو بچھو نے کاٹ

لیا تھا ان لوگوں نے اس کی صحت کے لئے سارے جتن کر لیے لیکن کسی چیز نے اُس کو شفا نہیں دی پھر کسی نے کہا تم مسافروں کی اس جماعت کے پاس جاؤ شاید ان کے پاس کوئی شفا بخش چیز ہو تو وہ اُن صحابہ کے پاس آئے اور کہا اے جماعت! ہمارے سردار کو بچھو نے ڈس لیا ہے اور ہم نے اُس کی صحت کے لئے سارے جتن کر لیے اور اس کو کسی سے شفا نہیں ہوئی تو کیا تم میں سے کسی کے پاس نفع آور چیز ہے؟ ان میں سے بعض نے کہا ہاں ہے۔ بے شک میں دم کرتا ہوں لیکن اللہ کی قسم! ہم نے تم سے مہمان نوازی طلب کی تو تم نے ہماری مہمان نوازی نہیں کی پس میں اُس وقت تک تمہارے لیے دم نہیں کروں گا جب تک تم ہمیں اس کی اجرت نہیں دو گے۔ پھر انھوں نے بکریوں کا ایک ریوڑ دینے پر صلح کر لی۔ وہ صحابی وہاں گئے اور سردار پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ پڑھ کر دم کیا اور اس پر معمولی سی تھوک کی چھینٹیں ڈالیں تو یوں لگا جیسے کسی کی رسی کھول دی گئی ہو پھر وہ اُٹھ کر چلنے لگا اور اس کو بالکل تکلیف نہیں تھی پھر اُن لوگوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو طے شدہ بکریاں دیں پھر کسی نے کہا ان بکریوں کو آپس میں تقسیم کر لو پھر جس نے دم کیا تھا اُس نے کہا ایسا نہ کرو حتی کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جائیں اور آپ سے یہ قصہ بیان کریں پھر دیکھیں کہ آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں پھر وہ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا تم کو کیسے معلوم ہوا کہ سورۃ فاتحہ دم ہے؟ پھر فرمایا تم نے ٹھیک کیا ان بکریوں کو تقسیم کر لو اور اپنے حصوں کے ساتھ میرا حصہ بھی ملا لو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنسے۔[1]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الاجارۃ، باب مایعطی فی الرقیۃ علی احیاء العرب بفاتحۃ الکتاب، صفحہ: ۴۲۵، رقم الحدیث: ۲۲۷۶

۲: عَنْ خَارِجَةَ بْنِ الصَّلْتِ التَّمِيمِيِّ عَنْ عَمِّهٖ أَنَّهٗ أَتٰى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْلَمَ ثُمَّ أَقْبَلَ رَاجِعًا مِنْ عِنْدِهٖ فَمَرَّ عَلٰى قَوْمٍ عِنْدَهُمْ رَجُلٌ مَجْنُونٌ مُوْثَقٌ بِالْحَدِيْدِ فَقَالَ أَهْلُهٗ: إِنَّا حُدِّثْنَا أَنَّ صَاحِبَكُمْ هٰذَا قَدْ جَاءَ بِخَيْرٍ فَهَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ تُدَاوُوْنَهٗ فَرَقَيْتُهٗ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَبَرَأَ فَأَعْطَوْنِي مِائَةَ شَاةٍ فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ: هَلْ إِلَّا هٰذَا وَقَالَ مُسَدَّدٌ فِي مَوْضِعٍ آخَرَ: هَلْ قُلْتَ غَيْرَ هٰذَا؟ قُلْتُ: لَا قَالَ: خُذْهَا فَلَعَمْرِي لَمَنْ أَكَلَ بِرُقْيَةِ بَاطِلٍ لَقَدْ أَكَلْتَ بِرُقْيَةِ حَقٍّ

حضرت خارجہ بن صلت اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ اُن کے چچا نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور اسلام قبول کرلیا پھر جب آپ کے پاس سے واپس لوٹے تو ایک قوم کے پاس سے گزرے جن میں ایک پاگل شخص تھا جسے زنجیروں سے باندھا ہوا تھا اُس کے گھر والوں نے کہا بے شک آپ کے یہ صاحب (نبی کریم ﷺ) خیر کے ساتھ تشریف لائے ہیں کیا آپ کے پاس کوئی ایسی چیز ہے جس سے آپ اس کا علاج کرسکیں خارجہ بن صلت کے چچا کہتے ہیں میں نے فاتحۃ الکتاب پڑھ کر دم کیا تو وہ ٹھیک ہوگیا انہوں نے مجھے سو بکریاں دیں میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آپ کو اس بات کی خبر دی آپ نے فرمایا: تم نے صرف یہی سورۃ پڑھی ہے؟ مسدد کی ایک دوسری روایت کے مطابق الفاظ یہ ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے پوچھا کیا تو نے اس کے علاوہ کچھ اور نہیں پڑھا؟ خارجہ

کے چچانے عرض کی: نہیں آقا اور تو کچھ نہیں پڑھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ان بکریوں کو لے لو۔ میری عمر کی قسم! لوگ تو باطل دم کر کے کھاتے ہیں اور تم نے تو سچا دم کر کے کھایا ہے۔[1]

اس سے ایک مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا کہ سچے کلمات پڑھ کر دم کرنا گناہ نہیں ہے۔ اگر قرآن کے الفاظ یا مقدس نام لکھ کر تعویذ بنایا جائے تو یہ شرک ہرگز نہیں ہے۔

10: اس سورۃ کا ایک نام الصلوٰۃ بھی ہے۔

حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي نِصْفَيْنِ وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ فَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: حَمِدَنِي عَبْدِي وَإِذَا قَالَ: اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: أَثْنٰى عَلَيَّ عَبْدِيْ وَإِذَا قَالَ: مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ قَالَ: مَجَّدَنِيْ عَبْدِيْ وَقَالَ مَرَّةً فَوَّضَ إِلَيَّ عَبْدِيْ فَإِذَا قَالَ: إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ قَالَ: هٰذَا بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي وَلِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ فَإِذَا قَالَ: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ قَالَ: هٰذَا لِعَبْدِي وَلِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ

میں نے صلوٰۃ کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کر دیا ہے۔ میرے بندے کا ہے جو اُس نے مانگا۔ جب بندہ کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الطب، باب کیف الرقی؟ صفحہ ۵۵۳، رقم الحدیث: ۳۸۹۶

تو اللہ فرماتا ہے میرے بندے نے میری حمد بیان کی ہے اور جب بندہ کہتا ہے اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ تو اللہ فرماتا ہے میرے بندے نے میری ثنا کی ہے اور جب بندہ کہتا ہے مَالِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ تو اللہ فرماتا ہے میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی اور ایک بار فرمایا میرے بندے نے اپنے معاملات میرے سپرد کر دیئے ہیں۔ جب بندہ کہتا ہے اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ تو اللہ فرماتا ہے یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے کے لئے ہے جس کا اُس نے سوال کیا۔ جب بندہ کہتا ہے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ○ تو اللہ فرماتا ہے یہ میرے بندے کے لئے ہے اور میرے بندے کا ہے جس کا اُس نے سوال کیا۔[1]

11: سورۃ فاتحہ کا ایک نام کَنز بھی ہے کنز خزانے کو کہتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سورۃ فاتحہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بتایا تھا:

اِنَّهَا اُنْزِلَتْ مِنْ كَنْزٍ تَحْتَ الْعَرْشِ

فاتحہ عرش کے نیچے کے خزانے میں سے نازل کی گئی۔[2]

12: سورۃ فاتحہ کا ایک نام نور ہے۔

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب وجوب قرآۃ الفاتحہ فی کل رکعۃ، ص:۱۶۷، رقم الحدیث:۸۷۸

[2] کنز العمال، کتاب الاذکار من قسم الافعال من حرف الهمزۃ، باب فی القرآن، فصل فی فضائل السور والآیات، صفحہ ۲۹۷، جلد ۲، رقم الحدیث ۴۰۵۰ / المعجم لابن الاعرابی، باب الدال، جلد دوم، صفحہ:۸۶۸، ۸۶۹، مطبوعہ دار ابن جوزی/ اتحاف الخیرۃ المھرۃ بزوائد المسانید العشرۃ، کتاب التفسیر، سورۃ فاتحۃ الکتاب وفضلها، جلد:۶، صفحہ:۱۷۲، رقم الحدیث:۵۶۰۵، مطبوعہ دار الوطن للنشر الریاض

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: بَيْنَمَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَهُ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِذْ سَمِعَ نَقِيضًا فَوْقَهُ فَرَفَعَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَصَرَهُ إِلَى السَّمَاءِ فَقَالَ: هٰذَا بَابٌ قَدْ فُتِحَ مِنَ السَّمَاءِ مَا فُتِحَ قَطُّ قَالَ: فَنَزَلَ مِنْهُ مَلَكٌ فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: أَبْشِرْ بِنُورَيْنِ أُوتِيتَهُمَا لَمْ يُؤْتَهُمَا نَبِيٌّ قَبْلَكَ: فَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَخَوَاتِيمِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ لَمْ تَقْرَأْ حَرْفًا مِنْهُمَا إِلَّا أُعْطِيتَهُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اوپر کی جانب سے دروازہ کھلنے کی آواز سُنی۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے آسمان کی طرف دیکھا اور عرض کی یہ آسمان کا وہ دروازہ کھلا ہے جو کبھی نہیں کھلا۔ پھر اُس دروازے سے ایک فرشتہ اُترا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی: آپ کو دو ایسے نوروں کی بشارت ہو جو آپ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئے۔ ایک فاتحۃ الکتاب اور دوسرا سورۃ بقرہ کی آخری آیتیں جو آدمی ان کو پڑھتا رہے گا اللہ تعالیٰ اس کے ہر حرف کے بدلے اُسے ایک نور عطا کرے گا۔[1]

13: اس سورۃ کا ایک نام سورۃ السوال بھی ہے چونکہ اس سورۃ میں بندے کو اللہ سے سوال کرنے کا طریقہ سکھایا گیا ہے اس لیے اس سورۃ کو سورۃ السوال بھی کہتے ہیں۔

14: اس سورۃ کا ایک نام دعا بھی ہے چونکہ اس سورۃ میں دعا کرنے کا طریقہ سکھایا گیا

---

[1] سنن نسائی، کتاب الافتتاح، فضل فاتحۃ الکتاب، صفحہ ۱۱۴، رقم الحدیث: ۹۱۳ / صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب فضل الفاتحۃ وخواتیم سورۃ البقرۃ، جلد اول، صفحہ: ۵۵۴، رقم الحدیث: ۸۰۶

کہ پہلے رب تعالیٰ کی صفت وثنا بیان کرو پھر اپنی عرض پیش کرو اس لیے اس سورۃ کو سورۃ الدعا بھی کہتے ہیں۔

15: اس سورۃ کا ایک نام تعلیم المسئلہ بھی ہے۔تعلیم المسئلہ کا معنی ہے ''سوال کرنے کا ڈھنگ'' چونکہ اس سورۃ میں سوال کرنے کا ڈھنگ سکھایا گیا ہے اس لیے اس سورۃ کو تعلیم المسئلہ بھی کہا جاتا ہے۔

فاتحہ خلف الامام

امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا یا نہ پڑھنا ایک فرعی اور اجتہادی مسئلہ ہے۔فرعی اور اجتہادی مسئلہ میں متشدد نہیں ہونا چاہیے۔ ہر فریق کو چاہیے کہ اپنا موقف اور دلائل ضرور بیان کرے لیکن فریق مخالف کو بُرا بھلا نہ کہے۔ کچھ احباب اس مسئلہ میں تشدد کے قائل ہیں اور آئے دن اہلسنت کو طعنہ دیتے رہتے ہیں کہ تمہاری تو نماز بھی سنت کے مطابق نہیں۔تم نماز میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتے لہٰذا تمہاری نماز سرے سے ہی باطل ہے۔ایسے حضرات کی تسلی کے لیے ہم اپنا موقف اور دلائل عرض کرتے ہیں۔

فقہائے احناف کا اصول ہے:

''مَذْهَبُنَا صَوَابٌ يَحْتَمِلُ الْخَطَاءَ''

فرعی اور اجتہادی مسائل میں ہماری بات ہی درست ہے لیکن ممکن ہے کہ ہماری بات درست نہ ہو۔

''مَذْهَبُ مُخَالِفِنَا خَطَاءٌ يَحْتَمِلُ الصَّوَابَ''

ایسے مسائل میں دوسرے کی بات غلط ہے لیکن ہوسکتا ہے کہ اُسی کی بات درست ہو۔ [1]

---

[1] الدرالمختار وحاشیہ ابن عابدین، مقدمہ، جلد اول، صفحہ:۴۸

اہلحدیث معتدل علماء نے بھی یہی اصول اختیار کیا ہے۔

ایک اہلحدیث عالم علامہ ارشاد الحق اثری نے اسی فاتحہ خلف الامام کے موضوع پر ایک کتاب ''توضیح الکلام فی وجوب القرأۃ خلف الامام'' لکھی ہے۔

اس پوری کتاب کا مرکزی نکتہ یہی ہے کہ جس نے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی اُس کی نماز نہیں ہے اور موصوف نے اپنے طور پر اس موقف پر دلائل پیش کرنے کی سعی بھی فرمائی ہے۔موصوف نے اس کتاب میں ایک دیوبندی عالم کے مقابل اپنی صفائی دیتے ہوئے اپنے استاد کے حوالے سے اپنا موقف یوں بیان کیا:

جب کہ حضرت الاستاذ محدث گوندلوی نے ''فاتحہ خلف الامام'' اختلاف فروعی نوعیت کا اختلاف قرار دیا ہے اور واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ جو شخص اپنی بساط کے مطابق تحقیق کرنے کے لیے دیانت دارانہ اختلاف کرے ایسے شخص کو فاسق یا گمراہ کہنا عناد کا بیج بونا ہے اور ضروری ہے جو فریق ایک جانب کو حق سمجھتا ہے وہ دوسرے فریق کو معذور سمجھے اور جو اس کے نزدیک ہے اس کو منصفانہ رنگ میں بادلائل بیان کر کے حق چھپانے سے بچے۔(خیر الکلام صفحہ: ۱۴، ۱۵ ملخصاً)

نیز فرماتے ہیں:

ہمارا تو یہ مسلک ہے کہ فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ فروعی اختلافی ہونے کی بناء پر اجتہادی ہے پس جو شخص حتی الامکان تحقیق کرے اور یہ سمجھے کہ فاتحہ فرض نہیں خواہ نماز جہری ہو یا سری اپنی تحقیق پر عمل کرے تو اس کی نماز باطل نہیں ہوتی۔(خیر الکلام،ص: ۳۳)[۱]

---

[۱] توضیح الکلام فی وجوب القرآۃ خلف الامام، جلد اول، صفحہ: ۷۲، ۷۳

اس مسئلہ پر ہمارے دلائل ملاحظہ کیجئے۔

مسلمان کے لئے سب سے بڑی دلیل اللہ کا قرآن ہے۔ الحمد للہ اس مسئلہ میں ہمارے پاس قرآن حکیم سے دلیل موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

''وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ''

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اُسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو۔[1]

اس آیت میں قُرِئَ ماضی مجہول کا صیغہ ہے مطلب یہ کہ جب قرآن پڑھا جائے۔ سوال یہ پیدا ہوا کہ اس آیت میں کس کے قرآن پڑھے جانے کے وقت ہمیں کان لگا کر سننے اور خاموش رہنے کا حکم دیا جارہا ہے؟ اس مقصد کے لئے ہم نے براہ راست احادیث مبارکہ سے راہنمائی حاصل کی۔

نسائی شریف میں اس آیت کی تفسیر بیان کرنے کے لئے امام نسائی نے ایک باب

''بَابُ تَاوِيْلِ قَوْلِهِ عَزَّوَجَلَّ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ''

بیان کیا اور اس باب کے تحت امام نسائی دو احادیث لے کر آئے۔

پہلی حدیث

أَخْبَرَنَا الْجَارُودُ بْنُ مُعَاذٍ التِّرْمِذِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَجْلَانَ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِي صَالِحٍ

---

[1] سورۃ اعراف: ۲۰۴

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''امام اس لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے لہٰذا جب وہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہے تو تم بھی اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور جب وہ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہے تو تم اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہو۔'' [1]

دوسری حدیث أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْمُبَارَكِ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَعْدٍ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَجْلَانَ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِنَّمَا الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے چنانچہ جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔'' [2]

---

[1] سنن نسائی، کتاب الافتتاح، تاویل قولہ عزوجل: واذا قرئ القرآن فاستمعوا، صفحہ: ۱۵۲، رقم الحدیث: ۹۲۱ / اس حدیث کے متعلق مشہور وہابی محقق ناصر الدین البانی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے / سنن ابن ماجہ، ابواب اقامۃ الصلوات والسنۃ فیھا، باب اذا قرأ الامام فانصتوا، صفحہ: ۱۴۷، رقم الحدیث: ۸۴۶

[2] سنن نسائی، کتاب الافتتاح، تاویل قولہ عزوجل: واذا قرئ القرآن فاستمعوا، صفحہ: ۱۵۲، رقم الحدیث: ۹۲۲ / اس حدیث کے متعلق مشہور وہابی محقق ناصر الدین البانی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اس کے بعد امام نسائی نے ایک نیا باب ''اِکْتِفَاءُ الْمَامُوْمِ بِقِرَأَۃِ الْاِمَامِ'' بیان کیا اور اس باب کے تحت ایک حدیث بیان کی۔

أَخْبَرَنِي هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ قَالَ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو الزَّاهِرِيَّةِ قَالَ حَدَّثَنِي كَثِيرُ بْنُ مُرَّةَ الْحَضْرَمِيُّ عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ سَمِعَهُ يَقُولُ سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أَفِي كُلِّ صَلَاةٍ قِرَاءَةٌ قَالَ نَعَمْ قَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ وَجَبَتْ هٰذِهِ فَالْتَفَتَ إِلَيَّ وَكُنْتُ أَقْرَبَ الْقَوْمِ مِنْهُ فَقَالَ مَا أَرَى الْإِمَامَ إِذَا أَمَّ الْقَوْمَ إِلَّا قَدْ كَفَاهُمْ قَالَ أَبُو عَبْد الرَّحْمٰنِ هٰذَا عَنْ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خَطَأٌ إِنَّمَا هُوَ قَوْلُ أَبِي الدَّرْدَاءِ

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا: کیا ہر نماز میں قرأت ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں تو ایک انصاری نے کہا پھر تو ہر نماز میں قرأت واجب ہوگئی۔ اب آپ نے میری طرف توجہ فرمائی۔ میں سب لوگوں سے زیادہ آپ کے قریب تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: جب بھی کوئی کسی قوم کی امامت کرے تو امام کا قرآن پڑھنا مقتدیوں کے لیے کافی ہوتا ہے۔ امام نسائی فرماتے ہیں کہ اس قول کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان قرار دینا خطا ہے۔ یہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے۔ [1]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

---

[1] سنن نسائی، کتاب الافتتاح، اکتفاء الماموم بقرآۃ الامام، صفحہ: ۱۵۲، رقم الحدیث: ۹۲۳ / البانی صاحب نے اس حدیث کو صحیح الاسناد قرار دیا۔

إِنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ فِي صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ، وَقَرَأَ وَرَاءَهُ أَصْحَابُهُ فَخَلَّطُوا عَلَيْهِ قَالَ: فَنَزَلَ الْقُرْآنُ: ''وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ'' فَهٰذَا فِي الْمَكْتُوبَةِ

نبی کریم ﷺ نے ایک فرض نماز میں قرآن پڑھا۔ آپ کے اصحاب نے بھی آپ کے پیچھے قرآن پڑھا۔ نبی کریم ﷺ پر قرآن مختلط ہو گیا۔ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قرآن کی آیت نازل ہو گئی: وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا۔ یہ آیت فرض نمازوں کے بارے میں اُتری ہے۔[1]

حضرت بشیر بن جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

صَلَّى ابْنُ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ فَسَمِعَ نَاسًا، يَقْرَءُونَ مَعَ الْإِمَامِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ، قَالَ: '' أَمَا آنَ لَكُمْ أَنْ تَفْقَهُوا؟ أَمَا آنَ لَكُمْ أَنْ تَعْقِلُوا؟ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا كَمَا أَمَرَكُمُ اللهُ''

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی انہوں نے سنا کہ لوگوں نے امام کے ساتھ قرآن پڑھنا شروع کر دیا ہے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم سمجھو؟ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم عقل سے کام لو؟ جب قرآن پڑھا جائے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو جیسا کہ اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے۔[2]

حضرت طلحہ بن عبیداللہ کریز بیان کرتے ہیں:

---

[1] تفسیر ابن جریر طبری، زیر آیت سورۃ اعراف: ۲۰۴، جلد: ۱۳، صفحہ: ۶۶۴

[2] تفسیر ابن جریر طبری، زیر آیت سورہ اعراف: ۲۰۴، جلد 13، صفحہ ۶۵۹ /تفسیر ابن کثیر، زیر آیت سورہ اعراف: ۲۰۴، جلد: ۳، صفحہ: ۴۸۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان

رَأَيْتُ عُبَيْدَ بْنَ عُمَيْرٍ وَعَطَاءَ بْنَ أَبِي رَبَاحٍ يَتَحَدَّثَانِ وَالْقَاصُّ يَقُصُّ فَقُلْتُ: أَلَا تَسْتَمِعَانِ إِلَى الذِّكْرِ وَتَسْتَوْجِبَانِ الْمَوْعُودَ؟ قَالَ: فَنَظَرَا إِلَيَّ ثُمَّ أَقْبَلَا عَلَى حَدِيثِهِمَا قَالَ: فَأَعَدْتُ فَنَظَرَا إِلَيَّ، ثُمَّ أَقْبَلَا عَلَى حَدِيثِهِمَا قَالَ: فَأَعَدْتُ الثَّالِثَةَ قَالَ: فَنَظَرَا إِلَيَّ فَقَالَا إِنَّمَا ذٰلِكَ فِي الصَّلَاةِ: وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا

میں نے دیکھا کہ عبید بن عمیر اور عطا بن ابی رباح آپس میں باتیں کررہے ہیں حرم شریف میں ایک بندہ وعظ کررہا تھا قصے سنا رہا تھا میں نے کہا آپ یہ اللہ کا ذکر کیوں نہیں سن رہے؟ اور آپ ثواب کو کیوں حاصل نہیں کرنا چاہ رہے؟ طلحہ کہتے ہیں ان دونوں نے میری طرف دیکھا اور پھر باتیں کرنی شروع کردیں میں نے پھر دوہرایا کہ جناب وعظ ہورہا ہے اور آپ باتیں کررہے ہیں اُن دونوں نے پھر میری طرف دیکھا اور دوبارہ باتیں کرنی شروع کردیں میں نے پھر تیسری مرتبہ کہا ادھر وعظ ہورہا ہے اور آپ باتیں کررہے ہیں؟ طلحہ کہتے ہیں دونوں نے میری طرف دیکھا اور دونوں نے کہا خاموش رہنے کا حکم صرف نماز کے لئے ہے اور پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا" [1]

کچھ لوگ جنہیں اتنی عقل نہیں ہوتی وہ کہہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پڑھنے سے منع کیا ہے۔ سورۃ فاتحہ قرآن نہیں بلکہ یہ تو ام القرآن ہے۔ ان کے علم میں اضافے کے لئے بخاری شریف سے ایک حدیث ملاحظہ کیجئے۔

---

[1] تفسیر ابن جریر طبری، زیر آیت سورہ اعراف: ۲۰۴، جلد: ۱۳، صفحہ: ۶۵۹، ۶۶۰ / تفسیر ابن کثیر، زیر آیت سورہ اعراف: ۲۰۴، جلد: ۳، صفحہ: ۴۸۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان

حضرت ابو سعید بن معلیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كُنْتُ أُصَلِّي فِي الْمَسْجِدِ فَدَعَانِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ أُجِبْهُ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! إِنِّي كُنْتُ أُصَلِّي فَقَالَ: أَلَمْ يَقُلِ اللهُ اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ ثُمَّ قَالَ لِي: لَأُعَلِّمَنَّكَ سُورَةً هِيَ أَعْظَمُ السُّوَرِ فِي الْقُرْآنِ قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِي فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ قُلْتُ لَهُ: أَلَمْ تَقُلْ لَأُعَلِّمَنَّكَ سُورَةً هِيَ أَعْظَمُ سُورَةٍ فِي الْقُرْآنِ؟ قَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ الَّذِي أُوتِيتُهُ

میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اسی حالت میں بلایا، میں نے کوئی جواب نہیں دیا (پھر بعد میں، میں نے حاضر ہو کر) عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نماز پڑھ رہا تھا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے تم سے نہیں فرمایا ہے اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ "اللہ اور اس کا رسول جب تمہیں بلائیں تو ہاں میں جواب دو۔" پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ آج میں تمہیں مسجد سے نکلنے سے پہلے ایک ایسی سورۃ کی تعلیم دوں گا جو قرآن کی سب سے بڑی سورۃ ہے۔ پھر آپ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور جب آپ باہر نکلنے لگے تو میں نے یاد دلایا کہ آپ نے مجھے قرآن کی سب سے بڑی سورۃ بتانے کا وعدہ کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ یہی وہ سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے۔ [1]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب ماجاء فی فاتحۃ الکتاب، صفحہ ۱۰۹۵، رقم الحدیث ۴۴۷۴

اللہ کے محبوب ﷺ سورۃ فاتحہ کو قرآن عظیم فرما رہے ہیں اس فرمان عالی کے سامنے اس کے مخالف کسی کی بات حجت نہیں۔ ہم انہی کی بات کو حرف آخر مانتے ہیں جن کا کلمہ پڑھ کر ہمیں ایمان کی دولت نصیب ہوئی ہے۔

اہلحدیثوں، سلفیوں اور نجدیوں کے متفق امام حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

وَقَوْلُ الْجُمْهُورِ هُوَ الصَّحِيحُ فَإِنَّ اللهَ سُبْحَانَهُ قَالَ: وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ قَالَ أَحْمَدُ: أَجْمَعَ النَّاسُ عَلَى أَنَّهَا نَزَلَتْ فِي الصَّلَاةِ وَقَدْ ثَبَتَ فِي الصَّحِيحِ مِنْ حَدِيثِ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا وَإِذَا كَبَّرَ وَرَكَعَ فَكَبِّرُوا وَارْكَعُوا فَإِنَّ الْإِمَامَ يَرْكَعُ قَبْلَكُمْ وَيَرْفَعُ قَبْلَكُمْ

جمہور ہی کا فرمان درست ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جب قرآن پڑھا جائے تو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ اس بات پر لوگوں کا اجماع ہے کہ یہ آیت نماز کے متعلق نازل ہوئی ہے اور صحیح میں بھی یہ ثابت ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا امام بنایا ہی اس لیے جاتا ہے کہ اُس کی پیروی کی جائے۔ جب امام تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو جب امام قرآن پڑھے تم خاموش رہو اور جب امام تکبیر کہے اور رکوع کرے تو تم بھی تکبیر کہو اور رکوع میں جاؤ۔ بے شک امام تم سے پہلے رکوع کرتا اور رکوع سے سر اُٹھاتا ہے۔ [1]

---

[1] فتاویٰ ابن تیمیہ، جلد: ۲۲، صفحہ ۲۹۵

مسلم شریف میں ہے:

فَقَالَ لَهُ أَبُو بَكْرٍ فَحَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ فَقَالَ هُوَ صَحِيحٌ يَعْنِي وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا فَقَالَ هُوَ عِنْدِي صَحِيحٌ

امام ابوبکر نے امام مسلم سے کہا: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے امام مسلم نے فرمایا وہ صحیح ہے یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان کہ جب امام قرآن پڑھے تم خاموش رہو میرے نزدیک صحیح ہے۔[1]

امام مسلم نے پوری صحیح مسلم میں اس حدیث کے علاوہ کسی حدیث کے متعلق هُوَ عِنْدِیْ صَحِیْحٌ نہیں فرمایا۔

مدرک رکوع مدرک رکعت ہے

اب میں آپ کی توجہ ایک اور جانب مبذول کروانا چاہتا ہوں۔غیر مقلدین کا دعوی یہ ہے کہ نماز میں مقتدی کے لئے سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دیر سے پہنچنے کی وجہ سے امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہو گیا اُس کو رکعت مل گئی یا نہیں؟ اگر نہیں ملی تو دلیل اور اگر مل گئی تو سورۃ فاتحہ کے بغیر رکعت کیسے مل گئی؟

مدرکِ رکوع کے مدرک رکعت ہونے پر دلائل ملاحظہ کیجئے۔

مشہور وہابی محقق ناصر الدین البانی لکھتے ہیں:

أَوَّلًا: ابْنُ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ فَقَدْ قَالَ: مَنْ لَمْ يُدْرِكِ الْإِمَامَ رَكِعًا لَمْ يُدْرِكْ تِلْكَ الرَّكْعَةَ أَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِي (٩٠/٢) مِنْ طَرِيْقَيْنِ عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ عَنْهُ قُلْتُ: وَهٰذَا سَنَدٌ صَحِيْحٌ

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب التشہد فی الصلاۃ، صفحہ: ۱۹۱، تحت حدیث: ۴۰۴

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

جس نے امام کو حالت رکوع میں نہ پایا اُس نے وہ رکعت نہ پائی۔اس حدیث کو بیہقی نے حضرت ابوالاحوص سے دوسندوں کے ساتھ روایت کیا اور میں کہتا ہوں کہ یہ سند صحیح ہے۔

وَرَوَى ابْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ فِيْ (الْمُصَنَّف) (۱/ ۹۹/ ۱ ـ ۲) وَالطَّحَاوِي (۱/ ۲۳۱ ـ ۲۳۲) وَالطَّبْرَانِي (۳/ ۳۲/ ۱) وَالْبَيْهَقِي (۲/ ۹۰ ـ ۹۱) عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهَبٍ قَالَ: خَرَجْتُ مَعَ عَبْدِ اللهِ مِنْ دَارِهٖ إِلَى الْمَسْجِدِ فَلَمَّا تَوَسَّطْنَا الْمَسْجِدَ رَكَعَ الْإِمَامُ فَكَبَّرَ عَبْدُ اللهِ ثُمَّ رَكَعَ وَرَكَعْتُ مَعَهٗ ثُمَّ مَشَيْنَا رَاكِعَيْنِ حَتّٰى اِنْتَهَيْنَا إِلَى الصَّفِّ حَتّٰى رَفَعَ الْقَوْمُ رُءُوْسَهُمْ قَالَ: فَلَمَّا قَضَى الْإِمَامُ الصَّلَاةَ قُمْتُ وَأَنَا أَرٰى أَنِّيْ لَمْ أُدْرِكْ فَأَخَذَ بِيَدِيْ عَبْدُ اللهِ فَأَجْلَسَنِيْ وَقَالَ: إِنَّكَ قَدْ أَدْرَكْتَ

قُلْتُ: وَسَنَدُهٗ صَحِيْحٌ وَلَهٗ فِيْ الطَّبْرَانِي طُرُقٌ أُخْرٰى۔

ابن ابی شیبہ نے مصنف میں طحاوی،طبرانی اور بیہقی نے زید بن وہب سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں میں حضرت عبداللہ بن مسعود کے ساتھ اُن کے گھر سے مسجد کو چلا حضرت عبداللہ اور میں جب مسجد کے درمیان میں پہنچے تو امام رکوع میں تھا حضرت عبداللہ نے تکبیر کہی اور رکوع میں چلے گئے میں بھی اُن کے ساتھ رکوع میں چلا گیا پھر ہم رکوع کی حالت میں ہی چلتے چلتے صف تک پہنچے یہاں تک کہ قوم نے اپنے سروں کو اُٹھالیا۔زید بن وھب کہتے ہیں جب امام نے نماز مکمل کی تو میں کھڑا ہو گیا میرا خیال یہ تھا کہ میری رکعت

نہیں ہوئی لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے بٹھا دیا اور کہا تیری رکعت ہوگئی ہے۔ البانی صاحب کہتے ہیں اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ طبرانی میں اس کی ایک اور سند بھی ہے۔

ثَانِيًا: عَبْدُاللهِ بْنُ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ:

إِذَا جِئْتَ وَالْإِمَامُ رَاكِعٌ فَوَضَعْتَ يَدَيْكَ عَلٰى رُكْبَتَيْكَ قَبْلَ اَنْ تَرْجِعَ فَقَدْ اَدْرَكْتَ اَخْرَجَهُ ابْنُ اَبِي شَيْبَةَ (١-٤٩-١) مِنْ طَرِيْقِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْهُ وَمِنْ هٰذَا الْوَجْهِ اَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ اِلَّا اَنَّهٗ قَرَنَ مَعَ ابْنِ جُرَيْجٍ مَالِكًا وَلَفْظُهٗ: مَنْ اَدْرَكَ الْإِمَامَ رَاكِعًا فَرَكَعَ قَبْلَ اَنْ يَرْفَعَ الْإِمَامُ رَاسَهٗ فَقَدْ اَدْرَكَ تِلْكَ الرَّكْعَةَ قُلْتُ وَاِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

جب تو آئے اور امام رکوع میں ہو تو امام کے سر اُٹھانے سے پہلے اگر تو نے اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھ لیے تو تو نے رکعت کو پالیا۔

البانی صاحب کہتے ہیں اس روایت کو ابن ابی شیبہ نے ابن جریج عن نافع کے طریق سے روایت کیا اور اسی طریق سے بیہقی نے بھی روایت کیا مگر بیہقی نے ابن جریج کے ساتھ مالک کو بھی ملایا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: جس نے امام کو حالت رکوع میں پالیا پھر امام کے سر اُٹھانے سے پہلے اُس نے رکوع کر لیا تو اُس نے بیشک اس رکعت کو پالیا۔ البانی صاحب کہتے ہیں میں کہتا ہوں اس کی سند صحیح ہے۔[1]

---

[1] ارواء الغلیل فی تخریج احادیث منار السبیل للالبانی، جلد: ۲، صفحہ: ۲۶۲، ۲۶۳، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت

چند احادیث اور ملاحظہ کیجئے:

''عَنْ أَبِي بَكْرَةَ أَنَّهُ انْتَهٰى إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ رَاكِعٌ فَرَكَعَ قَبْلَ أَنْ يَصِلَ إِلَى الصَّفِّ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ زَادَكَ اللّٰهُ حِرْصًا وَلَا تَعُدْ''

حضرت حسن بصری، صحابی رسول حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہ ایک مرتبہ دیر سے آئے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حالت رکوع میں دیکھا تو انہوں نے صف میں پہنچنے سے پہلے ہی رکوع کرلیا۔ انہوں نے اس بات کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کیا تو آپ نے فرمایا اللہ تیری حرص کو زیادہ کرے آئندہ ایسے نہ کرنا۔ [1]

اگر حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی رکعت نہ ہوئی ہوتی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے تیری رکعت نہیں ہوئی کیوں کہ تو نے فاتحہ نہیں پڑھی لہٰذا دوبارہ نماز پڑھ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایسا نہ فرمایا معلوم ہوا مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں ہے۔ ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مدرکِ رکوع مدرکِ رکعت ہے جو کہ مقتدی کے لیے فاتحہ کے فرض نہ ہونے کی بڑی واضح دلیل ہے۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْصَرَفَ مِنْ صَلَاةٍ جَهَرَ فِيهَا بِالْقِرَاءَةِ فَقَالَ هَلْ قَرَأَ مَعِي أَحَدٌ مِّنْكُمْ آنِفًا؟ قَالَ رَجُلٌ نَعَمْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قَالَ إِنِّي أَقُولُ مَا لِي أُنَازِعُ الْقُرْآنَ قَالَ فَانْتَهٰى

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب اذا رکع دون الصّف، صفحہ ۱۹۲، رقم الحدیث: ۷۸۳

النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَةِ فِيمَا جَهَرَ فِيهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْقِرَاءَةِ مِنَ الصَّلَاةِ حِينَ سَمِعُوا ذٰلِكَ

اللہ کے محبوب ﷺ ایک جہری نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے پوچھا میرے پیچھے ابھی کسی نے پڑھا تھا؟ ایک آدمی نے کہا جی یارسول اللہ ﷺ میں نے پڑھا تھا نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں بھی کہوں میرے ساتھ نماز میں منازعت کی جارہی ہے۔ صحابہ نے نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کے بعد جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرآن پڑھنا چھوڑ دیا۔[1]

معلوم ہوا ابتداءً جہری نمازوں میں امام کی اقتداء میں قرآن پڑھنا چھوڑا گیا۔ منازعت کا معنیٰ ہے "کسی کا حق چھیننے کی کوشش کرنا" اس پر ایک حدیث پاک ملاحظہ فرمائیں:

''عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِزُّ إِزَارُهُ وَالْكِبْرِيَاءُ رِدَاؤُهُ فَمَنْ يُنَازِعُنِي عَذَّبْتُهُ''

حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، دونوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عزت اللہ عزوجل کا تہبند ہے اور کبریائی اس کی چادر ہے۔ جو شخص میرا حق چھیننے کی کوشش کرے گا، میں اسے عذاب دوں گا۔[2]

حضرت عبداللہ بن شداد بن ھاد اللیثی تابعی فرماتے ہیں:

''صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ أَوِ الْعَصْرَ فَجَعَلَ رَجُلٌ

---

[1] سنن نسائی، کتاب الافتتاح، ترک القرأۃ خلف الامام فیما جھر بہ، صفحہ ۱۵۲، رقم الحدیث: ۹۱۹/ سنن ابی داوٗد، ابواب تفریع استفتاح الصلاۃ، باب من رای القرآۃ اذا لم یجھر، صفحہ: ۱۴۵، رقم الحدیث: ۸۲۶

[2] صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب تحریم الکبر، صفحہ: ۱۲۱۳، رقم الحدیث: ۶۶۸۰

يَقْرَأُ خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَجُلٌ يَنْهَاهُ فَلَمَّا صَلّٰى قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنْتُ اَقْرَأُ وَكَانَ هٰذَا يَنْهَانِيْ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَنْ كَانَ لَهٗ إِمَامٌ فَإِنَّ قِرَاءَةَ الْإِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی ایک آدمی نے آپ کے پیچھے قرآن پڑھنا شروع کر دیا اور ایک آدمی نے اسے منع کیا، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو اس آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں قرآن پڑھ رہا تھا اور یہ مجھے منع کرتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس کا کوئی امام ہو تو امام کا قرآن پڑھنا مقتدی ہی کا قرآن پڑھنا ہے۔ [1]

حضرت عبید اللہ بن مقسم نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

أَتَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ فِيْ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ شَيْئًا

آپ امام کے پیچھے ظہر اور عصر میں قرآن پڑھتے ہیں؟

فَقَالَ لَا: آپ نے ارشاد فرمایا نہیں۔ [2]

مسلم شریف سے بھی ایک روایت ملاحظہ کیجئے۔

حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ نے مشہور صحابی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے عرض کی:

ہم امام کے ساتھ قرأۃ کریں یا نہ کریں؟

تو حضرت زید نے فرمایا: لَا قِرَاءَةَ مَعَ الْإِمَامِ فِيْ شَيْءٍ

---

[1] المصنف لعبد الرزاق، کتاب الصلاۃ، باب القراءۃ خلف الامام، جلد: ۲، صفحہ: ۱۳۵، رقم الحدیث: ۲۷۹۷

[2] المصنف لعبد الرزاق، کتاب الصلوۃ، باب القراءۃ خلف الامام، جلد: ۲، صفحہ: ۱۴۱، رقم الحدیث: ۲۸۱۹

کسی بھی نماز میں امام کے ساتھ قرآن نہیں پڑھا جائے گا۔ ۱

ان روایات سے معلوم ہوا بعد میں سری نمازوں میں بھی مقتدی کو قرآن پڑھنا منع ہو گیا تھا۔

ہماری طرف سے ایک سوال

ہمارا ان لوگوں سے ایک سوال ہے جو یہ کہتے ہیں کہ مقتدی کے لئے سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے کہ اگر مقتدی اس وقت نماز میں شامل ہوا جب کہ امام صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ پڑھ چکا تھا۔ مقتدی نے آکر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ سے قرأت شروع کی، اب امام نے بھی غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ پڑھا۔ مقتدی اس وقت اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھ چکا تھا۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ جب امام وَلَا الضَّآلِّيْنَ کہے تو تم آمین کہو۔ ۲

ہم آپ سے پوچھتے ہیں اب مقتدی سورۃ فاتحہ پڑھے گا یا اس فرمان پر عمل کرتے ہوئے آمین کہے گا؟ اگر فاتحہ پڑھتا ہے تو اس حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہے اور اگر آمین کہتا ہے تو سورۃ فاتحہ کے درمیان آمین کہے گا، تو سورۃ فاتحہ کے درمیان آمین کہاں سے ثابت ہے؟ آپ اس مسئلہ کو حل کیجئے اور بتایئے کہ اس کا آپ کے پاس کیا جواب ہے؟

مخالفین کے دلائل پر ایک نظر

فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں ہمارے پاس دلیل قطعی الثبوت ہے۔ قطعی الثبوت کا معنیٰ ہے کہ یقینا وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ

---

۱ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب سجود التلاوۃ، صفحہ ۲۳۴، رقم الحدیث: ۱۲۹۸

۲ صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب التشہد فی الصلوۃ، صفحہ: ۱۹۰، رقم الحدیث: ۴۰۴

تُرۡحَمُوۡنَ ''اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لیکن مقتدی پر اس کی دلالت ظنی او رصریح ہے۔

تین سوال اوران کا جواب

1: یہ آیت ،سورۃ اعراف کی ہے اورسورۃ اعراف مکیہ ہے اورآپ اس آیت سے ثابت کرر ہے ہیں کہ یہ حکم مدینہ شریف میں نازل ہوا۔

جواب یہ حکم مدینہ شریف میں ہی نازل ہواتھا کیونکہ ہم صراحتاً بیان کر چکے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیچھے کچھ انصاری صحابہ نے قرآن پڑھا تھا تب یہ آیت نازل ہوئی اورانصاری صحابہ مدینہ شریف میں تھے۔اصل بات یہ ہے کہ سورۃ اعراف یکدم نازل نہیں ہوئی۔مختلف اوقات میں موقع محل اورضروریات کے پیش نظر آیات نازل ہوتی تھیں اورنبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حکم دیتے تھے کہ اس آیت کوفلاں سورۃ کے فلاں مقام پر لکھو۔خلاصۂ کلام یہ کہ یہ آیت نازل تو مدینہ شریف میں ہوئی تھی لیکن اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم کے مطابق سورۃ اعراف میں درج کردیا گیاہے۔

۲: آپ کہتے ہیں کہ یہ حکم نماز کے متعلق نازل ہواہےاورآپ یہ بھی کہتے ہوکہ اگرفجر کی جماعت ہورہی ہواورکسی کی سنتیں رہتی ہوں اوراُسے یقین ہوکہ سنتیں ادا کرکے جماعت میں شریک ہوجائے گاتووہ پہلے سنتیں ادا کرے پھر جماعت میں شرکت کرےتو کیاسنتیں ادا کرنے والے تک امام کےقرآن پڑھنے کی آوازنہیں پہنچ رہی؟اوراُس پر قرآن سننااورخاموش رہناضروری نہیں ہے؟

۳: امام نماز میں قرآن پڑھ رہا ہے ایک شخص نے آکرقرآن پڑھے جانے کے دوران اللہ اکبر کہااور جماعت میں شریک ہوگیا تو اگرقرآن پڑھے جانے کے دوران اللہ اکبر کہا جاسکتا ہےتوسورۃ فاتحہ بھی پڑھی جاسکتی ہے۔

جواب قرآن پڑھے جانے کے وقت کان لگا کر سننے اور خاموش رہنے کا حکم مقتدی کو ہے اور کوئی مقتدی اس وقت بنتا ہے جب اللہ اکبر کہہ لیتا ہے اور امام کے پیچھے جماعت میں شریک ہو جاتا ہے اللہ اکبر کہنے کے دوران ابھی وہ مقتدی بنا ہی نہیں اور فجر کی سنتیں ادا کرنے والا ابھی امام کی اقتدا میں آیا ہی نہیں تو **فَاسْتَمِعُوا لَهٗ** کا حکم بھی ان کی طرف متوجہ نہیں ہوگا۔

ہمارے مخالفین کے پاس اس مسئلہ میں قرآن حکیم سے ایک بھی دلیل موجود نہیں وہ دلیل میں کچھ احادیث بیان کرتے ہیں اور اُن احادیث میں سے تین احادیث پر بڑا زور دیتے ہیں ہم اُن تین احادیث کو ذکر کر کے اُن کے استدلال کا جواب عرض کرتے ہیں ملاحظہ کیجئے:

پہلی حدیث

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ"

جس نے فاتحۃ الکتاب نہیں پڑھی اُس کی نماز ہی نہیں ہے۔[1]

جواب (۱) بالفرض اگر یہ حدیث اپنے مقصود پر دلالت کرنے میں صریح بھی ہوتی تو پھر بھی ہم اس پر عمل کرنے میں معذور تھے کیونکہ ایک طرف اللہ کا قرآن اور صحابہ کی تفسیر ہے اور دوسری طرف حدیث تو اگر قرآن اور حدیث میں تضاد آجائے تو ترجیح قرآن شریف کو ہے۔

(۲) یہ روایت اپنے مقصود پر دلالت کرنے میں صریح نہیں ہے کیونکہ اس میں مقتدی کا ذکر نہیں ہے۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب وجوب القرأۃ الامام والماموم، صفحہ ۱۵۷، رقم الحدیث: ۷۵۶

(۳) اس حدیث کو سفیان بن عیینہ اور معمر نے زہری سے روایت کیا۔ سفیان بن عیینہ نے زہری سے ان الفاظ کو بیان کیا۔

"لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ"

جس نے فاتحۃ الکتاب نہیں پڑھی اُس کی نماز ہی نہیں ہے۔ ۱؎

جبکہ معمر نے زہری سے اس حدیث کے الفاظ یوں بیان کیے:

"لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَصَاعِدًا"

جس نے فاتحہ الکتاب اور کچھ اور نہیں پڑھا اسکی نماز نہیں ہے۔ ۲؎

امام مسلم فرماتے ہیں:

"وَحَدَّثَنَاهُ إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَا أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ وَزَادَ فَصَاعِدًا"

زہری کے ایک اور شاگرد معمر نے اسی سند کے ساتھ اسی کی مانند روایت کی اور یہ اضافہ کیا: فاتحہ اور کچھ اور نہیں پڑھا۔ ۳؎

اس مضمون کی ایک حدیث ابوداؤد شریف میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے آپ فرماتے ہیں:

أُمِرْنَا أَنْ نَقْرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَمَا تَيَسَّرَ

۱؎ صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ، صفحہ: ۱۸۴، رقم الحدیث: ۸۷۴

۲؎ سنن نسائی، کتاب الافتتاح، باب ایجاب قراءۃ فاتحۃ الکتاب فی الصلوۃ، صفحہ: ۱۸۶، رقم الحدیث: ۹۱۲، مطبوعہ دار السلام

۳؎ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب وجوب قرأۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ صفحہ ۱۶۷ رقم الحدیث ۸۷۷

ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم سورۃ فاتحہ اور جو آسان لگے وہ پڑھیں۔[1]

امام حاکم نے مستدرک میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت بیان کی اُس کے الفاظ یہ ہیں: ”لَا صَلَاةَ إِلَّا بِقِرَاءَةِ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَمَا زَادَ“ اُس بندے کی نماز نہیں جو سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتا اور کچھ اور نہیں پڑھتا۔[2]

ہمارے مخالفین کا مقتدی بھی صرف سورۃ فاتحہ پڑھتا ہے سورۃ فاتحہ کے ساتھ کچھ اور نہیں پڑھتا۔ سورۃ فاتحہ کے ساتھ کچھ اور امام یا منفرد پڑھتا ہے۔ اصل جھگڑا مقتدی کے بارے میں ہے کہ اُس نے امام کی اقتدا میں قرآن پڑھنا ہے یا نہیں پڑھنا۔ ہمارے مخالفین کی یہ دلیل صریح نہیں ہے۔

دوسری حدیث

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا تَفْعَلُوا إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَإِنَّهُ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا

امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کے علاوہ کچھ نہ پڑھو اس لیے کہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہے۔[3]

ترمذی شریف میں یہی حدیث ان الفاظ کے ساتھ بیان ہوئی:

”لَا تَفْعَلُوا إِلَّا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَإِنَّهُ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا“

---

[1] سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب من ترک القرأۃ فی صلاتہ بفاتحۃ الکتاب، صفحہ ۱۲۶، رقم الحدیث ۸۱۸

[2] المستدرک علی الصحیحین، کتاب الصلاۃ، باب التامین، صفحہ: ۳۶۵، رقم الحدیث: ۸۷۲

[3] سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب من ترک القراءۃ فی صلاتہ بفاتحۃ الکتاب، صفحہ: ۱۷۴، رقم الحدیث: ۸۲۳، مطبوعہ دارالسلام للنشر والتوزیع الریاض

امام کے پیچھے ام القرآن کے سوا کچھ نہ پڑھو اس لیے کہ ام القرآن کے بغیر نماز نہیں ہے۔[1]

جواب

یہ حدیث صحیح نہیں، متعدد آئمہ حدیث نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ناصر الدین البانی نے اس حدیث کو ضعیف سنن ابی داؤد میں درج کر کے لکھا: **قُلْتُ: اِسْنَادُهٗ ضَعِيْفٌ** میں کہتا ہوں اس کی سند ضعیف ہے۔[2] اور ضعیف ترمذی میں درج کر کے لکھا: **ضَعِيْفٌ** یہ حدیث ضعیف ہے۔[3] اس حدیث کو امام اہلسنت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف قرار دیا۔

حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ اَوْجَبُوْا الْقِرَاءَةَ فِيْ الْجَهْرِ: اِحْتَجُّوْا بِالْحَدِيْثِ الَّذِيْ فِي السُّنَنِ عَنْ عُبَادَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا كُنْتُمْ وَرَائِيْ فَلَا تَقْرَؤُوْا اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَاِنَّهٗ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا وَهٰذَا الْحَدِيْثُ مُعَلَّلٌ عَنْهُ اَئِمَّةِ الْحَدِيْثِ بِاُمُوْرٍ كَثِيْرَةٍ ضَعَّفَهٗ اَحْمَدُ وَغَيْرُهٗ مِنَ الْاَئِمَّةِ

جن لوگوں نے جہری نمازوں میں سورۃ فاتحہ کو واجب قرار دیا ہے انہوں نے سنن کی حدیث سے دلیل پکڑی ہے جو کہ حضرت عبادہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میرے پیچھے ہو تو سوائے فاتحۃ الکتاب کے کچھ اور نہ پڑھو اس لیے کہ جو

---

[1] جامع ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی القرأۃ خلف الامام، صفحہ: ۸۷، رقم الحدیث: ۳۱۱

[2] ضعیف سنن ابی داؤد، جلد اول، صفحہ: ۳۱۸ [3] ضعیف سنن ترمذی، صفحہ: ۴۹

سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتا اُس کی نماز نہیں ہوتی ہے یہ حدیث آئمہ حدیث کے نزدیک کئی وجوہات کی بناء پر معلل ہے۔اس کو امام احمد اور اُنکے علاوہ محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ ۱؎

تیسری حدیث

ہشام بن زہرہ کہتے ہیں میں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''مَنْ صَلّٰی صَلَاۃً لَمْ یَقْرَأْ فِیْھَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَھِیَ خِدَاجٌ فَھِیَ خِدَاجٌ فَھِیَ خِدَاجٌ غَیْرُ تَمَامٍ''

جس نے نماز میں ام القرآن نہیں پڑھی اُس کی نماز ناقص ہے، ناقص ہے، ناقص ہے، مکمل نہیں ہے۔

ہشام بن زہرہ کہتے ہیں میں نے کہا:

''یَا اَبَا ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ اِنِّی اَکُوْنُ اَحْیَانًا وَرَاءَ الْاِمَامِ''

اے ابو ہریرہ میں کبھی امام کے پیچھے بھی ہوتا ہوں۔

ہشام بن زہرہ کہتے ہیں:

فَغَمَزَ زِرَاعِیْ

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے میرا بازو پکڑ لیا اور فرمایا:

''اِقْرَأْ بِھَا یَا فَارِسِیُّ فِیْ نَفْسِکَ''

اے فارسی اس کو اپنے دل میں پڑھ۔ ۲؎

۱؎ فتاویٰ ابن تیمیہ، جلد: ۲۳، صفحہ: ۲۸۶

۲؎ سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب من ترک القرأۃ فی صلاتہ بفاتحۃ الکتاب، صفحہ ۱۲۷، رقم الحدیث: ۸۲۱ / صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ، صفحہ: ۱۶۷، رقم الحدیث: ۸۷۸

جواب

1: ثابت آپ نے یہ کرنا تھا کہ جس مقتدی نے فاتحہ نہیں پڑھی اُس کی نماز باطل ہے لیکن دلیل آپ نماز کے ناقص ہونے کی دے رہے ہیں۔

2: اِقۡرَأۡ بِهَا فِیۡ نَفۡسِکَ کا یہ معنی نہیں کہ زبان سے سورۃ فاتحہ پڑھو بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ بس دل میں سورۃ فاتحہ کے معانی پر غور کرو۔اس پر کچھ دلائل قرآن وحدیث سے ملاحظہ فرمائیں:

1۔ قرآن پاک میں آیت مباہلہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

”فَقُلۡ تَعَالَوۡا نَدۡعُ اَبۡنَآءَنَا وَاَبۡنَآءَکُمۡ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَکُمۡ وَاَنۡفُسَنَا وَاَنۡفُسَکُمۡ ۟ ثُمَّ نَبۡتَهِلۡ فَنَجۡعَلۡ لَّعۡنَتَ اللّٰهِ عَلَی الۡکٰذِبِیۡنَ“

تو ان سے فرمادو آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں پھر مباہلہ کریں تو جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔[1]

اس آیت میں بھی یہ کہا گیا کہ اے عیسائیو! تم بھی میدان میں اپنے بیٹے لے آؤ ہم بھی لے آتے ہیں، ہم بھی اپنی بیٹیاں لے آتے ہیں تم بھی لے آؤ، ہم بھی خود آتے ہیں تم بھی خود آؤ۔

2: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”يَقُولُ اللهُ تَعَالٰى: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَإٍ خَيْرٍ مِنْهُم“

---

[1] سورۃ آل عمران:٦١

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میں اپنے بندے کے گمان کے نزدیک ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے تو میری رحمت اُس کے ساتھ ہوتی ہے۔ اگر وہ تنہا میرا ذکر کرے تو میں بھی تنہا اس کا ذکر کرتا ہوں اور اگر وہ جماعت میں میرا ذکر کرے تو میں اُس کا ذکر اس کی جماعت سے بہتر جماعت میں کرتا ہوں [۱]

یہاں فِیْ نَفْسِہٖ کا لفظ فِیْ مَلَاءٍ کے مقابل بیان ہو رہا ہے۔ اِقْرَأْ بِھَا فِیْ نَفْسِکَ کا معنی یہ ہوا کہ اے فارسی! سورۃ فاتحہ تب پڑھنی ہے جب تو تنہا نماز پڑھے۔

3۔ کافیہ میں ہے:

''اَلْاِسْمُ مَادَلَّ عَلٰی مَعْنًی فِیْ نَفْسِہٖ''

اسم وہ کلمہ ہے جو اپنے معنی پر تنہا دلالت کرے [۲]

یہاں بھی فِیْ نَفْسِہٖ کا معنی تنہا ہے۔ اِقْرَأْ بِھَا فِیْ نَفْسِکَ کا معنی ہوا اے فارسی سورۃ فاتحہ تب پڑھنی ہے جب تو تنہا نماز پڑھے۔

أَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۱ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝۲ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝۳ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۝۴ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝۵ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۝۷

---

۱ صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ ویحذرکم اللہ نفسہ، صفحہ:۱۴۱۰، رقم الحدیث:۷۴۰۵

۲ الکافیہ لابن حاجب، بحث الاسم، صفحہ:۶، مطبوعہ مکتبۃ المدینۃ کراچی

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

تعوذ کے یہ الفاظ قرآن شریف کے الفاظ نہیں ہیں لیکن ان الفاظ کو تلاوت سے پہلے ادا کرنا سنت ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ''

تو جب تم قرآن پڑھو تو اللہ کی پناہ مانگو شیطان مردود سے۔[1]

بعض لوگ تعوّذ کا ترجمہ کرتے ہیں کہ میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں یہ ترجمہ درست نہیں کیونکہ ہم شیطان سے پناہ مانگتے ہیں۔ تعوّذ کا درست ترجمہ ہے: میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود سے۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے فَاسْتَعِذْ فرما کر پناہ مانگنے کا امر ارشاد فرمایا ہے۔ نور الانوار وغیرہ میں ہے: اَلْاَمْرُ لِلْوُجُوْبِ امر وجوب کے لیے ہوتا ہے۔[2] آپ کو چاہیے تھا کہ قرأۃ قرآن سے پہلے تعوذ پڑھنے کو واجب قرار دیتے لیکن آپ نے اسے سنت کہا ہے؟

جواب: ۱: امر صرف وجوب کے لیے نہیں آتا اور بھی کئی معانی کے لیے آتا ہے۔ امر اباحت، ندب تحدید، تعریض، ارشاد، اکرام، اہانت، تمنی اور تادیب کے لئے بھی آتا ہے۔ سنت اباحت سے اوپر کا درجہ ہے۔

۲: نبی کریم ﷺ نے ایک اعرابی کو نماز کی تعلیم دی اُس میں آپ نے تعوذ پڑھنے کی تعلیم نہیں دی اگر قرآن شریف کی تلاوت سے پہلے تعوذ پڑھنا واجب ہوتا تو آپ اس کی تعلیم ضرور دیتے۔ صحیح بخاری میں ہے:

---

[1] سورۂ نحل: ۹۸ [2] نور الانوار فی شرح المنار، مبحث الامر، صفحہ: ۳۳، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور

''عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ يُصَلِّي وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَجَاءَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَقَالَ لَهُ: ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَرَجَعَ فَصَلَّى ثُمَّ سَلَّمَ فَقَالَ: وَعَلَيْكَ ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ: فَأَعْلِمْنِي قَالَ: إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَأَسْبِغِ الْوُضُوءَ ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ وَاقْرَأْ بِمَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ رَأْسَكَ حَتّٰى تَعْتَدِلَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَسْتَوِيَ وَتَطْمَئِنَّ جَالِسًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَسْتَوِيَ قَائِمًا ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِكَ فِي صَلَاتِكَ كُلِّهَا''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے داخل ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد کی ایک جانب تشریف فرما تھے وہ آدمی آیا اور اُس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام عرض کیا۔ آپ نے اس کو فرمایا واپس جا دوبارہ نماز پڑھ اس لیے کہ تو نے نماز نہیں پڑھی وہ شخص واپس گیا پھر نماز پڑھی پھر دوبارہ سلام عرض کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وعليك تجھ پر بھی سلام واپس جا پھر نماز پڑھ اس لیے کہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ تیسری مرتبہ اُس نے عرض کی مجھے نماز سکھا دیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: جب تو نماز کا ارادہ کرے تو اچھی طرح وضو کر پھر قبلہ شریف کی طرف رخ کر کے تکبیر کہہ اور قرآن پاک میں جہاں سے تجھے آسان لگے پڑھ پھر اطمینان کے ساتھ رکوع کر پھر اپنا سر اُٹھا یہاں تک کہ

تو سیدھا کھڑا ہو جائے پھر اطمینان کے ساتھ سجدہ کر پھر سر اُٹھا یہاں تک کہ تو سیدھا ہو جائے اور اطمینان کے ساتھ بیٹھ جائے پھر اطمینان کے ساتھ سجدہ کر پھر سر اُٹھا یہاں تک کہ تو سیدھا کھڑا ہو جائے۔ اپنی ساری نماز میں اسی طرح کر۔[1]

۳: مسلم شریف میں ہے:

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: بَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ بَيْنَ أَظْهُرِنَا إِذْ أَغْفٰى إِغْفَاءَةً ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ مُتَبَسِّمًا فَقُلْنَا مَا أَضْحَكَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ؟ قَالَ: اُنْزِلَتْ عَلَيَّ آنِفًا سُوْرَةٌ فَقَرَأَ: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝١ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝٢ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝٣[2]

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے آپ کو اچانک اونگھ آئی تھوڑی دیر بعد آپ تبسم فرماتے ہوئے اُٹھے ہم نے عرض کی یا نبی اللہ ﷺ! آپ کو کس چیز نے ہنسایا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: مجھ پر ابھی ایک سورۃ نازل ہوئی ہے پھر آپ نے پڑھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝١ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝٢ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝٣

نبی کریم ﷺ کا سورۃ الکوثر کی تلاوت سے پہلے تعوذ کو نہ پڑھنا اس بات کی

---

[1] صحیح بخاری کتاب الایمان والنذور، باب اذا حنث ناسیاً فی الایمان، صفحہ: ۱۶۵۱، رقم الحدیث: ۶۶۶۷

[2] صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب حجۃ من قال البسملۃ آیۃ من اول کل سورۃ سوی براۃ، صفحہ: ۱۷۰، رقم الحدیث: ۸۹۴

دلیل ہے کہ تلاوت قرآن سے قبل تعوذ پڑھنا مباح اور سنت تو ہے لیکن واجب نہیں۔

سوال ہم تعوذ پڑھ کر اللہ کی پناہ میں کیوں آتے ہیں؟

جواب ہمارے ہاں عام رواج ہے کہ اگر ہمارا کوئی دشمن بن جائے اور ہم تنہا اس کا مقابلہ نہ کرسکتے ہوں تو ہم کسی تگڑے کی پناہ حاصل کرتے ہیں۔ جتنا بڑا دشمن اُس سے بڑی پناہ، یہاں دشمن شیطان ہے۔ اللہ کی رحمت کے بغیر ہم اُس کا مقابلہ نہیں کرسکتے تو ہم اُس کی پناہ میں آتے ہیں جو سب سے بڑا ہے۔

حضرت سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ بڑی پر لطف بات ارشاد فرماتے ہیں آپ فرماتے ہیں:

''اِنَّ الْعَبْدَ قَدْ يُنَجِّسُ لِسَانَهٗ بِالْكَذِبِ وَالْغِيْبَةِ وَالنَّمِيْمَةِ فَاَمَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى الْعَبْدَ بِالتَّعَوُّذِ لِيَصِيْرَ لِسَانُهٗ طَاهِرًا فَيَقْرَاُ بِلِسَانٍ طَاهِرٍ كَلَامًا اُنْزِلَ مِنْ رَّبٍّ طَيِّبٍ طَاهِرٍ''

بندے کی زبان جھوٹ، چغلی اور غیبت کی وجہ سے ناپاک ہوجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے بندے کو تعوذ کا حکم دے دیا تا کہ اس کی برکت سے اُس کی زبان پاک ہوجائے اور وہ پاک زبان سے پاک پروردگار کے پاک کلام کی تلاوت کرے۔[1]

لفظ اللہ ہمارے پروردگار کا نام ہے عربی کتب میں اس کی تعریف یوں بیان ہوئی:

''هُوَ عَلَمٌ لِّلذَّاتِ الْوَاجِبِ الْوُجُوْدِ الْمُسْتَجْمِعِ لِجَمِيْعِ صِفَاتِ الْكَمَالِيَةِ''

---

[1] تفسیر کبیر، الباب الثالث فی اللطائف المستنبطۃ من قولنا اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم، جلد اول، صفحہ: ۱۰۲، مطبوعہ دار الفکر

''اللہ'' اُس ذات کا نام ہے جس کا وجود ضروری ہے اور جو تمام کامل صفات کا جامع ہے۔[1] **الشَّیْطٰنِ:** اکثر علماء کے نزدیک لفظ شیطان **شَطَنَ، یَشْطُنُ، شُطُوْنًا** سے ہے۔ اس کا معنی دور ہونا ہے چونکہ شیطان خیر سے دور ہو گیا ہے اس لیے اسے شیطان کہتے ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک یہ اجوف یائی ہے اور **شَاطَ یَشِیْطُ شَیْطًا** سے ہے۔ اس کا معنی جلنا یا ہلاک ہونا ہے چونکہ شیطان نافرمانی کی وجہ سے ہلاک ہو گیا اُس کے سارے اعمال ضائع ہو گئے اس لیے اس کو شیطان کہتے ہیں جب یہ اجوف یائی ہو تو اس میں نون زائدہ ہے۔

سوال آپ نے جو معنی بیان کیا یہ صرف عزازیل پر صادق نہیں آتا یہ تو اور بھی بہت سے افراد پر صادق آجائے گا؟

جواب شیطان ایک نہیں، شیطان کئی ہیں۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے انسانوں اور جنوں میں سے شیطانوں کو دشمن بنادیا جو ایک دوسرے کے دل میں ملمع کی ہوئی (چکنی چپڑی) باتیں (وسوسہ کے طور پر) دھوکہ دینے کے لئے ڈالتے رہتے ہیں، اور اگر آپ کا رب (انھیں جبراً روکنا) چاہتا (تو) وہ ایسا نہ کر پاتے، سو آپ انھیں (بھی) چھوڑ دیں اور جو کچھ وہ بہتان باندھ رہے ہیں (اسے بھی)۔[2]

---

[1] شرح تہذیب، مبحث الحمد، صفحہ: ۷، مطبوعہ مکتبہ بشری کراچی [2] سورۃ انعام: ۱۱۲

شَیٰطِیۡنَ الۡاِنۡسِ وَالۡجِنِّ کے الفاظ ثابت کر رہے ہیں کہ صرف عزازیل شیطان نہیں بلکہ اور بھی بہت سارے افراد شیطان ہیں۔

الرَّجِیۡمِ: یہ رَجَمَ یَرۡجُمُ رَجۡمًا سے بمعنی مَرۡجُوۡمٌ ہے۔رجم کا معنی پتھراؤ کرنا،لعنت کرنا اور دھکیلنا ہے۔

شیطان کو رجیم اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس پر فرشتوں کی جانب سے چمکدار انگارے پھینکے جاتے ہیں۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَقَدۡ جَعَلۡنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوۡجًا وَّ زَیَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِیۡنَ ﴿۱۶﴾ وَحَفِظۡنٰهَا مِنۡ كُلِّ شَیۡطٰنٍ رَّجِیۡمٍ ﴿۱۷﴾ اِلَّا مَنِ اسۡتَرَقَ السَّمۡعَ فَاَتۡبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۸﴾

اور بیشک ہم نے آسمان میں برج بنائے اور اسے دیکھنے والوں کے لیے آراستہ کیا اور اسے ہم نے شیطان مردود سے محفوظ رکھا مگر جو چوری چھپے سننے جائے تو اس کے پیچھے پڑتا ہے روشن شعلہ۔[1]

۲: اس پر چونکہ قیامت تک لعنت پڑتی رہے گی اس لیے بھی اس کو رجیم کہتے ہیں۔

۳: یہ پہلے فرشتوں میں رہتا تھا اس کی نافرمانی کی وجہ سے اسے دھکیل دیا گیا اور وہاں سے نکال دیا گیا اس لیے بھی اس کو رجیم کہتے ہیں۔

---

[1] سورۃ الحجر:۱۶،۱۷،۱۸

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا

ہم اللہ کے نام سے اس لیے شروع کرتے ہیں کیونکہ اُس کا نام بڑی برکت والا ہے۔ یہ نام بگڑے کام سنوار دیتا ہے۔ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ قرآن پاک کے الفاظ ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ کو جو خط لکھا اُس میں تھا:

اِنَّهٗ مِنۡ سُلَيۡمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ﴿۳۰﴾

بے شک وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور بے شک وہ اللہ کے نام سے ہے جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔[1]

سورتوں کے شروع میں لکھی جانے والی بِسۡمِ اللّٰهِ مستقل آیت نہیں بلکہ یہ فصل سور کے لیے نازل ہوئی تھی۔ اسی لیے جب امام نماز پڑھاتا ہے تو قرأت اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِيۡنَ سے شروع کرتا ہے۔

۱: عَنۡ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ وَاَبَا بَكۡرٍ وَّعُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمَا كَانُوۡا يَفۡتَتِحُوۡنَ الصَّلَاةَ بِالۡحَمۡدِ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِيۡنَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما نماز کو اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِيۡنَ سے شروع کرتے تھے۔[2]

---

[1] سورۃ نمل: ۳۰ [2] صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب مایقول بعد التکبیر، صفحہ: ۱۸۳، رقم الحدیث ۷۴۳

۲: عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ صَلَّیْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَرَ وَعُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ فَلَمْ اَسْمَعْ اَحَدًا مِّنْھُمْ یَقْرَأُ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابو بکر صدیق اور عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز پڑھی میں نے ان میں سے کسی کو نہیں سنا کہ بسم اللہ شریف جہر کے ساتھ پڑھتے ہوں۔[۱]

معلوم ہوا کہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سورۃ فاتحہ کی پہلی آیت نہیں بلکہ پہلی آیت اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ہے۔اس میں دو لفظ اَلرَّحْمٰن اور اَلرَّحِیْم ہیں۔یہ دونوں صفت مشبہ کے صیغے ہیں لیکن استعمال مبالغہ کے لئے ہوتے ہیں۔

رحمٰن اور رحیم میں فرق

۱: رحمٰن کا اطلاق کتاب وسنت کے پورے ذخیرہ میں کسی مخلوق پر نہیں ہوا۔رحمٰن کا لفظ صرف اللہ کے لئے خاص ہے لیکن رحیم کا اطلاق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی کیا گیا ہے۔

لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ

بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان۔[۲]

---

[۱] صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب حجۃ من قال لا یجھر بالبسملۃ، صفحہ:۱۸۷، رقم الحدیث:۸۹۰ [۲] سورۃ توبہ ۱۲۸

رَحِیْمٌ کی جمع رُحَمَآءُ آتی ہے اور یہ لفظ اللہ اپنے محبوب کے صحابہ کے متعلق استعمال فرماتا ہے: رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ کہ یہ آپس میں بڑے نرم دل ہیں۔[1]

۲: جمہور کے نزدیک رحمٰن خاص الاسم ہے یہ نام صرف اللہ کے ساتھ خاص ہے لیکن عام الفعل ہے اس کی رحمت عام ہے جبکہ رحیم عام الاسم ہے اور خاص الفعل ہے۔

قَالَ الْقُرْطَبِی اَلرَّحْمٰنُ خَاصُ الْاِسْمِ عَامُ الْفِعْلِ وَالرَّحِیْمُ عَامُ الْاِسْمِ خَاصُ الْفِعْلِ هٰذَا قَوْلُ الْجُمْهُوْرِ[2]

۳: رحمٰن ایسی رحمتیں فرماتا ہے جو بندوں سے حاصل نہ ہوسکیں جبکہ رحیم ایسی رحمتیں کرنے والا جس کی مثل کچھ نہ کچھ بندوں سے حاصل ہوسکیں۔

۴: رحمٰن وہ ہوتا ہے جو بلا واسطہ بندوں پر رحم فرمائے اور رحیم وہ ہے جو بندوں کے واسطہ سے رحم فرمانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح رحم کرتا ہے بلواسطہ بھی اور بلا واسطہ بھی۔

۵: رحمٰن دنیا کے اعتبار سے ہے اور رحیم آخرت کے اعتبار سے۔ رحمٰن میں رحیم کی نسبت زیادہ مبالغہ ہے کیونکہ دنیا میں اُس کی رحمت، اس کا رزق مومن اور کافر دونوں کو مل رہا ہے لیکن آخرت میں اُس کی رحمت صرف مومن کو ملے گی۔ دنیا میں اُس کی رحمت اور اُس کا رزق لینے والوں کی تعداد زیادہ ہے جبکہ آخرت میں اُس کی رحمت لینے والوں کی تعداد کم ہے لیکن جو دنیا میں اُس کی رحمت اور اُس کا رزق لے رہے ہیں ان کا پیریڈ تھوڑا ہے جبکہ آخرت میں اُس کی رحمت لینے والوں کا پیریڈ زیادہ ہے خَالِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا: وہ

---

[1] سورۃ فتح:۲۹

[2] تفسیر قرطبی، جلد اول، صفحہ:۱۶۲ / اللباب فی علوم الکتاب لابن عادل، تفسیر الفاتحۃ، فصل فی رسم لفظۃ الجلالۃ، جلد:۱، صفحہ:۱۴۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان

ہمیشہ ہمیشہ وہاں رہیں گے۔ معلوم ہوا کہ رحمٰن میں رحمت حاصل کرنے والے افراد کے اعتبار سے مبالغہ زیادہ ہے جبکہ رحیم میں کیفیت کی کثرت کے اعتبار سے مبالغہ زیادہ ہے۔

٦: رحمٰن، فَعْلَان کے وزن پر ہے اس میں شدت کا معنی ہوتا ہے لیکن رحیم، فَعِيْلٌ کے وزن پر ہے اور ایسے صیغے میں دوام واستمرار کا معنی ہوتا ہے یعنی رحمٰن وہ ہے جس کی رحمت میں شدت وجوش ہوتا ہے ساتھ ہی رحیم فرما کر بتادیا کہ اللہ وحدہ لاشریک کی رحمتیں وقتی نہیں بلکہ ان میں دوام واستمرار ہوتا ہے۔

مودودی صاحب کا مغالطہ

مودودی صاحب نے اَلرَّحْمٰن اور اَلرَّحِیْم کی تفسیر میں بڑی عجیب بات لکھی ہے۔ مودودی صاحب لکھتے ہیں:

انسان کا خاصہ ہے کہ جب کوئی چیز اُس کی نگاہ میں بہت زیادہ ہوتی ہے تو وہ مبالغہ کے صیغوں میں اُس کو بیان کرتا ہے اور اگر ایک مبالغہ کا لفظ بول کر وہ محسوس کرتا ہے کہ اُس شے کی فراوانی کا حق ادا نہیں ہوا تو پھر وہ اُسی معنی کا ایک اور لفظ بولتا ہے تا کہ وہ کمی پوری ہو جائے جو اُس کے نزدیک مبالغہ میں رہ گئی ہے۔ اللہ کی تعریف میں رحمٰن کا لفظ استعمال کرنے کے بعد پھر رحیم کا اضافہ کرنے میں بھی یہی نکتہ پوشیدہ ہے۔ رحمٰن عربی زبان میں بڑے مبالغہ کا صیغہ ہے لیکن خدا کی رحمت اور مہربانی اپنی مخلوق پر اتنی زیادہ ہے، اس قدر وسیع ہے، ایسی بے حد وحساب ہے کہ اس کے بیان میں بڑے سے بڑا مبالغہ کا لفظ بول کر بھی جی نہیں بھرتا اس لیے اس کی فراوانی کا حق ادا کرنے کے لئے پھر رحیم کا لفظ مزید استعمال کیا گیا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہم کسی شخص کی فیاضی کے بیان میں سخی کا لفظ بول کر جب تشنگی محسوس کرتے ہیں تو اُس پر داتا کا اضافہ کرتے ہیں۔ رنگ کی تعریف میں

جب گورے کو کافی نہیں پاتے تو اُس پر چٹے کا لفظ اور بڑھا دیتے ہیں۔ درازی قد کے ذکر میں جب لمبا کہنے سے تسلی نہیں ہوتی تو اس کے بعد تڑنگا بھی کہتے ہیں۔ [1]

مودودی صاحب کو یہاں غلطی یہ لگی کہ انہوں نے کلام الٰہی کو کلام انسان کی طرح سمجھ لیا کہ جس طرح انسان عاجز آجاتا ہے ایک لفظ بول کر تشنگی محسوس کرتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ یہ لفظ بول کر میں اپنا صحیح مفہوم بیان نہیں کر سکا تو کیا اللہ تعالیٰ عاجز ہے کہ ایک لفظ بول کر صحیح مفہوم ادا نہیں کرسکتا؟ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ میرا مالک ہر عیب اور ہر طرح کے عجز سے پاک ہے۔ مودودی صاحب نے دوسری غلطی یہ کی کہ مبالغہ کے صیغے کے بعد دوسرے مبالغہ کے صیغہ کے بیان کے لئے چند مثالیں دیں لیکن ان میں کوئی بھی مبالغہ کا صیغہ نہیں ہے ہاں اگر سخی اور داتا کو اور گورے اور چٹے کو اور لمبے تڑنگے کو ملا کر کسی شخص کے لئے بیان کیا جائے تو شاید ایک حد تک مبالغہ کا فائدہ دے لیکن ان میں سے خود کوئی بھی لفظ مبالغہ کے لئے استعمال نہیں ہوتا جبکہ رحمٰن اور رحیم دونوں لفظ بذات خود مبالغہ کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔

انسان کی تین حالتیں ہیں

ایک وقت وہ تھا جب ہم کچھ نہیں تھے۔ دوسری حالت یہ کہ اللہ نے ہمیں وجود عطا کر کے دنیا میں بھیجا۔ تیسری حالت وہ ہوگی جب ہم آخرت کی طرف کوچ کر جائیں گے۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمَ میں اللہ نے ہمیں یہ تینوں حالتیں یاد کروائی ہیں۔

۱: جب کہا: بِسْمِ اللّٰهِ (اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں) تو اس میں پہلی حالت

---

[1] تفہیم القرآن، جلد اول، صفحہ: ۴۴، مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور

یاد کروائی کہ انسان! پہلے تو کچھ بھی نہیں تھا اللہ نے تجھے وجود عطا کیا تو اب تو اسی کے نام سے شروع کر۔

۲: جب کہا: اَلرَّحْمٰن (دنیا میں سب پر رحمت کرنے والا) تو اس میں دوسری حالت یاد کروائی کہ اے انسان! اب تو دنیا میں آ گیا ہے تو اب تو بھی سب پر مہربانی کر۔ تیری وجہ سے کسی کو تکلیف نہ ہو۔

۳: جب کہا: اَلرَّحِیْم (آخرت میں مومنین پر رحمت کرنے والا) تو اس میں تیسری حالت یاد کروائی کہ انسان! تو نے بھی آخرت کی طرف کوچ کرنا ہے۔ تجھے آخرت میں رحمت صرف اس صورت میں ملے گی کہ تو اللہ ہی کی عبادت کر، اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا، اور اس کے بندوں پر بھی مہربانی کر۔

قربان جائیں اُس معلم حقیقی کے کہ جس نے بسم اللہ شریف ہی میں انسان کے سارے منازل سلوک کو طے کروا دیا۔

مسائل

۱: أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ صرف نماز کی پہلی رکعت میں تسمیہ وفاتحہ سے پہلے پڑھیں۔

۲: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نماز کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ سے پہلے پڑھیں۔

۳: نماز میں سورۃ فاتحہ کے بعد اگر درمیان سورۃ سے تلاوت کی تو بسم اللہ نہ پڑھیں لیکن اگر ابتداءِ سورۃ سے تلاوت کی تو بسم اللہ ضرور پڑھیں۔[۱]

---

[۱] بہار شریعت، حصہ سوم، ص: ۵۲۸

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

یہاں اللہ بندے سے فرمارہا ہے قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ: اے بندے! تو کہہ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

الحمد کے شروع کا الف لام، لامِ تعریف ہے۔کسی فاعل مختار کے فضل وکمال کی زبان سے تعریف کرنا حمد کہلاتا ہے،اُس صاحب فضل وکمال کا فیض اُسے پہنچے یا نہ پہنچے۔

الف لام کی اقسام

الف لام کی دوقسمیں ہیں ۱۔اسمی ۲۔حرفی

الف لام اسمی وہ ہے جواسم فاعل یااسم مفعول پرآئے اور یہ اَلَّذِیْ اسم موصول کا معنی دیتا ہے۔

الف لام حرفی کی چارقسمیں ہیں۔

۱۔جنسی ۲۔استغراقی ۳۔عہد خارجی ۴۔عہد ذہنی

اَلْحَمْدُ پر جو الف لام داخل ہے، یہ الف لام اسمی نہیں ہے کیونکہ یہ اسم فاعل یا اسم مفعول پر داخل نہیں ہےاور نہ ہی یہ اَلَّذِیْ کا معنی دے رہا ہے۔

اَلْحَمْدُ کا الف لام یا تو خاص تعریف کامعنی دیتا ہے کہ خاص تعریف اللہ کے لئے ہے یاسب کامعنی دے گا یعنی سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔خاص تعریف سے مراد وہ تعریف ہے جوشان الوہیت کے لائق ہے۔

مستقل بالذات ہونا، واجب الوجود ہونا اورغیر محتاج ہونا رب تعالیٰ کی ایسی خاص تعریف ہے کہ شان الوہیت کے مطابق ہے۔یہ تعریف مخلوق میں کسی پرصادق نہیں آتی۔

ایک دیو بندی عالم غلام اللہ خان نے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کا معنی خاص تعریف اللہ کے لئے ہے بیان کیا پھر خاص تعریف کی مثالیں بیان کرتے ہوئے لکھا:

دور و نزدیک سے یکساں طور پر سمیع و بصیر ہونا۔[1]

یعنی اللہ تعالیٰ کی خاص تعریف یہ ہے کہ اللہ دور سے بھی سنتا، دیکھتا ہے اور نزدیک سے بھی سنتا، دیکھتا ہے۔

ایک اہلحدیث عالم صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

اور دور و نزدیک سے ہر ایک کی فریاد سننے کی صلاحیت سے بہرہ ور تسلیم کرنا۔[2]

ان دونوں علماء نے یہ تاثر دیا ہے کہ دور و نزدیک سے سننا یا دیکھنا صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے جبکہ یہ درست نہیں کیونکہ دور سے سننا رب تعالیٰ کی صفت نہیں ہے۔ دور سے تو وہ سنے جو پکارنے والے اور فریاد کرنے والے سے دور ہو۔ رب تعالیٰ تو کسی بھی پکارنے والے اور فریاد کرنے والے سے دور نہیں ہے۔

۱: قرآن حکیم میں ہے:

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ

اور اے محبوب! جب تم سے میرے بندے میرے متعلق پوچھیں تو میں نزدیک ہوں[3]

لطف کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غلام اللہ خان صاحب کے قلم سے ہمارا موقف لکھوا دیا موصوف فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

---

[1] تفسیر جواہر القرآن، جلد اول، صفحہ: ۴، مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ مدینہ مارکیٹ راولپنڈی [2] تفسیر احسن البیان، صفحہ: ۴

[3] سورۃ بقرہ: ۱۸۶

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی بزرگی اور بڑائی کا بیان تھا اسی لئے اس سے اللہ کے بُعد کا تصور آ سکتا تھا اس لیے صحابہ نے عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ! ہمارا خدا دور ہے یا نزدیک؟ اگر دور ہے تو اُس کو زور زور سے پکاریں اور اگر نزدیک ہے تو اس کو آہستہ پکاریں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ عَنِّی کے معنی ہیں میرے قرب و بعد کے متعلق یعنی اے پیغمبر جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق پوچھیں کہ آیا ہمارا رب قریب ہے یا دور؟ تو آپ ان سے فرمائیں کہ میں نزدیک ہوں، دور نہیں ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ہر جگہ قریب ہے جہاں چاہو اُس کی عبادت کرو اور جہاں سے چاہو پکارو۔[1]

۲: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ نَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ

ہم دل کی رگ سے بھی اس سے زیادہ قریب ہیں[2]

اگر الحمد کا الف لام استغراق کا مانیں تو معنی ہوگا سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔

اعتراض

سب تعریفیں اللہ کے لئے تو تب ہوں جب اور کسی کی تعریف بیان نہ کی گئی ہو جبکہ قرآن شریف میں نبی کریم ﷺ، دیگر انبیاء، صحابہ کرام، صالحین اور شہداء کی بھی تعریفیں بیان کی گئی ہیں۔

---

[1] تفسیر جواہر القرآن، جلد اول، صفحہ ۹۱، مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ، مدینہ مارکیٹ راولپنڈی [2] سورۃ ق:۱۶

جواب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ، دیگر انبیاء، صحابہ کرام، صالحین یا کسی کی بھی تعریف بیان ہو درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہے کیونکہ ان سب کو بنانے والا اور ساری عظمتیں عطا فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اسی لیے کہا گیا کہ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذاتی نام

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دو ذاتی نام ہیں:

۱۔احمد ۲۔محمد

احمد نام قرآن شریف میں ایک جگہ آیا ہے۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاِذْ قَالَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ۝۶

اور یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرتا ہوں اور اُن رسول کی بشارت سناتا ہوں جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام احمد ہے پھر جب احمد ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر تشریف لائے بولے یہ کھلا جادو ہے۔[1]

اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے احمد نام بیان کر کے ان کی تشریف آوری کا ذکر کر رہے ہیں۔احمد اسم تفضیل کا صیغہ ہے اس کا معنی ہے سب سے زیادہ حمد کرنے والے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ نام بتا رہا ہے کہ آپ اللہ کی سب سے زیادہ حمد کرنے والے ہیں۔

---

[1] سورۃ الصّف:6

1: غیر مقلدین کے بہت بڑے مفسر قاضی شوکانی لکھتے ہیں:

''وَاَحْمَدُ اِسْمُ نَبِیِّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ عَلَمٌ مَنْقُوْلٌ مِّنَ الصِّفَةِ وَھِیَ تَحْتَمِلُ اَنْ یَکُوْنَ مُبَالَغَةً مِّنَ الْفَاعِلِ فَیَکُوْنُ مَعْنَاھَا اَنَّہٗ اَکْثَرُ حَمْدًالِلّٰہِ مِنْ غَیْرِہٖ''

احمد ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی ہے یہ ایسا علم ہے جو صفت سے منقول ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ فاعل سے مبالغہ ہو تو اس کا معنی ہوگا ہر ایک سے زیادہ انہوں نے ہی اللہ تعالیٰ کی حمد کی ہے۔[1]

2: امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''فَمَعْنٰی اَحْمَدَ اَیْ اَحْمَدَ الْحَامِدِیْنَ لِرَبِّہٖ وَالْاَنْبِیَاءُ صَلَوَاتُ اللّٰہِ عَلَیْھِمْ کُلُّھُمْ حَامِدُوْنَ اللّٰہَ وَنَبِیُّنَا اَحْمَدُ اَکْثَرُھُمْ حَمْدًا''

احمد کا معنی ہے: سب حمد کرنے والوں سے اپنے رب کی زیادہ حمد کرنے والا۔ اللہ کے سب نبیوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کہ احمد ہیں انہوں نے سب نبیوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی حمد کی ہے۔[2]

معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ حمد سب سے زیادہ ہے۔

سوال نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک ۶۳ سال ہوئی جبکہ پہلے انبیاء میں سے بعض نے تقریباً ہزار سال تبلیغ فرمائی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ حمد سب نبیوں سے زیادہ کیسے؟

---

[1] تفسیر فتح القدیر، صفحہ ۱۴۸۸، ۱۴۸۷، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت لبنان

[2] تفسیر قرطبی، جلد: ۲۰، صفحہ: ۱۴۴، مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ/ اللباب فی علوم الکتاب لابن عادل، جلد: ۱۹، صفحہ: ۵۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان

سارے فرشتے بھی اللہ کی حمد کرتے ہیں۔رب تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ وہ کب سے حمد کررہے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا زمانہ حمد زیادہ کیسے متصور ہوسکتا ہے؟

جواب جب یہ تسلیم کرلیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز سے پہلے نبی کریم ﷺ کے نور کو پیدا فرمایا تو زمانہ حمد سب سے زیادہ ثابت ہو جاتا ہے۔آپ ہر چیز کی تخلیق سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کررہے تھے پھر کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں رسولوں کے دور نبوت ورسالت میں بھی اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے رہے پھر جب اس دنیا میں ختم نبوت کا تاج پہن کر جلوہ افروز ہوئے تب بھی اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے رہے۔آج قبر انور میں بھی اللہ تعالیٰ کی حمد کررہے ہیں قیامت کے دن بھی اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کریں گے۔

نبی کریم ﷺ کا دوسرا نام محمد ہے۔یہ قرآن شریف میں چار مقامات پر بیان ہوا۔

۱: وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْــًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ﴿۱۴۴﴾

اور محمد (ﷺ بھی تو) رسول ہی ہیں (نہ کہ خدا)، آپ سے پہلے بھی کئی پیغمبر (مصائب اور تکلیفیں جھیلتے ہوئے اس دنیا سے) گزر چکے ہیں، پھر اگر وہ وفات فرما جائیں یا شہید کردیئے جائیں تو کیا تم اپنے (پچھلے مذہب کی طرف) الٹے پاؤں پھر جاؤ گے (یعنی کیا ان کی وفات یا شہادت کو معاذ اللہ دینِ اسلام کے حق نہ ہونے پر یا ان کے سچے رسول نہ ہونے پر محمول کرو گے) اور جو کوئی اپنے الٹے پاؤں پھرے گا تو وہ اللہ کا ہرگز کچھ نہیں بگاڑے گا اور اللہ عنقریب (مصائب پر ثابت قدم رہ کر) شکر کرنے والوں کو جزا عطا فرمائے گا۔[۱]

---

[۱] سورۃ آل عمران: ۱۴۴

2۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ۟

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور سب انبیاء کے آخر میں (سلسلۂ نبوت ختم کرنے والے) ہیں اور اللہ ہر چیز کا خوب علم رکھنے والا ہے۔[1]

3: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور اس (کتاب) پر ایمان لائے جو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل کی گئی ہے اور وہی ان کے رب کی جانب سے حق ہے اللہ نے ان کے گناہ ان (کے نامۂ اعمال) سے مٹا دیئے اور ان کا حال سنوار دیا۔[2]

4: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ ۛۚ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِيْلِ ۛ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝

---

[1] سورۃ الاحزاب: ۴۰ [2] سورۃ محمد: ۲

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی معیت اور سنگت میں ہیں (وہ) کافروں پر بہت سخت اور زور آور ہیں آپس میں بہت نرم دل اور شفیق ہیں۔ آپ انہیں کثرت سے رکوع کرتے ہوئے، سجود کرتے ہوئے دیکھتے ہیں وہ (صرف) اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے طلب گار ہیں۔ اُن کی نشانی اُن کے چہروں پر سجدوں کا اثر ہے (جو بصورتِ نور نمایاں ہے)۔ ان کے یہ اوصاف تورات میں (بھی مذکور) ہیں اور ان کے (یہی) اوصاف انجیل میں (بھی مرقوم) ہیں۔ وہ (صحابہ رضی اللہ عنہم ہمارے محبوبِ مکرّم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی) کھیتی کی طرح ہیں جس نے (سب سے پہلے) اپنی باریک سی کونپل نکالی پھر اسے طاقتور اور مضبوط کیا پھر وہ موٹی اور دبیز ہوگئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی (اور جب سرسبز و شاداب ہو کر لہلہائی تو) کاشتکاروں کو کیا ہی اچھی لگنے لگی (اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اسی طرح ایمان کے تناور درخت بنایا ہے) تاکہ اِن کے ذریعے وہ (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جلنے والے) کافروں کے دل جلائے، اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔[1]

محمد کا معنی ہے: ''اَلَّذِیْ یُحْمَدُ حَمْدًا بَعْدَ حَمْدٍ''، جس کی سب سے زیادہ تعریف کی جائے۔

آج دنیا میں کوئی ایسا شخص نہیں جس کی میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ تعریف ہو رہی ہو۔ کچھ لوگوں نے حساب کتاب لگا کر بتایا ہے کہ دنیا میں ہر وقت کسی نہ کسی جگہ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ کی صدا بلند ہو رہی ہے۔

---

[1] سورۃ الفتح:۲۹

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا''

قریب ہے کہ تمہیں تمہارا رب ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں۔[1]

تفسیر جلالین میں ہے:

يَحْمَدُكَ فِيْهِ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ

مقام محمود ایسا مقام ہے جس میں اولین وآخرین نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کریں گے۔[2]

تفسیر ابن کثیر میں ہے:

يَحْمَدُكَ فِي الْخَلَائِقِ كُلُّهُمْ وَخَالِقُهُمْ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى

مقام محمود ایسا مقام ہے جس میں ہر مخلوق اور اُن سب کا خالق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف بیان فرمائے گا۔[3]

لفظ رب کی تفسیر

الحمد للہ کی تفسیر بیان ہو چکی۔ اب اس کے بعد لفظ رب ہے اس کا معنی ہے: ''کسی چیز کو آہستہ آہستہ مرتبہ کمال تک پہنچانے والا'' دوسرے لفظوں میں پالنے والے کو رب کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فصلوں اور انسانوں کو اس طرح پالتا ہے کہ پہلے زمین میں بیج بویا جاتا ہے پھر کونپل نکلتی ہے پھر آہستہ آہستہ فصل بڑی ہوتی ہے اور بالآخر لہلہانے لگتی ہے۔ انسان بھی پہلے ایک قطرہ ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اسے ماں کے پیٹ میں نو مہینے آہستہ آہستہ پالتا ہے،

---

[1] سورۃ بنی اسرائیل:۷۹ [2] تفسیر جلالین، صفحہ:۳۷۵، زیر آیت سورۃ بنی اسرائیل:۷۹

[3] تفسیر ابن کثیر، جلد:۵، صفحہ:۹۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان

پھر جب پیدا ہوتا ہے تو چھوٹا ہوتا ہے بعد میں آہستہ آہستہ مرتبہ کمال تک پہنچتا ہے۔اسی طرح رب تعالیٰ عالمین کو آہستہ آہستہ مرتبہ کمال تک پہنچاتا ہے۔

اللہ کے علاوہ اوروں کے لئے بھی لفظ رب استعمال ہوا ہے

جب یوسف علیہ السلام جیل میں گئے تو دو جوان اور بھی اُن کے ساتھ حوالات میں داخل ہوئے۔دونوں ایک دن حضرت یوسف علیہ السلام سے خواب کی تعبیر پوچھنے لگے۔آپ علیہ السلام نے خواب کی تعبیر یوں بیان فرمائی:

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ

اے قید خانہ کے دونوں ساتھیو! تم میں ایک اپنے رب (بادشاہ) کو شراب پلائے گا۔[1]

یہاں بادشاہ کے لئے رب کا لفظ استعمال ہوا۔لفظ ایک دیکھ کر فوراً شرک کا فتویٰ نہیں لگانا چاہیے۔خالق و مخلوق پر لفظ ایک آ بھی جائے تو اس وقت تک شرک نہیں بنے گا جب تک معنی میں برابری نہ ہو۔پالتا اللہ بھی ہے، پالتا بادشاہ بھی ہے۔اللہ تعالیٰ ہر مخلوق کو پال رہا ہے اور اسے پالنے کے لئے کسی سے کچھ لینا نہیں پڑتا جبکہ بادشاہ چند سال کے لئے کسی سے ٹیکس، جرمانہ یا ہدیہ لے کر کچھ لوگوں کو پالتا ہے۔بادشاہ پالنے میں بھی محتاج ہے اور میرا اللہ کسی صفت میں، کسی شان میں کسی کا محتاج نہیں ہے۔اسی طرح ایک لفظ ''داتا'' ہے۔اس کا ایک معنیٰ دینے والا اور سخی ہے۔اس معنیٰ میں اللہ تعالیٰ بھی داتا ہے اور سید علی الہجویری رحمۃ اللہ علیہ بھی داتا ہے لیکن فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر کسی کو دے رہا ہے لیکن لاہور والا داتا چند لاکھ لوگوں کو چند سو سال سے دینے کا ذریعہ اور وسیلہ بن رہا ہے۔اس لئے شرک کا لفظ منہ سے نکالنے سے پہلے سو بار سوچنا چاہئے۔

---

[1] سورۃ یوسف:۴۱

اَلْعٰلَمِیْنَ

عالمین جمع مذکر سالم کا صیغہ ہے۔اس پر الف لام استغراق کا ہے اور یہ عالم کی جمع ہے، عالم اسم آلہ کا وزن ہے، عالم کا معنیٰ مَا یُعْلَمُ بِهٖ ہے یعنی جس کے ذریعے کسی کو جانا جائے اسے عالم کہتے ہیں چونکہ ہر چیز سے اللہ تعالیٰ کا علم حاصل ہوتا ہے، ہر چیز اپنے بنانے والے کی دلیل ہے اس لئے ہر چیز کو عالم کہا جاتا ہے۔ پھر عالمین اس لئے کہا کہ عالم کئی طرح کے ہیں: انسانوں کا عالم، حیوانوں کا عالم، پرندوں کا عالم، نباتات کا عالم وغیرہ اس لیے جمع کا صیغہ عالمین ذکر ہوا۔ بادشاہ کسی کو پالے یا والدین اپنے بچوں کو پالیں تو ان کے پالنے کی کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے لیکن رب تعالیٰ اپنی کسی غرض کی وجہ سے نہیں بلکہ رحمٰن ورحیم ہونے کی وجہ سے عالمین کو پال رہا ہے۔

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بسم اللہ شریف کی تفسیر میں اس کی بحث گزر چکی ہے۔

مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ

یَوْمِ کا معنی وقت، زمانہ اور دن ہے۔ دین کا معنی بدلہ، قانون اور ضابطہ حیات ہے۔ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ کا معنی ہے: بدلے کے دن کا مالک۔ بدلے کے دن کا عقیدہ جتنا راسخ ہوگا اتنا ہی بندہ گناہوں سے دور اور نیکیوں کی طرف راغب ہوگا۔ قیامت کے دن کا مالک اللہ ہے تو آج کے دنوں، راتوں اور ساعات کا مالک کون ہے؟ یقیناً اللہ ہے۔ یہاں خاص طور پر قیامت کے دن کی ملکیت کو اس لیے بیان کیا کیونکہ قیامت کے دن کوئی بھی رب تعالیٰ کی ربوبیت اور ملکیت کا منکر نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ''

آج کس کی بادشاہی ہے ایک اللہ سب پر غالب کی[1] ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

''اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ﹰالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿۲۶﴾''

اس دن سچی بادشاہی رحمٰن کی ہے اور وہ دن کافروں پر سخت ہے۔[2]

اس سے ملتا جلتا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے:

اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

میں قیامت کے دن اولاد آدم کا سید ہوں گا۔[3]

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آج بھی سید ہیں لیکن یہ کیوں فرمایا کہ میں قیامت کے دن ساری اولاد آدم کا سید ہوں گا؟ صرف اس لئے کہ آج اربوں لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نبی نہیں مانتے تو سید کیسے مانیں گے؟ اور آج بھی کئی لوگ ایسے ہیں جو سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نبی تو مانتے ہیں لیکن سید نہیں مانتے لیکن قیامت کے دن کوئی بھی آپ کے سید ہونے کا منکر نہیں ہوگا اس لیے خاص طور پر قیامت کے دن کے سید ہونے کو ذکر فرمایا۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ امام نووی کے حوالے سے سید کا معنی یوں بیان فرماتے ہیں:

''هُوَ الَّذِيْ يُفْزَعُ اِلَيْهِ فِي النَّوَائِبِ وَالشَّدَائِدِ فَيَقُوْمُ بِاُمُوْرِهِمْ وَيَتَحَمَّلُ عَنْهُمْ مَكَارِهَهُمْ وَيَدْفَعُهَا عَنْهُمْ''

---

[1] سورۃ مومن: ۱۶ [2] سورۃ الفرقان: ۲۶ [3] صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب تفضیل نبینا علی جمیع الخلائق صفحہ ۱۰۰۸، رقم الحدیث ۵۹۴۰

سید وہ ہوتا ہے جس کی حوادث ومصائب میں پناہ لی جائے اور وہ ان کے معاملات کا منتظم بن جائے اور ان کی مشکلات کا تحمل کرے اور اُن سے مشکلات کو دور کرے۔ [1]

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تشریح سے معلوم ہوا کہ سید مشکل کشا کو کہتے ہیں۔حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ قیامت کے دن لوگ مارے مارے پھر رہے ہوں گے قیامت کے دن اُن کا مشکل کشا میں ہوں گا میں ہی اُن کے معاملات کا منتظم بنوں گا میں ہی اُن کی مشکلات کو حل فرماؤں گا۔

اِیَّاكَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡنُ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ توحید کے تقاضے کو بیان فرما رہا ہے اور ارشاد فرما رہا ہے کہ اے بندے! تو کہہ ہم تیری ہی عبادت کریں۔کچھ لوگ اس کا ترجمہ خبر والا کرتے ہیں حالانکہ یہ ترجمہ درست نہیں کیونکہ اِیَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡنُ جملہ خبریہ نہیں ہے بلکہ یہ جملہ انشائیہ اور دعا ہے۔تفسیر خازن میں ہے: اِیَّاكَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡنُ مِنۡ قِسۡمِ الدُّعَاءِ: اِیَّاكَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡنُ دعا کی قسم میں سے ہے۔ [2] اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ مالک! ہم تیری ہی عبادت کریں اور تجھی سے مدد چاہیں۔

عبادت اور تعظیم میں فرق

ہم یہاں مناسب سمجھتے ہیں کہ عبادت اور تعظیم میں فرق بیان کر دیں تاکہ قلوب و اذہان شکوک وشبہات سے پاک ہو جائیں۔

---

[1] مرقاۃ المفاتیح، کتاب الفضائل، باب فضائل سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ، جلد:۹، صفحہ:۳۶۷۲

[2] تفسیر خازن، جلد اول، صفحہ:۱۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان

کسی نے ابن تیمیہ سے پوچھا:

اَيُّ التَّفَاسِيْرِ أَقْرَبُ إِلَى الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ؟ الزمخشري؟ أَمُ الْقُرْطُبِيُّ؟ أَمُ البغوي؟ أَوْ غَيْرُ هٰؤُلَاءِ؟

کونسی تفسیر کتاب وسنت کے زیادہ قریب ہے؟ زمخشری یا قرطبی یا بغوی یا کوئی اور؟

اس کے جواب میں ابن تیمیہ نے کہا:

وَأَمَّا التَّفَاسِيرُ الثَّلَاثَةُ الْمَسْئُولُ عَنْهَا فَأَسْلَمُهَا مِنَ الْبِدْعَةِ وَالْأَحَادِيْثِ الضَّعِيفَةِ ''البغوي''

جن تین تفاسیر کے متعلق پوچھا گیا ہے ان سب میں بدعت اور ضعیف احادیث سے محفوظ بغوی کی تفسیر ہے۔[1] بغوی اور دیگر تفاسیر میں عبادت کا معنی ملاحظہ کیجیے۔

ا: امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے عبادت کا معنی بیان کیا:

''اَلْعِبَادَةُ اَلطَّاعَةُ مَعَ التَّذَلُّلِ وَالْخُضُوعِ''

عاجزی اور انکساری کے ساتھ کسی کی اطاعت کا نام عبادت ہے۔[2]

۲: علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''اَلْعِبَادَةُ اَعْلٰى مَرَاتِبِ الْخُضُوْعِ''

عاجزی کے اعلیٰ مراتب کو عبادت کہتے ہیں۔[3]

۳: قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

[1] فتاوی ابن تیمیہ، مقدمۃ التفسیر، اصح التفاسیر، جلد: ۱۳، صفحہ: ۳۸۵، ۳۸۶

[2] تفسیر البغوی، تحت آیت سورۃ فاتحہ: ۵، جلد اول، صفحہ: ۵۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

[3] تفسیر روح المعانی، تحت آیت سورۃ فاتحہ: ۵، جلد اول، صفحہ: ۸۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان

"اَلۡعِبَادَۃُ اَقۡصٰی غَایَۃِ الۡخُضُوۡعِ وَالتَّذَلُّلِ"

عاجزی وانکساری کی انتہا کو عبادت کہتے ہیں۔ ۱

۴: ابوحیان اندلسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اَلۡعِبَادَۃُ اَلتَّذَلُّلُ"

عاجزی کا نام عبادت ہے۔ ۲

اکثر و بیشتر مفسرین نے یہی معنی کیا کہ کسی کے سامنے انتہائی عاجزی کا اظہار کرنا عبادت کہلاتا ہے۔ لیکن مندرجہ ذیل وجوہات کی بناء پر یہ معنی مراد لینے سے دل کو اطمینان نہیں ہوتا۔

۱: صحابہ کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے عاجزی کی انتہاء کردی تھی کہ اس سے آگے عاجزی وانکساری کا تصور بھی مشکل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام کے اس تعلق کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے بھی کیا جا سکتا ہے جس کو ایک وہابی عالم صفی الرحمان مبارکپوری نے بھی نقل کیا ہے۔ صفی الرحمان مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں:

اس کے بعد عروہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعلق خاطر کا منظر دیکھنے لگا پھر اپنے رفقاء کے پاس آیا اور بولا! اے قوم! بخدا میں قیصر وکسریٰ اور نجاشی جیسے بادشاہوں کے پاس جا چکا ہوں۔ بخدا میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اُس کے ساتھی اُس کی اتنی تعظیم کرتے ہوں جتنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھی محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعظیم کرتے ہیں۔ خدا کی قسم! وہ کھنکار بھی تھوکتے تھے تو کسی نہ کسی آدمی کے ہاتھ پر پڑتا تھا اور وہ شخص اُسے

---

۱ تفسیر بیضاوی، تحت آیت سورۃ فاتحہ: ۵، جلد اول، صفحہ: ۲۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

۲ البحر المحیط، تحت آیت سورۃ فاتحہ: ۵، جلد اول، صفحہ: ۴۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت لبنان

اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا تھا اور جب وہ کوئی حکم دیتے تو اس کی بجا آوری کے لئے سب دوڑ پڑتے تھے اور جب وضو کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ اُس کے وضو کے پانی کے لئے لوگ لڑ پڑیں گے اور جب کوئی بات بولتے تھے تو سب اپنی آوازیں پست کر لیتے تھے اور فرط تعظیم کے سبب انہیں بھرپور نظر سے نہ دیکھتے تھے۔[۱]

۲: نماز میں حالت قیام میں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا بھی عبادت ہے اور رکوع کے بعد ہاتھ چھوڑ کر کھڑے ہونا بھی عبادت ہے اور صحابہ کرام کا نبی اکرم ﷺ کے لئے عاجزی کی انتہاء کرنا تعظیم تو ہے لیکن عبادت نہیں اور یہ بدیہی بات ہے کہ کسی کے کھنکار کو اپنے چہرے پر ملنے میں عاجزی کا اظہار زیادہ ہے اور صرف ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے میں عاجزی نسبتاً کم ہے۔

۳: نماز میں قیام بھی عبادت ہے رکوع وسجود بھی اور دوزانو بیٹھنا بھی ان تمام حالتوں میں اللہ کے لئے عاجزی کا اظہار تو ہے لیکن ان تمام کی نسبت سجدہ میں عاجزی زیادہ ہے اگر عبادت کا معنی عاجزی کی انتہا کیا جائے تو نہ قیام عبادت بنے گا نہ رکوع اور بوقت تشہد دوزانو بیٹھنا۔

۴: مشرکین مکہ بتوں کی عبادت کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''مَا نَعۡبُدُهُمۡ اِلَّا لِيُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلۡفٰى''

ہم تو انہیں صرف اس لیے پوجتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے نزدیک کریں۔[۲]

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ اپنے بتوں کے لئے عاجزی تو کرتے تھے

---

[۱] الرحیق المختوم صفحہ ۵۴۰ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور/ یہ واقعہ بخاری شریف میں کتاب الشروط کے باب الشروط فی الجھاد میں بھی ہے صفحہ ۵۲۳ ہے اور حدیث نمبر ۲۷۳۲ ہے۔

[۲] سورۃ زمر: ۳

لیکن عاجزی کی انتہا بتوں کی بجائے اللہ تعالیٰ کے لئے تھی۔ثابت ہوا کہ عبادت کا معنی اَقْصٰی غَایَۃِ الْخُضُوْعِ کرنے میں کافی مشکلات حائل ہیں۔تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ محض عاجزی وانکساری کا نام عبادت نہیں بلکہ کسی کو مستقل، واجب بالذات مان کر اُس کے لئے عاجزی وانکساری کا اظہار کرنا، ادب کرنا، آداب بجالانا، عبادت کہلاتا ہے۔اگر کسی کے سامنے عاجزی وانکساری کا اظہار تو کیا جائے اُس کا ادب تو کیا جائے لیکن مستقل اور واجب بالذات سمجھ کر نہیں بلکہ مخلوق اور غیر مستقل سمجھ کر تو یہ ادب اور عاجزی کا اظہار تعظیم کہلائے گا عبادت نہ کہلائے گا۔

شعائر اللہ کی تعظیم دیگر آیات کی روشنی میں

۱: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿۳۰﴾ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿۳۱﴾ ذٰلِكَ ۠ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾

تو دور رہو بتوں کی گندگی سے اور بچو جھوٹی بات سے ایک اللہ کے ہو کر کہ اس کا ساجھی کسی کو نہ کرو اور جو اللہ کا شریک کرے وہ گویا گرا آسمان سے کہ پرندے اُسے اچک لے جاتے ہیں یا ہوا اسے کسی دور جگہ پھینکتی ہے بات یہ ہے اور جو اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیز گاری ہے۔[۱]

---

[۱] سورۃ حج ۳۲،۳۱،۳۰

معلوم ہوا کہ اللہ کے پیاروں کا ادب اور تعظیم کرنا شرک نہیں ہے بلکہ یہ تو بندے کے متقی ہونے کی دلیل ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی کے خلیفہ مولانا عبدالماجد دریا آبادی ان آیتوں کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اوپر شرک کی مذمت بار بار ہو چکی تھی اس آیت نے اسے کھول دیا کہ شرک بری چیز ہے لیکن غیر اللہ کی تعظیم بری نہیں بلکہ جو چیزیں اللہ کی جانب منسوب ومنتسب ہیں اُن کی تعظیم وتکریم تو عین جزء دین ہیں۔ فقہاء نے کہا کہ تعظیم غیر اللہ مستقلاً ممنوع وناجائز ہے لیکن بہ لحاظ نسبت وتقرب ذات الوہیت جائز ومشروع ہے۔ بعض عارفوں نے یہاں سے دو مسئلہ نکالے ہیں ایک یہ کہ تقویٰ کا اصل محل قلب ہے دوسرے یہ کہ شعائر دین کی (جن کے اندر انبیاء واولیاء کے آثار بھی شامل ہیں) تعظیم حدود شرعی کے اندر خود مشروع ہے۔[1]

مولانا ادریس کاندھلوی لکھتے ہیں:

جو شخص اللہ کی یادگاروں یعنی اُس کے دین کی نشانیوں، علامتوں اور اس کی نامزد چیزوں کی تعظیم کرے گا تو اس میں شک نہیں کہ شعائر اللہ کی تعظیم دلوں کی پرہیزگاری سے پیدا ہوتی ہے، قلب میں جس درجہ کا تقویٰ اور خدا تعالیٰ کی عظمت ہوگی اس درجہ کی تعظیم اس سے سرزد ہوگی تقوی اور فجور کا اصل منشاء اور منبع قلوب ہیں اور اعضائے ظاہری ان کے آثار کے مظہر ہیں۔ اندر کا اثر ان اعضاء پر ظاہر ہوتا ہے مطلب یہ کہ شعائر اللہ کی تعظیم شرک نہیں بلکہ تقوی کی علامت ہے اور آثار توحید میں سے ہے اس لیے کہ عاشق کی شان

---

[1] تفسیر ماجدی، صفحہ ۷۰۵

یہ ہے کہ جو چیز اس کے محبوب کی طرف منسوب ہو یا اس کی نامزد ہو یا اس کے دین کی نشانی ہو دل و جان سے اس کی تعظیم کرے۔ [۱]

مولانا شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

شعائر اللہ کی تعظیم شرک میں داخل نہیں جس کے دل میں پرہیز گاری کا مضمون اور خدائے واحد کا ڈر ہوگا وہ اس کے نام لگی چیزوں کا ادب ضرور کرے گا۔ یہ ادب کرنا شرک نہیں بلکہ عین توحید کے آثار میں سے ہے کہ خدا کا عاشق ہر اُس چیز کی قدر کرتا ہے جو بالخصوص اُس کی طرف منسوب ہو جائے۔ [۲]

۲: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى"

اور ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا مقام بناؤ۔ [۳]

کعبہ شریف اصل میں مستطیل شکل میں تھا لیکن اب مربع شکل میں نظر آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف 35 برس کی ہوئی تو کعبہ شریف کی دیواریں سیلاب وغیرہ کی وجہ سے بڑی خستہ ہو چکی تھیں مکہ والوں نے فیصلہ کیا کہ کعبہ شریف کی نئے سرے سے تعمیر کرتے ہیں اور فیصلہ یہ کیا کہ اس کی تعمیر میں حرام کا پیسہ استعمال نہیں کریں گے۔ حلال کی کمائی سے حاصل ہونے والی دولت ناکافی تھی اس سے سارا کعبہ تعمیر نہیں ہو سکتا تھا۔ آدھا حصہ تعمیر کر لیا خیال کیا کہ باقی حصہ بعد میں تعمیر کر لیں

---

[۱] تفسیر معارف القرآن، جلد:۵، صفحہ ۳۰۳ [۲] تفسیر عثمانی، جلد:۲، صفحہ ۶۰۵ [۳] سورۃ بقرۃ:۱۲۵

گے لیکن باقی کے حصے کو انہوں نے چھوٹی چھوٹی دیوار بنا کر گھیر لیا اسے حطیم کہتے ہیں اس حطیم کے بالکل سامنے ایک شیشے کے گنبد میں ایک پتھر پر دو پیروں کے نشان بنے ہوئے ہیں۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان بھی اتنے پیارے لگے کہ فرمایا کہ اُن کے قدموں کے نشان کو مصلیٰ بناؤ۔ ثابت ہوا کہ اللہ خود اپنے پیاروں کے قدموں کے نشانات کی تعظیم کروا رہا ہے۔

ایک اور مقام پر رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

"اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ"

بے شک صفا اور مروہ اللہ کے نشانوں میں سے ہیں۔ [1]

صفا اور مروہ دو پہاڑیاں ہیں۔ یہ اللہ کی نشانی اس لیے ہیں کہ کبھی ان پر اللہ تعالیٰ کی ولیہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے قدم لگے تھے۔ جہاں قدم لگیں یا قدموں کے نشان ہوں وہ تو اللہ تعالیٰ کی نشانی بن جائے تو اُس روضہ انور کے بارے میں کیا خیال ہے جہاں ہمارے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سر سے لے کر پاؤں مبارک تک جلوہ افروز ہیں یقیناً وہ جگہ بھی اللہ تعالیٰ کی اعظم نشانی ہے بلکہ ہر نبی اور ولی کی قبر مبارک اللہ تعالیٰ کی نشانی ہے جو بھی وہاں ادب اور تعظیم کرے تو یہ اُس کے دل کا تقویٰ ہے۔ انبیاء کے مزارات صرف نشانی نہیں بلکہ رحمتوں کے ڈپو ہیں۔

اللہ فرماتا ہے:

"سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى

---

[1] سورۃ بقرۃ: ۱۵۸

الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ‘‘

پاکی ہے اسے جو راتوں رات اپنے بندے کو لے گیا مسجدِ حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے گرداگرد ہم نے برکت رکھی کہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں بے شک وہ سنتا دیکھتا ہے۔[1]

مسجد اقصیٰ کے اردگرد برکتوں کے متعلق اہل حدیث عالم صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

یہ علاقہ قدرتی نہروں اور پھلوں کی کثرت اور انبیاء کا مسکن و مدفن ہونے کے لحاظ سے ممتاز ہے۔اس لیے اسے بابرکت قرار دیا گیا ہے۔[2]

ثابت ہوا کہ مسجد اقصیٰ کے اردگرد کی برکت انبیاء کے مزار ہیں۔ان مزارات پر برکتیں ہمارے لیے رکھی گئی ہیں لیکن ملتی اُسی کو ہیں جو لینے جائے۔بغیر مانگے کچھ نہیں ملتا۔ آپ کسی بھی دکان پر چلے جائیں اور جا کے خاموشی سے کھڑے رہیں کیا آپ کو وہ چیز جو آپ لینے گئے مل جائے گی؟ ہرگز نہیں آپ تجربہ کر کے دیکھ لیجئے نہیں ملے گی تو یہاں بھی مانگنے سے ہی برکتیں ملتی ہیں اسی لئے ہم عرض کرتے ہیں:

میں گدا تو بادشاہ بھر دے پیالہ نور کا

نور دن دونا ترا دے ڈال صدقہ نور کا

جو گدا دیکھو لیے جاتا ہے توڑا نور کا

نور کی سرکار ہے کیا اس میں توڑا نور کا[3]

---

[1] سورۃ بنی اسرائیل ا [2] تفسیر احسن البیان، صفحہ ۷۶۵ [3] حدائق بخشش، حصہ دوم، صفحہ: ۲۴۳، ۲۴۵

یہ فطری بات ہے کہ بندے کو کسی سے فائدہ ملے تو بندے کے دل میں اس کے لیے احترام اور عقیدت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

تبرکات کی اہمیت قرآن شریف کی روشنی میں

اللہ والوں کی طرف منسوب چیزیں فائدہ دیتی ہیں۔ ملاحظہ کیجیے:

1: بنی اسرائیل میں دو چچازاد بھائی تھے۔ایک غریب جبکہ دوسرا بہت امیر تھا۔امیر کی جائیداد کا وارث سوائے اُس کے چچازاد بھائی کے کوئی بھی نہیں تھا۔غریب چچازاد نے سوچا کہ اگر یہ مرجائے تو اس کی ساری جائیداد مجھے حاصل ہوجائے گی۔ اُس نے رات کے وقت اُسے قتل کردیا اور اُٹھا کر بستی کے درمیان رکھ دیا۔صبح شور بھی خود ہی مچادیا کہ میرا چچازاد بھائی کدھر ہے۔لوگوں کے تلاش کرنے پر وہ بستی کے درمیان سے ملا۔اس نے لوگوں پر الزام لگادیا کہ تم نے ہی میرے چچازاد بھائی کو قتل کیا ہے۔ جب جھگڑا بڑھا تو لوگ اس معاملے کا فیصلہ کروانے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہوگئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس معاملے کے فیصلہ کے لئے رب تعالیٰ سے عرض کی۔ رب تعالیٰ کی طرف سے حکم صادر ہوا کہ ان سے کہیے گائے ذبح کر کے اُس کا ایک ٹکڑا مقتول کو ماریں۔ انہوں نے پہلے حیل وحجت کی کہ گائے کیسی ہو؟ اس کا رنگ کیسا ہو؟ اس کی عمر کتنی ہو؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کر گزرو۔ آخر کار ایک گائے مل ہی گئی وہ گائے ایک اللہ والے کی گائے تھی۔

تفسیر مظہری میں ہے:

اِنَّهٗ كَانَ فِيْ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ رَجُلٌ صَالِحٌ.

گائے کا مالک بنی اسرائیل میں ایک نیک آدمی تھا۔[1]

---

[1] تفسیر مظہری، جلد اول، صفحہ: ۸۰، زیرآیت سورۃ بقرہ: ٦٧

انہوں نے گائے کو ذبح کیا پھر اُس کی دم یا زبان کا ٹکڑا مقتول کے جسم کے ساتھ مارا تو وہ زندہ ہو گیا۔ زندہ ہو کر اُس نے بتایا کہ میرا قاتل فلاں شخص ہے۔

اللہ تعالیٰ اس بات کو اس انداز میں بیان فرماتا ہے:

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾

ہم نے کہا اس مقتول کو گائے کا کچھ حصہ مارو۔ اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ فرمائے گا اور اسی طرح اللہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو۔ [1]

ایک گائے جس کی نسبت ایک مرد صالح سے تھی اللہ نے اُس کے جسم میں اتنی برکت رکھ دی کہ مقتول کے جسم سے مارا تو وہ زندہ ہو گیا تو یہ بھی بعید از رحمت نہیں کہ رب تعالیٰ اپنے ولیوں کی نگاہ میں وہ تاثیر رکھ دے جس کی برکت سے کروڑوں مسلمانوں کے دل روشن ہو جائیں اور کروڑوں دلوں کو نورِ ہدایت حاصل ہو۔

2: اصحاب کہف کے متعلق جب لوگوں کو علم ہوا کہ یہ تو وہی لوگ ہیں جو آج سے تقریباً تین سو سال پہلے گم ہو گئے تھے تو لوگ ان کے پیچھے پیچھے چلے۔ اصحاب کہف غار میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں موت عطا کر دی پھر یہ غار ہی میں دفن بھی ہوئے۔ لوگوں کے دلوں میں ان کی عقیدت اور احترام پیدا ہو گیا۔ حکومت کفار کی تھی انہوں نے اور مسلمانوں نے مل کر سوچا کہ ہمیں ان کا احترام کرنا ہے۔ کافر بادشاہ اور اس کے ساتھیوں نے کہا کہ ہم ان کی قبر پر ایک شاندار عمارت بنائیں گے لیکن مسلمانوں نے اس فیصلے کو رد کیا اور کہا ہم ان

---

[1] سورۃ بقرۃ: ۷۳

کے قریب مسجد بنائیں گے کیونکہ یہ ہمارے دین پر تھے۔ ہم نماز پڑھ کر سکون حاصل کریں گے۔

اللہ تعالیٰ اسی بات کو یوں بیان فرمار ہا ہے:

قَالَ الَّذِيۡنَ غَلَبُوۡا عَلٰٓى اَمۡرِهِمۡ لَنَـتَّخِذَنَّ عَلَيۡهِمۡ مَّسۡجِدًا

اور اُن لوگوں نے کہا جو اپنے کام پر غالب رہے کہ ہم ان پر مسجد بنائیں گے۔ [1]

اگر اللہ والوں کی طرف منسوب مقامات سے برکت نہیں ملتی تو قرآن لَنَـتَّخِذَنَّ عَلَيۡهِمۡ مَّسۡجِدًا کیوں فرمار ہا ہے؟؟

مولانا ادریس کاندھلوی لکھتے ہیں:

بالآخر جو لوگ اپنی بات میں غالب رہے یعنی بیدروس اور اُس کے اصحاب تو انہوں نے یہ کہا کہ ہم تو ان کے پاس ایک مسجد بنائیں گے یعنی ایک عبادت خانہ بنائیں گے تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ خدائے وحدہ لا شریک لہ کے عبادت گزار بندے تھے معبود نہ تھے موحد تھے مشرک نہ تھے اور ان کی عبادت کے مناسب بھی یہی ہے کہ ان کی یادگار میں مسجد یعنی عبادت خانہ بنا دیا جائے۔ قبروں کو سجدہ گاہ بنانا ناجائز اور حرام ہے اور قبروں کے قریب مسجد بنانا جائز ہے۔ معاذ اللہ! مسجد بنانے سے یہ غرض نہ تھی کہ لوگ اُن کی قبروں کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھا کریں بلکہ غرض یہ تھی کہ صالحین کے قرب و جوار میں ایک عبادت خانہ بنا دیا جائے تا کہ لوگ ان کی طرح عبادت کیا کریں اور وہاں نمازیں پڑھا کریں اور ان کے قرب سے برکت حاصل کریں اور جس طرح اہل

---

[1] سورة الکھف ۲۱

کہف بعث ونشور اور قیامت کے قائل تھے اسی طرح لوگوں کو چاہیے کہ مسجد میں حاضر ہو کر اللہ کی عبادت کریں اور آخرت کی تیاری کریں ۔ اہل کہف کے ظاہر ہونے پر مومنین غالب ہوئے جو حشر ونشر اور قیامت کے قائل تھے اس لیے اُن کی رائے یہ ہوئی کہ ان کی یاد میں مسجد بنا دی جائے جو آخرت کا بازار ہے عبادت گزار بندوں کی یاد میں اُن کے قریب مسجد بنا دینا مناسب ہے جس میں دن رات اللہ کی عبادت ہوتی رہے۔[1]

مولانا ادریس کاندھلوی دیوبندی حضرات کے حیاتی گروپ کے عالم ہیں اب ایک حوالہ مماتی گروپ کا بھی ملاحظہ کیجئے۔

غلام اللہ خان صاحب لکھتے ہیں:

مسلمانوں نے جو اپنے مشن میں غالب ہوئے تھے کہا کہ ہم تو غار پر مسجد بنا کر اس میں اللہ کی عبادت کریں گے، اصحاب کہف سے اور اُن کی جگہ سے تبرک حاصل کریں گے اور اس کے ذریعے سے ان کے آثار ونشانات کی یادگار قائم کریں گے۔[2]

ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ اللہ والوں کے مزارات اور اُن کے پڑوس میں مسجد بنا کر مسجد سے برکت حاصل کرنا بالکل جائز ہے۔

مودودی صاحب کا تعاقب

مودودی صاحب نے بالکل اس کے اُلٹ تفسیر کر دی اور اس میں تقریباً سارے نجدی دلائل ذکر کر دیئے۔

مودودی صاحب لکھتے ہیں:

مسلمانوں میں سے بعض لوگوں نے قرآن مجید کی اس آیت کا بالکل اُلٹ مفہوم لیا

---

[1] تفسیر معارف القرآن، جلد: ۴، صفحہ ۵۸۶

[2] تفسیر جواہر القرآن، جلد: ۲، صفحہ ۶۵۶، ۶۵۵

ہے وہ اسے دلیل ٹھہرا کر مقابر صلحا پر عمارتیں اور مسجدیں بنانے کو جائز قرار دیتے ہیں حالانکہ یہاں قرآن اُن کی اس گمراہی کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ جو نشانی ان ظالموں کو بعث بعد الموت اور امکان آخرت کا یقین دلانے کے لئے دکھائی گئی تھی اسے انہوں نے ارتکاب شرک کے لئے ایک خداداد موقع سمجھا اور خیال کیا کہ چلو کچھ اور ولی پوجا پاٹ کے لئے ہاتھ آ گئے پھر آخر اس آیت سے قبور صالحین پر مسجدیں بنانے کے لئے کیسے استدلال کیا جا سکتا ہے جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ ارشادات اس کی نہی میں موجود ہیں:

۱: لَعَنَ اللّٰهُ تَعَالٰى زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِيْنَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ. (احمد، ترمذی، ابوداود، نسائی، ابن ماجہ)

اللہ نے لعنت فرمائی ہے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور قبروں پر مسجد بنانے اور چراغ روشن کرنے والوں پر۔[۱]

۲: اَلَا وَاِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ اَنْبِيَاءِهِمْ مَسَاجِدَ فَاِنِّيْ أَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ (مسلم)

خبردار رہو! تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنا دیتے تھے میں تمہیں اس حرکت سے منع کرتا ہوں۔[۲]

۱۔ سنن ترمذی، کتاب مواقیت الصلاۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب ما جاء فی کراھیۃ ان یتخذ علی القبر مسجدا، صفحہ:۸۹، رقم الحدیث:۳۲۰/سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، باب فی زیارۃ النساء القبور، صفحہ:۵۸۲، رقم الحدیث:۳۲۳۶/سنن نسائی، کتاب الجنائز، التغلیظ فی اتخاذ السرج علی القبور، صفحہ:۳۲۶، رقم الحدیث:۲۰۴۳

۲۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب النھي عن بناء المساجد علی القبور، صفحہ:۲۴۰، رقم الحدیث:۵۳۲

۳۔ لَعَنَ اللّٰہُ تَعَالٰی الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَاءِ هِمْ مَسَاجِدَ
(احمد، بخاری، مسلم، نسائی)

اللہ نے لعنت فرمائی یہود اور نصاریٰ پر انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا۔ ؎۱

۴۔ إِنَّ أُولٰٓئِكَ إِذَا كَانَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَاتَ بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهٖ مَسْجِدًا وَصَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّوَرَ أُولٰٓئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
(احمد، بخاری، مسلم، نسائی)

ان لوگوں کا حال یہ تھا کہ اگر اُن میں کوئی مرد صالح ہوتا تو اُس کے مرنے کے بعد اس کی قبر پر مسجدیں بناتے اور اس کی تصویریں تیار کرتے تھے یہ قیامت کے دن بدترین مخلوقات ہوں گے۔ ؎۲

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان تصریحات کی موجودگی میں کون خدا ترس آدمی یہ جرأت کر سکتا ہے کہ قرآن مجید میں عیسائی پادریوں اور رومی حکمرانوں کے جس گمراہانہ فعل کا حکایتاً ذکر کیا گیا ہے اس کو ٹھیک وہی فعل کرنے کے لیے دلیل و حجت ٹھہرائے۔ ؎۳

مودودی صاحب نے یہاں شدید ٹھوکر کھائی ہے۔ جن لوگوں نے مسجد بنانے کی رائے ظاہر کی مودودی صاحب نے انہیں گمراہ اور مشرک کہا حالانکہ مسجدیں مشرک نہیں

؎۱ صحیح بخاری، کتاب الصلوۃ، صفحہ:۱۱۸، رقم الحدیث:۴۳۶/ صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب النھي عن بناء المساجد علی القبور، رقم الحدیث:۵۳۰

؎۲ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب بناء المسجد علی القبر، صفحہ:۳۲۳، رقم الحدیث 1341 /صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب النھی عن بناء المساجد علی القبور، صفحہ:۲۳۹، رقم الحدیث:۵۲۸

؎۳ تفہیم القرآن، جلد سوم، صفحہ:۱۸، ۱۹

بلکہ موحد بناتے ہیں۔ مفسرین بھی تصریح فرماتے ہیں کہ مسجد بنانے کی رائے دینے والے مسلمان تھے۔

۱۔ تفسیر مدارک میں ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰى اَمْرِهِمْ (مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَمَلِكُهُمْ)

مسلمانوں اوراُن کے بادشاہ نے کہا۔[۱]

۲: امام رازی فرماتے ہیں:

اِنَّ بَعْضَهُمْ قَالَ: الْأَوْلٰى أَنْ يُسَدَّ بَابُ الْكَهْفِ لِئَلَّا يَدْخُلَ عَلَيْهِمْ أَحَدٌ وَلَا يَقِفَ عَلٰى أَحْوَالِهِمْ إِنْسَانٌ وَقَالَ آخَرُونَ: بَلِ الْأَوْلٰى أَنْ يُبْنٰى عَلٰى بَابِ الْكَهْفِ مَسْجِدٌ وَهٰذَا الْقَوْلُ يَدُلُّ عَلٰى أَنَّ أُولٰئِكَ الْأَقْوَامَ كَانُوْا عَارِفِيْنَ بِاللّٰهِ مُعْتَرِفِيْنَ بِالْعِبَادَةِ وَالصَّلَاةِ.

بعض نے کہا کہ بہتر یہ ہے کہ اصحاب کہف کے غار کا دروازہ بند کردیا جائے تاکہ کوئی وہاں داخل نہ ہوسکے اور کوئی انسان ان کے احوال پر واقف نہ ہو اور بعض نے کہا بہتر ہے کہ اصحاب کہف کے غار کے دروازے پر مسجد بنائی جائے اور یہ قول دلالت کرتا ہے کہ یہ لوگ عارف باللہ تھے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اور نماز کے قائل تھے۔[۲]

مزید فرماتے ہیں:

اِنَّ الْكُفَّارَ قَالُوْا: إِنَّهُمْ كَانُوْا عَلٰى دِيْنِنَا فَنَتَّخِذُ عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا

۱۔ تفسیر النسفی مدارک التنزیل وحقائق التاویل، جلد:۲، صفحہ:۲۳۹، تحت آیت سورۃ کہف:۲۱، مطبوعہ دار الکلم الطیب بیروت

۲۔ تفسیر کبیر، جلد:۲۱، صفحہ:۴۴۱، تحت آیت سورۃ کہف:۲۱، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت

وَالْمُسْلِمُوْنَ قَالُوا كَانُوا عَلٰى دِيْنِنَا فَنَتَّخِذُ عَلَيْهِمْ مَسْجِدًا

کافروں نے کہا اصحاب کہف ہمارے دین پر تھے اس لیے ہم ان پر عمارت بنائیں گے اور مسلمانوں نے کہا یہ ہمارے دین پر تھے ہم ان پر مسجد بنائیں گے۔[۱]

۳: تفسیر جلالین میں ہے:

(وَقَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰى اَمْرِهِمْ) أَمْرِ الْفِتْيَةِ وَهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ

جنہوں نے مسجد بنانے کا کہا وہ مومن تھے۔[۲]

۴: تفسیر جلالین کے حاشیہ میں ہے:

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ: فَقَالَ الْمُسْلِمُوْنَ نَبْنِيْ عَلَيْهِمْ مَسْجِدًا يُصَلِّيْ فِيْهِ النَّاسُ لِاَنَّهُمْ عَلٰى دِيْنِنَا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مسلمانوں نے کہا کہ ہم ان اصحاب کہف پر مسجد بنائیں گے اس میں لوگ نماز پڑھیں گے اس لیے کہ اصحاب کہف ہمارے دین پر تھے۔[۳]

مفسرین کی تصریحات اور بالخصوص سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تصریح سے معلوم ہوا کہ جنہوں نے مسجد بنانے کی رائے دی وہ مسلمان تھے مشرک اور گمراہ نہ تھے۔

۵: مودودی صاحب کے ساتھی جو کہ جماعت اسلامی کے بانی شمار کیے جاتے ہیں اور جاوید احمد غامدی صاحب کے استاد ہیں، علامہ امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

---

[۱] تفسیر کبیر، جلد:۲۱، صفحہ:۱۰۴، تحت آیت سورۃ کہف:۲۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

[۲] تفسیر جلالین، صفحہ:۳۸۳، تحت آیت سورۃ کہف:۲۱، مطبوعہ دار الحدیث القاھرہ

[۳] الفتوحات الالھیۃ بتوضیح تفسیر الجلالین للدقائق الخفیۃ/تفسیر البغوی، جلد:۳، صفحہ:۱۸۵، تحت آیت سورۃ کہف:۲۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت/تفسیر خازن، جلد:۳، صفحہ:۱۶۱، تحت آیت سورۃ کہف:۲۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

قرآن مجید نے ان لوگوں کی یادگار کو مسجد سے تعبیر کر کے یہ حقیقت واضح کی ہے کہ یہ موحد اور خدا پرست لوگ تھے اس وجہ سے انہوں نے خدا کی عبادت کا گھر بنایا۔[1]

مودودی صاحب کا یہ کہنا کہ قرآن اُن لوگوں کی گمراہی کی طرف اشارہ کر رہا ہے یہ بھی غلط اور قرآن فہمی سے نا آشنائی کا ثبوت ہے۔ مودودی صاحب خود تو فوت ہو گئے ہیں اُن کے متبعین سے گزارش ہے کہ وہ قرآن شریف سے اُس لفظ کی نشاندہی کر دیں جس سے اُن کی گمراہی کا اشارہ ملتا ہو۔ مودودی صاحب نے جو چار احادیث نقل کیں وہ حق اور سچ ہیں۔ الحمدللہ! ہم ان چاروں احادیث پر عمل کرتے ہیں کسی بھی قبر کو سجدہ گاہ بنانا حرام اور موجب لعنت ہے لیکن نجدی صاحبان! ہمیں یہ تو بتا دیجئے کہ قبر کے قریب مسجد بنانا کیسے گناہ ہے؟ قبر پر مسجد بنانا اور چیز ہے۔ قبر کے قریب مسجد بنانا اور چیز ہے۔

ایک دیوبندی عالم مفتی شفیع صاحب اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مسئلہ: اس واقعہ سے اتنا معلوم ہوا کہ اولیاء صلحاء کی قبور کے پاس نماز کے لئے مسجد بنا دینا کوئی گناہ نہیں اور جس حدیث میں قبور انبیاء کو مسجد بنانے والوں پر لعنت کے الفاظ آئے ہیں ان سے مراد خود قبور کو سجدہ گاہ بنا دینا ہے جو باتفاق شرک وحرام ہے۔[2]

بیہقی وقت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

هٰذِهِ الْاٰيَةُ تَدُلُّ عَلٰى جَوَازِ بِنَاءِ الْمَسْجِدِ لِيُصَلّٰى فِيْهِ عِنْدَ مَقَابِرِ اَوْلِيَاءِ اللّٰهِ قَصْدًا لِلتَّبَرُّكِ بِهِمْ

---

[1] تدبر قرآن، جلد: ۴، صفحہ: ۵۷۵، مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن لاہور

[2] تفسیر معارف القرآن، جلد: ۵، صفحہ ۵۷۷، مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی

یہ آیت مبارکہ اس بات کی دلیل ہے کہ اولیاء اللہ کے مزارات کے قریب ان سے برکت کا قصد کرتے ہوئے نماز کے لئے مسجد بنانا جائز ہے۔ [1]

اس کے بعد قاضی صاحب نے یہی چاروں احادیث جو مودودی صاحب نے بیان کیں نقل کیں اور فرمایا:

وَلَا دَلَالَةَ لَهَا عَلٰی کَرَاهَةِ بِنَاءِ الْمَسْجِدِ بِقُرْبٍ مِّنْهَا وَمَعْنٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ اَنَّهُمْ يَسْجُدُوْنَ اِلَی الْقُبُوْرِ كَمَا هُوَ صَرِيْحٌ فِيْ حَدِيْثِ اَبِيْ مَرْثَدِ الْغَنَوِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا تَجْلِسُوْا عَلَى الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا اِلَيْهَا

یہ احادیث اس بات پر قطعا دلالت نہیں کرتیں کہ مزارات کے قریب مسجد کی تعمیر منع ہے اور حدیث مبارک جس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں اور عیسائیوں پر لعنت فرمائی جنھوں نے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو مساجد بنالیا اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا کہ وہ قبروں کو سجدہ کرتے تھے اس معنی کی تصریح حضرت ابومرثد الغنوی کی وہ حدیث کرتی ہے جسے امام مسلم نے روایت کیا کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا نہ تو قبروں پر بیٹھو اور نہ ہی اُن کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔ [2]

اللہ تعالیٰ آپ کو مدینہ شریف لے جائے تو اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کیجئے کہ روضہ انور بھی مسجد نبوی شریف کے قرب میں ہے۔

---

[1] تفسیر مظہری، جلد:۶، صفحہ:۲۳، تحت آیت سورۃ کہف:۲۱، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ

[2] تفسیر مظہری، جلد:۶، صفحہ:۲۴، تحت آیت سورۃ کہف:۲۱، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ صالحین کے مزارات کے قرب میں مسجد تعمیر کرنے کے جواز کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اَلَا تَرٰی اَنَّ مَرْقَدَ اِسْمَاعِیْلَ عَلَیْهِ السَّلَامُ فِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ عِنْدَ الْحَطِیْمِ

کیا تو نہیں جانتا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مرقد مسجد حرام میں حطیم کے پاس ہے۔[1]

اگر کسی مزار کے قرب میں مسجد بنانا اور وہاں نماز پڑھنا حرام ہے تو مسجد نبوی اور مسجد حرام میں نماز کا کیا حکم ہے؟

3: بنی اسرائیل کے ایک نبی حضرت شموئیل علیہ السلام کے پاس لوگ حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کی کہ آپ ہمارے لیے کسی کو بادشاہ مقرر کر دیں تا کہ ہم اُس کی کمان میں رہتے ہوئے دشمن کا مقابلہ کریں۔ حضرت شموئیل علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا۔ طالوت کا تعلق عام برادری سے تھا اور زیادہ مالدار بھی نہ تھا۔ لوگوں نے کہا آپ کو چاہیے تھا کہ کسی اونچی برادری والے سردار کو بادشاہ مقرر کرتے۔ آپ نے فرمایا طالوت میں دو خصوصیات ایسی ہیں جو تمہارے پاس نہیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس کے جسم میں بہت طاقت ہے دوسری یہ کہ اس کے پاس حکومت چلانے کا علم ہے۔ لوگوں نے طالوت کی بادشاہت کی کوئی نشانی طلب کی۔ بنی اسرائیل کے پاس ایک بابرکت صندوق تھا جس کی برکت سے اللہ انہیں فتح عطا فرماتا تھا۔ انہوں نے اس صندوق کی بے ادبی کی جس کی وجہ سے کفار وہ بابرکت صندوق ان سے چھین کر لے گئے۔ بابرکت صندوق کے چھن جانے

---

[1] مرقاۃ المفاتیح، جلد:۲، صفحہ:۲۰۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت لبنان

کی وجہ سے ان سے برکتیں غائب ہوگئیں جب بھی جنگ ہوتی تو انہیں شکست کا سامنا کرنا پڑتا۔ جب انہوں نے نشانی طلب کی تو فرمایا طالوت کے بادشاہ ہونے کی خدائی نشانی یہ ہے کہ وہ برکتوں والا صندوق فرشتے تمہارے پاس لے آئیں گے۔

قرآن شریف میں اس بات کا ذکر ان الفاظ میں ہوا:

وَ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَ نَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَ لَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَ زَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَ الْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾ وَ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَ اٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾

اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا: بیشک اللہ نے تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا ہے، تو کہنے لگے کہ اسے ہم پر حکمرانی کیسے مل گئی حالانکہ ہم اس سے حکومت (کرنے) کے زیادہ حق دار ہیں اسے تو دولت کی فراوانی بھی نہیں دی گئی، (نبی نے) فرمایا: بیشک اللہ نے اسے تم پر منتخب کرلیا ہے اور اسے علم اور جسم میں زیادہ کشادگی عطا فرما دی ہے اور اللہ اپنی سلطنت (کی امانت) جسے چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا خوب جاننے والا ہے اور ان کے نبی نے ان سے فرمایا: اس کی سلطنت (کے

مِنجانِبِ اللہ ہونے) کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس صندوق آئے گا اس میں تمہارے رب کی طرف سے سکونِ قلب کا سامان ہوگا اور کچھ آلِ موسیٰ علیہ السلام اور آلِ ہارون کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہوں گے اسے فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہوگا اگر تم ایمان والے ہو تو بیشک اس میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے۔[1]

سوال یہ ہے کہ اگر کسی چیز سے برکت ملتی ہی نہیں تو بابرکت تابوت کا ذکر قرآن شریف میں کیوں آیا؟

4: حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جب ان کے دس بھائی پہنچے، حضرت بنیامین پہلے ہی پاس تھے تو آپ نے اُن سے فرمایا: تمہیں کچھ یاد ہے کہ تم نے یوسف کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟ یوسف علیہ السلام نے یہ بات اس انداز سے کہی کہ وہ سب چونک گئے کہ اسے کیسے پتہ چلا۔ اب انہوں نے غور سے دیکھنا شروع کر دیا کہنے لگے کہیں آپ یوسف ہی تو نہیں؟ فرمایا ہاں میں یوسف ہی ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر کرم کیا ہے۔ اب یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے گھر کی باتیں شروع کر دیں۔ پوچھا ابا جی کا کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا ابا جی آپ کے غم میں اتنا روئے کہ آنکھوں کا نور چلا گیا ہے۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا میرا یہ کرتہ لے جاؤ جا کر ابا جان کے چہرے پر ڈال دینا اُن کی آنکھوں کا نور واپس آجائے گا۔ مصر سے کرتہ لے جانے والا جب نکلا تو ادھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے ارشاد فرمایا مجھے یوسف کی خوشبو آرہی ہے۔ جب خوشخبری لانے والے نے آکر حضرت یوسف کا کرتہ جناب یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈالا تو اُن کی بینائی لوٹ آئی۔

---

[1] سورۃ بقرۃ ۲۴۸، ۲۴۷

قرآن شریف میں اس بات کا تذکرہ یوں موجود ہے:

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَ اَخِيْهِ وَ لَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ
رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾ فَلَمَّا
دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَ اَهْلَنَا الضُّرُّ وَ جِئْنَا بِبِضَاعَةٍ
مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَ تَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي
الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَ اَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ
جٰهِلُوْنَ ﴿۸۹﴾ قَالُوْۤا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَ هٰذَاۤ اَخِيْ ۫ قَدْ
مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَ يَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَ اِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۱﴾
قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۫ وَ هُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾
اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَ اْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ
اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۳﴾ وَ لَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْ لَاۤ
اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿۹۵﴾ فَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَ
الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْۤ اَعْلَمُ
مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾

اے میرے بیٹو! جاؤ (کہیں سے) یوسف (علیہ السلام) اور اس کے بھائی کی خبر لے آؤ اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بیشک اللہ کی رحمت سے صرف وہی لوگ مایوس

ہوتے ہیں جو کافر ہیں پھر جب یہ لوگ یوسف (علیہ السلام) کے پاس پہنچے تو کہنے لگے کہ اے عزیز! ہم کو اور ہمارے خاندان کو دکھ پہنچا ہے ہم حقیر پونجی لائے ہیں پس آپ ہمیں پورا غلہ دیجئے اور ہم پر خیرات کیجئے اللہ تعالیٰ خیرات کرنے والوں کو بدلہ دیتا ہے یوسف نے کہا جانتے بھی ہو کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ اپنی نادانی کی حالت میں کیا کیا ؟انہوں نے کہا کیا (واقعی) تو ہی یوسف (علیہ السلام) ہے جواب دیا کہ ہاں میں یوسف (علیہ السلام) ہوں اور یہ میرا بھائی ہے اللہ نے ہم پر فضل و کرم کیا۔ بات یہ ہے کہ جو بھی پرہیزگاری اور صبر کرے تو اللہ تعالیٰ کسی نیکوکار کا اجر ضائع نہیں کرتا انہوں نے کہا اللہ کی قسم! اللہ تعالی نے تجھے ہم پر برتری دی ہے اور یہ بھی بالکل سچ ہے کہ ہم خطا کار تھے۔ جواب دیا آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہے اللہ تمہیں بخشے، وہ سب مہربانوں سے بڑا مہربان ہے۔ میرا یہ کرتا تم لے جاؤ اور اسے میرے والد کے منہ پر ڈال دو کہ وہ دیکھنے لگیں اور اپنے تمام خاندان کو میرے پاس لے آؤ۔ جب یہ قافلہ جدا ہوا تو ان کے والد نے کہا کہ مجھے تو یوسف کی خوشبو آرہی ہے اگر تم مجھے سٹھیایا ہوا قرار نہ دو۔ وہ کہنے لگے کہ واللہ آپ اپنے اسی پرانے خبط میں مبتلا ہیں۔ جب خوشخبری دینے والے نے پہنچ کر ان کے منہ پر وہ کرتا ڈالا اسی وقت وہ پھر سے بینا ہو گئے کہا! کیا میں تم سے نہ کہا کرتا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ [1]

جس کرتے کو اللہ کے نبی حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ نسبت ہو جائے وہ کرتہ آنکھوں کو روشن کر دیتا ہے تو یہ بات بعید از رحمت نہیں کہ کسی اللہ والے کے ساتھ نسبت

---

[1] سورہ یوسف: ۸۷ تا ۹۶

قائم کرنا دل کو روشن کر دے بعض بزرگ کہتے ہیں کہ وہ کرتہ جنت سے آیا تھا لیکن مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں:

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال اور اُن کا وجود خود جنت ہی کی ایک چیز تھی اس لیے اُن کے جسم سے متصل ہونے والے ہر کرتہ میں یہ خاصیت ہو سکتی ہے۔ ؎

ان ارشادات سے معلوم ہوا کہ نجدی فکر درست نہیں۔ اگر حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتہ شفا دے سکتا ہے تو غار حرا جہاں میرے مصطفی کریم علیہ السلام کے قدم لگے ہیں، جہاں جبریل علیہ السلام قرآن لے کر نازل ہوئے وہ جگہ بھی برکتیں دے سکتی ہے۔

5: عَنْ أَبِيْ مُوْسٰى، قَالَ: أَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْرَابِيًّا فَأَكْرَمَهُ فَقَالَ لَهُ اِئْتِنَا فَأَتَاهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :سَلْ حَاجَتَكَ فَقَالَ: نَاقَةً نَرْكَبُهَاوَعَنْزًا يَحْلُبُهَا أَهْلِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم :عَجَزْتُمْ أَنْ تَكُوْنُوا مِثْلَ عَجُوزِ بَنِي إِسْرَائِيلَ؟ قَالَ:إِنَّ مُوسٰى لَمَّا سَارَ بِبَنِى إِسرَائِيلَ مِنْ مِصْرَ ضَلُّوا الطَّرِيقَ فَقَالَ: مَا هٰذَا؟فَقَالَ عُلَمَاؤُهُمْ: إِنَّ يُوسُفَ لَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ أَخَذَ عَلَيْنَا مَوْثِقًا مِنَ اللهِ أَنْ لا نَخْرُجَ مِنْ مِصْرَ حَتّٰى نَنْقُلَ عِظَامَهُ مَعَنَا قَالَ:فَمَنْ يَعْلَمُ مَوْضِعَ قَبْرِهِ؟ قَالَ:عَجُوزٌ مِنْ بَنِي إِسرَائِيلَ فَبَعَثَ

؎ تفسیر معارف القرآن، جلد:۵، صفحہ:۱۴۲، ۱۴۳، مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی

إِلَيْهَا فَأَتَتْهُ فَقَالَ: دُلِّينِي عَلَىٰ قَبْرِ يُوسُفَ قَالَتْ حَتّٰى تُعْطِيَنِي حُكْمِي قَالَ: مَا حُكْمُكِ؟ قَالَتْ أَكُونُ مَعَكَ فِي الْجَنَّةِ فَكَرِهَ أَنْ يُعْطِيَهَا ذٰلِكَ فَأَوْحَى اللهُ إِلَيْهِ أَنْ أَعْطِهَا حُكْمَهَا. فَانْطَلَقَتْ بِهِمْ إِلَىٰ بُحَيْرَةٍ مَوْضِعِ مُسْتَنْقَعِ مَاءٍ فَقَالَتْ أَنْضِبُوا هٰذَا الْمَاءَ فَأَنْضَبُوا قَالَتْ: احْتَفِرُوا وَاسْتَخْرِجُوا عِظَامَ يُوسُفَ فَلَمَّا أَقَلُّوهَا إِلَى الْأَرْضِ إِذَا الطَّرِيقُ مِثْلُ ضَوْءِ النَّهَارِ۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس ایک اعرابی حاضر ہوا۔ آپ نے اُس اعرابی کی بہت عزت کی اسے اپنے قریب بلایا اور فرمایا اپنی حاجت کا سوال کر، اُس نے عرض کی ایک اونٹنی عطا کر دیں جس پر ہم سوار ہو سکیں اور ایک بکری عطا فرمائیں تا کہ میرے گھر والے اُس کا دودھ نچوڑیں ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تم تو بنی اسرائیل کی بڑھیا کی طرح بھی نہ ہو سکے۔آپ نے فرمایا: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ساتھ مصر سے روانہ ہوئے تو راستہ بھول گئے فرمایا یہ کیا؟ بنی اسرائیل کے علماء نے عرض کی: جب حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے ہمارے بارے میں اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ بنی اسرائیل اُس وقت تک مصر سے نہ نکل سکیں جب تک میرے جسم کو اپنے ساتھ نہ لیں ۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کے متعلق کون جانتا ہے؟ آپ سے عرض کیا گیا کہ بنی اسرائیل میں سے ایک بڑھیا ان کی قبر مبارک کے متعلق جانتی ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بڑھیا کو بلوا کر فرمایا ہمیں

حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کے بارے میں بتاؤ۔ اُس بڑھیا نے کہا اُس وقت تک نہیں بتاؤں گی جب تک آپ میرا حکم مجھے عطا نہ کریں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تیرا حکم کیا ہے؟ اُس نے عرض کی یہی کہ آپ کی رفاقت جنت میں حاصل کروں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بات کو ناپسند کیا پھر اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی کی کہ اس بڑھیا کو اس کا حکم عطا کر دو پھر وہ بڑھیا بنی اسرائیل کے ساتھ ایک چھوٹی جھیل پر گئی۔ ایک جگہ پہنچ کر کہنے لگی یہاں سے پانی ہٹاؤ۔ پانی ہٹا دیا تو ایک جگہ اشارہ کر کے کہنے لگی یہاں سے کھودو اور جناب یوسف علیہ السلام کا جسد مبارک نکال لو۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے جسد اقدس کو زمین سے نکالا تو راستہ روشن دن کی طرح واضح ہو گیا۔ [1]

اس حدیث کو ناصر الدین البانی نے سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ میں درج کیا اور لکھا:

كُنْتُ اِسْتَشْكَلْتُ قَدِيْمًا قَوْلَهٗ فِيْ هٰذَا الْحَدِيْثِ "عِظَامَ يُوْسُفَ" لِأَنَّهٗ يَتَعَارَضُ بِظَاهِرِهٖ مَعَ الْحَدِيْثِ الصَّحِيْحِ: إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ حَتّٰى وَقَفْتُ عَلٰى حَدِيْثِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَدَنَ قَالَ لَهٗ تَمِيْمُ الدَّارِيُّ: أَلَا أَتَّخِذُ لَكَ مِنْبَرًا يَا رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! يَجْمَعُ

---

[1] مسند ابویعلی، حدیث ابی موسی الاشعری، جلد: ۱۳، صفحہ: ۲۳۶، ۷۲۳۲، رقم الحدیث: ۷۲۵۴ / صحیح ابن حبان، کتاب الرقائق، باب الورع والتوکل، جلد: ۲، صفحہ: ۵۰۰، ۵۰۱، رقم الحدیث: ۷۲۳ / حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ترجمہ کعب الاحبار، جلد: ۶، صفحہ: ۲۷، مطبوعہ مصر / المستدرک علی الصحیحین، کتاب تواریخ المتقدمین من الانبیاء والمرسلین، ذکر یوسف بن یعقوب، جلد: ۲، صفحہ: ۶۲۴، رقم الحدیث: ۴۰۸۸۔ امام حاکم اس حدیث کو صحیح الاسناد قرار دیتے ہیں۔

أَوْ يَحْمِلُ عِظَامَكَ؟ قَالَ: بَلٰى فَاتَّخِذْ لَهُ مِنْبَرًا مِرْقَاتَيْنِ أَخْرَجَهُ أَبُوْ دَاؤُدَ (١٠٨١) بِإِسْنَادٍ جَيِّدٍ عَلٰى شَرْطِ مُسْلِمٍ فَعَلِمْتُ مِنْهُ أَنَّهُمْ كَانُوْا يُطْلِقُوْنَ الْعِظَامَ وَيُرِيْدُوْنَ الْبَدَنَ كُلَّهُ مِنْ بَابِ إِطْلَاقِ الْجُزْءِ وَإِرَادَةِ الْكُلِّ، كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى: وَقُرْآنَ الْفَجْرِ أَيْ: صَلَاةَ الْفَجْرِ فَزَالَ الْإِشْكَالُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ

مجھے اس حدیث کے الفاظ کہ بنی اسرائیل نے حضرت یوسف کی ہڈیوں کو اُن کی قبر سے نکال لیا پر بڑے عرصہ سے اشکال تھا کیونکہ یہ بات صحیح حدیث اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ کے معارض ہے یہاں تک کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث پر واقف ہوا کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم بھاری ہو گیا تو سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ نے عرض کی کیا میں آپ کے لئے منبر بنواؤں جو آپ کی ہڈیوں کو جمع کرے یا اُٹھائے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں ضرور بنواؤ۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد نے جید سند کے ساتھ جو کہ امام مسلم کی شرط پر ہے بیان کیا پھر میں نے اس بات کو جان لیا کہ یہاں ہڈیاں بول کر سارا جسم مراد لیا جا رہا ہے اور یہ بات جزء بول کر کل مراد لینے کے باب سے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد قرآن الفجر ہے اور اس سے مراد صلاۃ الفجر ہے۔ الحمدللہ! اشکال دور ہو گیا۔[1]

معلوم ہوا کہ اللہ والوں کا جسد اقدس بھولا ہوا راستہ روشن دن کی طرح واضح کر دیتا ہے۔ صرف ظاہری راستہ ہی نہیں بلکہ کوئی حق کا متلاشی بھی اُن کے دربار حاضر ہو تو ان کی

---

[1] سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ، جلد اول، صفحہ: ۶۲۳، ۶۲۴، رقم الحدیث: ۳۱۳

برکت سے حق کا راستہ بھی واضح ہو جاتا ہے۔

6: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک دن وعظ فرمایا: کسی نے عرض کی اس وقت روئے زمین پر سب سے بڑا عالم کون ہے؟ آپ نے فرمایا میں سب سے بڑا عالم ہوں۔ اللہ نے فرمایا پیارے موسیٰ! ایک خاص شعبہ میں ہمارا ایک بندہ خضر تجھ سے بھی بڑا عالم ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی یا اللہ! میں اُن سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ فرمایا: سمندر کے کنارے کنارے چلو کھانا بھی ساتھ لے لو اور جہاں توشہ دان سے بھنی ہوئی مچھلی زندہ ہو کر سمندر میں کود جائے وہی جائے ملاقات ہوگی۔ جناب موسیٰ علیہ السلام ایک ساتھی کے ساتھ سمندر کے کنارے کنارے چل پڑے۔ ایک جگہ پہنچ کر آرام فرما ہو گئے آپ کے ساتھی نے دیکھا کہ بھنی ہوئی مچھلی اچانک زندہ ہو کر سمندر میں چلی گئی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو وہ اس بات کا تذکرہ بھول گیا۔ جناب موسیٰ علیہ السلام نے آگے کی جانب سفر شروع کر دیا۔ راستے میں فرمایا توشہ دان لاؤ جس میں کھانا ہے تب آپ کے ہم سفر کو یاد آیا کہ مچھلی تو خود بخود زندہ ہو کر سمندر میں چلی گئی تھی اُس نے عرض کی کہ پیچھے جہاں آپ آرام فرما رہے تھے وہاں مچھلی خود بخود زندہ ہو کر سمندر میں کود گئی تھی اور میں یہ بات عرض کرنا بھول گیا تھا فرمایا وہی تو جائے ملاقات ہے جب واپس اُس جگہ پہنچے تو وہاں حضرت خضر علیہ السلام تشریف فرما تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن سے فرمایا میں آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ جناب خضر نے فرمایا آپ صبر نہیں کر سکو گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہم صبر کریں گے۔ جناب خضر علیہ السلام سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے رفیق سفر کے ساتھ آگے بڑھے۔ آگے ایک جگہ سمندر کے کنارے ایک کشتی والا نظر آیا جو کہ مسافروں کو لے کر جا

رہا تھا یہ تینوں اُس میں سوار ہو گئے ۔راستے میں جناب خضر علیہ السلام نے اُس کشتی کا ایک تختہ توڑ دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام رہ نہ سکے اور فرمانے لگے یہ آپ نے کیا کیا؟ اس کشتی والے نے ہم سے کرایہ نہیں لیا اور آپ نے اُس کی کشتی کو داغدار کر دیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا میں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ آپ صبر نہ کر سکو گے۔ یہ سن کر یاد آ گیا اور جناب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اب ہم صبر کریں گے۔ کشتی سے اتر کر دیکھا کہ دوسرے کنارے پر کچھ بچے کھیل رہے ہیں۔ جناب خضر علیہ السلام نے اُن میں سے ایک خوبصورت بچے کو لیا اور دور جا کر اُس کی گردن مروڑ دی اور اُسے قتل کر دیا اب حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر نہ رہ سکے اور فرمانے لگے یہ آپ نے کیا کیا؟ ایک بچے کو بلا وجہ قتل کر دیا۔ جناب خضر علیہ السلام نے فرمایا کیا میں نے نہ کہا تھا کہ آپ صبر نہ کر سکو گے۔ یہ سن کر پھر یاد آ گیا۔ جناب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ایک موقع اور دے دیں اب ہم صبر کریں گے۔ تھوڑا آگے گئے تو ایک بستی نظر آئی۔ اُس بستی میں پہنچ کر انہوں نے اُن سے مہمان نوازی طلب کی لیکن بستی والوں نے انکار کر دیا۔ تھوڑا آگے بستی سے باہر نکلے تو ایک دیوار نظر آئی جو کہ گرنے کے قریب تھی۔ جناب خضر علیہ السلام نے اُس دیوار کے قریب پہنچ کر ہاتھ کا اشارہ کیا تو وہ بالکل ٹھیک کھڑی ہو گئی۔ یہ دیکھ کر جناب موسیٰ علیہ السلام پھر نہ رہ سکے اور بول پڑے کہ یہ آپ نے کیا کیا؟ اس بستی والوں نے ہماری مہمان نوازی نہ کی اور آپ نے مفت میں انکی دیوار کو تعمیر کر دیا۔ آپ ان سے اس کی مزدوری لے لیتے تا کہ کھانے پینے کا سامان بن جاتا۔ اب حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ اب آپ کی اور میری جدائی ہو جائے گی جو کچھ ہوا میں آپ کو ان چیزوں کی حقیقت بتاتا ہوں۔

۱: وہ کشتی والا غریب آدمی تھا اُس کا ذریعہ روزگار صرف یہ کشتی تھی اور دوسرے کنارے بادشاہ کے سپاہی کھڑے تھے وہ صحیح سالم کشتیاں غصب کر رہے تھے اگر اس غریب کی کشتی چھن جاتی تو اُس بیچارے کا روزگار ختم ہو جاتا تو میں نے اُس کا روزگار بچانے کے لئے کشتی کو عیب دار بنا دیا۔

۲: اور وہ جو بچے کا قتل تھا وہ اس لیے کہ اُس بچے کے ماں باپ نیک تھے اور اگر یہ زندہ رہتا تو اس نے بڑے ہو کر ماں باپ کو بھی ظالم بنا دینا تھا تو میں نے اللہ کے حکم سے اس بچے کو قتل کر دیا۔

۳: اور یہ دیوار دو یتیم لڑکوں کی دیوار ہے اور اس کے نیچے اُن کا خزانہ پڑا ہوا ہے ان دونوں کا باپ بہت نیک تھا ان کے باپ کی نیکی کی وجہ سے میں نے ان کے خزانے کی حفاظت کی۔[۱]

ایک دیوبندی عالم مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں:

وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا اس میں اشارہ ہے کہ یتیم بچوں کے لیے مدفون خزانے کی حفاظت کا سامان بذریعہ خضر علیہ السلام اس لیے کرایا گیا تھا کہ ان یتیم بچوں کا باپ کوئی مرد صالح اللہ کے نزدیک مقبول تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی مراد پوری کرنے اور اس کی اولاد کو فائدہ پہنچانے کا یہ انتظام فرمایا۔ محمد بن منکدر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک بندے کی نیکی اور صالحیت کی وجہ سے اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد اور اس کے خاندان کی اور اس کے آس پاس کے مکانات کی حفاظت فرماتے ہیں۔ (مظہری)

---

[۱] خلاصہ سورہ کہف آیت ۶۰ تا ۸۲

قرطبی میں ہے کہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اس شہراور پورے علاقہ کے لئے امان ہوں جب اُن کی وفات ہوگئی تو اُن کے دفن ہوتے ہی کفارِ دیلم نے دریائے دجلہ کوعبور کر کے بغداد پر قبضہ کرلیا اس وقت لوگوں کی زبان پر یہ تھا کہ ہم پر دوہری مصیبت ہے یعنی شبلی کی وفات اور دیلم کا قبضہ۔ (قرطبی صفحہ ۲۹ جلد ۱۱)

تفسیر مظہری میں ہے کہ اس آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ لوگوں کو بھی علماء وصلحا کی اولاد کی رعایت اوران پر شفقت کرنی چاہیے جب تک کہ وہ بالکل ہی کفر وفسق وفجور میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ [1]

چڑھتے دن کے سورج کی طرح واضح ہو گیا کہ یتیم بچوں کے خزانے کی حفاظت اس لیے کی گئی کہ اُن کا باپ نیک آدمی تھا۔معلوم ہوا باپ نیک ہوتو اس کی نیکی اور صالحیت کا فیض اولاد کو بھی پہنچتا ہے۔

ابا جی قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے جان بوجھ کر ظاہری مال اولاد کے لیے نہیں چھوڑا حالانکہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ لاکھوں روپے روز کا نذرانہ ملتا تھا لیکن ابا جی اسے فوراً تقسیم کر دیتے تھے۔کئی لوگوں کے ماہانہ وظائف لگے ہوئے تھے۔ایک دن فرمانے لگے کہ ایک پیر صاحب کو اُن کے مریدوں نے کہا حضور! آپ صاحبزادہ صاحب کے لئے کیا چھوڑ کر جارہے ہیں؟ فرمانے لگے اگر یہ میرے نقش قدم پر رہے گا تو بھوکا نہیں مرے گا اور اگر میرے طریقے پر نہ رہا تو پھر مجھے کیا۔ یہ بات بیان کر کے ابا جی قبلہ نے ہمیں بھی صاف صاف فرما دیا کہ بیٹو! اگر میرے نقش قدم پر چلو گے تو بھوکے نہیں مرو گے اور اگر

---

[1] تفسیر معارف القرآن، جلد: ۵، صفحہ: ۶۲۱، ۶۲۲

میرے طریقے پر نہ رہے تو پھر مجھے کیا۔[1]

مفتی محمد شفیع صاحب تھانوی صاحب کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ آپ نے اُن کا حوالہ ملاحظہ کیا۔ اب تھانوی صاحب کے ایک اور مرید اور خلیفہ کا حوالہ ملاحظہ کیجئے۔

دیوبندی عالم مولانا عبدالماجد دریا آبادی لکھتے ہیں:

مال کے غیبی تحفظ میں دخل والدین کی صالحیت کو بھی تھا اس سے علماء محققین نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ والدین کی صالحیت اولاد کو فائدہ پہنچاتی ہے بشرطیکہ اولاد خود بھی صالح ہو اور پسر نوح علیہ السلام کی سی نہ ہو۔[2]

7: اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں کچھ قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ ہمارے لیے حکم یہ ہے کہ ہم غیر اللہ کے نام کی قسم نہیں کھا سکتے لیکن اللہ تعالیٰ مالک ہے وہ جو چاہے کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کچھ چیزوں کی قسم ارشاد فرمائی ہے اور یہ قسم اُن چیزوں کی عزت وعظمت کو بیان کرنے کے لئے ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَآ اُقۡسِمُ بِهٰذَا الۡبَلَدِ ۝۱ وَ اَنۡتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الۡبَلَدِ ۝۲

مجھے اس شہر کی قسم کہ اے محبوب! تم اس شہر میں تشریف فرما ہو۔[3]

یہاں اللہ تعالیٰ شہر مکہ کی قسم اس لیے ارشاد فرما رہا ہے کہ شہر مکہ کا تعلق مدنی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہے۔

---

[1] امام المناظرین دامت برکاتہم العالیہ [2] تفسیر ماجدی، صفحہ ۶۴۴، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ [3] سورۃ البلد: ۱، ۲

اللہ تعالیٰ نے ایک اور قسم ارشاد فرمائی:

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۝١

قسم ہے مجاہدین کے ان گھوڑوں کی جو ہانپ کر دوڑتے ہیں۔[1]

یہاں اللہ تعالیٰ نے میدان جہاد میں استعمال ہونے والے گھوڑے کی اس حالت کی قسم ارشاد فرمائی جب وہ تیزی سے دوڑتا ہے اور اس کے سینے سے ہانپنے کی آواز نکلتی ہے۔ معلوم ہوا کہ مجاہد فی سبیل اللہ کی شان بہت بلند ہے۔ رب تعالیٰ نے ان کے گھوڑوں، گھوڑوں کی سانس، ٹاپ اور غبار کی قسم ارشاد فرمائی ہے۔

1: جب گھوڑے نے مجاہد کو اپنی پشت پر سوار کیا تو اُس گھوڑے کی شان وشوکت بڑھ گئی تو جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مصطفی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے کندھوں پر سوار کیا تھا تو اُس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان کا عالم کیا ہوگا؟

2: اسی طرح مقام صہبا میں مولا علی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر مبارک اپنی گود میں اُٹھائے رکھا اس وقت مولا علی رضی اللہ عنہ کی عظمت کا عالم کیا ہوگا۔

3: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا وقت قریب تھا آپ لیٹے ہوئے تھے تکلیف محسوس ہوئی تو سیدہ طیبہ طاہرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اٹھایا اور خود سرکار علیہ السلام کے پیچھے بیٹھ گئیں۔ اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم مبارک سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے جسم کے ساتھ مس ہو رہا تھا اُس وقت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عظمت کا عالم کیا ہوگا؟

4: حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا نے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی گود میں کھلایا تھا اور سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے

---

[1] سورۃ العدیات:۱

اپنے شکمِ مقدس میں سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اُٹھائے رکھا تو ان مقدس خواتین کی عظمت کا عالم کیا ہوگا؟

تبرکات کی اہمیت احادیث کی روشنی میں

۱: حضرت سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں:

هٰذِهٖ جُبَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ عِنْدَ عَائِشَةَ فَلَمَّا قُبِضَتْ قَبَضْتُهَا وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُهَا فَنَحْنُ نَغْسِلُهَا لِلْمَرْضٰى نَسْتَشْفِيْ بِهَا

یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جبہ ہے۔ یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا ان کے وصال کے بعد یہ جبہ میں نے حاصل کرلیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس جبہ کو زیب تن فرمایا کرتے تھے ہم اس جبہ کو بیماروں کے لئے دھوتے ہیں۔ اس کی برکت سے ہم شفا حاصل کرتے ہیں۔[۱]

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

فِيْ هٰذَا الْحَدِيْثِ دَلِيْلٌ عَلٰى اسْتِحْبَابِ التَّبَرُّكِ بِاٰثَارِ الصَّالِحِيْنَ وَثِيَابِهِمْ۔

اس حدیث میں دلیل ہے کہ بزرگوں کے کپڑوں اور نشانات سے برکت حاصل کرنا جائز ہے۔[۲]

امام ملا علی قاری اسکی شرح میں فرماتے ہیں:

---

[۱] مشکوۃ المصابیح، کتاب اللباس، الفصل الاول، صفحہ: ۱۲۴۲، رقم الحدیث: ۴۳۲۵ / صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، باب تحریم استعمال اناء الذھب والفضۃ، صفحہ: ۹۹۶، ۹۹۷، رقم الحدیث: ۵۴۰۹ / مصابیح السنۃ، کتاب اللباس، جلد: ۳، صفحہ: ۱۹۲، رقم الحدیث: ۳۳۳۷

[۲] نووی علی المسلم، جلد: ۱۴، صفحہ: ۴۴

(فَنَحۡنُ نَغۡسِلُهَا لِلۡمَرۡضٰى) وَنَسۡقِيۡ مَاءَ غَسۡلِهَا لَهُمۡ (نَسۡتَشۡفِيۡ بِهَا) اَيۡ بِمَائِهَا اَوۡ بِالۡجُبَّةِ نَفۡسِهَا بِوَضۡعِهَا عَلَى الرَّاۡسِ وَالۡعَيۡنِ وَالتَّبَرُّكُ بِلَمۡسِ الۡيَدَيۡنِ وَ تَقۡبِيۡلِ الشَّفَتَيۡنِ

ہم اس کو بیماروں کے لئے دھوتے ہیں اوران کو اس جبے کا دھوون پلاتے ہیں ہم اس جبہ سے شفا حاصل کرتے ہیں یعنی اس جبہ کے پانی کے ساتھ یا جبہ ہی کے ساتھ بایں طور کہ اس جبہ کو سر اور آنکھوں پر رکھتے ہیں تو شفا ہو جاتی ہے اور اس بابرکت جبہ کو ہاتھوں سے چھونے اور ہونٹوں سے بوسہ دینے سے برکت حاصل ہوتی ہے۔ ۱؎

۲: عَنۡ أَنَسِ بۡنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى الۡغَدَاةَ جَاءَ خَدَمُ الۡمَدِيۡنَةِ بِآنِيَتِهِمۡ فِيۡهَا الۡمَاءُ فَمَا يُؤۡتٰى بِإِنَاءٍ إِلَّا غَمَسَ يَدَهٗ فِيۡهَا فَرُبَّمَا جَاءُوۡهُ فِي الۡغَدَاةِ الۡبَارِدَةِ فَيَغۡمِسُ يَدَهٗ فِيۡهَا

حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب صبح کی نماز ادا فرما لیتے تو مدینہ شریف کے خادم اپنے اپنے برتنوں میں پانی بھر کر لے آتے پھر جو برتن بھی آپ کے پاس آتا اس میں آپ اپنا دست اقدس ڈال دیتے اور جب کبھی سردی میں بھی اتفاق ہوتا تو آپ اس میں بھی اپنا دست اقدس ڈال دیتے تھے۔ ۲؎

۱؎ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، جلد: ۷، صفحہ: ۲۷۷۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت لبنان

۲؎ مسلم شریف، کتاب الفضائل، باب قرب النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم من الناس وتبرکھم بہ، صفحہ: ۱۰۹۷، رقم الحدیث: ۶۰۴۲ / مسند احمد، مسند المکثرین من الصحابۃ، مسند انس بن مالک رضی اللہ عنہ، جلد: ۱۹، صفحہ: ۳۹۳، رقم الحدیث: ۱۲۴۰۱ / مصابیح السنۃ، کتاب الفضائل والشمائل، باب فی اخلاقہ وشمائلہ علیہ السلام، جلد: ۴، صفحہ: ۵۴، رقم الحدیث: ۴۵۲۷

اس حدیث کی شرح میں غیر مقلد مترجم صحاح علامہ وحید الزماں لکھتے ہیں:

''برکت کے لیے یہ پانی لوگ پیتے یا بیماروں کو پلاتے ہوں شفا کے لیے''۔[۱]

۳: ''عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْحَلَّاقُ يَحْلِقُهُ وَأَطَافَ بِهِ أَصْحَابُهُ فَمَا يُرِيدُونَ أَنْ تَقَعَ شَعْرَةٌ إِلَّا فِي يَدِ رَجُلٍ''

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ ایک حجام سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حجامت بنا رہا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ کے اردگرد تھے وہ چاہتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی بال مبارک زمین پر نہ گرے کسی نہ کسی کے ہاتھ میں گرے۔[۲]

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

وَفِيهِ التَّبَرُّكُ بِآثَارِ الصَّالِحِينَ وَبَيَانُ مَا كَانَتِ الصَّحَابَةُ عَلَيْهِ مِنَ التَّبَرُّكِ بِآثَارِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَبَرُّكِهِمْ بِإِدْخَالِ يَدِهِ الْكَرِيمَةِ فِي الْآنِيَةِ وَتَبَرُّكِهِمْ بِشَعْرِهِ الْكَرِيمِ

اس حدیث میں آثار صالحین سے برکت لینے کی دلیل ہے اور اس بات کا بیان ہے کہ صحابہ کرام سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار سے برکت حاصل کرتے تھے جس برتن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا دست اقدس ڈال دیتے اس سے بھی برکت حاصل کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکرم و معظم بال مبارک سے بھی۔[۳]

---

[۱] صحیح مسلم مع مختصر شرح نووی مترجم، جلد:۶، صفحہ:۳۷

[۲] صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب قرب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من الناس وتبرکھم بہ، صفحہ:۱۰۹۷، رقم الحدیث: ۶۰۴۳/ مسند احمد، مسند المکثرین من الصحابۃ، مسند انس بن مالک رضی اللہ عنہ، جلد:۱۹، صفحہ:۳۶۳، رقم الحدیث: ۱۲۳۶۳

[۳] نووی علی المسلم، کتاب الفضائل، باب قربہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من الناس، جلد:۱۵، صفحہ:۸۲

مشہور غیر مقلد علامہ وحید الزماں نے اس حدیث پر نووی ہی کے حوالہ سے جو حاشیہ نقل کیا ہے اس پر بھی ایک نظر ڈال لیں وہ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آثار صالحین سے برکت لینا درست ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار شریف سے برکت لیتے تھے اس میں کوئی شک نہیں کہ انبیاء اور صالحین کے آثار متبرک اور ان سے برکت لینا درست ہے۔ ۱؎

۴: حضرت عثمان بن عبداللہ بن موہب ارشاد فرماتے ہیں کہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک چاندی کی ڈبیہ تھی جس میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند موئے مبارک تھے:

وَكَانَ إِذَا أَصَابَ الْإِنْسَانَ عَيْنٌ أَوْ شَيْءٌ بَعَثَ إِلَيْهَا مِخْضَبَهُ

جب کسی شخص کو نظر لگ جاتی یا کوئی اور بیماری ہوتی تو وہ پانی کا برتن ام المومنین رضی اللہ عنہا کے پاس بھیج دیتا (وہ اس میں نبی مکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال مبارک والی ڈبیہ ڈبو دیتیں) ۲؎

امام بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَكَانَ النَّاسُ عِنْدَ مَرَضِهِمْ يَتَبَرَّكُوْنَ بِهَا وَيَسْتَشْفُوْنَ مِنْ بَرَكَتِهَا وَيَاخُذُوْنَ مِنْ شَعْرِهٖ وَيَجْعَلُوْنَهُ فِيْ قَدَحٍ مِّنَ الْمَاءِ فَيَشْرَبُوْنَ الْمَاءَ الَّذِيْ فِيْهِ الشَّعْرُ فَيَحْصُلُ لَهُمُ الشِّفَاءُ

لوگ اپنی بیماری کے وقت اس سے برکت حاصل کرتے اور اس کی برکت سے شفایاب

۱؎ ترجمہ مسلم، جلد ۶، ص ۳۷

۲؎ بخاری شریف، کتاب اللباس، باب مایذکر فی الشیب، صفحہ: ۱۴۸۷، رقم الحدیث: ۵۸۹۶

ہوتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بال مبارک لیتے پھر انہیں پانی کے برتن میں رکھتے پھر بال مبارک والا پانی پیتے تو انہیں شفامل جاتی ۔[1]

۵: عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتٰى مِنًى، فَأَتَى الْجَمْرَةَ فَرَمَاهَا، ثُمَّ أَتٰى مَنْزِلَهٗ بِمِنًى وَنَحَرَ ثُمَّ قَالَ: لِلْحَلَّاقِ خُذْ وَأَشَارَ إِلٰى جَانِبِهِ الْأَيْمَنِ ثُمَّ الْأَيْسَرِ ثُمَّ جَعَلَ يُعْطِيهِ النَّاسَ

حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم منی میں جلوہ گر ہوئے پھر آپ نے جمرہ پر تشریف فرما ہو کر رمی فرمائی پھر منٰی میں اپنی قیام گاہ پر تشریف لا کر قربانی فرمائی پھر حجامت بنانے والے کو اپنی داہنی جانب (بالوں) کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہاں سے لو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بائیں جانب اشارہ فرمایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ بال مبارک صحابہ کرام کو عطا فرمائے ۔[2]

اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بال مبارک برکتیں عطا نہیں کرتے تو آپ نے بال مبارک کیوں تقسیم فرمائے؟

۶: امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے عبیدہ سے کہا:

عِنْدَنَا مِنْ شَعَرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصَبْنَاهُ مِنْ قِبَلِ اَنَسٍ اَوْ مِنْ قِبَلِ اَهْلِ اَنَسٍ فَقَالَ لَاَنْ تَكُوْنَ عِنْدِيْ شَعَرَةٌ مِنْهُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا

---

[1] عمدۃ القاری، کتاب العدۃ، باب مایذکر فی الشیب، جلد: ۲۲، صفحہ: ۴۹

[2] صحیح مسلم، کتاب الحج، باب بیان ان السنۃ یوم النحر ان یرمی ثم ینحر، صفحہ ۵۹۱، رقم الحدیث ۳۱۵۲

ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کچھ بال مبارک ہیں جو ہمیں انس رضی اللہ عنہ یا انس رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کی طرف سے ملے ہیں۔ عبیدہ نے کہا اگر میرے پاس ان بالوں میں سے ایک بال مبارک بھی ہو تو وہ میرے لئے ساری دنیا اور اس کی ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے۔ [1]

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے امام بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلَا تَرٰی أَنَّ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيْدِ رضی اللہ عنہ جَعَلَ فِيْ قَلَنْسُوَتِهٖ مِنْ شَعْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَكَانَ يَدْخُلُ بِهَا فِي الْحَرْبِ وَيَسْتَنْصِرُ بِبَرَكَتِهٖ فَسَقَطَتْ عَنْهُ يَوْمَ الْيَمَامَةِ فَاشْتَدَّ عَلَيْهَا شِدَّةً وَأَنْكَرَ عَلَيْهِ الصَّحَابَةُ فَقَالَ: إِنِّيْ لَمْ اَفْعَلْ ذٰلِكَ لِقِيْمَةِ الْقَلَنْسُوَةِ لٰكِنْ كَرِهْتُ أَنْ تَقَعَ بِأَيْدِي الْمُشْرِكِيْنَ وَفِيْهَا مِنْ شَعْرِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنی ٹوپی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک بال مبارک رکھا ہوا تھا۔ جب بھی وہ کسی جنگ میں شرکت کرتے تو اسی بال مبارک کی برکت سے فتح ونصرت پاتے۔ جنگ یمامہ میں وہ ٹوپی گر گئی تو آپ بڑی تیزی سے اس کی طرف لپکے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کے اس فعل پر تعجب کیا تو فرمانے لگے کہ میں نے اس ٹوپی کی قیمت کی وجہ سے ایسا نہیں کیا بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اس ٹوپی میں اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بال مبارک ہے مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ ٹوپی مشرکوں کے ہاتھ لگ جائے۔ [2]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب الماء الذی یغسل بہ شعر الانسان، صفحہ: ۵۵، رقم الحدیث: ۱۷۰

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، کتاب الوضو، باب الماء الذی یغسل بہ شعر الانسان، جلد: ۳، صفحہ: ۳۷

اسی حدیث کے تحت ایک دیو بندی عالم شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

اس سے ایک اور اہم مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ تبرک بآثار الصالحین جائز ہے بدعت نہیں چنانچہ امام احمد بن حنبل کے پاس رسول اللہ ﷺ کا ایک موئے مبارک تھا جس کو آپ نے اپنی آستین مبارک میں سی رکھا تھا کوڑے کھانے کے وقت بھی اس کا خیال دامن گیر تھا کہ کہیں اپنے سے جدا نہ ہو جائے کما فی طبقات الشافعیہ۔[1]

۷: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اِنِّي صَحِبْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فَخَرَجَ لِحَاجَةٍ فَاتَّبَعْتُهٗ بِإِدَاوَةٍ فَكَسَانِي أَحَدَ ثَوْبَيْهِ الَّذِيْ كَانَ عَلٰى جِلْدِهٖ فَخَبَأْتُهٗ لِهٰذَا الْيَوْمِ وَأَخَذَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مِنْ أَظْفَارِهٖ وَشَعْرِهٖ ذَاتَ يَوْمٍ فَأَخَذْتُهٗ وَخَبَأْتُهٗ لِهٰذَا الْيَوْمِ فَإِذَا أَنَا مُتُّ فَاجْعَلْ ذٰلِكَ الْقَمِيْصَ دُوْنَ كَفَنِيْ مِمَّا يَلِي جِلْدِيْ وَخُذْ ذٰلِكَ الشَّعْرَ وَالْأَظْفَارَ فَاجْعَلْهُ فِيْ فَمِيْ وَعَلٰى عَيْنَيْ وَمَوَاضِعَ السَّجُوْدِ مِنِّيْ فَإِنْ نَفَعَ شَيْءٌ فَذَاكَ وَإِلَّا فَإِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں رہتا تھا۔ ایک مرتبہ آپ قضائے حاجت کے لیے باہر تشریف لے گئے میں بھی آپ کے پیچھے مشکیزہ لے کر چلا گیا تو آپ نے اپنے جسد اطہر سے لگے ہوئے دو کپڑوں میں سے ایک مجھے عطا فرمایا میں نے اُسے آج کے دن کے لئے سنبھال کر رکھ لیا۔ ایک دن اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے اپنے ناخن اور بال مبارک تراشے تو میں نے ان کو بھی آج کے دن کے لیے محفوظ کر لیا پس جب

---

[1] فضل الباری، جلد:۲، صفحہ:۲۸۲

میرا انتقال ہو جائے تو اس قمیص کو میرے کفن کے نیچے میرے جسم کے ساتھ لگا دینا ان بالوں اور ناخنوں کو میرے منہ، آنکھوں اور مواضع سجود پر رکھ دینا۔ اگر کسی چیز نے نفع دیا تو وہ یہی بابرکت چیزیں ہوں گی ورنہ اللہ تعالیٰ غفور ورحیم ہے۔[1]

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک صاحبزادی (حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا) کو غسل دے کر فارغ ہوئیں: **فَأَلْقٰی إِلَیْنَا حِقْوَہٗ فَقَالَ أَشْعِرْنَهَا إِیَّاہُ** تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا تہبند ہمیں دیا تاکہ ہم یہ تہبند آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی کو پہنائیں۔[2]

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں تحریر کرتے ہیں:

"وَالْحِکْمَةُ فِیْ اِشْعَارِهَا بِهٖ تَبْرِیْکُهَا بِهٖ فَفِیْهِ التَّبَرُّکُ بِآثَارِ الصَّالِحِیْنَ وَلِبَاسِهِمْ"

اس تہبند کو شعار بنانے میں حکمت یہ تھی کہ سیدہ زینب کو اس سے برکت حاصل ہوتی رہے اور اس میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ صالحین کے آثار اور ان کے لباس سے برکت حاصل ہوتی ہے۔[3]

ایک مشہور دیوبندی مناظر منظور سنبھلی صاحب نے اس حدیث کی شرح میں تحریر کیا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس موقع پر صاحبزادی کے لئے جس اہتمام سے اپنا تہبند

۱۔ الاستیعاب لابن عبدالبر، حرف المیم، باب معاویة، معاویة بن ابی سفیان، جلد: ۳، صفحہ: ۱۴۱۹

۲۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب یجعل الکافور فی آخرہ، صفحہ: ۲۴۶، رقم الحدیث: ۱۲۵۸/ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب فی غسل المیت، صفحہ: ۳۷۷، رقم الحدیث: ۲۱۶۸

۳۔ شرح مسلم للنووی، جلد: ۷، صفحہ: ۳

مبارک دیا (اور بعض روایات میں تصریح ہے کہ جب آپ ﷺ کو غسل مکمل ہوجانے کی اطلاع دی گئی اس وقت آپ ﷺ نے اپنے جسم اقدس سے نکال کر وہ تہبند دیا) اور تاکید فرمائی کہ اس کو شعار (یعنی سب سے اندر کا لباس) بنادو۔ اس سے علمائے کرام نے سمجھا ہے کہ اللہ کے نیک اور مقبول بندوں کے لباس وغیرہ کا تبرک کے طور پر اس طرح کا استعمال درست ہے اور اس سے نفع کی امید ہے۔[1]

۹: حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ انصاری صحابی ہیں غزوہ بدر میں بھی شریک ہوئے انہوں نے ایک دن سرکار دوعالم ﷺ سے عرض کی:

وَوَدِدْتُ يَا رَسُولَ اللهِ ﷺ أَنَّكَ تَأْتِينِي فَتُصَلِّيَ فِي بَيْتِي فَأَتَّخِذَهُ مُصَلًّى قَالَ: فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَفْعَلُ إِنْ شَاءَ اللهُ

یارسول اللہ ﷺ! میری خواہش ہے کہ آپ میرے ہاں تشریف لاکر میرے گھر میں نماز ادا فرمائیں جس جگہ آپ ﷺ نماز ادا فرمائیں گے میں اس جگہ کو نماز گاہ بناؤں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اچھا ان شاء اللہ ایسے ہی کروں گا۔[2] چنانچہ سرکار دوعالم ﷺ اسی مقصد کے لئے دوسرے روز ہی ان کے ہاں تشریف لے آئے۔[3]

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں:

---

[1] معارف الحدیث حصہ سوم صفحہ ۲۸۰

[2] صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب المساجد فی البیوت، صفحہ: ۱۱۵، رقم الحدیث ۴۲۵

[3] صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب المساجد فی البیوت، صفحہ: ۱۱۵، رقم الحدیث ۴۲۵

وَفِیْہِ التَّبَرُّکُ بِالْمَوَاضِعِ الَّتِیْ صَلّٰی فِیْھَا النَّبِیُّ ﷺ اَوْ وَطِئَھَا وَیُسْتَفَادُ مِنْہُ اَنَّ مَنْ دُعِیَ مِنَ الصَّالِحِیْنَ لِیُتَبَرَّکَ بِہٖ اَنَّہٗ یُجِیْبُ۔

اس حدیث میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ جس جگہ نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھی یا آپ کے قدم مبارک لگے وہاں سے برکت حاصل ہوتی ہے۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صالحین میں سے اگر کسی کو برکت حاصل کرنے کے لئے بلایا جائے تو وہ صالح اس دعوت کو قبول کر لے۔[۱]

۱۰: حضرت موسیٰ بن عقبہ بیان کرتے ہیں:

رَأَیْتُ سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللّٰہِ رضی اللہ عنہ یَتَحَرّٰی أَمَاکِنَ مِنَ الطَّرِیقِ فَیُصَلِّي فِیهَا وَیُحَدِّثُ أَنَّ أَبَاهُ کَانَ یُصَلِّي فِیهَا وَأَنَّهُ رَأَی النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّي فِي تِلْكَ الْأَمْكِنَةِ

میں نے حضرت سالم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ راستے میں ایسی جگہوں کو تلاش کرتے تھے جہاں نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھی اور بیان کرتے تھے کہ اس جگہ اُن کے ابا جان حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی کیونکہ انہوں نے اسی جگہ اللہ کے حبیب ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا تھا۔[۲]

بخاری شریف میں یہ بھی مذکور ہے:

''وَقَدِ ابْتُنِيَ ثَمَّ مَسْجِدٌ فَلَمْ یَكُنْ عَبْدُ اللّٰهِ یُصَلِّي فِي ذٰلِكَ الْمَسْجِدِ''

۱؎ فتح الباری، جلد:۱، صفحہ:۵۲۲

۲؎ صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب المساجد التی علی طرق المدینۃ، صفحہ:۱۲۸، رقم الحدیث:۴۸۳

اسی راستہ میں ایک اور مسجد تعمیر ہو گئی لیکن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس مسجد میں نماز نہیں پڑھا کرتے تھے بلکہ وہاں سے کچھ آگے جہاں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز ادا فرمائی تھی وہاں نماز پڑھتے۔ ۱؎

سوال نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایک درخت کے نیچے بیعت لی تھی اُس درخت کا نام شجرۃ الرضوان ہے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اُس درخت کو کٹوا دیا تھا۔ پتہ چلا منسوب چیزوں سے برکت حاصل نہیں ہوتی۔

جواب اس سوال کا جواب غیر مقلد عالم علامہ وحید الزمان کے قلم سے ملاحظہ کیجئے۔

علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں:

شجرۃ الرضوان کا مقام لوگوں پر چھپ گیا اُن کو بہ تحقیق معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کونسا درخت تھا آخر کو یوں ہی ایک درخت اپنے گمان سے معین کر لیا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا کہ لوگ اس کی زیارت کو آتے جاتے ہیں تو اُس کو کٹوا ڈالا۔ کٹوا ڈالنے کی دو وجہیں تھیں ایک تو یہ کہ شرک کا زمانہ قریب گزرا تھا حضرت عمر کو ڈر رہا کہ کہیں رفتہ رفتہ جاہل لوگ اس کی پرستش نہ کرنے لگیں جیسے ہندو مشرک پیپل تلسی وغیرہ درختوں کی پرستش کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ درخت بالیقین معین نہیں ہوا تھا۔ حضرت عمر نے یہ خیال کیا ایسا نہ ہو کہ یہ دوسرا کوئی درخت ہو اور لوگ ناحق اس کو متبرک سمجھیں جو متبرک نہیں ہے اور غلطی میں گرفتار رہیں۔ ۲؎

۱؎ صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ، باب المساجد التی علی طرق المدینۃ، صفحہ:۱۲۹، رقم الحدیث ۴۸۶

۲؎ لغات الحدیث، کتاب خاء، صفحہ ۹۲

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ بَيْتَ أُمِّ سُلَيْمٍ فَيَنَامُ عَلٰى فِرَاشِهَا وَلَيْسَتْ فِيهِ قَالَ: فَجَاءَ ذَاتَ يَوْمٍ فَنَامَ عَلٰى فِرَاشِهَا فَأُتِيَتْ فَقِيلَ لَهَا: هٰذَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَامَ فِي بَيْتِكِ عَلٰى فِرَاشِكِ قَالَ: فَجَاءَتْ وَقَدْ عَرِقَ وَاسْتَنْقَعَ عَرَقُهُ عَلٰى قِطْعَةِ أَدِيمٍ عَلَى الْفِرَاشِ فَفَتَحَتْ عَتِيدَتَهَا فَجَعَلَتْ تُنَشِّفُ ذٰلِكَ الْعَرَقَ فَتَعْصِرُهُ فِي قَوَارِيرِهَا فَفَزِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: مَا تَصْنَعِينَ يَا أُمَّ سُلَيْمٍ؟ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! نَرْجُوا بَرَكَتَهُ لِصِبْيَانِنَا قَالَ: أَصَبْتِ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ام سلیم رضی اللہ عنہا[1] کے گھر میں جاتے اوران کے بچھونے پر سوجاتے اور وہ گھر میں نہیں ہوتی تھیں ۔ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور ان کے بچھونے پر سو گئے ۔حضرت ام سلیم تشریف لائیں اُن سے کہا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے گھر میں تمہارے بچھونے پر آرام فرمارہے ہیں آپ گھر میں داخل ہوئیں تو دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک پسینہ بہہ رہاہےاور چمڑے کے بچھونے پر جمع ہوگیاہے۔ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اپناڈبہ کھولا اور پسینہ پونچھ پونچھ کرشیشیوں میں بھرنے لگیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُٹھ بیٹھے اور فرمایا: اے ام سلیم! کیا کررہی ہو؟ انہوں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم اپنے بچوں کے لئے برکت کی امید رکھتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم نے ٹھیک کیا۔[2]

---

[1] ام سلیم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضائی خالہ تھیں مرآۃ المناجیح جلد ۸ ص ۵۳

[2] صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب طیب عرق النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والتبرک بہ، صفحہ ۱۰۹۹، رقم الحدیث: ۶۰۵۶

اگر اللہ کے پیاروں سے منسوب چیزوں سے برکت حاصل نہیں ہوتی تو حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے ارشاد نَرْجُوْا بَرَكَتَهٗ لِصِبْيَانِنَا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرمان اَصَبْتِ کا کیا مطلب ہے؟

۱۲: سیدنا عتبہ بن فرقد صحابی رضی اللہ عنہ کے جسم سے ہر وقت خوشبو مہکتی رہتی تھی حالانکہ آپ خوشبو نہیں لگاتے تھے آپ کی چار بیویاں تھیں وہ آپس میں کوشش کرتیں کہ میری خوشبو سب سے اچھی ہو لیکن جب اُن کے شوہر سیدنا عتبہ گھر تشریف لاتے تو سب خوشبوئیں مات ہو جاتیں اور حضرت عتبہ کی خوشبو ہی غالب رہتی ایک دن چاروں بیویاں اکٹھی ہو کر عرض کرتی ہیں اے ہمارے آقا! اے ہمارے خاوند! کیا بات ہے ہم ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لئے اچھی سے اچھی خوشبو لگاتی ہیں مگر آپ آتے ہیں تو اور کسی کی خوشبو کا پتہ ہی نہیں چلتا صرف آپ کی ہی خوشبو مہکتی رہتی ہے یہ کیوں؟ یہ سن کر حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے کبھی کوئی خوشبو نہیں لگائی وجہ یہ ہے کہ میں بیمار ہو گیا تھا میرے جسم پر پھنسیاں نکل آئی تھیں تو میں اپنے آقا رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور بیماری کی شکایت کی تو خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا عتبہ کرتا اُتار دے اور بیٹھ جا میں کرتا اُتار کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا:

فَنَفَثَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ يَدِهِ الشَّرِيْفَةِ وَدَلَكَ بِهَا الْاُخْرٰى ثُمَّ مَسَحَ ظَهْرِيْ وَبَطْنِيْ بِيَدَيْهِ فَعَبِقَ هٰذَا الطِّيْبُ مِنْ يَدَيْهِ يَوْمَئِذٍ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے دست مبارک پر پھونک لگائی پھر اس ہاتھ مبارک کو

دوسرے ہاتھ مبارک کے ساتھ مل کر میری پشت اور میرے پیٹ پر دونوں ہاتھ مبارک پھیر دیئے اور اس وقت سے یہ خوشبو مہک رہی ہے۔[1]

اس حدیث کے متعلق امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَخْرَجَ الطَّبْرَانِیُّ فِی الْکَبِیْرِ وَالْاَوْسَطِ بِسَنَدٍ جَیِّدٍ

اس حدیث کو امام طبرانی نے کبیر اور اوسط میں جید سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔[2]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ مبارک میں برکت بھی ہے شفا بھی ہے آپ دافع البلا بھی ہیں اور مشکل کشا بھی ہیں۔

۱۳: رَوٰی ابْنُ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَاضِعًا یَدَهٗ عَلٰی مَقْعَدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمِنْبَرِ ثُمَّ وَضَعَهَا عَلٰی وَجْهِهٖ

حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر شریف پر جہاں سرکار خود جلوہ گری فرمایا کرتے تھے اپنا ہاتھ رکھتے پھر اُس ہاتھ کو اپنے چہرہ پر پھیر لیتے تھے۔[3]

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

وَتَمَسَّحُ بِهَا تَبَرُّکًا بِمَوْضِعِ لَمْسِهٖ

---

[1] السیرۃ الحلبیہ، جلد:۳، باب ذکر نبذ من معجزاتہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صفحہ:۳۹۶/ المعجم الصغیر للطبرانی، من اسمہ احمد، صفحہ:۱۱۰، رقم الحدیث:۹۸، مطبوعہ مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع الریاض/ مجمع الزوائد، کتاب علامات النبوۃ، باب منہ فی صفتہ وطیب رائحتہ، جلد:۸، صفحہ:۲۸۲، مطبوعہ مکتبۃ القدسی القاہرہ/ زرقانی علی المواہب صفحہ ۲۲۴ جلد ۴ / مدارج النبوۃ صفحہ ۲۴ جلد ۱ / مواہب اللدنیہ صفحہ ۳۱۰، ۳۱۱ جلد ۲ / خصائص الکبریٰ صفحہ ۸۴ جلد ۲

[2] الخصائص الکبری للسیوطی، جلد:۲، صفحہ:۱۴۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان

[3] الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، فصل ومن اعظامہ واکبارہ اعظام جمیع اسبابہ، جلد:۲، صفحہ:۵۷

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ صرف برکت حاصل کرنے کے لئے اس جگہ پر ہاتھ پھیرتے جو جگہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر سے مس ہوئی تھی۔[1]

امام شہاب الدین خفاجی فرماتے ہیں:

اَیْ مَسَحَهٗ بِهَا تَبَرُّكًا بِمَسِّ مَامَسَّ جَسَدَهٗ وَثِيَابَهٗ وَهٰذَا رَوَاهُ ابْنُ سَعْدٍ وَّيَاتِي الْكَلَامُ عَلٰى ذَالِكَ عِنْدَ اِعَادَةِ الْمُصَنِّفِ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَهٰذَا يَدُلُّ عَلٰى جَوَازِ التَّبَرُّكِ بِالْاَنْبِيَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ وَآثَارِهِمْ وَمَا يَتَعَلَّقُ بِهِمْ مَالَمْ يُؤَدِّ اِلٰى فِتْنَةٍ اَوْ فَسَادِ عَقِيْدَةٍ وَعَلٰى هٰذَا يُحْمَلُ مَارُوِیَ عَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ مِنْ اَنَّهٗ قَطَعَ الشَّجَرَةَ الَّتِیْ وَقَعَتْ تَحْتَهَا الْبَيْعَةُ لِئَلَّا يَفْتَتِنَ بِهَا النَّاسُ لِقُرْبِ عَهْدِهِمْ بِالْجَاهِلِيَّةِ فَلَا مُنَافَاةَ بَيْنَهُمَا وَلَا عِبْرَةَ بِمَنْ اَنْكَرَ مِثْلَهٗ مِنْ جَهَلَةِ عَصْرِنَا

جس جگہ پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسد انور لگا یا سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس کپڑے لگے تھے اس جگہ پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ صرف برکت حاصل کرنے کے لئے اپنا ہاتھ پھیرا کرتے تھے۔ اس روایت کو ابن سعد نے بیان کیا: اس حدیث پر مصنف کے اعادہ کے وقت کلام آئے گا اور یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ انبیاء وصالحین سے اور ان کے آثار سے اور جس چیز کا بھی انبیاء وصالحین سے تعلق ہو جائے سے برکت حاصل کرنا جائز ہے جب تک فتنے کا اور لوگوں کا عقیدہ خراب ہونے کا اندیشہ نہ ہو

---

[1] شرح شفا، ملا علی قاری، صفحہ ۹۹ جلد ۲، دار الکتب العلمیہ بیروت

(کہ لوگ انبیاء وصالحین سے متعلق چیزوں کی عبادت کرنے لگ جائیں) اسی بات پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو محمول کیا جائے گا کہ انہوں نے درخت کٹوا دیا تھا جس درخت کے نیچے بیعت ہوئی تھی تا کہ لوگ فتنے میں مبتلا نہ ہوں زمانہ جاہلیت کے قرب کی وجہ سے (جس میں لوگ درختوں، پتھروں اور بتوں کو معبود مانتے تھے) پس ان دونوں احادیث میں کوئی تضاد نہیں ہے اور ہمارے زمانے کے جن جاہلوں نے صالحین کے آثار سے برکت حاصل کرنے سے انکار کیا ہے ان کا قطعا کوئی اعتبار نہیں ہے۔[1]

۱۴: عَنْ دَاوُدَ بْنِ أَبِي صَالِحٍ قَالَ: أَقْبَلَ مَرْوَانُ يَوْمًا فَوَجَدَ رَجُلًا وَاضِعًا وَجْهَهُ عَلَى الْقَبْرِ فَأَخَذَ بِرَقَبَتِهِ وَقَالَ: أَتَدْرِي مَا تَصْنَعُ؟ قَالَ: نَعَمْ فَأَقْبَلَ عَلَيْهِ فَإِذَا هُوَ أَبُوأَيُّوبَ الْأَنْصَارِيُّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَقَالَ جِئْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ آتِ الْحَجَرَ

حضرت داؤد بن ابی صالح سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک دن مروان روضہ اطہر پر آیا تو دیکھا کہ ایک صاحب اپنا چہرہ قبر انور پر رکھے ہوئے ہیں۔ مروان نے اُس شخص کو گردن سے پکڑا اور کہا کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم کیا کر رہے ہو؟ اُس شخص نے کہا ہاں مجھے معلوم ہے اُن صاحب نے جب اپنا چہرہ اُٹھایا تو وہ صحابی رسول حضرت سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ تھے انہوں نے فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں کسی پتھر کے پاس نہیں آیا۔[2]

---

[1] نسیم الریاض، جلد: ۳، صفحہ: ۴۳۴، مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

[2] مستدرک حاکم، کتاب الفتن والملاحم، صفحہ: ۵۶۰، جلد ۴، رقم الحدیث: ۸۵۷۱ / مجمع الزوائد، کتاب الحج، باب وضع الوجہ علی قبر سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صفحہ ۵۰۰، جلد ۳، رقم الحدیث ۵۸۴۵ / مسند احمد بن حنبل، حدیث ابی ایوب الانصاری، جلد: ۳۸، صفحہ: ۵۵۸، رقم الحدیث: ۲۳۵۸۵، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحُ الْاِسْنَادِ ۔اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے۔

اور امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ بھی تلخیص میں اس حدیث کو صحیح قرار دیتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ اللہ کے پیاروں کے مزارات بھی اُن کی نسبت کی وجہ سے بابرکت ہوجاتے ہیں اور فیض عطا کرتے ہیں۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ: یااللہ! ہم تیری ہی عبادت کریں یعنی واجب الوجود، مستقل بالذات اور غیر محتاج مان کر صرف تیرا ہی کہا مانیں اور تیری ہی تعظیم کریں۔

وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ: یااللہ! واجب الوجود مستقل بالذات اور غیر محتاج مان کر صرف تجھ ہی سے مدد چاہیں۔

قرآن پاک سے ایک مثال ملاحظہ کیجئے تاکہ مسئلہ نکھر کر واضح ہوجائے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ: اور مجھ ہی سے ڈرو۔[1] یہاں ضمیر منصوب منفصل پہلے ہے اور فعل بعد میں جیسے کہ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں ہے لیکن ایک اور جگہ ارشاد فرمایا فَاتَّقُوا النَّارَ: دوزخ سے ڈرو۔[2]

سوال یہ ہے کہ ایک جگہ فرمایا صرف مجھ ہی سے ڈرو اور دوسری جگہ دوزخ سے ڈرنے کا حکم دیا اب ہم اللہ سے ڈریں یا اللہ سے ڈرنے کے ساتھ ساتھ دوزخ سے بھی ڈریں؟ جواب یہ ہے کہ دوزخ سے ڈرنا درحقیقت اللہ سے ڈرنا ہے کیونکہ دوزخ کو بنانے والا اللہ ہے اور اس میں جلانے کی طاقت پیدا کرنے والا بھی اللہ ہی ہے اسی طرح اللہ کے

---

[1] سورۃ البقرۃ:۴۱ [2] سورۃ البقرہ:۲۴

پیاروں سے مدد مانگنا اللہ ہی سے مدد مانگنا ہے کیونکہ اُن کو پیدا کرنے والا اور اُن کو مدد کرنے کی طاقت عطا کرنے والا اللہ ہی ہے۔

مسئلہ استعانت واستمداد پر مخالفین کے بزرگوں کی آراء

۱: دیوبندی عالم مولانا اشرف علی تھانوی صاحب سے کسی نے سوال کیا کہ طریق اربعین یعنی چلہ میں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ضیاء القلوب صفحہ ۵۵ میں تحریر فرماتے ہیں: استعانت و استمداد از ارواح مشائخ طریقت بواسطہ مرشد خود کردہ الخ استعانت و استمداد کے الفاظ ذرا کھٹکتے ہیں غیر اللہ سے استعانت و استمداد بطریق جائز کس طرح کرتے ہیں خالی الذہن ہونے کی تاویل وتوجیہ بالکل جی کو نہیں لگتی ایسی بات ارشاد ہو جس سے قلب کو تشویش نہ رہے۔

تھانوی صاحب اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

۱: جو استعانت واستمداد بالمخلوق باعتقاد علم وقدرت مستقل مستمد منہ ہو شرک ہے۔

۲: اور جو باعتقاد علم وقدرۃ غیر مستقل ہو مگر وہ علم وقدرت کسی دلیل صحیح سے ثابت نہ ہو معصیت ہے۔

۳: اور جو باعتقاد علم وقدرت غیر مستقل ہو اور علم وقدرۃ کسی دلیل سے ثابت ہو جائز ہے خواہ وہ مستمد منہ حیّ ہو یا میت۔

۴: اور جو استمداد بلا اعتقاد علم وقدرۃ ہو نہ مستقل نہ غیر مستقل پس اگر طریق استمداد مفید ہو تب بھی جائز ہے جیسے استمداد بالنار والماء والواقعات التاریخیہ۔

۵: ورنہ لغو ہے۔ یہ کل پانچ قسمیں ہیں پس استمداد ارواح مشائخ سے صاحب

کشف الارواح کے لئے قسم ثالث ہے اور غیر صاحب کشف کے لئے محض اُن حضرات کے تصور اور تذکر سے قسم رابع ہے کیونکہ اچھے لوگوں کے خیال کرنے سے اُن کی اتباع کی ہمت ہوتی ہے اور طریق مفید بھی ہے اور غیر صاحب کشف کے لئے بدون قصد نفع، تذکر و تصور قسم خامس ہے۔[۱]

۲: دیوبندی شیخ الہند علامہ محمود الحسن صاحب بیان کرتے ہیں: اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطہ رحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت در حقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے۔[۲]

۳: حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لیکن یہاں یہ سمجھنا چاہئے کہ غیر سے اس طرح مدد مانگنا کہ اسی پر اعتماد کرے اور اسے اللہ تعالیٰ کی مدد کا مظہر نہ سمجھے حرام ہے اور اگر توجہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور اسے مدد کے مظاہر میں سے ایک مظہر سمجھے اور اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ اسباب اور حکمت پر نظر کرتے ہوئے اس غیر سے ظاہر طور پر امداد مانگے تو یہ عرفان سے دور نہیں اور شرع شریف میں بھی جائز ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء نے اس قسم کی امداد دوسروں سے مانگی ہے اور حقیقت میں یہ غیر سے نہیں بلکہ حضرت حق تعالیٰ سے ہی استمداد ہے۔[۳]

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مخالفین کے ہاں بھی انتہائی معتبر شخصیت ہیں۔

---

[۱] بوادر النوادر، صفحہ ۸۲، ۸۳، ادارہ اسلامیات لاہور

[۲] تفسیر عثمانی صفحہ ۱۴، ۱۵ از یر آیت ایاک نعبد وایاک نستعین

[۳] تفسیر عزیزی اردو ترجمہ حصہ اول صفحہ ۲۹ / تفسیر عزیزی اصل میں فارسی زبان میں ہے۔ فارسی کتاب کا حوالہ ملاحظہ کیجیے: تفسیر عزیزی، جلد اول، صفحہ: ۱۰، مطبوعہ المکتبۃ الحقانیۃ کانسی روڈ کوئٹہ۔

اسماعیل دہلوی نے لکھا:

جناب ہدایت مآب قدوہ ارباب صدق وصفاء زبدہ اصحاب فنا و بقاء سید العلماء سند اولیاء رحمت اللہ علی العالمین وارث الانبیاء والمرسلین مرجع ہر ذلیل وعزیز مولانا ومرشدنا الشیخ عبدالعزیز متع اللہ المسلمین بطول بقائہ واعزنا وسائر المسلمین بمجدہ وعلائہ۔ ۱؎

مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب کی بحث

سوال: بعض لوگ یہاں مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب کی ایک تقسیم بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں ماتحت الاسباب کسی سے مدد مانگنا جائز ہے لیکن مافوق الاسباب مدد مانگنا شرک ہے۔

جواب: اگر مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب کا مطلب یہ ہے کہ وہ ذات جو کسی بھی واسطہ، وسیلہ اور ذریعہ کے بغیر مدد کر سکتی ہے وہ صرف اور صرف اللہ کی ذات ہے اور مخلوق جب بھی کسی کی مدد کرتی ہے کسی نہ کسی واسطہ، وسیلہ اور ذریعہ سے مدد کرتی ہے تو ہمیں یہ تقسیم منظور ہے ہم اس کی تائید کرتے ہیں کیونکہ اللہ کی عطا بھی ایک سبب ہے نبی، ولی، اللہ کے پیارے اللہ کی عطا کے سبب کے ساتھ مدد کرتے ہیں۔

مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب ایک اور انداز سے ملاحظہ کیجئے۔ اللہ دیکھ رہا ہے، سن رہا ہے اور مخلوق کو پال بھی رہا ہے اور ہم بھی دیکھ رہے ہیں، سن رہے ہیں، اور ہم بھی کچھ نہ کچھ کر رہے ہیں، فرق یہ ہے کہ اللہ دیکھنے میں آنکھ کا محتاج نہیں لیکن ہم آنکھ کے محتاج ہیں۔ اللہ سننے میں کان کا محتاج نہیں لیکن ہم کانوں کے محتاج ہیں۔ اللہ مخلوق کو پالنے میں کسی کا محتاج نہیں لیکن ہم اپنے تمام افعال میں اللہ کے محتاج ہیں۔ اگر مافوق

۱؎ صراط مستقیم اردو، صفحہ:۲۷۶، دارالکتاب دیوبند

الاسباب اور ماتحت الاسباب کا یہ مطلب ہے تو بھی ہمیں منظور ہے۔ ہم اس کی تائید کرتے ہیں لیکن بعض اوقات کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری اس تقسیم میں اسباب سے مراد اسباب عادیہ یعنی ظاہری اسباب ہیں۔ ہم باطنی اسباب کو تسلیم نہیں کرتے۔ ظاہری آنکھ سے تو ہر کوئی دیکھ لیتا ہے لیکن تم کہتے ہو کچھ لوگوں کو باطنی آنکھ ملتی ہے یہ ہم تسلیم نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کو سمجھانے کے لئے ہم موبائل فون کی مثال دیتے ہیں۔ آپ کے پاس بیلنس ہو اور جس سے بات کرنی ہے اُس کا نمبر معلوم ہو تو آپ اُس کو کال کر سکتے ہیں وہ شخص دنیا کے کسی بھی ملک میں ہو وہ آپ کی آواز سن سکتا ہے اور آپ اُس کی آواز سن سکتے ہیں اب ذرا یہ تو بتایا جائے کہ آپ اُس کی آواز اور وہ آپ کی آواز کس ظاہری سبب کے ساتھ سن رہا ہے؟

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ کچھ باطنی لہریں ہیں جن کو سائنسدانوں نے دریافت کر لیا ہے، انہوں نے ایسا سسٹم تیار کیا ہے کہ آواز ان لہروں پر سفر کر کے ٹھیک اسی وقت دوسرے شخص تک پہنچ جاتی ہے۔ میرے، تیرے پاس موبائل ہو، ظاہری سبب بھی موجود نہ ہو لیکن ہماری آواز امریکہ، لندن دور دراز ملکوں تک پہنچ جائے تو اللہ کے پیاروں کی شان کیا ہوگی جن کو طاقتیں عطا فرمانے والا اللہ ہے اگر وہ بغیر کسی ظاہری سبب کے دور سے فریاد کرنے والے کی گفتگو سن لیں تو اس میں حیرانگی اور تعجب کی کیا بات ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو باطنی آنکھ عطا نہیں فرمائی تھی؟

سرکار ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

هَلْ تَرَوْنَ قِبْلَتِيْ هٰهُنَا فَوَاللهِ مَا يَخْفٰى عَلَيَّ خُشُوْعُكُمْ وَلَا رُكُوْعُكُمْ اِنِّيْ لَأَرَاكُمْ مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِيْ

کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ میرا منہ قبلہ کی طرف ہے؟ اللہ کی قسم! مجھ سے نہ تو تمہارا خشوع پوشیدہ رہتا ہے نہ رکوع میں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے تمہیں دیکھتا رہتا ہوں۔[1]

باطنی سبب کے ثبوت میں آیات

۱: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۙ اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِیْ بُیُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۚ﴿۴۹﴾

اور رسول ہوگا بنی اسرائیل کی طرف یہ فرماتا ہوا کہ میں تمہارے پاس ایک نشانی لے کر آیا ہوں تمہارے رب کی طرف سے کہ میں تمہارے لیے مٹی سے پرند کی سی مورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرند ہو جاتی ہے اللہ کے حکم سے اور میں شفا دیتا ہوں مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو اور میں مردے جلاتا ہوں اللہ کے حکم سے اور تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے اور جو اپنے گھروں میں جمع کر رکھتے ہو بے شک ان باتوں میں تمہارے لیے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔[2]

عادت یہ ہے کہ مٹی کے پرندے پر پھونک مارنے سے وہ سچ مچ کا پرندہ نہیں بنتا۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الصلوۃ، باب عظۃ الامام الناس فی اتمام الصلاۃ وذکر القبلۃ، صفحہ:۱۰۲، رقم الحدیث:۴۱۸

[2] سورہ آل عمران:۴۹

مادرزاد اندھے پر ہاتھ پھیرنے سے وہ بینا نہیں ہوتا لیکن جناب عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے باطنی سبب عطا فرمایا تھا جس کی وجہ سے آپ علیہ السلام مٹی کی مورت پر پھونک مارتے تھے تو وہ سچ مچ کا پرندہ بن جاتی تھی اور آپ علیہ السلام مادرزاد اندھے اور برص میں مبتلا مریض کو تندرست کر دیتے تھے اور وفات یافتہ کو اللہ کی عطا سے زندہ کر دیتے تھے۔ عادت یہ ہے کہ ہم نہیں جان سکتے کہ کون کیا کھا کر آیا ہے اور کس نے گھر میں کیا ذخیرہ کیا ہے؟ لیکن جس کو اللہ نے باطنی آنکھ عطا کی ہو وہ بتا سکتا ہے کہ آنے والا کیا کھا کر آیا ہے اور کس چیز کو ذخیرہ کر کے آیا ہے۔

دیوبندی عالم اشرف علی تھانوی نے ایک بہت پر لطف بات کی۔ علامہ اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

امام مستغفری نے ایک حکایت لکھی ہے کہ حضرت غوث اعظم کی خدمت میں ایک عورت اپنے لڑکے کو سپرد کر گئی کچھ روز کے بعد آ کر دیکھا کہ لڑکا نہایت لاغر اور دبلا ہو رہا ہے اس کو بے حد رنج ہوا وہ حضرت کی خدمت میں اس کے متعلق کچھ عرض کرنے آئی کیا دیکھتی ہے کہ حضرت مرغ کا گوشت کھا رہے ہیں اور بھی جل بھن گئی۔ عرض کیا کہ حضرت آپ تو مرغ کھائیں اور میرے بچے کو سکھا دیا۔ آپ نے یہ سن کر جو ہڈیاں کھائی ہوئی مرغ کی آپ کے سامنے رکھی تھیں ان کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے فرمایا کہ "قم باذن اللہ" وہ مرغ بن کر چل دیا۔ اس وقت حضرت نے اس عورت سے فرمایا جس وقت تیرا بیٹا اس قابل ہو جائے گا اس کو بھی مرغ کھلایا جائے گا۔[1]

---

[1] افاضات یومیہ، جلد اول، صفحہ: ۲۷۴، ۲۷۵، ملفوظ نمبر: ۳۶۶، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

۲: جناب موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اپنے غلاموں کو سمندر کے کنارے لے چل اور ان کے لئے اُس میں خشک راستہ تیار کر۔ مالک ارشاد فرماتا ہے:

وَ لَقَدْ اَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰۤى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِیْقًا فِی الْبَحْرِ یَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّ لَا تَخْشٰى۝۷۷

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ راتوں رات میرے بندوں کو لے چل اور اُن کے لئے دریا میں سوکھا راستہ نکال دے تجھے ڈر نہ ہوگا کہ فرعون آ لے اور نہ خطرہ۔[۱]

حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ کے حکم پر یوں عمل کیا کہ قوم کو دریا کے کنارے لے کر گئے دریا پر عصا مارا جس کی وجہ سے دریا میں راستے بن گئے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰۤى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ ۚ۝۶۳

تو ہم نے موسیٰ کو وحی فرمائی کہ دریا پر اپنا عصا مار جبھی دریا پھٹ گیا تو ہر حصہ ہو گیا جیسے بڑا پہاڑ۔[۲]

جناب موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے غلام صحیح وسالم دریا میں بنے خشک راستے پر چلتے ہوئے دوسرے پار پہنچ گئے جبکہ فرعون اور اس کے پیروکار دریا میں غرق ہو گئے۔

۳: ہدہد نے جناب سلیمان علیہ السلام سے عرض کیا کہ ملکہ بلقیس آپ سے ملنے کے لئے اپنے محل سے چل پڑی ہے۔آپ کے دل میں خیال آیا کہ وہ ہمیں پرکھنے آرہی ہے کہ

---

[۱] سورہ طٰہٰ:۷۷ [۲] سورۃ الشعراء:۶۳

ہم واقعی اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں یا دنیا دار بادشاہ؟ آپ کا ارادہ بنا کہ ہم اُس کے سامنے نبوت کی شان وشوکت کا مظاہرہ کریں۔آپ کے پاس دربار میں جنات بھی تھے اور انسان بھی۔فرمایا کون ہے جو اس کے آنے سے پہلے اس کا تخت یہاں لے آئے:

قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿٣٩﴾ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ

ایک بڑا خبیث جن بولا کہ میں وہ تخت حضور میں حاضر کردوں گا قبل اس کے کہ حضور اجلاس برخاست کریں اور میں بے شک اس پر قوت والا امانت دار ہوں۔اس نے عرض کی جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اسے حضور میں حاضر کردوں گا ایک پل مارنے سے پہلے پھر جب سلیمان نے تخت کو اپنے پاس رکھا دیکھا کہا یہ میرے رب کے فضل سے ہے۔[1]

سیدنا سلیمان علیہ السلام نے سچے عقیدے کی ترجمانی فرمائی کہ رب کے پیاروں نبیوں، ولیوں کے پاس بہت زیادہ قوتیں اور طاقتیں ہوتی ہیں لیکن یہ سب اللہ کے فضل اور مہربانی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

جماعت اسلامی کے بانی مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں:

حضرت سلیمان علیہ السلام تبلیغ کے ساتھ ساتھ ملکہ اور اس کے درباریوں کو ایک معجزہ

---

[1] سورۂ نمل ۳۹،۴۰

بھی دکھانا چاہتے تھے تا کہ اسے معلوم ہو کہ اللہ رب العالمین اپنے انبیاء کو کیسی غیر معمولی قدرتیں عطا فرماتا ہے اور اسے یقین آجائے کہ حضرت سلیمان واقعی اللہ کے نبی ہیں۔ ۱؎

غیر مقلدین کے شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں:

ایک شخص نے کہا جس کے پاس کتاب کا علم تھا یعنی وہ کتابی تعلیمات کا عامل تھا جس کی وجہ سے اس کو ایسے امور پر قدرت تھی۔ ۲؎

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ مودودی صاحب نے بھی کہا کہ اللہ تعالیٰ انبیاء واولیاء کو غیر معمولی قدرتیں عطا کرتا ہے اور امرتسری صاحب نے بھی لکھا کہ اس کو ایسے امور پر قدرت تھی لیکن ابھی بھی بعض لوگ بڑے زور وشور سے کہتے ہیں کہ نبی، ولی کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں ہیں۔ ہم خود تو لاکھوں کروڑوں کے مالک ہوں۔ بڑی بڑی کوٹھیوں اور گاڑیوں کے مالک ہوں لیکن نبیوں اور ولیوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھا جائے کہ وہ کھجور کی گٹھلی پر موجود سفید چھلکے کے بھی مالک نہیں؟ خدا کا خوف کرنا چاہیے۔ درحقیقت قرآن شریف میں بتوں کا رد کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ یہ بت بالکل نکمے ناکارے ہیں یہ تو کھجور کی گٹھلی پر موجود سفید چھلکے کے بھی مالک نہیں ہیں۔

مسئلہ استعانت و استمداد میں جھگڑا یہ نہیں کہ اللہ کے بندوں کے پاس کچھ ہے یا نہیں؟ وہ کسی کو کچھ عطا کر سکتے ہیں یا نہیں اصل جھگڑا یہ ہے کہ اللہ سخی ہے یا بخیل؟ اللہ کسی کو عطا کرتا ہے یا نہیں؟ ہمارے مخالفین کا دعویٰ یہ ہے کہ اللہ کسی کو کچھ نہیں دیتا، نہ اللہ کسی کو مدد کرنے کی طاقت دیتا ہے، نہ کسی کو مشکل کشا بناتا ہے، نہ کسی کو حاجت روا بناتا ہے اور نہ ہی کسی کو غریب نواز اور داتا بناتا ہے۔

۱؎ تفہیم القرآن، جلد: ۳، صفحہ: ۵۷۵ ۲؎ تفسیر ثنائی، جلد دوم، صفحہ: ۴۱۰، مکتبہ قدوسیہ

لیکن ہمارا عقیدہ یہ ہے:

بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ

بلکہ اللہ کے ہاتھ کشادہ ہیں عطا فرماتا ہے جسے چاہے۔ [1]

اسی لیے محبوب علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

''اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِي''

عطا اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے میں تقسیم کرنے والا ہوں۔ [2]

۴: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ ۝۳۶ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ۝۳۷ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ۝۳۸ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۳۹ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝۴۰

تو ہم نے ہوا (جناب سلیمان علیہ السلام) کے بس میں کردی کہ اس کے حکم سے نرم نرم چلتی جہاں وہ چاہتا اور دیو بس میں کردیئے ہر معمار اور غوطہ خور اور دوسرے بیڑیوں میں جکڑے ہوئے۔ یہ ہماری عطا ہے اب تو چاہے تو احسان کر یا روک رکھ تجھ پر کچھ حساب نہیں اور بے شک اس کے لئے ہماری بارگاہ میں ضرور قرب اور اچھا ٹھکانہ ہے۔ [3]

ان آیات سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا سلیمان علیہ السلام کے کنٹرول میں ہوا

---

[1] سورۃ المائدہ: ۶۴ [2] صحیح بخاری، کتاب العلم، باب من یرد اللہ بہ خیر یفقھہ فی الدین، صفحہ: ۳۹، رقم الحدیث: ۷۱

[3] سورۃ ص، آیات ۳۶ تا ۴۰

بھی کر دی اور ہر طرح کے جنات بھی آپ کے تابع کر دیئے تھے۔ ذاتی اور عطائی کی تقسیم پر اعتراض کرنے والے غور کریں کہ اللہ تعالیٰ یہ سب کچھ عطا کرنے کے بعد فرما رہا ہے ''هٰذَا عَطَاؤُنَا'': یہ ہماری عطا ہے۔ یہ سب کچھ سیدنا سلیمان علیہ السلام کا ذاتی نہیں تھا بلکہ یہ سب کچھ ہمارا عطا کیا ہوا تھا۔ اب بھی متشدد لوگ کہیں کہ نبی، ولی کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں تو اُنکی مرضی۔ حق پوری آب وتاب کے ساتھ واضح ہو چکا ہے۔

دیوبندی حکیم الامت اشرف علی تھانوی صاحب نے بڑی دلچسپ بات کہی وہ کہتے ہیں:

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ پہلے مرتاض لوگ بڑے طویل زمانہ تک حبس دم کرتے تھے اور اب بوجہ ضعفِ قویٰ کرنے سے بھی ایسا نہیں ہوتا۔ ایک فقیر نے حبس دم کا انتظام کیا تھا نا کامیاب رہا دماغ خراب ہو گیا اب قویٰ بوجہ کمزوری کے ایسی مشقتوں کی برداشت نہیں کر سکتے۔ پہلے زمانہ میں تو ہندو بھی بڑی بڑی محنتیں کرتے تھے اب اُن میں بھی صاحب اثر نہیں گو ایسا اثر مطلوب نہیں۔ حضرت سلطان نظام الدین قدس سرہ کے زمانہ میں ایک جوگی تھا اس نے یہ مشق کی تھی کہ مریض پر نظر ڈال کر مرض کو سلب کر لیتا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت سلطان نظام الدین صاحب قدس سرہ پر ایک دورہ پڑا جس میں بے ہوشی ہو جاتی تھی ہوش آ جانے پر خدام نے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو فلاں جوگی کے یہاں جو مرض کو سلب کر لیتا ہے حضرت کا پلنگ لے چلیں فرمایا کہ خبردار! ایسا مت کرنا اندیشہ ہے کہ لوگوں کے عقائد میں خرابی پیدا ہو جائے اتفاق سے پھر دورہ ہو گیا اور بے ہوشی طاری ہو گئی۔ مریدین کو پیر سے عشق کا درجہ ہوتا ہی ہے خلوص ہوتا ہے۔ پیر

کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتے آپس میں مشورہ کر کے اور پلنگ اٹھا کر اس جوگی کے مکان پر جا رکھا اور خلاف کرنے کا تدارک معافی چاہنے سے سوچ لیا اس نے دیکھا کہ اتنا بڑا شخص میرے مکان پر آیا پھولا نہیں سمایا فوراً سب کام چھوڑا اس طرف متوجہ ہوا اور فوراً مرض کو سلب کر لیا۔ حضرت ایک دم اُٹھ کر بیٹھ گئے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی مرض ہوا ہی نہ تھا۔ دیکھا کہ جوگی کا مکان ہے سمجھ گئے کہ یہ لوگ محبت کی وجہ سے میری تکلیف کو برداشت نہیں کر سکے اس لیے کسی کو کچھ نہیں کہا بلکہ اس جوگی کی طرف متوجہ ہوئے اور دریافت فرمایا کہ یہ بتلاؤ کہ یہ تاثیر جو تمہارے اندر ہے یہ کیا ہے؟ اور کس عمل کی بدولت؟ اس نے عرض کیا کہ میرے پاس صرف ایک چیز ہے جو میرے گرو نے مجھ کو تعلیم کی تھی اور وہ یہ کہ یہ کہا تھا کہ ہمیشہ نفس کے خلاف کرنا۔ مطلب یہ کہ نفس کا چاہا نہ کرنا۔ بس میرے پاس صرف یہی ایک عمل ہے اس کی بدولت یہ تصرف کرتا ہوں اور مرض کو سلب کر لیتا ہوں۔ یہ سن کر حضرت سلطان جی نے دریافت فرمایا اچھا یہ بتلاؤ کہ تمہارا نفس مسلمان ہونے کو چاہتا ہے؟ عرض کیا کہ نہیں فرمایا پھر گرو کی تعلیم پر کہاں عمل رہا؟ ادھر تو یہ فرمایا اور ادھر توجہ کی نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے ایک دم کلمہ پڑھ لیا اور مسلمان ہو گیا آپ نے درحقیقت اس پر بھی عمل کیا: هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ اُس نے آپ کے مرض جسمانی کو سلب کیا تھا آپ نے اُس کے مرضِ باطنی کو یعنی کفر کو سلب فرمایا۔ احسان کا بدلہ احسان ہو گیا۔ [1]

علامہ مودودی صاحب لکھتے ہیں:

تاہم اگر ہوا پر حضرت سلیمان علیہ السلام کو حکم چلانے کا بھی کوئی اقتدار دیا گیا ہو

---

[1] افاضات یومیہ، جلد: ۴، صفحہ: ۱۶۴، ۱۶۵، ادارہ تالیفات اشرفیہ

جیسا کہ تَجْرِیْ بِاَمْرِہٖ (اس کے حکم سے چلتی تھی) کے ظاہر الفاظ سے مترشح ہوتا ہے تو یہ اللہ کی قدرت سے بعید نہیں ہے وہ اپنی مملکت کا آپ مالک ہے اپنے جس بندے کو جو اختیارات چاہے دے سکتا ہے۔ جب وہ خود کسی کو کوئی اختیار دے تو ہمارا دل دُکھنے کی کوئی وجہ نہیں۔[1]

ایک وہابی عالم حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

جس طرح پہاڑ اور پرندے حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے مسخر کر دیئے گئے تھے اسی طرح ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دی گئی تھی وہ اپنے اعیان سلطنت سمیت تخت پر بیٹھ جاتے تھے اور جہاں چاہتے مہینوں کی مسافت لمحوں اور ساعتوں میں طے کر کے وہاں پہنچ جاتے۔ ہوا آپ کے تخت کو اُڑا کر لے جاتی۔[2]

عادت یہ ہے کہ ہوا ہماری مرضی سے نہیں چلتی لیکن اللہ تعالیٰ نے سیدنا سلیمان علیہ السلام کو یہ کمال عطا فرمایا تھا کہ ہوا اُن کے کنٹرول میں تھی جب چاہتے ہوا کو تیز ہونے کا حکم دے دیتے اور جب چاہتے ہوا کو آہستہ چلنے کا حکم دے دیتے اور ہوا آپ کے حکم کے موافق تیز اور آہستہ چلتی۔

۵: حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے پاس سیدنا جبریل علیہ السلام انسانی صورت میں تشریف لائے آپ نے پریشان ہو کر فرمایا:

اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِیًّا﴿۱۸﴾

میں تجھ سے رحمان کی پناہ مانگتی ہوں اگر تجھے خدا کا ڈر ہے۔

---

[1] تفہیم القرآن، جلد: ۳، صفحہ: ۱۷۷، تحت آیت سورۃ انبیاء: ۸۱

[2] احسن البیان صفحہ ۹۰۲، تحت آیت سورۃ الانبیاء: ۸۱

حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا:

اِنَّمَآ اَنَا رَسُوۡلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝۱۹

میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں کہ میں تجھے ایک ستھرا بیٹا دوں۔[1]

تفسیر ابن جریر میں ہے:

''ثُمَّ نَفَخَ فِيْ جَيْبِ دِرْعِهَا حَتّٰى وَصَلَتِ النَّفْخَةُ اِلَى الرَّحِمِ فَاشْتَمَلَتْ''

سیدنا جبریل علیہ السلام نے سیدہ مریم رضی اللہ عنہا کی قمیض کے سامنے کی جانب پھونک ماری یہاں تک کہ وہ پھونک اُن کے رحم میں پہنچ گئی اور وہ حاملہ ہو گئیں۔[2]

پھر جناب عیسیٰ علیہ السلام، سیدہ مریم رضی اللہ عنہا کے بطن اطہر سے پیدا ہوئے۔ عادت یہ ہے کہ پھونک سے کوئی عورت حاملہ نہیں ہوتی اور اس کے ہاں اولاد نہیں ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ نے سیدنا جبریل علیہ السلام کی پھونک میں یہ طاقت رکھ دی تھی کہ آپ کی پھونک سے سیدہ مریم حاملہ ہو گئیں اور آپ کے ہاں جناب عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت بھی ہو گئی۔

یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کہتا ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی کئی دادیاں اور نانیاں بازاری عورتیں تھیں[3] اور اُن سے سر کی مالش کروایا کرتے تھے حالانکہ قرآن جناب عیسیٰ علیہ السلام کی پاکیزگی کی گواہی دیتے ہوئے فرما رہا ہے غُلٰمًا زَكِيًّا کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام بڑے پاکیزہ اور ستھرے تھے۔ ہم مرزا قادیانی کے ہذیان پر فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ہی پڑھ سکتے ہیں۔

---

[1] سورۃ مریم: ۱۸، ۱۹   [2] تفسیر الطبری، جلد: ۱۵، صفحہ: ۴۹۰   [3] روحانی خزائن، جلد: ۱۲، صفحہ: ۳۳۷

باطنی سبب کے ثبوت میں احادیث

1: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

حدیبیہ کے دن لوگوں کو پیاس لگی ہوئی تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ایک چھاگل رکھا ہوا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو فرمایا لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیاس کی شکایت کی اور عرض کی: ہمارے پاس نہ تو وضو کے لئے پانی ہے اور نہ ہی پینے کے لئے پانی ہے سوائے اس پانی کے جو آپ کے پاس چھاگل میں ہے۔

فَجَعَلَ الْمَاءَ يَثُوْرُ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ كَاَمْثَالِ الْعُيُوْنِ فَشَرِبْنَا وَتَوَضَّأْنَا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک چھاگل میں رکھا اور پانی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگلیوں کے درمیان میں سے چشمے کی طرح پھوٹنے لگا۔ ہم سب نے اُس پانی کو پیا اور اُس سے وضو بھی کیا۔

قُلْتُ: كَمْ كُنْتُمْ؟ قَالَ لَوْ كُنَّا مِائَةَ اَلْفٍ لَكَفَانَا كُنَّا خَمْسَ عَشَرَةَ مِائَةٍ

سالم بن ابی الجعد کہتے ہیں میں نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے عرض کی آپ کتنے افراد تھے؟ فرمایا: اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی کافی ہوتا لیکن ہم پندرہ سو تھے۔[1]

عادت یہ ہے کہ اگر ہم کسی چھاگل یا پیالے میں ہاتھ رکھیں تو ہماری انگلیوں سے پانی کے چشمے نہیں پھوٹتے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ السلام کو یہ کمال عطا فرمایا کہ آپ

[1] صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، صفحہ ۶۸۴، رقم الحدیث ۳۵۷۶

نے چھاگل میں ہاتھ مبارک رکھا تو آپ کی انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہو گئے۔ اعلیٰ حضرت اس بات کو اپنے انداز میں یوں بیان کرتے ہیں:

انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر

ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ [1]

۲: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

بے شک حدیبیہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چودہ سو یا اس سے زیادہ اصحاب تھے پس وہ ایک کنویں کے پاس اترے اور اس سے سارا پانی نکال لیا پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے (اور آپ کو بتایا) پس آپ کنویں پر آئے اور اس کی منڈیر پر بیٹھ گئے پھر آپ نے فرمایا: میرے پاس ایک ڈول میں اس کا پانی لاؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پانی لایا گیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس میں اپنا لعاب دہن ڈالا پھر دعا کی۔ فَأَرْوَوْا أَنْفُسَهُمْ وَرِكَابَهُمْ حَتَّىٰ ارْتَحَلُوْا: پھر صحابہ خود بھی سیراب ہوئے اور اپنی سواریوں کو بھی سیراب کیا حتیٰ کہ وہ روانہ ہوئے۔[2]

عادت یہ ہے کہ ہم لاکھ بار بھی کنویں میں اپنے منہ والا پانی ڈالیں تب بھی کنواں کناروں تک پانی سے نہیں بھرے گا لیکن اللہ تعالیٰ نے شاہ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کمال عطا فرمایا ہے کہ آپ نے کنویں میں کلی مبارک والا پانی ڈالا تو کنواں پانی سے بھر گیا اور لشکر بھی سیراب ہو گیا اور جانور بھی سیراب ہو گئے۔

۳: حضرت عمران رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

---

[1] حدائق بخشش، صفحہ: ۶۷ مطبوعہ پروگریسو بکس اردو بازار لاہور

[2] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیہ، صفحہ ۷۹۰، رقم الحدیث ۴۱۵۱

ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے بے شک ہم رات میں سفر کر رہے تھے حتیٰ کہ ہم رات کے آخری حصہ میں پہنچے اور لیٹ کر سو گئے اور مسافر کے لئے رات کے آخری حصہ میں سونے سے زیادہ اور کوئی میٹھی چیز نہیں ہوتی پھر ہمیں سورج کی گرمی نے بیدار کیا۔ سب سے پہلے فلاں شخص بیدار ہوا پھر فلاں شخص بیدار ہوا پھر فلاں شخص بیدار ہوا۔ ابو رجاء نے ان صحابہ کے نام لیے تھے لیکن عوف بھول گئے پھر چوتھے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سوئے ہوتے تھے تو ہم آپ کو بیدار نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ آپ خود بیدار ہوں کیونکہ ہم نہیں جانتے تھے کہ نیند میں آپ پر کیا کیفیات طاری ہیں پس جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے اور انہوں نے دیکھا کہ لوگوں پر کیا مصیبت آچکی ہے اور وہ بہت ہمت والے مرد تھے انہوں نے بلند آواز سے اللہ اکبر کہا پھر وہ مسلسل بلند آواز سے اللہ اکبر کہتے رہے حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی آواز سے بیدار ہو گئے جب آپ بیدار ہوئے تو لوگوں نے آپ سے اس مصیبت کی شکایت کی جو انہیں پہنچی تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کوئی حرج نہیں یا فرمایا کوئی نقصان نہیں یہاں سے روانہ ہو پس آپ چلے ابھی تھوڑی دور چلے تھے کہ آپ سواری سے اُترے اور وضو کے لیے پانی منگوایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کیا اور نماز کے لئے اذان دی گئی پھر آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی پس جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے دیکھا ایک شخص الگ کھڑا تھا اس نے لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے فلاں! تمہیں سب کے ساتھ نماز پڑھنے سے کس چیز نے منع کیا؟ اُس نے کہا میں جنبی ہو گیا ہوں اور غسل کے لئے پانی نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم پاک مٹی کا قصد کر لو وہ تمہارے لئے کافی ہے

پھر نبی ﷺ روانہ ہوئے پھر لوگوں نے پیاس کی شکایت کی آپ سواری سے اُترے اور آپ نے فلاں کو بلایا۔ ابو رجاء نے اس کا نام لیا تھا اور عوف بھول گئے اور حضرت علی کو بلایا اور فرمایا تم دونوں جاؤ اور پانی کو تلاش کرو پس وہ دونوں گئے اُن کو ایک عورت ملی جس کے اونٹ پر پانی کی دو بڑی مشکیں رکھی ہوئی تھیں اُن دونوں نے اس سے کہا پانی کہاں ہے؟ اُس نے کہا میں کل سے اس وقت تک اس پانی کی حفاظت کر رہی ہوں اور ہمارے گھر والے پیچھے ہیں اُن دونوں نے کہا تب تم ہمارے ساتھ چلو۔ اُس نے کہا کہاں تک؟ ان دونوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے پاس۔ اُس نے کہا اُن کے پاس جن کے متعلق کہا جاتا ہے انہوں نے اپنا دین بدل لیا ہے انہوں نے کہا ہاں وہ جن کا تم ارادہ کر رہی ہو پس روانہ ہو پھر وہ اس کو لے کر نبی ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو سارا واقعہ سنایا پھر مسلمانوں نے اُس عورت کو اس کے اونٹ سے اُتارا اور نبی ﷺ نے برتن منگوایا اور ان بڑی مشکوں میں سے ایک کا منہ کھول کر برتن میں پانی انڈیلا پھر اُن مشکوں کا منہ باندھ دیا پھر اس بڑی مشک کے نچلے حصے کا منہ کھول دیا اور لوگوں میں اعلان فرما دیا کہ خوب پانی پیو اور پلاؤ پھر جس نے جتنا چاہا پیا اور جتنا چاہا پلایا اور آخر میں اُس شخص کو برتن سے پانی دیا جو جنبی تھا آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ اور اپنے اوپر پانی بہاؤ اور وہ عورت کھڑی ہو کر دیکھ رہی تھی کہ اس کے پانی کے ساتھ کیا کیا جا رہا ہے اور اللہ کی قسم! ان بڑی مشکوں سے پانی نکالا گیا اور ہمیں معلوم ہو رہا تھا کہ جب ان مشکوں سے پانی نکالنے کی ابتداء کی گئی تھی ان میں اس سے بھی زیادہ پانی بھرا ہوا تھا تب نبی ﷺ نے فرمایا: اس کے لئے (کھانے کی چیزوں) کو جمع کرو پھر اُس کے لئے عجوہ کھجوریں، گندم، جو اور ستو وغیرہ جمع کر کے اُن کو

ایک پوٹلی میں باندھ دیا گیا اور اس کو اس کے اونٹ پر سوار کر دیا گیا اور اس پوٹلی کو اُس کے سامنے رکھ دیا۔ آپ ﷺ نے اُس عورت سے فرمایا: تم جانتی ہو ہم نے تمہارے پانی سے کچھ کم نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں پلایا ہے۔[1]

حضرت یزید بن ابی عبید بیان کرتے ہیں:

رَأَیْتُ اَثَرَ ضَرْبَةٍ فِیْ سَاقِ سَلَمَةَ فَقُلْتُ یَا اَبَا مُسْلِمٍ مَاهٰذِهِ الضَّرْبَةُ؟ فَقَالَ هٰذِهِ ضَرْبَةٌ اَصَابَتْهَا یَوْمَ خَیْبَرَ فَقَالَ النَّاسُ اُصِیْبَ سَلَمَةُ فَاَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَنَفَثَ فِیْهِ ثَلَاثَ نَفَثَاتٍ فَمَا اشْتَكَیْتُهَا حَتَّی السَّاعَةِ

میں نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی پنڈلی میں چوٹ کا نشان دیکھا میں نے عرض کی: اے ابو مسلم! یہ چوٹ کا نشان کیسا ہے؟ حضرت سلمہ نے فرمایا: غزوہ خیبر میں مجھے یہ چوٹ لگی تھی۔ لوگوں نے کہا: سلمہ زخمی ہو گیا ہے میں نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ نے تین مرتبہ اس پر دم کیا جس کی برکت سے آج تک مجھے کبھی اس چوٹ سے تکلیف نہیں ہوئی۔[2]

۵: نبی کریم ﷺ نے ابو رافع یہودی کو قتل کرنے کے لئے کچھ انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھیجا اور حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کو ان صحابہ کا امیر بنا دیا۔ یہ ابو رافع نبی کریم ﷺ کو ایذا دیتا تھا اور آپ کے دشمنوں کی مدد کرتا تھا۔ حجاز میں اس کا ایک قلعہ تھا اور وہیں وہ رہا

---

[1] صحیح بخاری، کتاب التیمّم، باب الصعید الطیب وضوء المسلم یکفیہ من الماء، صفحہ ۸۸، رقم الحدیث: ۳۴۴

[2] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر، صفحہ ۷۹۹، رقم الحدیث: ۴۲۰۶

کرتا تھا۔ جب سیدنا عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ اپنے رفقاء کے ہمراہ قلعے کے قریب پہنچے تو سورج غروب ہو چکا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے اپنے رفقاء سے فرمایا تم لوگ یہیں ٹھہرو میں اس قلعہ کے قریب جا رہا ہوں دربان پر کوئی تدبیر کرتا ہوں تا کہ میں اندر جانے میں کامیاب ہوسکوں ۔حضرت عبداللہ قلعے کے پاس آئے اور دروازے کے قریب پہنچ کر انہوں نے اپنے آپ کو یوں چھپالیا جیسے کوئی قضاء حاجت کر رہا ہو۔قلعہ کے تمام آدمی اندر داخل ہو چکے تھے دربان نے آواز دی: اے اللہ کے بندے! اگر اندر آنا ہے تو جلدی آجا میں اب دروازہ بند کر دوں گا۔ سیدنا عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں بھی اندر چلا گیا اور چھپ کر اُس کی کاروائی دیکھنے لگا جب سب لوگ اندر آ گئے تو اُس نے دروازہ بند کر دیا اور چابیوں کا گچھا ایک جگہ لٹکا دیا۔سیدنا ابن عتیک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں ان چابیوں کی طرف بڑھا اور میں نے انہیں لے لیا۔ پھر میں نے قلعہ کا دروازہ کھول لیا۔ابورافع کے پاس داستانیں بیان کی جارہی تھیں اور وہ اپنے خاص بالا خانے میں تھا۔جب داستان گو اُس کے پاس سے اُٹھ کر چلے گئے تو میں اُس کمرے کی طرف چڑھنے لگا اس عرصہ میں میں جتنے دروازے اُس تک پہنچنے کے لئے کھولتا تھا انہیں اندر سے بند کرتا جاتا تھا۔ میرا مقصد یہ تھا کہ اگر قلعے والوں کو میرے متعلق علم ہو بھی جائے تو یہ لوگ اُس وقت تک میرے پاس نہ پہنچ سکیں جب تک میں اسے قتل نہ کرلوں آخر کار میں اُس کے قریب پہنچ گیا اُس وقت وہ ایک تاریک کمرے میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ تھا۔ مجھے کچھ اندازہ نہ ہوسکا کہ وہ کہاں ہے۔ میں نے آواز دی: اے ابورافع! وہ بولا کون ہے؟ میں نے آواز کی طرف بڑھ کر تلوار کی ایک ضرب لگائی۔ میرا دل دھک دھک کر رہا تھا اسی وجہ سے میں اُس کا کام تمام نہ کرسکا وہ چیخا تو میں کمرے سے باہر نکل گیا اور تھوڑی

دیر باہر ہی رہا پھر دوبارہ اندر گیا اور پوچھا: ابورافع یہ آواز کیسی تھی؟ وہ بولا تیری ماں غارت ہو ابھی ابھی مجھ پر کسی نے تلوار سے حملہ کیا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے ایک اور تلوار کی ضرب لگائی۔ فرماتے ہیں وہ زخمی تو بہت ہو چکا تھا لیکن ابھی تک مرا نہیں تھا۔ میں نے تلوار کی نوک اُس کے پیٹ پر رکھ کر دبائی جو کہ اُس کی پیٹھ تک پہنچ گئی۔ مجھے اب یقین ہو گیا کہ وہ مر چکا ہے۔ میں نے دروازے ایک ایک کر کے کھولنے شروع کیے آخر میں ایک زینے تک پہنچا میں یہ سمجھا کہ میں زمین تک پہنچ گیا ہوں (لیکن ابھی پہنچا نہیں تھا) اس لیے میں نے اُس پر پاؤں رکھ دیا اور گر گیا۔ چاندنی رات تھی اس طرح گر پڑنے کی وجہ سے میری پنڈلی ٹوٹ گئی۔ میں نے اُسے اپنے عمامہ سے باندھ لیا اور دروازے پر آ کر بیٹھ گیا۔ میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ جب تک یہ معلوم نہ کرلوں کہ ابورافع مر گیا ہے یا نہیں اُس وقت تک یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ جب مرغ نے آواز دی تو اسی وقت قلعہ کی فصیل پر ایک پکارنے والے نے کھڑے ہو کر پکارا کہ میں اہل حجاز کے تاجر ابو رافع کی موت کا اعلان کرتا ہوں۔ سیدنا عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں اپنے رفقاء کے پاس آیا اور میں نے اُن سے کہا کہ جلدی چلو۔ اللہ نے ابورافع کو قتل کروا دیا ہے۔ فرماتے ہیں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو اس کی اطلاع دی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: **اُبْسُطْ رِجْلَكَ**: اپنا پاؤں پھیلا۔ **فَبَسَطْتُ رِجْلِیْ فَمَسَحَهَا فَكَاَنَّهَا لَمْ اَشْتَكِهَا قَطُّ** میں نے اپنا پاؤں پھیلایا تو آپ نے اپنا دست مبارک پھیرا۔ پاؤں اتنا اچھا ہو گیا کہ جیسے مجھے کوئی تکلیف ہوئی ہی نہ تھی۔[1]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب قتل ابی رافع، صفحہ ۷۶۷، رقم الحدیث: ۴۰۳۹

۶: حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رات گزارا کرتا تھا میں وضو کا پانی اور دوسری ضرورت کی چیزیں آپ کی خدمت میں پیش کرتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مانگو کیا مانگتے ہو؟ حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میں آپ سے جنت میں آپ کی رفاقت طلب کرتا ہوں۔ ارشاد فرمایا: اس کے علاوہ کچھ اور چاہیے: حضرت ربیعہ نے عرض کی بس یہی کافی ہے۔ ارشاد فرمایا: فَاَعِنِّیْ عَلٰی نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ: اپنے اس کام میں سجدوں کی کثرت کے ذریعے میری مدد کرو۔[۱]

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَیُؤْخَذُ مِنْ اِطْلَاقِ قَوْلِهٖ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَلْاَمْرُ بِالسُّوَالِ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی مَكَّنَّهٗ مِنْ اِعْطَاءِ كُلِّ مَا اَرَادَ مِنْ خَزَائِنِهٖ تَعَالٰی وَاَنَّهٗ يَخُصُّ مِنَ السَّائِلِيْنَ مَنْ شَاءَ بِمَا شَاءَ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطلقاً سَلْ فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کے خزانوں میں سے جس چیز کا ارادہ فرمائیں عطا کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سائلین میں سے جس کے لئے جو چاہتے جتنا چاہتے عطا فرما دیتے۔[۲]

دیوبندی عالم شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

وَیُؤْخَذُ مِنْ اِطْلَاقِ قَوْلِهٖ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَلْاَمْرُ بِالسُّؤَالِ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی

---

[۱] صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب فضل السجود والحث علیہ، صفحہ ۲۰۲، رقم الحدیث: ۱۰۹۴

[۲] لمعات التنقیح، جلد سوم، صفحہ: ۳۰

مَكَّنَهُ مِنْ اِعْطَاءِ كُلِّ مَا اَرَادَ مِنْ خَزَائِنِ الْحَقِّ وَمِنْ ثَمَّ عَدَّ اَئِمَّتُنَا مِنْ خَصَائِصِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَّهٗ يَخُصُّ مَنْ شَاءَ بِمَا شَاءَ كَجَعْلِهٖ شَهَادَةَ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ بِشَهَادَتَيْنِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطلقاً سَلْ فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ اختیار عطا فرمایا کہ اللہ کے خزانوں میں سے جس چیز کا ارادہ فرمائیں عطا کر دیں۔ ہمارے آئمہ نے اس بات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں شمار کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس کے لئے جو چاہیں جتنا چاہیں خاص فرما لیتے ہیں جیسے کہ آپ نے حضرت خذیمہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کو دو آدمیوں کی شہادت کے برابر ٹھہرایا اس روایت کو امام بخاری نے بیان کیا۔[1]

جب ہم دلائل کے انبار لگا دیتے ہیں تو وہ لوگ جو ابھی کچھ دیر پہلے مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب کی تقسیم کر رہے تھے اپنی اس تقسیم سے دستبردار ہو جاتے ہیں اب ایک نئی تقسیم کر دیتے ہیں کہ زندوں سے مدد مانگنا جائز ہے لیکن اصحاب قبور سے مدد مانگنا شرک ہے۔ ایسے لوگ نہ تو شرک کی تعریف سے واقف ہیں اور نہ ہی قرآن وسنت سے واقف ہیں۔ یاد رکھیئے شرک ہر جگہ شرک ہی ہوتا ہے اس میں تقسیم نہیں ہوسکتی جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو لائق عبادت سمجھنا شرک ہے۔ یہاں یہ نہیں ہوسکتا کہ قریب والے کو لائق عبادت ماننا جائز ہو لیکن دور والے کو لائق عبادت ماننا شرک ہو۔ یہاں یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ زندہ کو لائق عبادت ماننا جائز ہو جبکہ وفات یافتہ کو لائق عبادت ماننا ناجائز۔ جو احباب زندوں سے مدد مانگنے کو جائز قرار دیتے ہیں اور وفات یافتہ سے مدد مانگنے

---

[1] فتح الملہم، جلد سوم، صفحہ ۳۷۴

کو شرک کہتے ہیں اُن سے گزارش ہے کہ آیئے ہم دلائل و براہین کی روشنی میں دیکھ لیتے ہیں کہ اللہ کے حبیب ﷺ اپنے روضہ انور میں زندہ ہیں یا نہیں اور اپنی امت کے اعمال پر حاضر و ناظر ہیں یا نہیں۔

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وباچندیں اختلافات وکثرت مذاہب کہ در علماء امت است یک کس را دریں مسئلہ خلافی نیست کہ آنحضرت ﷺ بحقیقت حیات بے شائبہ مجاز وتو ہم تاویل دائم و باقی ست و بر اعمال امت حاضر و ناظر و مر طالبان حقیقت را متوجهان آنحضرت را مفیض و مربی است

اگر چہ امت کے علماء میں مذاہب کی کثرت ہے اور ان میں بے شمار اختلافات بھی۔ پھر بھی اس مسئلہ میں کسی ایک شخص کا بھی اختلاف نہیں ہے کہ رسول اکرم ﷺ حقیقت حیات کے ساتھ بغیر مجاز کے شائبہ کے اور تاویل کے وہم کے دائم اور باقی ہیں اور امت کے اعمال پر حاضر و ناظر ہیں۔ طالبان حقیقت کو اور آنجناب کی طرف متوجہ حضرات کو فیض بھی عطا فرماتے ہیں اور ان کی تربیت بھی فرماتے ہیں۔[1]

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ معمولی آدمی نہ تھے۔ ان کے متعلق دیوبندی حضرات کے حکیم الامت اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

بعض اولیاء اللہ ایسے بھی گزرے ہیں کہ خواب میں یا حالت غیبت میں روزمرہ ان کو دربار نبوی ﷺ میں حاضری کی دولت نصیب ہوتی تھی ایسے حضرات صاحب

---

[1] مکتوبات برحاشیہ اخبار الاخیار صفحہ ۱۵۵ مطبوعہ مکتبہ نوریہ سکھر

حضوری کہلاتے ہیں انہیں میں سے ایک حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ہیں کہ یہ بھی اس دولت سے مشرف تھے اور صاحب حضور ﷺ تھے۔ان کا ایک قصہ ہے کہ جب شیخ کو ہندوستان آنے کا حکم دیا تو انہوں نے عرض کیا کہ مجھ کو مفارقت گوارا نہیں حکم ہوا کہ پریشان مت ہو تم کو روزانہ زیارت ہوا کرے گی اس پر مطمئن ہو کر جب مدینہ منورہ سے ہندوستان آنے لگے تو حضور ﷺ سے ان کو ارشاد ہوا کہ غریبان ہند پر نظر عنایت رکھنا اس کا حضرت شیخ پر بہت اثر ہوا چنانچہ جب ہندوستان تشریف لے آئے تو اس وقت سے شیخ نے اپنا یہ معمول کر لیا تھا کہ جب سنتے کہ فلاں مقام پر کوئی با خدا درویش اور فقیر ہے تو اس کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اس سے ملاقات کرتے۔ایک بار انہوں نے سنا کہ فلاں جگہ ایک درویش رہتا ہے تو وہاں بھی تشریف لے گئے تو جب شیخ اُس درویش کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ اس کے پاس ایک بہت بڑا مجمع ہے اور بہت لوگ اس کے معتقد ہیں اس درویش نے حضرت شیخ سے ملاقات کی اور حضرت شیخ کی خاطر مدارت کی اور اسی سلسلہ میں شیخ کی خدمت میں شراب کا پیالہ پیش کیا کہ یہ بھی نوش کیجئے اس وقت اُن کو معلوم ہوا کہ یہ درویش شراب نوش ہے تو حضرت شیخ نے شراب پینے سے انکار کیا اور فرمایا یہ تو حرام ہے میں نہیں پی سکتا اور اس درویش نے کہا کچھ بھی ہو یہ تو پینی پڑے گی۔ حضرت شیخ نے پھر انکار فرمایا۔ کہنے لگا اگر نہ پیے گا تو پچھتائے گا۔شیخ نے جواب دیا کہ ہرگز نہیں۔ جو شخص شریعت پر عمل کرے گا وہ کبھی نہیں پچھتائے گا اور یہ کہہ کر اس درویش کے پاس سے چلے گئے۔شب کو حسب معمول حضرت شیخ کو دربار نبوی ﷺ میں جب حضوری ہوئی تو انہوں نے دیکھا کہ جس مکان مبارک میں حضور تشریف فرما ہیں اس مکان

کے دروازہ پر وہ درویش کھڑا ہوا ہے اور پہرا دے رہا ہے۔ جب شیخ نے اندر دربار نبوی میں حاضر ہونا چاہا تو شیخ کو اُس درویش نے روک دیا اور کہا کہ جب تک تم میرا کہنا نہیں مانو گے اُس وقت تک اندر نہ جانے دوں گا۔ خیر یہ مجبور ہو گئے۔ صبح کو شیخ پھر اُس درویش کے پاس گئے تو وہ درویش ظالم صاحبِ کشف بھی اس درجہ کا تھا کہ شیخ کے پہنچتے ہی قبل اس کے کہ شیخ اس سے شب کا واقعہ بیان کریں خود ہی شیخ سے کہنے لگا کہ کیوں دیکھا ہمارا کہنا نہ ماننے کا یہ نتیجہ ہوا کہ حاضری سے محروم رہے۔ اگر ہمارا کہنا مان لیتے اور شراب کا پیالہ پی لیتے تو کیوں محروم رہتے۔ حضرت شیخ نے جواب دیا کہ اگر حاضری سے محروم رہا تو کیا مضائقہ ہے حضور ﷺ مجھ سے راضی تو ہیں اور اگر میں شراب کا پیالہ پی لیتا تو گو مجھ کو حاضری نصیب ہو جاتی مگر حضور ﷺ مجھ سے ناراض ہو جاتے اس لیے کہ حاضری فرض نہ تھی اور شراب کا نہ پینا فرض تھا کیونکہ شراب حرام ہے پس اگر میں شراب پی لیتا تو فرض ترک ہوتا اور فرض کے ترک پر حضور ﷺ کی ناراضی یقینی تھی اور حضرت شیخ نے اُس سے یہ بھی کہا کہ تو جو اپنے ایسے تصرفات دکھا کر یہ چاہتا ہے کہ تیرے دھوکے میں آجاؤں تو یہ نہیں ہو سکتا بلکہ ان تصرفات سے اگر زیادہ تصرفات بھی تیرے دیکھ لوں تب بھی میں شریعت کے احکام کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اس کے بعد دوسری شب پھر یہی قصہ ہوا کہ شیخ نے دربار نبوی میں جب حاضر ہونا چاہا تو اُس درویش نے کل کی طرح پھر حضرت شیخ کو اندر جانے سے روک دیا۔ صبح کو شیخ پھر اُس درویش کے پاس گئے تو اُس نے پھر شیخ سے وہی کہا کہ کیوں ہم نہ کہتے تھے کہ شراب پی لو ورنہ پچھتاؤ گے تو شیخ نے پھر وہی جواب دیا جو کل دیا تھا۔ تیسرے دن بھی شب کے وقت جب شیخ نے دربار نبوی ﷺ میں

حاضر ہونا چاہا تو دروازے پر اُس درویش نے حضرت شیخ کو پھر روک دیا اب شیخ حیران ہوئے کہ کیا تدبیر کی جائے کہ حاضری نصیب ہو کہ اسی وقت شیخ نے سنا کہ جناب رسول مقبول ﷺ حاضرین سے ارشاد فرما رہے ہیں کہ کیا بات ہے دو دن سے عبدالحق نہیں آئے۔ پس حضرت شیخ نے جو یہ سنا فوراً چیخ کر عرض کیا کہ حضور ﷺ ! یہ شخص مجھ کو اندر آنے نہیں دیتا پس حضور ﷺ نے اس درویش کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا اخسا یا کلب دور ہو اے کتے ! اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ اس شیخ کو یہاں سے نکال دو چنانچہ اس کو نکال دیا گیا اور شیخ اندر حاضر ہو گئے۔ صبح کو پھر شیخ اُس درویش کے پاس تشریف لے گئے تو وہاں اُس درویش کے ہاں بڑا مجمع رہتا تھا تو اور تو سب لوگ وہاں موجود تھے مگر وہ درویش نہ تھا۔ انہوں نے خادموں سے دریافت کیا کہ تمہارے مرشد کہاں ہیں؟ خادموں نے کہا حجرہ میں ہیں۔ دریافت کیا کہ آج باہر کیوں نہیں آئے؟ کہا کہ معلوم نہیں کیا بات ہوئی ہم خود ان کے منتظر ہیں۔ شیخ حجرہ میں پہنچے اور جا کر آواز دی مگر کوئی جواب نہ آیا تب شیخ حجرہ کے اندر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں کوئی نہیں تو خادموں سے پھر دریافت کیا تو خادموں نے حجرہ میں آ کر دیکھا تب بھی نہ پایا تو اب وہ خدام بڑے حیران ہوئے کہ آخر وہ گئے کہاں؟ پھر حضرت شیخ نے ان خدام سے دریافت کیا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ تم نے اس مکان میں سے کسی کو بھی نکلتے دیکھا تھا تو خدام نے کہا کہ ہاں آج ایک کتے کو بے شک یہاں سے نکلتے دیکھا تھا۔ ہم سمجھے کہ باہر سے گھس آیا ہو گا تب حضرت شیخ نے اُن لوگوں سے کہا یہ کتا وہی درویش تھا اُس کی صورت میں مسخ کر دیا گیا ہے اور شب کا سارا واقعہ اپنا اور اس درویش کا بیان فرمایا اس قصہ کو سن کر لوگوں پر بڑا اثر ہوا اور اس درویش کے تمام

خادموں نے توبہ کی اور حضرت شیخ سے بیعت ہو گئے۔[1]

۲: شارح بخاری علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لَا فَرْقَ بَيْنَ مَوْتِهٖ وَحَيَاتِهٖ فِيْ مُشَاهَدَتِهٖ لِاُمَّتِهٖ وَمَعْرِفَتِهٖ بِاَحْوَالِهِمْ وَعَزَائِمِهِمْ وَخَوَاطِرِهِمْ وَذٰلِكَ عِنْدَهٗ جَلِيٌّ لَا خِفَاءَ بِهٖ

اپنی امت کا مشاہدہ فرمانے میں، امت کے حالات، دلی ارادوں اور رازوں کو پہچاننے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موت و حیات میں کچھ فرق نہیں اور یہ تمام چیزیں (امت کا مشاہدہ، ان کے احوال اور دلی ارادوں کی معرفت) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں ظاہر ہیں۔ان میں سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔[2]

بالکل یہی بات علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شرح مواہب میں نقل کی اور لَا خِفَاءَ بِهٖ کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھا: بِاِطِّلَاعِ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلٰى ذٰلِكَ یعنی یہ سب چیزیں (امت کا مشاہدہ، ان کے احوال اور دلی ارادوں کی معرفت) اللہ تعالیٰ کی اطلاع کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ظاہر ہیں۔[3]

۳: امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: استاد ابو منصور عبد القاہر بن طاہر البغدادی جو کہ شیخ الشافعیہ بھی ہیں اور فقیہ واصولی بھی نے فرمایا:

قَالَ الْمُتَكَلِّمُوْنَ الْمُحَقِّقُوْنَ مِنْ اَصْحَابِنَا اَنَّ نَبِيَّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ بَعْدَ وَفَاتِهٖ وَاَنَّهٗ يُسَرُّ بِطَاعَاتِ اُمَّتِهٖ يَحْزُنُ بِمَعَاصِي الْعُصَاةِ مِنْهُمْ

---

[1] افاضات یومیہ، صفحہ ۱۲۳ تا ۱۲۵، ادارہ تالیفات اشرفیہ

[2] المواھب اللدنیہ، المقصد العاشر، الفصل الثانی فی زیارۃ قبرہ الشریف، جلد: ۳، صفحہ: ۵۹۵

[3] شرح العلامۃ الزرقانی علی المواھب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ للعلامۃ القسطلانی، جلد: ۱۲، ص: ۱۹۵ دار الکتب العلمیہ بیروت

ہمارے اصحاب میں سے محقق متکلمین فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اپنی وفات شریف کے بعد بھی زندہ ہیں اور اپنی امت کی نیکیوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور امت کے گناہگاروں کے گناہوں پر غمگین ہوتے ہیں۔ ۱؎

۴: وہابیوں کے امام قاضی شوکانی لکھتے ہیں:

وَقَدْ ذَهَبَ جَمَاعَةٌ مِّنَ الْمُحَقِّقِيْنَ اِلٰى اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ حَيٌّ بَعْدَ وَفَاتِهٖ وَاَنَّهٗ يُسَرُّ بِطَاعَاتِ اُمَّتِهٖ۔

محققین کی جماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنی وفات شریف کے بعد بھی زندہ ہیں اور اپنی امت کی نیکیوں پر خوش ہوتے ہیں۔ ۲؎

اگر ہم نبی کریم ﷺ کی حیات اور امت کے اعمال پر حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ بیان کریں تو یار لوگ ہم پر شرک کا فتویٰ صادر کر دیتے ہیں۔ اگر وہی عقیدہ امام قسطلانی، امام زرقانی، امام سیوطی اور قاضی شوکانی بیان کریں تو اُن کے متعلق کیا خیال ہے؟

چند سوال اور ان کے جواب

۱: آپ نے علمائے دیوبند اور دیگر علماء کی عبارات پیش کیں۔ کیا علماء کی عبارات شرعی حجت ہیں؟ اگر ہیں تو دلیل؟ اگر نہیں تو پیش کرنے کا کیا فائدہ؟

جواب: ہم نے علمائے دیوبند اور دیگر علماء کی عبارات اس لیے پیش کیں کہ یہ عبارات ہمارے نظریہ کی تائید کر رہی ہیں۔ اگر ہم ایسا نظریہ بیان کریں تو ہم پر فوراً شرک کا فتویٰ

۱؎ الحاوی للفتاوی، الجزء الثانی، صفحہ: ۱۴۱، دار الکتب العلمیہ

۲؎ نیل الاوطار، ابواب الجمعۃ، باب فضل یوم الجمعۃ وذکر ساعۃ الاجابۃ، جلد: ۶، صفحہ: ۳۰۷، دار ابن الجوزی

صادر کر دیا جاتا ہے لیکن اگر وہی نظریہ آپ کے اکابر بیان کریں تو وہ آپ کے اکابر کیوں؟ اُن پر فتویٰ کیوں صادر نہیں کیا جاتا؟

۲: آپ نے حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ اور حضرت سلیمان علیہم السلام کے حوالے سے جو ثابت کرنے کی کوشش کی بتایا جائے کہ کیا قدرت اور قانون ایک ہی چیز ہے؟ آپ نے جو بھی حوالے دیئے ہیں وہ تو سب معجزے ہیں۔ کیا معجزہ اللہ تعالیٰ کا اپنا اختیار ہوتا ہے؟ یا نبی کا اپنا فعل ہوتا ہے؟

جواب کچھ معجزے ایسے ہوتے ہیں جو نبی کے اختیار میں نہیں ہوتے جیسے کہ قرآن، یہ بہت بڑا معجزہ ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اختیار میں نہیں تھا کہ سرکار جب چاہیں آیت بنا کر پیش کر دیں بلکہ یہ اللہ کریم کے کنٹرول میں تھا۔ اللہ تعالیٰ حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے آیات کو نازل فرماتا تھا اور سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن آیات کو آگے بیان فرما دیتے تھے لیکن کچھ معجزات ایسے بھی ہوتے ہیں جو نبی کے کنٹرول میں ہوتے ہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام کے کنٹرول میں دے دی تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے چلتی تھی۔

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ ﴿٣٦﴾ [۱]

۳: غیر اللہ سے مدد طلب کرنا عقیدہ کی بات ہے؟ یا اس کا تعلق غیر عقیدہ سے ہے؟

جواب: مدد طلب کرنا عقیدہ نہیں بلکہ ایک عمل ہے اور یہ عمل کیوں کیا گیا اس کا تعلق عقیدہ کے ساتھ ہے۔ اگر اس عقیدے سے غیر اللہ سے مدد طلب کی کہ وہ مستقل بالذات، واجب الوجود اور غیر محتاج ہے تو یہ شرک ہے اور اگر اس نظریہ سے غیر اللہ سے مدد طلب کی

---

۱ سورۃ ص: ۳۶

کہ وہ غیر مستقل ہے ممکن الوجود اور ہر آن ہر گھڑی اللہ کی رحمت کا محتاج ہے تو یہ جائز ہے۔

۴: جس عقیدے کے تحت آپ موت کے بعد مافوق الاسباب مدد طلب کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں کیا کسی نبی، ولی سے اس طرح مدد طلب کرنا ثابت ہے؟ کیا صحابہ نے اس قسم کی مدد طلب کی؟ ایک صحیح دلیل درکار ہے۔

جواب: ہم ایک صحیح دلیل نہیں بلکہ صحیح دلائل پیش کریں گے ان شاء اللہ لیکن مجھے یہ بتایا جائے کہ کس آیت میں یہ لکھا ہے اور حدیث کی کس کتاب میں لکھا ہے کہ زندہ سے مدد طلب کرنا جائز ہے لیکن قبر والے سے مدد طلب کرنا شرک ہے؟ شرک کا فتویٰ لگانا بہت بڑی جسارت ہے اس کے لئے بھی کوئی واضح دلیل ہونی چاہیے۔

۵: عقیدے کے ثبوت کے لئے کن دلائل کی ضرورت ہوتی ہے؟

جواب: عقائد دو طرح کے ہوتے ہیں:

۱۔ قطعی ۲۔ ظنی

جس طرح کا عقیدہ ویسی ہی دلیل۔ اگر عقائد قطعی ہیں تو ان کو ثابت کرنے کے لئے دلیل قطعی کی ضرورت ہے جو کہ قطعی الثبوت بھی ہو اور قطعی الدلالت بھی ہو اور اگر عقائد ظنی ہیں تو ان کو ثابت کرنے کے لئے دلیل ظنی کی ضرورت ہے۔

ہمارا یہ کہنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قبر انور میں زندہ ہیں اور اپنی امت کے اعمال پر حاضر ناظر ہیں اس لیے آپ سے مدد طلب کرنا بالکل جائز ہے کی تائید علامہ وحید الزماں نے بھی کی۔

غیر مقلد عالم وحید الزماں لکھتے ہیں:

آنحضرت ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں پس آپ کی قبر شریف کے پاس اور اسی طرح دوسرے اولیاء اور عرفاء کی قبور پر نداء کے ساتھ سلام کرنا درست ہے جیسے السلام علیک یارسول اللہ کیونکہ آپ کی حیات میں بھی آپ کے پاس نداء کرنا درست تھا حاصل یہ ہے کہ جو دنیاوی حیات میں آپ سے درخواست کر سکتے تھے جیسے اللہ کی درگاہ میں دعا کرنے کی، نظر اور توجہ کرنے کی، شفاعت کرنے کی یہ درخواستیں اب بھی کر سکتے ہیں۔[1]

۲: علامہ وحید الزمان ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

قُلْتُ طَلَبُ الدُّعَاءِ مِنَ الرَّسُوْلِ بَعْدَ وَفَاتِهٖ قَدْ تَوَاتَرَ مِنَ الْاَوْلِيَاءِ الْاُمَّةِ وَصُلَحَائِهَا وَطَلَبَ الْجَزْرِيُّ الدُّعَاءَ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَنَامِ فَرَفَعَ يَدَيْهِ الْكَرِيْمَتَيْنِ وَدَعَا وَاسْتُجِيْبَ الدُّعَاءُ فَهَرَبَ الْعَدُوُّ لَيْلَةَ الْاَحَدِ وَذَكَرَهٗ فِي الْحِصْنِ

میں کہتا ہوں کہ رسول اکرم ﷺ کی وفات شریف کے بعد امت کے اولیاء اور صلحاء کا آپ ﷺ سے دعا کی درخواست کرنا تواتر سے ثابت ہے اور امام جزری نے خواب میں نبی کریم ﷺ سے دعا کی درخواست کی تو نبی کریم ﷺ نے اپنے کریم ہاتھوں کو اٹھایا اور دعا فرمائی اور آپ کی دعا قبول ہوگئی۔ دشمن اتوار کی رات کو بھاگ کھڑا ہوا۔ امام جزری نے اس واقعہ کا ذکر اپنی کتاب حصن حصین میں کیا ہے۔[2]

۳: علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں:

---

[1] سنن ابن ماجہ شریف مترجم، جلد اول، صفحہ ۶۸۵، تحت حدیث سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ، مہتاب کمپنی تاجران کتب غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

[2] حاشیہ ھدیۃ المھدی، جلد:۱، صفحہ:۱۹، پبلشرز اسلامی کتب خانہ سیالکوٹ

وَقَدْ اِسْتَغَاثَ صَاحِبُ جَامِعِ الْبَیَانِ فِیْ اَوَّلِ تَفْسِیْرِہٖ بِالنَّبِیِّ ﷺ فَلَوْکَانَ مُطْلَقُ الْاِسْتِغَاثَۃِ بِغَیْرِ اللّٰہِ شِرْکًا لَزِمَ کَوْنُ صَاحِبِ جَامِعِ الْبَیَانِ مُشْرِکًا فَکَیْفَ یُعْتَمِدُ عَلٰی تَفْسِیْرِہٖ مَعَ اَنَّ اَھْلَ الْحَدِیْثِ کَافَّۃً قَدْ قَبِلُوْا تَفْسِیْرَہٗ

صاحب جامع البیان نے اپنی تفسیر کی ابتداء میں نبی کریم ﷺ سے استغاثہ کیا ہے۔ اگر مطلقا غیر اللہ سے استغاثہ شرک ہوتا تو پھر لازم آئے گا کہ یہ صاحب جامع البیان مشرک ہوں اور اگر یہ مشرک ہیں تو پھر ان کی تفسیر پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے حالانکہ تمام اہل حدیث علماء نے ان کی تفسیر کو قبول کیا ہے۔ [1]

۴: ایک وہابی عالم نواب صدیق حسن خاں بھوپالی نے نبی کریم ﷺ کی عربی زبان میں ایک نعت لکھی جس کا نام قصیدۃ العنبر یہ فی مدح خیر البریہ رکھا۔ اس نعت کے دو اشعار آپ بھی ملاحظہ کیجئے:

اَنْتَ الْمُغِیْثُ بِرَحْمَۃٍ وَّ کَرَامَۃٍ فِیْ غَمَّۃٍ وَّ غَوَائِلٍ وَّ بَلَاءٍ

آپ ہی تو رحمت و کرامت کے ساتھ غموں، مصیبتوں اور بلاؤں میں فریاد کو پہنچنے والے ہیں۔

مَالِیْ وَرَاءَکَ مُسْتَغَاثٌ فَارْحَمَنْ یَا رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ بُکَائِیْ

اے رحمۃ للعالمین ﷺ! آپ کے علاوہ میرا کوئی فریاد رس نہیں میرا رونا دیکھئے اور مجھ پر ضرور رحمت فرمائیے۔ [2]

---

[1] حاشیہ ھدیۃ المھدی، جلد: ۱، صفحہ: ۲۰، پبلشرز اسلامی کتب خانہ سیالکوٹ

[2] مآثر صدیقی، حصہ دوم، صفحہ: ۳۱، تالیف علی حسن خاں فرزند نواب صدیق حسن خاں، ناشر جمعیۃ اھل السنۃ لاہور

۵: علمائے دیوبند کے پیرومرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جہاز امت کا حق نے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں
بس اب چاہو ڈباؤ یا تراؤ یارسول اللہ
پھنسا ہوں بیطرح گرداب غم میں ناخدا ہو کر
میری کشتی کنارے پر لگاؤ یارسول اللہ[۱]

دیوبندی حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب لکھتے ہیں:

يَاشَفِيْعَ الْعِبَادِ خُذْ بِيَدِىْ
دستگیری کیجئے میرے نبی
اَنْتَ فِى الْاِضْطِرَارِ مُعْتَمِدِىْ
کشمکش میں تم ہی ہو میرے نبی
لَيْسَ لِىْ مَلْجَاءَ سِوَاكَ اَغِثْ
جز تمہارے کہاں میری پناہ
مَسَّنِىَ الضُّرُّ سَيِّدِىْ سَنَدِىْ
فوج کلفت مجھ پر آ غالب ہوئی
غَشَّنِى الدَّهْرُ يَاابْنَ عَبْدِاللّٰهِ
ابن عبداللہ زمانہ ہے خلاف
كُنْ مُغِيْثًا فَاَنْتَ لِىْ مَدَدِىْ[۲]
اے میرے مولا خبر لیجئے مری

---

۱ کلیات امدادیہ، صفحہ ۲۰۵، دارالاشاعت اردو بازار کراچی

۲ نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب، صفحہ ۱۷۳

۷: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ علمائے پاک و ہند کے استاد ہیں۔علمائے پاک وہند کی حدیث کی سند ان تک جا کر ختم ہوتی ہے جس کی وجہ سے یہ علماء پاک وہند کے مسند کہلاتے ہیں یہ فرماتے ہیں:

تَطَلَّبْتُ هَلْ مِنْ نَاصِرٍ اَوْ مُسَاعِدٍ اَلُوْذُبِهٖ مِنْ خَوْفِ سُوْءِ الْعَوَاقِبِ

میں بڑی کوشش سے بار بار ایسے مددگار یا معاون کی جستجو کرتا ہوں جس کے دامن رحمت سے مجھے برے نتائج کے خوف سے پناہ مل سکے اور امن امان نصیب ہو سکے۔

فَلَسْتُ اَرٰی اِلَّا الْحَبِیْبَ مُحَمَّدًا رَّسُوْلَ اِلٰهِ الْخَلْقِ جَمَّ الْمَنَاقِبِ

پس ایسا معاون و مددگار جو مصیبت میں دستگیری کرے مجھے کوئی نظر نہیں آتا بجز اپنے محبوب (دلنواز) کے جس کا اسم گرامی محمد ہے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو ساری مخلوق کے پروردگار کے رسول ہیں اور جن کے محامد ومحاسن بے شمار ہیں۔

وَمُعْتَصَمَ الْمَكْرُوْبِ فِیْ كُلِّ غَمْرَةٍ وَمُنْتَجَعَ الْغُفْرَانِ مِنْ كُلِّ تَائِبِ

مجھے تو حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کوئی نظر نہیں آتا جس کے دامن رحمت کو کوئی غمزدہ ہر مصیبت کے وقت پکڑ کر پناہ لے سکے اور ہر تائب حصول مغفرت کیلئے جس کی بارگاہ اقدس کا قصد کر سکے۔[۱]

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں:

یَا اَکْرَمَ الثَّقَلَیْنِ یَا کَنْزَ الْوَرٰی جُدْ لِیْ بِجُوْدِکَ وَاَرْضِنِیْ بِرِضَاکَا

اے جن وانس میں سب سے مکرم ومحترم! اے مخلوق خدا کے خزانے! اپنے جود وکرم

---

[۱] قصیدہ اطیب النغم صفحہ ۳۰،۳۱،۳۲

کی مجھ پر بخشش کیجئے اور اپنی خوشنودی سے مجھے بھی شاد کام کیجئے۔

اَنَا طَامِعٌ بِالْجُوْدِ مِنْكَ وَلَمْ يَكُنْ لِاَبِيْ حَنِيْفَةَ فِي الْاَنَامِ سِوَاكَا

یارسول اللہ ﷺ! میں آپ کے جود و کرم کا خواہش مند ہوں اور آپ کے سوا پوری خلقت میں ابوحنیفہ کا کوئی سہارا نہیں۔ [1]

۹: قصیدہ بردہ شریف ہمارا اور دیوبندی حضرات کا مشترکہ وظیفہ ہے۔ ایک دیوبندی عالم مولانا ذوالفقار علی صاحب نے قصیدہ بردہ شریف کی شرح ''عطر الوردہ فی شرح البردہ'' لکھی جو کہ میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی سے شائع ہوئی ہے اور قصیدہ بردہ شریف کے متعلق نشر الطیب میں مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نے تحریر کیا:

عطر الوردہ میں قصیدہ بردہ کے برکات میں لکھا ہے کہ صاحب قصیدہ یعنی امام ابوعبداللہ شرف الدین محمد بن سعید بن حماد بوصیری قدس سرہ کو فالج ہو گیا تھا جس سے نصف بدن بے کار ہو گیا انہوں نے بالہام ربانی یہ قصیدہ تصنیف کیا اور رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوئے۔ آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک ان کے بدن پر پھیر دیا۔ یہ فوراً شفایاب ہو گئے اور یہ اپنے گھر سے نکلے تھے کہ ایک درویش سے ملاقات ہوئی اور اس نے درخواست کی کہ مجھ کو وہ قصیدہ سنا دیجئے جو آپ نے مدح نبوی میں کہا ہے۔ انہوں نے پوچھا کون سا قصیدہ؟ اُس نے کہا کہ جس کے اول میں یہ ہے: اَمِنْ تَذَكُّرِ جِيْرَانٍ بِذِيْ سَلَمٍ اُن کو تعجب ہوا کیونکہ انہوں نے کسی کو اطلاع نہیں دی تھی۔ اس درویش نے کہا کہ واللہ! میں نے اس کو اس وقت سنا ہے جبکہ یہ حضور ﷺ کی خدمت

---

[1] قصیدہ نعمانیہ، صفحہ: ۲۷۳، ۲۷۴، ناشر بزم فیضان رضا/ ایک دیوبندی عالم مولانا عبدالقیوم حقانی نے بھی اپنی کتاب امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حیرت انگیز واقعات کے صفحہ ۸۴ اور ۸۵ پر ان اشعار کو ترجمہ کے ساتھ درج کیا ہے۔

میں پڑھا جارہا تھااور آپ خوش ہورہے تھے سوانہوں نے یہ قصیدہ اس درویش کودے دیا اوراس قصہ کی شہرت ہوگئی اورشدہ شدہ یہ خبرصاحب بہاؤالدین وزیر ملک ظاہر کوپہنچی اس نےنقل کرایااوروہ اوراس کے گھر والے اس سے برکت حاصل کرتے تھےاورانہوں نے بڑے بڑے آثاراس کےاپنے دنیوی ودینی امور میں دیکھے۔[1]

جب قصیدہ بردہ شریف ہمارااور دیوبندی حضرات کا معتمدعلیہ قصیدہ ہےتو چاہیے کہ اسی کومدنظر رکھتے ہوئے امت کواتحاد کاتحفہ پیش کیاجائے۔اس قصیدہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو''یانبی اللہ'' کہہ کر پکارا گیا ہے اور آپ کے علم کے بارے میں فرمایا گیا: وَمِنۡ عُلُوۡمِکَ عِلۡمَ اللَّوۡحِ وَالۡقَلَمِ: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! لوح وقلم کا علم آپ کےعلوم کاایک حصہ ہیں۔دیوبندی حضرات کو چاہیے کہ ان باتوں میں ہمارے ساتھ اتحاد کرکے امت میں اختلافات کوکم کریں اوراگران معاملات کی وجہ سےشرک کافتویٰ صادرکرنا ہے توپھرقصیدہ بردہ کے مصنف امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ اور اس قصیدہ کی شرح کرنے والے مولاناذوالفقارعلی اوراس قصیدہ کی مدح کرنے والے اشرف علی تھانوی صاحب پربھی فتویٰ صادرکریں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعدوفات بھی عطافرماتے ہیں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ

---

[1] نشرالطیب فی ذکرالنبی الحبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صفحہ ۲۸۲

وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲﴾ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳﴾

وہی ہے جس نے امیین میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا کہ ان پر اُس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب اور حکمت کا علم عطا فرماتے ہیں اور بے شک وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے اور ان میں سے اوروں کو پاک کرتے اور علم عطا فرماتے ہیں جو ان اگلوں سے نہ ملے اور وہی عزت وحکمت والا ہے۔[1]

اس آیت میں آخَرِيْنَ معطوف ہے اسے منصوب پڑھنا بھی جائز ہے اور مجرور بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اگر آخَرِيْنَ منصوب ہو تو اس کا عطف وَيُزَكِّيْهِمْ کی ضمیر منصوب پر ہوگا اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ یہ محبوب ان اُمِّيِّيْنَ کو پاک کرتا ہے اور اُن کو بھی پاک کرے گا جو ابھی ان سے لاحق نہیں ہوئے۔ اگر آخرین مجرور ہو تو اس کا عطف الْاُمِّيِّيْنَ پر ہوگا ترجمہ یہ ہوگا کہ اللہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُمِّيِّيْنَ کے لئے اور ان کے لئے بھیجا جو ابھی ان سے لاحق نہیں ہوئے۔

۱: حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَيَجُوْزُ فِيْ آخَرِيْنَ اَنْ يَّكُوْنَ مَنْصُوْبًا عَطْفًا عَلَى الضَّمِيْرِ الْمَنْصُوْبِ فِيْ يُعَلِّمُهُمْ وَاَنْ يَّكُوْنَ مَجْرُوْرًا عَطْفًا عَلَى الْاُمِّيِّيْنَ

آخَرِيْنَ کو منصوب پڑھنا جائز ہے اس صورت میں اس کا عطف يُعَلِّمُهُمْ کی ضمیر منصوب پر ہوگا اور آخَرِيْنَ کو مجرور پڑھنا بھی جائز ہے اس صورت میں اس کا عطف الْاُمِّيِّيْنَ پر ہوگا۔[2]

---

[1] سورۃ الجمعہ: ۲،۳ [2] فتح الباری شرح صحیح بخاری، جلد: ۸، صفحہ: ۶۴۲

۲: قاضی شوکانی بیان کرتے ہیں:

اَوْهُوَ مَعْطُوْفٌ عَلَى الْمَفْعُوْلِ الْاَوَّلِ فِيْ (يُعَلِّمُهُمْ) اَيْ وَيُعَلِّمُ آخَرِيْنَ اَوْ عَلٰى مَفْعُوْلِ (يُزَكِّيْهِمْ) اَيْ يُزَكِّيْهِمْ وَيُزَكِّيْ آخَرِيْنَ مِنْهُمْ

یا تو آخَرِیْنَ کا عطف مفعول اول یُعَلِّمُهُمْ کی ضمیر منصوب پر ہے یعنی یہ محبوب اُمِّیِّیْنَ کو کتاب وحکمت کا علم عطا کرتے ہیں اور اُن کو بھی کتاب وحکمت کا علم عطا کریں گے جو ابھی ان اُمِّیِّیْنَ سے لاحق نہیں ہوئے یا اس کا عطف مفعول یُزَكِّيْهِمْ کی ضمیر منصوب پر ہے یعنی یہ محبوب اُمِّیِّیْنَ کو پاک کرتے ہیں اور ان کو بھی پاک کریں گے جو ابھی ان اُمِّیِّیْنَ سے لاحق نہیں ہوئے۔

مزید لکھتے ہیں:

(لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ) صِفَةٌ لِآخَرِيْنَ وَالضَّمِيْرُ فِيْ (مِنْهُمْ) وَ(بِهِمْ) رَاجِعٌ اِلَى الْاُمِّيِّيْنَ۔

(لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ) آخَرِیْنَ کے لیے صفت ہے اور مِنْهُمْ اور بِهِمْ میں ضمیر اَلْاُمِّیِّیْنَ کی طرف لوٹ رہی ہے۔[1]

۳: نواب صدیق حسن بھوپالی لکھتے ہیں:

(وَآخَرِيْنَ مِنْهُمْ) مَجْرُوْرٌ عَطْفًا عَلَى الْاُمِّيِّيْنَ اَيْ بَعَثَهٗ فِي الْاُمِّيِّيْنَ الَّذِيْنَ عَلٰى عَهْدِهٖ وَبَعَثَهٗ فِيْ آخَرِيْنَ مِنْهُمْ اَوْ مَنْصُوْبٌ عَطْفًا عَلَى الضَّمِيْرِ الْمَنْصُوْبِ فِيْ يُعَلِّمُهُمْ اَيْ وَيُعَلِّمُ آخَرِيْنَ

---

[1] تفسیر فتح القدیر، جلد: ۵، صفحہ: ۲۶۸

آخَرِیْنَ مِنْھُمْ مجرور ہے اس صورت میں اس کا عطف اَلْاُمِّیّٖنَ پر ہے معنی یہ ہے کہ اللہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امیین کے لئے بھیجا اور ان کے لئے بھی بھیجا جو ابھی ان امیین سے لاحق نہیں ہوئے یا آخَرِیْنَ مِنْھُمْ منصوب ہے اس صورت میں اس کا عطف یُعَلِّمُھُمْ کی ضمیر منصوب پر ہوگا معنی یہ ہوگا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امیین کو کتاب وحکمت کا علم عطا کرتے ہیں اور اُن کو بھی کتاب وحکمت کا علم عطا کریں گے جو ابھی ان امیین سے لاحق نہیں ہوئے۔[1]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امیین کو بھی پاک کرتے ہیں اور کتاب وحکمت کا علم سکھاتے ہیں اور اُن کو بھی پاک کرتے ہیں اور کتاب وحکمت کا علم سکھاتے ہیں جو امیین کے بعد پیدا ہوئے۔ نتیجہ یہی ہے کہ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبر انور میں تشریف لے جانے کے بعد بھی غلاموں کو کتاب وحکمت پڑھاتے اور ان کا تزکیہ فرماتے ہیں اسی لیے ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نظر کرم کی درخواست کرتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ اللہ نے جو خزانے آپ کو عطا کیے ہیں اُن خزانوں میں سے ہمیں بھی فیض عطا کیجئے۔

۱۱: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَاِنْ سَاَلْتَنِیْ عَنِ الْخَبَرِ الصِّدْقِ فَاِنِّیْ تِلْمِیْذُ الْقُرْآنِ الْعَظِیْمِ بِلَا وَاسِطَةٍ کَمَا اِنِّیْ اُوَیْسِیٌّ فِی الْاِسْتِفَادَةِ مِنْ رُّوْحِ النَّبَوِیَّةِ

اگر تم سچ پوچھو تو میں بغیر کسی واسطہ کے ڈائریکٹ قرآن عظیم کا شاگرد ہوں جیسے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارکہ سے استفادہ کرنے میں اویسی ہوں (یعنی براہ راست فیض حاصل کرنے والا ہوں)۔[2]

---

[1] فتح البیان فی مقاصد القرآن، جلد: ۱۴، صفحہ: ۱۳۱

[2] الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، الباب الرابع، التحدیث بنعمۃ اللہ تعالی، صفحہ: ۱۳۵، مکتبۃ المدینہ کراچی

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ڈائریکٹ فیض حاصل کریں تو اُن پر کسی قسم کا فتویٰ نہیں تو ہم اگر نظر کرم کی درخواست پیش کریں تو ہم پر بھی کسی قسم کا فتویٰ نہیں ہونا چاہیے۔

کیا کسی اور صاحبِ قبر سے بھی فیض لے سکتے ہیں؟

سوال یہاں ایک سوال کیا جاتا ہے کہ ٹھیک ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے فیض حاصل کرنا تو جائز ہے لیکن کیا کسی اور صاحب قبر سے بھی فیض حاصل کر سکتے ہیں؟ کسی اور صاحب قبر سے فیض حاصل کرنے پر کوئی ثبوت پیش کریں۔

جواب اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ الَّذِیْنَ هَاجَرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْۤا اَوْ مَاتُوْا لَیَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ۝۵۸

اور وہ جنہوں نے اللہ کے راستے میں ہجرت کی پھر مارے گئے یا مر گئے تو اللہ ضرور انہیں اچھی روزی دے گا اور بیشک اللہ کی روزی سب سے بہتر ہے۔[1]

ہجرت کا ایک معنیٰ ''گھر بار چھوڑنا'' ہے جبکہ ایک معنیٰ ''گناہوں کو چھوڑنا'' بھی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

اَلْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ

مہاجر وہ ہے جو ان کاموں کو چھوڑ دے جن سے اللہ نے منع فرمایا۔[2]

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ، سیدنا مولا علی رضی اللہ عنہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سب صحابہ مہاجر ہیں کیوں کہ ان سب نے گناہوں کو چھوڑا ہوا تھا

---

[1] سورۃ الحج: ۵۸ [2] صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ، صفحہ: ۵، رقم الحدیث: ۱۰

اسی طرح ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ،غوث اعظم،خواجہ اجمیری،سرکار داتا گنج بخش ، شاہ نقشبند، امام ربانی اور سب اولیاء کرام رحمھم اللہ تعالیٰ مہاجر ہیں کیونکہ ان سب حضرات نے بھی گناہوں کو چھوڑا ہوا تھا۔ سورۃ الحج کی اس آیت سے ثابت ہورہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب صحابہ کرام اور سب اولیاء کرام کو اُن کی وفات کے بعد اچھی روزی عطا کررکھی ہے۔

اب اس آیت کے ساتھ ایک اور آیت کا مطالعہ کریں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

مَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ یُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّ جَهْرًا ؕ

جسے ہم نے اپنی طرف سے اچھی روزی عطا فرمائی ہے تو وہ اس میں سے خرچ کرتا ہے چھپ کر اور ظاہر۔[1]

معلوم ہوا کہ انبیاء کرام اور اولیاء کرام اپنی وفات شریف کے بعد اللہ کے دیئے ہوئے ''رزق حسن'' میں سے خرچ کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہم ان کے مزارات سے فیض حاصل کرتے ہیں۔

بعد از وصال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مدد طلب کرنا

سوال کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے بعد از وصال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مدد طلب کی ہے؟

جواب جی ہاں! بالکل صحابہ کرام نے وفات شریف کے بعد بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مدد طلب کی ہے، ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کا عمل پیش کر دیتے ہیں۔

ا: حضرت مالک الدار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''أَصَابَ النَّاسَ قَحْطٌ فِي زَمَنِ عُمَرَ فَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى قَبْرِ النَّبِيِّ

---

[1] سورۃ النحل: ۷۵

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ اسْتَسْقِ لِأُمَّتِكَ فَإِنَّهُمْ قَدْ هَلَكُوا فَأَتَى الرَّجُلَ فِي الْمَنَامِ فَقِيلَ لَهُ: ائْتِ عُمَرَ فَأَقْرِئْهُ السَّلَامَ وَأَخْبِرْهُ أَنَّكُمْ مَسْقِيُّونَ"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگ قحط میں مبتلا ہو گئے۔ ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر اطہر پر آیا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ اپنی امت کے لیے پانی مانگیں کہ وہ ہلاک ہوا چاہتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواب میں تشریف لائے اور فرمایا: عمر کو میرا سلام کہو اور اسے بتاؤ کہ تمہیں پانی عطا کیا جائے گا۔[1]

اس حدیث کے متعلق مشہور مفسر، مشہور محدث، مشہور تاریخ داں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: هٰذَا اِسْنَادٌ صَحِيْحٌ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔[2]

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: رَوَى ابْنُ اَبِي شَيْبَةَ بِاِسْنَادٍ صَحِيْحٍ امام ابن ابی شیبہ نے اس حدیث کو صحیح سند کے ساتھ بیان کیا۔[3] مسند الفاروق میں بھی اس حدیث کو نقل کیا گیا اور فرمایا: هٰذَا اِسْنَادٌ جَيِّدٌ قَوِيٌّ یہ سند بہت اعلیٰ اور بہت مضبوط ہے۔[4]

---

[1] المصنف لابن ابی شیبہ، کتاب الفضائل، ماذکر فی فضل عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، جلد:٦، صفحہ:٣٥٦، رقم الحدیث: ٣٢٠٠٢ / البدایہ والنہایہ لابن کثیر، ثم دخلت سنۃ ثمانیۃ عشر، جلد:٧، صفحہ:٩١، مطبوعہ دار الفکر بیروت / مسند الفاروق لابن کثیر، کتاب الصلوٰۃ، جلد اول، صفحہ: ٢٢٣، مطبوعہ دار الوفا / فتح الباری شرح صحیح بخاری، جلد:٢، صفحہ:٤٩٥، تحت حدیث:١٠٠٦، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت

[2] البدایہ والنہایہ، جلد:٧، صفحہ:٩١

[3] فتح الباری شرح صحیح بخاری، جلد:٢، صفحہ:٤٩٥

[4] مسند الفاروق لابن کثیر، جلد اول، صفحہ:٣١٨

اس صحیح حدیث سے ثابت ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصال شریف کے بعد بھی مدد فرماتے ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وفات شریف کے بعد بھی مدد طلب کرتے تھے۔

۲: سنن دارمی میں ایک باب مَا اَکْرَمَ اللّٰہُ تَعَالٰی نَبِیَّہٗ بَعْدَ مَوْتِہٖ موجود ہے۔اس باب کی پہلی حدیث یہ ہے:

حضرت اوس بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"قُحِطَ أَھْلُ الْمَدِینَۃِ قَحْطًا شَدِیدًا فَشَکَوْا إِلٰی عَائِشَۃَ فَقَالَتْ: انْظُرُوْا قَبْرَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَاجْعَلُوا مِنْہُ کُوًی إِلَی السَّمَاءِ حَتّٰی لَا یَکُوْنَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ السَّمَاءِ سَقْفٌ قَالَ: فَفَعَلُوا فَمُطِرْنَا مَطَرًا حَتّٰی نَبَتَ الْعُشْبُ وَسَمِنَتِ الإِبِلُ حَتّٰی تَفَتَّقَتْ مِنَ الشَّحْمِ فَسُمِّیَ عَامَ الْفَتْقِ"

مدینہ شریف کے لوگ سخت قحط میں مبتلا ہو گئے تو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شکایت کی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: روضہ انور کی چھت کھول دو کہ قبر انور اور آسمان کے درمیان چھت حائل نہ رہے۔راوی کہتے ہیں لوگوں نے ایسا ہی کیا، پس بہت زیادہ بارش ہوئی حتی کہ خوب سبزہ اگا اور اونٹ اتنے موٹے ہو گئے کہ (محسوس ہوتا تھا) جیسے وہ چربی سے پھٹ پڑیں گے لہذا اس سال کا نام ہی عام الفتق (سبزہ وکشادگی کا سال) رکھ دیا گیا۔[1]

۳: اسی باب کی دوسری حدیث بھی ملاحظہ کیجئے:

حضرت سعید بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

[1] سنن دارمی، باب ما اکرم اللہ تعالیٰ نبیہ بعد موتہ، جلد اول، صفحہ: ۲۲۷، رقم الحدیث: ۹۳/سنن دارمی کے محقق حسین سلیم اسد نے اس حدیث کے بارے میں کہا کہ اس کے رجال ثقہ ہیں۔

لمّا کانَ أَیّامَ الْحَرَّةِ لَمْ یُؤَذَّنْ فِي مَسْجِدِ النَّبِيِّ ﷺ ثلاثًا وَلَمْ یُقَمْ وَلَمْ یَبْرَحْ سعِیْدُ بن الْمُسَیَّبِ مِن الْمَسْجِدِ وکانَ لا یَعْرِفُ وقْتَ الصَّلاۃِ إِلَّا بِهَمْهَمَةٍ یَسْمَعُهَا مِنْ قَبْرِ النَّبِيِّ ﷺ

جب حرہ کے دن آئے تو مسجد نبوی میں تین دن تک اذان نہیں دی گئی اور نہ ہی اقامت کہی گئی۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ مسجد شریف میں ہی ٹھہرے رہے، انہیں نماز کے وقت کا علم اس آواز سے ہوتا تھا جو انہیں روضہ انور سے آتی تھی۔ [1]

معلوم ہوا کہ بعدِ وفات بھی نبی اکرم ﷺ مدد فرماتے ہیں اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا وفات نبوی کے بعد روضہ انور کی چھت میں روشن دان بنانے کا حکم بھی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ آج بھی روضہ انور سے فیض تقسیم ہو رہا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے راویوں کے احوال پر ایک کتاب تہذیب التہذیب لکھی ہے اس میں ایک راوی یحییٰ بن یحییٰ بن بکیر بن عبدالرحمن کے احوال بھی درج فرمائے۔ یہ یحییٰ بن یحییٰ امام مسلم کے استاد ہیں ان کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قَالَ الْحَاکِمُ سَمِعْتُ اَبَا عَلِی النِیْسَابُوْرِی یَقُوْلُ کُنْتُ فِیْ غَمٍّ شَدِیْدٍ فَرَأَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی الْمَنَامِ کَاَنَّهٗ یَقُوْلُ لِیْ صِرْ اِلٰی قَبْرِ یَحْیٰی بْنِ یَحْیٰی وَاسْتَغْفِرْ وَسَلْ تُقْضَ حَاجَتُکَ فَاَصْبَحْتُ فَفَعَلْتُ ذٰلِکَ فَقُضِیَتْ حَاجَتِی

---

[1] سنن دارمی، باب ما اکرم اللہ تعالی نبیہ بعد موتہ، صفحہ: ۲۲۸، رقم الحدیث: ۹۴/ حسین سلیم اسد نے کہا: اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں لیکن اس حادثہ کے وقت سعید بن عبدالعزیز بہت چھوٹے تھے۔

امام حاکم نے فرمایا میں نے اپنے استاد ابو علی نیشا پوری کو فرماتے ہوئے سنا: ایک مرتبہ میں بڑا پریشان تھا۔ مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ مجھے ایسے لگا جیسے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے فرما رہے ہیں کہ یحییٰ بن یحییٰ کی قبر پر جا اور وہاں جا کر استغفار کر اور وہاں جا کر سوال کر تیری حاجت پوری ہو جائے گی۔ ابو علی نیشا پوری فرماتے ہیں کہ صبح ہوئی اور میں نے ایسا ہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری حاجت پوری کر دی۔[1]

یحییٰ بن یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ اس امت کے ولی اور محدثین کے استاد ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی قبر پر حاضر ہو کر استغفار کرنے اور اپنی حاجت پیش کرنے کا حکم دے رہے ہیں۔

معلوم ہوا:

۱: اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ ہیں۔

۲: اور انہیں علم بھی ہے کہ کون پریشان ہے۔

۳: اور نبیوں ولیوں کے مزارات پر حاضر ہو کر اپنی حاجات پیش کرنا جائز ہے۔

۴: اور اللہ تعالیٰ ان پیاروں کی برکت سے پریشانیاں دور فرما دیتا ہے۔

شرک کی حقیقت

اب تک ہم عبادت اور تعظیم میں فرق، استعانت و استمداد اور توسل کی ابحاث تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔ اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ شرک کی حقیقت بھی بیان کر دیں کیونکہ کچھ خوفِ خدا سے عاری لوگ بھولے بھالے مسلمانوں پر بے دریغ شرک کا فتویٰ صادر کرتے ہیں حالانکہ شرک اور اسلام دو متضاد حقیقتیں ہیں، اسلام تو آیا ہی شرک کی

[1] تہذیب التہذیب لابن حجر عسقلانی، حرف الیاء، من اسمہ یحی، رقم الترجمہ: ۸۷۵، جلد: ۱۱، صفحہ: ۲۹۹

جڑیں کاٹنے کے لیے ہے۔ جس طرح شرک بہت بڑا ظلم ہے اسی طرح کسی مسلمان کو مشرک سمجھ لینا بھی انتہائی ظلم ہے۔

نبی مکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

اِنَّ مِمَّا اَتَخَوَّفُ عَلَيْكُمْ رَجُلٌ قَرَأَ الْقُرْآنَ حَتّٰى اِذَا رُئِيَتْ بَهْجَتُهٗ عَلَيْهِ وَكَانَ رِدَاءُهٗ الْاِسْلَامِ اِعْتَرَاهُ اِلٰى مَاشَاءَ اللّٰهُ اِنْسَلَخَ مِنْهُ وَنَبَذَهٗ وَرَاءَ ظَهْرِهٖ وَسَعٰى عَلٰى جَارِهٖ بِالسَّيْفِ وَرَمَاهُ بِالشِّرْكِ قَالَ: قُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَيُّهُمَا اَوْلٰى بِالشِّرْكِ اَلْمَرْمِيُّ اَوِ الرَّامِيُّ؟ قَالَ: بَلِ الرَّامِيُّ

بے شک مجھے تم پر ایسے شخص کا خوف ہے کہ جو قرآن اتنا پڑھے گا کہ اس کے چہرہ پر اس کی رونق بھی نظر آئے گی اس کا اوڑنا بچھونا اسلام بن جائے گا جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا یہ چیز اس کو لاحق رہے گی پھر اس شخص سے یہ حالت چھن جائے گی وہ ان تمام چیزوں کو پس پشت ڈال کر اپنے پڑوسیوں پر شرک کا فتویٰ صادر کر کے ہتھیار پکڑ کر حملہ آور ہوگا راوی حدیث حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس پر شرک کا فتویٰ تہمت لگے گی وہ شرک کا حق دار ہوگا یا کہ شرک کا فتویٰ صادر کرنے والا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بلکہ شرک کا فتویٰ لگانے والا۔[1]

---

[1] تفسیر ابن کثیر، جلد: ۳، صفحہ: ۴۵۹ / امام ابن کثیر اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس کی سند جید ہے/ اس حدیث کے مزید حوالے ملاحظہ کیجیے: صحیح ابن حبان، کتاب العلم، ذکر ما کان یتخوف صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی امتہ جدال المنافق، جلد اول، صفحہ: ۲۸۱، رقم الحدیث: ۸۱۔ شرح مشکل الآثار للطحاوی، باب بیان مشکل ماروی عنہ علیہ السلام فیمن قال لاخیہ: یا کافر، جلد دوم، صفحہ: ۳۲۴، رقم الحدیث: ۸۶۵

بحمد اللہ! مندرجہ بالا حدیث نے بھی ثابت کر دیا کہ آج بات بات پر ہم اہل سنت وجماعت کو مشرک کہنے والے حق پر نہیں ہیں۔ جو فتویٰ ہم لوگوں کے لئے تیار کیا گیا ہے وہ ہم پر فٹ (Fit) بیٹھنے کی بجائے حدیث پاک کی روشنی میں خود فتویٰ صادر کرنے والوں پر پلٹ کر لاحق ہو جاتا ہے۔ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ شرک کا معنیٰ قرآن وسنت کی روشنی میں واضح کر دیں تاکہ سلیم الطبع حضرات رہنمائی حاصل کر سکیں۔

شرک کی اقسام

شرک کی تین اقسام ہیں:

1۔شرک فی العبادۃ 2۔شرک فی الذات 3۔شرک فی الصفات

1۔شرک فی العبادۃ

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو مستحق عبادت تسلیم کر لیا جائے۔

2۔شرک فی الذات

یہ ہے کہ کسی کی ذات کو اللہ جیسا سمجھنا۔

3۔شرک فی الصفات

یہ ہے کہ کسی میں اللہ تعالیٰ جیسی کوئی صفت ماننا۔

شرک فی العبادۃ سے روکتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ا: "فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا"

تو جسے اپنے رب سے ملنے کی امید ہوتو اسے چاہیے کہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔[1]

۲: "وَ قَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ" اور آپ کے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت مت کرو۔[2]

شرک فی الذات اور شرک فی الصفات کی نفی کے لئے ارشاد فرمایا:

۱: وَ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴿۴﴾ اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے۔[3]

۲: جب اللہ تعالیٰ مشرکوں اور ان کے معبودوں یعنی بتوں کو جہنم میں اوندھا کردے گا اس وقت مشرک ان بتوں سے کہیں گے: تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴿۹۷﴾ اِذْ نُسَوِّیْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴿۹۸﴾ خدا کی قسم! بے شک ہم کھلی گمراہی میں تھے جب تمھیں رب العالمین کے برابر ٹھہراتے تھے۔[4]

معلوم ہوا شرک فی العبادۃ بھی بہت بڑا جرم ہے اور شرک فی الذات والصفات بھی۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ﴿۱۳﴾ بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔[5]

خدا کی قسم! ہم نہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں نہ ہی اس کی ذات وصفات میں۔

---

[1] سورۃ الکھف:۱۱۰ [2] سورۃ بنی اسرائیل:۲۳ [3] سورۃ الاخلاص:۴ [4] سورۃ الشعراء:۹۷،۹۸
[5] سورۃ لقمان:۱۳

شرک فی الذات

شرک فی الذات یہ ہے کہ کسی کی ذات کو اللہ تعالیٰ جیسا تسلیم کیا جائے۔ خدا کی قسم! ہم اہل سنت نہ تو شرک فی العبادۃ کے روادار ہیں نہ ہی شرک فی الذات کے۔

اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے۔ کل مخلوق حتی کہ محبوب رب العالمین، رحمۃ للعالمین ﷺ بھی ممکن الوجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں جبکہ نبی کریم ﷺ سمیت ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے۔

شرک فی الصفات شرک فی الصفات یہ ہے کہ کسی میں اللہ تعالیٰ جیسی کوئی صفت ماننا۔ یہاں بھی حلفاً اعلان کرتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت بھی مخلوق میں قطعاً تسلیم نہیں کرتے۔

محض اشتراکِ لفظی سے شرک لازم نہیں آتا مخالفین یہاں یہ کہہ دیتے ہیں کہ ٹھیک ہے تم اہل سنت نہ تو محبوبان خدا کی عبادت کرتے ہو، نہ ہی ان کو خداوند قدوس جیسا مانتے ہو لیکن خدائی صفات کو تو تم بہر حال انبیاء و اولیاء میں تسلیم کرتے ہو مثلاً علم غیب خدائی صفت ہے تم انبیاء میں یہ صفت تسلیم کرتے ہو، حاضر ناظر ہونا، مشکل کشا ہونا، داتا ہونا یہ بھی خدائی صفات ہیں اور تم اہل سنت نبی مکرم ﷺ کے لئے علم غیب، حاضر ناظر اور مشکل کشائی کا عقیدہ مانتے ہو۔ سید علی الہجویری کو تو تم علی الاعلان داتا صاحب کہتے ہو اس لئے شرک فی الصفات کے بہر حال تم مرتکب ہوتے ہو۔ مخالفین کا یہ الزام بھی سراسر دھوکہ ہے وہ صرف لفظی اشتراک کی وجہ سے ہمیں شرک فی الصفات کا مرتکب قرار دیتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ بسا اوقات خالق و مخلوق کے لئے لفظ تو ایک ہی استعمال کیا جاتا ہے لیکن شرک صرف اس وقت لازم آئے گا جب معنی میں برابری تسلیم کی جائے۔ اگر معنیٰ میں

برابری نہ ہوتو محض اشتراک لفظی سے شرک لازم نہیں آئے گا۔اس کی چند مثالیں ملاحظہ کیجیے:

ا: اللہ بھی زندہ ہے اور ہم بھی زندہ ہیں لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ اور معنیٰ کے اعتبار سے زندہ ہے اور ہم اور معنیٰ کے اعتبار سے۔اللہ تعالیٰ خود بخود زندہ ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے زندگی ملنے پر، وہ زندہ ہونے میں کسی کا محتاج نہیں جبکہ ہم زندہ ہونے اور زندہ رہنے میں اللہ کے محتاج ہیں اس لئے محض لفظی اشتراک سے شرک لازم نہیں آئے گا۔

2: سمیع وبصیر ہونا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

"اِنَّهٗ هُوَالسَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ" بے شک وہ سمیع وبصیر (سنتا دیکھتا) ہے۔[1]

یہی الفاظ انسان کے لئے بھی بیان ہوئے ہیں:

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝۲

بیشک ہم نے آدمی کو پیدا کیا ملی ہوئی منی سے کہ اسے جانچیں تو اسے سنتا دیکھتا کر دیا۔[2]

اگرچہ یہاں بھی ایک ہی لفظ خالق ومخلوق کے لئے ارشاد ہوا ہے چونکہ معنی میں برابری نہیں اس لئے شرک بھی لازم نہ آئے گا۔خداوند قدوس سمیع وبصیر ہونے میں کسی کا محتاج نہیں جبکہ انسان اس صفت میں بھی اللہ کا محتاج ہے کہ وہ اللہ کے بنائے بغیر سمیع وبصیر نہیں بنا۔

3۔ رؤف ورحیم ہونا بھی خدا کی صفت ہے۔ارشاد ربانی ہے:

---

[1] سورۃ بنی اسرائیل:۱ [2] سورۃ الدھر:۲

اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۴۳﴾

بے شک خدا لوگوں پر بڑا مہربان رحم کرنے والا ہے۔ ۱؎

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بھی یہی الفاظ بیان ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَقَدۡ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ عَزِیۡزٌ عَلَیۡہِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِیۡصٌ عَلَیۡکُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۲۸﴾

لوگو! تمھارے پاس تم ہی میں سے رسول آیا ہے اس پر تمھاری تکلیف شاق گزرتی ہے تمہاری بھلائی کا حریص ہے اور ایمان داروں پر بڑا مہربان رحم فرمانے والا ہے۔ ۲؎

یہاں بھی چونکہ معنیٰ میں برابری نہیں اللہ تعالیٰ رؤف ورحیم ہونے میں کسی کا محتاج نہیں جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس صفت میں بھی اللہ کے محتاج ہیں اس لئے محض خالق ومخلوق پر ایک ہی لفظ کے اطلاق سے شرک لازم نہیں آئے گا۔

4: لفظ ولی کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر بھی ہوا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی اور کامل ایمان والوں پر بھی۔ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

"اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَ رَسُوۡلُہٗ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا" بے شک اللہ بھی تمھارا ولی (دوست، مددگار) ہے اس کا رسول بھی اور کامل ایمان والے بھی۔ ۳؎

اس آیت کریمہ میں اگرچہ اللہ تعالیٰ، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کامل ایمان والوں کو ہمارا ولی کہا گیا ہے لیکن صرف لفظی اشتراک کی وجہ سے شرک لازم نہیں آئے گا کیونکہ جس

۱؎ سورۃ البقرۃ: ۱۴۳ ۲؎ سورۃ توبہ: ۱۲۸ ۳؎ سورۃ المائدۃ: ۵۵

طرح اللہ ہمارا ولی ہے بالکل اسی طرح انبیاء واولیاء ہمارے ولی نہیں ہیں۔ اللہ ہمارا ولی ہے ذاتی طور پر جبکہ انبیاء اولیاء ہمارے ولی ہیں عطائی طور پر چونکہ معنیٰ میں برابری نہیں ہے اس لئے شرک بھی لازم نہیں آئے گا۔

5: لفظ شہید اللہ تعالیٰ کے لئے قرآن حکیم میں بیان ہوا ہے اور یہی لفظ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بھی بیان ہوا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدًا ﴿۵۵﴾

بے شک اللہ ہر چیز پر حاضر ناظر ہے۔[1]

یہی لفظ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بھی وارد ہوئے ہیں:

وَ یَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شَهِیْدًا

اور یہ رسول تمھارے گواہ (حاضر ناظر) ہوں گے۔[2]

چونکہ اللہ تعالیٰ حاضر ناظر ہونے میں کسی کا محتاج نہیں جبکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس صفت میں بھی اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں اس لئے شرک لازم نہیں آئے گا۔

قرآن حکیم میں لفظی اشتراک کی مزید کئی مثالیں موجود ہیں لیکن ہمیں امید ہے کہ مذکورہ چند مثالوں ہی سے آپ پر یہ مسئلہ روز روشن کی طرح واضح ہو گیا ہوگا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے علم غیب ماننے، آپ کو حاضر ناظر اور مشکل کشا تسلیم کرنے سے شرک لازم نہیں آتا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کسی صفت میں بھی کسی کا محتاج نہیں جبکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر ہر

---

[1] سورۃ احزاب: ۵۵ / ترجمہ، ثناء اللہ امرتسری، صفحہ: ۵۱۰ [2] سورۃ البقرۃ: ۱۴۳

صفت اور ہر ہر کمال میں اپنے پروردگار کے محتاج ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت ذاتی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر ہر صفت عطائی ہے۔

استمداد کے مسئلہ میں مولوی وحید الزماں کی آزاد تحریر

ایک وہابی عالم علامہ وحید الزماں کی ایک تحریر کا آزاد ترجمہ پیش خدمت ہے پڑھیے اور اہلسنت کے مؤقف کی حقانیت کی داد دیجیے:

متاخرین میں سے ہمارے کچھ بھائیوں نے تشدد کا راستہ اختیار کیا اور اسلام کے دائرہ کو تنگ کر دیا ہے، مکروہ یا حرام کاموں کو شرک قرار دیا ہے۔ اگر ایسا کرنے والوں کی غرض اس سے شرک عملی یعنی شرک اصغر ہے یا بطور سد ذرائع کے ہے تو اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمائے وگرنہ وہ غلو کرنے والے اور دین میں تشدد کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اپنے دین میں غلو نہ کرو۔ دین میں شدت ان خارجیوں کی نشانی ہے جو دین سے نکل گئے تھے اور عہد کو توڑنے والے تھے۔

اب ہم ان امور کو اجمالاً بیان کرتے ہیں اور ہماری غرض صرف یہ ہے کہ ہم اپنے اہل حدیث بھائیوں کو غلطی میں پڑنے سے بچائیں اور اللہ تعالیٰ ہی بچانے والا ہے اور سیدھے راستے کی ہدایت فرمانے والا ہے۔

1: متشددین کہتے ہیں کہ مشکلات اور قضائے حاجات میں مدد کرنا انبیاء واولیاء کی شان نہیں ہے خواہ اللہ تعالیٰ کی قدرت، اس کے اذن، اس کے حکم، اس کی رضا اور اس کی قضا کے مطابق ہی کیوں نہ اعتقاد رکھا جائے اور جو شخص بھی یہ عقیدہ رکھتا ہے پس وہ مشرک ہے۔

یہ بات درست نہیں ہے اس لئے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کے حکم، اس کی قضا اور اس کے ارادہ سے لوگوں کی امداد فرماتے ہیں نہ کہ اپنے ذاتی اختیار اور قدرت سے اور لوگ بھی ایک دوسرے کی مدد کرتے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ

اور نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ نافرمانی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔[۱]

اور فرماتا ہے:

وَ اِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ

اور اگر وہ تم سے دین کے معاملہ میں مدد طلب کرے تو تم پر مدد کرنا فرض ہے۔[۲]

اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾

مدد فرمائے گا تمہارا رب پانچ ہزار فرشتوں سے جو نشان والے ہیں۔[۳]

اور حضرت ذوالقرنین نے فرمایا:

فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ

تم میری مدد کرو جسمانی مشقت سے۔[۴]

اور حدیث ابدال میں ہے: میری امت میں تیس افراد ابدال ہیں ان کے وسیلہ

---

[۱] المائدۃ:۲ [۲] سورۃ الانفال:۷۲ [۳] سورۃ آل عمران:۱۲۵ [۴] سورۃ الکھف:۹۵

سے زمین قائم ہے انہی کے وسیلہ سے تمھیں بارش عطا ہوتی ہے اور انہی کے وسیلہ سے تم مدد کئے جاتے ہو اور حدیث حسان میں ہے: اے اللہ! حسان کی تائید روح القدس کے ذریعے فرما اور حدیث شریف میں آیا ہے جب تم میں سے کسی کا جانور کسی جنگل میں چھوٹ جائے تو اسے چاہیے کہ یوں پکارے: اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔

اگر کوئی شخص یہی اعتقاد انبیاء اور صالحین کی ارواح کے متعلق رکھے تو اس سے اللہ کے ساتھ شرک لازم نہیں آئے گا بلکہ ملائکہ اور زندہ لوگوں کے ساتھ شرک (لازم) آئے گا۔ اور اس سے شرک اکبر کس طرح لازم آئے گا؟ بہر حال اس اعتقاد کا غلط یا بدعت ہونا امر آخر ہے۔[1] اور یہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مسئلہ شرک میں زندوں اور مردوں کے مابین واضح مغالطہ ہے اس لئے کہ زندہ اور مردہ حتی کہ ملائکہ کرام بھی غیر اللہ ہونے میں برابر ہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے زندوں اور مردوں کے مابین سماع و اجابت کا فرق بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: زندے اور مردے برابر نہیں ہیں۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ مومن اور کافر برابر نہیں ہیں پس ہر وہ چیز جس کا ملائکہ سے طلب کرنا شرک ہے اسی کام کو زندہ اور مردہ انسانوں سے طلب کرنا بھی شرک ہوگا اور جو چیز ملائکہ سے طلب کرنا شرک نہیں اس کا زندہ اور مردہ انسانوں سے بھی طلب کرنا شرک نہیں ہوسکتا اور یہ چیز تو ممکن ہی نہیں کہ ایک چیز مردہ شخص سے طلب کرنا تو شرک ہو لیکن وہی چیز زندہ شخص سے طلب کرنا شرک نہ ہو اب جس شخص کی فہم صرف اتنی ہو وہ عقائد کے متعلق کس طرح گفتگو کر سکتا ہے؟

سوال زندہ انسانوں سے جو چیز مانگی جاتی ہے اگر کوئی شخص وہی چیز بتوں سے مانگے گا تو

[1] بعد از وصال انبیاء کرام، اولیاء کاملین کا مدد فرمانا ثابت ہے جس طرح موسیٰ علیہ السلام شب معراج نمازوں کی تخفیف کا سبب بنے (امام المناظرین دامت برکاتہم العالیہ)

شرک ہوگا (معلوم ہوا کہ مسئلہ شرک میں زندہ اور مردہ انسان کا فرق ہے)

جواب بتوں کا معاملہ جدا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے بچنے، ان کو توڑنے اور جلا دینے کا حکم دیا ہے۔ پس جو شخص ان بتوں سے کسی بھی چیز کا سوال کرتا ہے گویا ان کی تعظیم کرتا ہے اور یہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ انبیاء کرام، ملائکہ، نیک بندوں اور وہ شعائر جن کی حرمت ہمارے دین میں باقی ہے کے علاوہ مشرکوں کے معبودوں کی ادنیٰ تعظیم بھی شرک ہے۔ انبیاء اولیاء کی ارواح مقدسہ بتوں کے قبیل سے نہیں ہیں بلکہ یہ تو جنس ملائکہ سے ہیں بلکہ ان سے بھی معزز ہیں۔ پس ان کو ملائکہ پر قیاس کرنا چاہیے نہ کہ بتوں پر جو کہ پلید ہیں پس اگر کوئی یہ کہتا ہے یا میکائیل! ہماری زمین پر اللہ کے حکم سے بارش نازل فرما۔ یا جبرئیل! میرے دل میں اللہ کے حکم سے فلاں چیز ڈال تو کیا یہ شخص بھی متشددین کے ہاں مشرک قرار پائے گا؟

ہاں وہ قبر جو مٹی اور پتھر سے بنی ہے اگر کوئی شخص اسے پوجنا شروع کر دے تو یہی قبر ایسے شخص کے حق میں بت قرار پا جائے گی پھر اگر اس نے اس قبر سے کوئی چیز مانگی تو اس کا حکم بھی وہی ہوگا جو بتوں سے مانگنے والے کا ہوگا۔ جہاں تک صاحب قبر کا تعلق ہے اس کا حکم الگ ہے۔ کہاں پتھر اور کہاں پرندہ۔

2: متشددین کہتے ہیں کہ جب لوگ انبیاء وصلحاء میں سے کسی کی قبر کو چومنا شروع کر دیں، اس کو ہاتھ لگانا یا اس کے گرد طواف کرنا شروع کر دیں تو اس قبر کا حکم بت کے حکم جیسا ہے اور اس کو گرا دینا اس کو کھودنا اور اسکی اہانت واجب ہے متشددین اپنے قول پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ اے اللہ! میری قبر کو ایسا بت نہ بنا دینا جس کی

عبادت کی جائے۔ ہم کہتے ہیں کہ شارع نے انبیاء و صالحین کی قبور کی تعظیم ہمارے دین میں باقی رکھی ہے پس ان کی قبور کی تحقیر و توہین جائز نہیں ہاں لوگوں کو ان (ممنوعہ) کاموں سے روکا جائے گا۔

اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ اگر عوام کعبۃ اللہ کو یا حجر اسود یا صفا و مرویٰ کو معبود بنا لیں تو کیا ان کو کھودنا توڑنا اور ان کی توہین کرنا جائز ہوگا؟ دعا والی حدیث کا معنیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کو بتوں کی طرح نہ بنائے کہ جس طرح بتوں کی عبادت کی جاتی ہے ویسے ہی قبر انور کی بھی عبادت نہ شروع ہو جائے۔ اس حدیث کا یہ معنیٰ ہرگز نہیں کہ لوگوں کی عبادت سے قبر انور بھی بت بن جائے گی مومن کس طرح یہ تصور کر سکتا ہے کہ (معاذ اللہ) نبی اکرم ﷺ کی قبر انور پلید ہے باوجود یہ کہ بت پلید ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے بچو پلیدی سے یعنی بتوں اور جھوٹی بات سے بچو۔[1]

نوٹ: علامہ وحید الزماں کی مندرجہ بالا تحقیق سے روز روشن کی طرح معلوم ہو گیا کہ الحمدللہ! ہم اہلسنت و جماعت مومن ہیں مشرک نہیں ہیں۔

قبل اس کے کہ ہم اس گفتگو کو ختم کریں چند دیوبندی علماء کے ارشادات بھی آپ کے سامنے پیش کر دیتے ہیں جن سے واضح ہو جاتا ہے کہ الحمدللہ! اہل سنت مشرک نہیں ہیں۔

1: فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں ہے:

سوال نمبر 33 میرا داماد اب مولوی حشمت علی لکھنوی رضاخانی فرقہ کا مرید ہو گیا ہے اور اس کا یہ خیال ہے اور خوب نعرہ لگاتا ہے یا رسول اللہ، یا علی مشکل کشا اور کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ

---

[1] ہدیۃ المہدی، جلد اول، صفحہ: ۲۶، ۲۷، ۲۸، مطبوعہ دہلی

اور تمام انبیاؤں کو غیب کا علم ہے اور کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام خزانوں کی کنجیاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرما دی ہیں۔ دین و دنیا کی سب نعمتوں کو دینے والا خدا ہے اور بانٹنے والے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور یہ بھی کہتا ہے کہ جب ہم اپنے گھر جاتے ہیں اور گھر میں کوئی نہیں ہوتا تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام بھیجتے ہیں اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مقدس ہر مسلمان کے گھر میں موجود ہے آپ فرمائیں میرا داماد کافر ہے یا نہیں؟ اگر کافر ہے تو اس کا نکاح فسخ ہو گیا یا نہیں؟

الجواب: مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے متعلقین کو کافر سمجھنا صحیح نہیں بلکہ ان کے کلام میں تاویل ہو سکتی ہے۔ [1]

نوٹ: اس جواب میں اگرچہ مذکورہ عقائد کو تسلیم نہیں کیا گیا لیکن صراحتاً یہ کہہ دیا گیا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں اور ان کے متعلقین کو کافر کہنا ہرگز ہرگز درست نہیں ہے۔

2: اشرف علی تھانوی صاحب کہتے ہیں:

ایک شخص نے پوچھا کہ ہم بریلی والوں کے پیچھے نماز پڑھیں تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ فرمایا (حضرت حکیم الامت مدظلھم نے) ہاں ہم ان کو کافر نہیں کہتے اگرچہ وہ ہمیں کہتے ہیں۔ ہمارا تو مسلک یہ ہے کہ کسی کو کافر کہنے میں بڑی احتیاط چاہیے۔ اگر کوئی حقیقت میں کافر ہے تو ہم نے نہ کہا تو کیا حرج ہوا اور اگر ہم نے کافر کہا اور حقیقت حال اس کے خلاف ہے تو یہ بہت خطرناک بات ہے ہم تو قادیانیوں کو بھی کافر نہیں کہتے تھے اور وہ ہمیں کہتے تھے۔ ہاں اب جب کہ ثابت ہو گیا کہ وہ مرزا صاحب کی رسالت کے قائل ہیں تب

---

[1] فتاویٰ دار العلوم دیوبند، جلد دوم، صفحہ: ۱۴۲، مرتبہ مفتی محمد شفیع صاحب

ہم نے کفر کا فتویٰ دیا ہے کیونکہ یہ تو کفر صریح ہے اس کے سوا ان کی تمام باتوں کی تاویل کر لیتے تھے گو وہ تاویلیں بعید ہی ہوتی تھیں۔ ہم بریلی والوں کو اہل ہوا کہتے ہیں، اہل ہوا کافر نہیں ہاں ایک مسئلہ علم غیب ہمارے اور ان کے درمیان ایسا متنازعہ فیہ ہے کہ اس میں اثبات صفت باری تعالیٰ غیر کے لئے لازم آتی ہے مگر ان کی تاویل قادیانیوں کے اقوال کی تاویل سے زیادہ دشوار نہیں اور اب تو سنا ہے کہ وہ علم غیب کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ثابت تو کرتے ہیں مگر علم باری تعالیٰ کی طرح علم محیط نہیں ثابت کرتے بلکہ اس کی حد مانتے ہیں "اِلٰی اَنْ یَدْخُلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَاَهْلُ النَّارِ النَّارَ" اگر یہ صحیح ہے تو شرک ثابت بھی نہیں ہوتا کیونکہ صفت خاص باری تعالیٰ علم محیط ہے علم محدود نہیں تو اب ہم میں اور ان میں خلاف ایک امر میں رہا کہ وہ واقع ہوا یا نہیں یعنی یہ علم "اِلٰی اَنْ یَدْخُلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَاَهْلُ النَّارِ النَّارَ" حضور کو دے دیا گیا یا نہیں ہم کہتے ہیں دیا جانا فی نفسہٖ ممکن ہے مگر وقوع اس کا شریعت سے کہیں ثابت نہیں اور وہ کہتے ہیں ثابت بھی ہے ہمارے نزدیک وہ تمام دلیلیں اس وقوع کی جو وہ پیش کرتے ہیں ناتمام ہیں اور ان کے مدعا کو ثابت نہیں کرتیں تو زائد سے زائد الزام ان پر یہ رہا کہ انھوں نے ایسی بات کو مان لیا جو شرعی دلیل سے ثابت نہیں اور یہ شان مبتدع کی ہے نہ کہ کافر کی۔[1]

نوٹ: ہمارے پاس اس دعویٰ پر مندرجہ ذیل دلیل موجود ہے:

طارق بن شہاب فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سنا کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (ایک دن) کھڑے ہو کر ہمیں خبریں دینا شروع فرمائیں تو مخلوقات

---

[1] قصص الاکابر لحصص الاصاغر، صفحہ: ۲۴۴، ۲۴۵ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

کی ابتداء سے لیکر جنتیوں کے جنت جانے اور دوزخیوں کے دوزخ داخل ہو جانے تک سب کچھ بیان فرمادیا۔[۱]

اس حدیث کی شرح میں محدثین کرام نے یہی لکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مخلوقات کی ابتداء سے لیکر جنتیوں کے جنت میں داخل ہونے اور جہنمیوں کے جہنم میں جانے تک سب کچھ بیان فرمادیا اور یہ نبی اکرم ﷺ کا بہت بڑا معجزہ ہے۔[۲]

3: اشرف علی تھانوی صاحب کہتے ہیں:

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل کہنے کو تو علم کی ترقی ہورہی ہے مگر حقیقت میں جہل کا بازار گرم ہے ہر شخص مجتہد اور محقق بنا ہوا ہے جس کو دیکھو مفسر، مفتی، محدث بن رہا ہے کتنے بڑے ظلم کی بات ہے۔ اسی وجہ سے یہ حالت ہورہی ہے کہ جہاں کسی سے ذرا سی کوئی بات خلاف نفس ہوئی اور کفر کا فتویٰ لگا دیا گیا کتنی سخت بات ہے۔ ایک شخص نے مجھ سے پوچھا تھا کہ ایک شخص حضور ﷺ کے علم غیب کا قائل ہے اس کے متعلق کیا حکم ہے میں نے کہا جو شخص علم بلا واسطہ کا قائل ہے وہ تو کافر ہے اور جو علم بواسطہ کا قائل یعنی خدا کی عطا کے واسطہ کا وہ کافر نہیں اگرچہ وہ علم محیط ہی کا قائل ہو گو یہ اعتقاد کذب تو ہے مگر ہر کذب کفر تو نہیں۔[۳]

---

[۱] ۔صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی قول اللہ تعالی: وھوالذی یبدؤاالخلق ثم یعیدہ، صفحہ:۲ ۵۳۲، رقم الحدیث: ۳۱۹۲

[۲] فتح الباری شرح صحیح بخاری، جلد:۶، صفحہ:۲۹۱، تحت الحدیث: ۲۹۱۳، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت لبنان/عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، جلد:۱۵، صفحہ:۱۱۰، تحت الحدیث: ۲۹۱۳، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت/ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، جلد:۹، صفحہ: ۳۶۴۳، تحت الحدیث:۵۶۹۹، مطبوعہ دارالفکر بیروت لبنان/ اشعۃ اللمعات، جلد:۴، صفحہ: ۴۴۴، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[۳] افاضات یومیہ، جلد:۸، صفحہ:۶۵، مطبوعہ ملتان

نوٹ ہم اہل سنت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے علم محدود مانتے ہیں۔ علم محیط کے تو ہم بھی قائل نہیں۔

4: ڈاکٹر خالد محمود سیالکوٹی ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

سوال سات آدمیوں نے گائے کی قربانی میں حصہ ڈالا ان میں سے ایک بریلوی عقیدے کا ہے سوال یہ ہے کہ اس کی شمولیت سے باقی چھ حصہ داروں کی قربانی ادا ہوگئی ہے یا نہیں؟ (محمد یسین غریب امام مسجد محمد کاٹن ملز از سرگودھا بلاک نمبر 7 نوری گیٹ)

جواب وہ قربانی ادا ہوگئی ہاں اگر کچھ حصہ داروں کی گمراہی کفر تک پہنچی ہوئی تو ان کی شمولیت سے قربانی کسی ایک کی بھی ادا نہ ہوگی ہمارے اکابر کی تحقیق کے مطابق بریلویوں پر حکم کفر نہیں اور دارالعلوم دیوبند نے انھیں ہرگز کافر قرار نہیں دیا۔ یہ ٹھیک ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے ہر جگہ حاضر وناظر ہونے کا عقیدہ کفر ہے لیکن جیسا کہ ہمیں معلوم ہے بریلوی حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بالوجود الموجود حاضر و ناظر نہیں کہتے بلکہ اس میں تاویل کرتے ہیں اور حاضر بالعلم وغیرہ کی توجیہات کرتے ہیں یہ امر دیگر ہے کہ ان کی تاویل ہمارے نزدیک معتبر نہ ہو لیکن اس تاویل سے وہ اس حکم کفر کے تحت نہیں آتے جو فقہاء کرام کے ہاں ملتا ہے اور ان میں بیشتر تو ایسے افراد ہیں جو ایسے کلمات اعتقاداً نہیں محض عناداً کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت فرمائے۔ حق حقیقی یہی ہے کہ ان پر حکم کفر وارد نہیں ہوتا اور ان کی شمولیت سے باقیوں کی قربانی اکارت نہیں جاتی۔ احتیاط امر دیگر ہے اور احتراز بہر حال اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (کتبہ خالد محمود عفا اللہ عنہ) [1]

---

[1] عبقات، صفحہ: ۱۵۴، مطبوعہ ادارہ حفظ معارف اسلامیہ ۱۴ ابی شاہ عالم مارکیٹ لاہور

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ

ہم کوسیدھا راستہ چلا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ہمیں سکھا رہا ہے کہ اے بندے یہ بھی عرض کر اے اللہ! ہم کوسیدھا راستہ چلا۔ اِهۡدِ امر کا صیغہ ہے اور اس کا مصدر هِدَایَةٌ ہے۔

ہدایت کی قسمیں

ہدایت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔فطری ہدایت　　　۲۔کسبی ہدایت

فطری ہدایت اللہ ہر انسان اور حیوان کو عطا کرتا ہے۔مثلاً مچھلی کا بچہ پیدا ہوتے ہی تیرنے لگ جاتا ہے۔ یہ فطری ہدایت ہے جو کہ اللہ نے اس مچھلی کے بچے کو عطا کی۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے:

الَّذِیۡ خَلَقَ فَسَوّٰی ۪﴿۲﴾ وَ الَّذِیۡ قَدَّرَ فَهَدٰی ۪﴿۳﴾

جس نے بنا کر ٹھیک کیا اور جس نے اندازہ پر رکھ کر راہ دی۔[1]

اس آیت میں فَهَدٰی سے مراد فطری ہدایت ہے معنی یہ ہے کہ اللہ نے ہر چیز کو پیدا کر کے ظاہری و باطنی قوتیں عطا کر کے ٹھیک کیا اور ہر چیز کو اندازہ پر رکھ کر فطری ہدایت عطا کی۔

۳: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سامنے اللہ کی شان ان الفاظ کے ساتھ بیان فرمائی:

رَبُّنَا الَّذِیۡۤ اَعۡطٰی كُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ﴿۵۰﴾

ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اُس کے لائق صورت دی پھر راہ دکھائی۔[2]

اس آیت میں بھی هَدٰی سے مراد فطری ہدایت ہے۔

---

[1] سورۃ الاعلیٰ: ۲، ۳　　[2] سورہ طٰہٰ: ۵۰

کسبی ہدایت کی قسمیں

کسبی ہدایت وہ ہدایت ہے جسے بندہ خود محنت کرکے حاصل کرتا ہے۔اس کی دو قسمیں ہیں۔

۱: اِرَائَةُ الطَّرِيْقِ (راستہ دکھانا)

۲: اِیْصَالٌ اِلَی الْمَطْلُوْبِ (منزل تک پہنچانا)

مثال کے طور پر کوئی ہم سے گھنٹہ گھر کا راستہ پوچھے تو ہم اسے زبانی راستہ بتادیں کہ پہلے فلاں جگہ جانا پھر دائیں مڑنا پھر وہاں سے سیدھا جا کر بائیں طرف ہونا تو سامنے گھنٹہ گھر ہوگا اسے اِرَائَةُ الطَّرِيْقِ کہتے ہیں لیکن اگر ہم اس کی بجائے راستہ پوچھنے والے کو گاڑی میں بٹھائیں اور خود گھنٹہ گھر چھوڑ کر آئیں تو یہ اِیْصَالٌ اِلَی الْمَطْلُوْبِ ہے۔

اِرَائَةُ الطَّرِيْقِ کے چار درجے ہیں۔

پہلا درجہ اِنَابَة ہے اس کا معنی ''اللہ کی طرف رجوع کرنا'' ہے۔اللہ اس کو ہدایت دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ﴿٢٧﴾

اللہ اپنی راہ اسے دیتا ہے جو اُس کی طرف رجوع لائے۔[1]

دوسرا درجہ هِدَايَة ہے یعنی سیدھی راہ پر چلانا۔

تیسرا درجہ اِسْتِقَامَة ہے۔اللہ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا بے شک وہ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اُس پر قائم رہے۔[2]

---

[1] سورۃ الرعد:۲۷ [2] سورۃ حم السجدہ:۳۰

جنھوں نے رَبُّنَا اللّٰهُ کہا بالیقین ہدایت پر ہیں لیکن اللہ فرماتا ہے ثُمَّ اسْتَقَامُوْا اس کے بعد وہ اس پر ڈٹ گئے معلوم ہوا کہ استقامت، ہدایت سے اوپر کی چیز ہے۔

چوتھا درجہ ربط القلب ہے۔ اللہ دل کو مضبوط کر دیتا ہے اور دل پر گرہ لگا دیتا ہے۔ اصحاب کہف کا واقعہ بیان کرتے ہوئے۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے:

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ﴿۱۳﴾ وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاْ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾

ہم اُن کا ٹھیک ٹھیک حال تمہیں سنائیں وہ کچھ جوان تھے کہ اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے اُن کو ہدایت بڑھائی اور ہم نے اُن کی ڈھارس بندھائی جب کھڑے ہو کر بولے کہ ہمارا رب وہ ہے جو آسمان اور زمین کا رب ہے ہم اُس کے سوا کسی معبود کو نہ پوجیں گے۔ ایسا ہو تو ہم نے ضرور حد سے گزری ہوئی بات کہی۔ ۱؎

امت مرزائیہ کی مایہ ناز دلیل

مرزائی کہتے ہیں کہ بندہ دعا کرتا ہے:

”یا اللہ! ہمیں سیدھے راستے پر چلا ان لوگوں کے راستے پر چلا جن پر تیرا انعام ہوا“

اور انعام چار طرح کے لوگوں پر ہوا:

۱؎ سورۃ کہف: ۱۳، ۱۴

۱۔نبیوں پر ۲۔صدیقوں پر

۳۔شہیدوں پر ۴۔اورصالحین پر

دعا کا مطلب یہ ہے کہ یااللہ! ہمیں صالحین کے راستے پر چلا اور صالح بنا دے اور شہیدوں اور صدیقوں کے راستے پر چلا کر شہید اور صدیق بنا دے اسی طرح نبیوں کے راستے پر چلا کر نبی بنا دے اس آیت میں اشارہ ہے کہ نبیوں کے راستے پر چل کر نبی بنا جا سکتا ہے۔ یہ امت مرزائیہ کی بڑی مایہ ناز دلیل ہے۔

جواب: کسی کے راستے پر چلنا اور بات ہے اور اُس جیسا بن جانا اور بات ہے۔ بلا شبہ صالحیت، صدیقیت اور مرتبہ شہادت آج بھی کسی کو مل سکتا ہے لیکن نبی کریم ﷺ کو نبوت عطا ہونے کے بعد کسی کو نبوت نہیں مل سکتی۔ اگر یہی بات ہے تو پھر ایک راستہ اللہ کا راستہ بھی ہے:

۱: مالک ارشاد فرماتا ہے:

وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ

اور یہ کہ یہ ہے میرا سیدھا راستہ تو اس پر چلو۔ [۱]

۲: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ۬ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ ۙ﴿۱﴾ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ وَیْلٌ لِّلْكٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِیْدِ ۙ﴿۲﴾

---

[۱] سورۃ الانعام: ۱۵۳

ایک کتاب ہے کہ ہم نے تمہاری طرف اتاری کہ تم لوگوں کو اندھیروں سے اُجالے میں لاؤ۔اُن کے رب کے حکم سے اس کی راہ کی طرف جو عزت والا سب خوبیوں والا ہے۔اللہ کہ اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں اور کافروں کی خرابی ہے ایک سخت عذاب سے۔ [1]

اگر آپ کی منطق کو تسلیم کیا جائے کہ کسی کے بھی راستے پر چل کر اُس جیسا بنا جا سکتا ہے تو کیا اللہ کے راستے پر چل کر اللہ بھی بنا جا سکتا ہے؟

وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿١٦٣﴾

اور تمہارا ایک معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں مگر وہی بڑی رحمت والا مہربان۔ [2]

اس آیت کا کیا مطلب ہے؟ اور پھر (سورۃ اخلاص) کا کیا معنی ہوگا؟

جس طرح ان آیتوں کی صراحت کی وجہ سے کوئی دوسرا الٰہ نہیں بن سکتا اسی طرح آیت ختم نبوت کے ہوتے ہوئے نبی کریم ﷺ کو نبوت عطا ہونے کے بعد کسی دوسرے کو نبوت بھی نہیں مل سکتی۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

ان آیتوں میں بندہ اپنے مالک سے عرض کر رہا ہے کہ یا اللہ! ہم کو سیدھے راستے پر چلا۔سوال یہ ہے کہ ہمیں کیسے پتہ چلے گا کہ سیدھا راستہ کون سا ہے؟ تو ارشاد فرمایا: اے بندے! تو عرض کر یا اللہ! ہمیں اُن لوگوں کے راستے پر چلا جن پر تیرا انعام ہوا۔

انعام یافتہ لوگوں کی تفصیل بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

---

[1] سورۃ ابراہیم:۱،۲ [2] سورۃ البقرۃ:۱۶۳

اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيۡقِيۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيۡنَ

اللہ نے نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین پر انعام کیا۔[1]

معلوم ہوا کہ بندہ یہ دعا کر رہا ہے کہ مالک! مجھے نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کے راستے پر چلا۔

سوال کبھی اللہ فرماتا ہے کہ یہ میرا راستہ ہے، کبھی فرماتا ہے یہ نبیوں کا راستہ ہے اس کا کیا مطلب ہے؟

جواب اللہ تعالیٰ واضح فرما رہا ہے کہ میرا راستہ وہی ہے جو میرے پیاروں، نبیوں، ولیوں کا راستہ ہے۔ جو کوئی ان کے راستے پر چلے گا وہ میرے سیدھے راستے پر ہوگا۔

غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ

یا اللہ! ان کے راستے پر نہ چلا جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ گمراہوں کے۔

اس آیت میں خاص طور پر دو گروہوں کے راستے پر چلنے سے منع کیا گیا۔ ایک گروہ وہ جن کی طبیعت میں شرارت تھی اور انہوں نے شرارت کی وجہ سے اسلام قبول نہیں کیا اور وہ یہودیوں کا گروہ ہے اور دوسرا گروہ وہ جو کہ محبت میں غلو کی وجہ سے گمراہ ہو گئے اور یہ عیسائیوں کا گروہ ہے۔ انہوں نے جناب عیسیٰ علیہ السلام سے محبت کی اور حد کراس کر گئے۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہنا شروع کر دیا اور معبود سمجھ کر پرستش شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ بندے سے فرما رہا ہے کہ بندے! تو عرض کر یا اللہ! ہمیں ان لوگوں کے

---

[1] سورۃ النساء:٦٩

راستے پر نہ چلا جن پر تو ناراض ہوا اور نہ ان کے راستے پر جو گمراہ ہوئے۔

آمین

آمین سورۃ فاتحہ کا جزو نہیں ہے لیکن عموماً سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد آمین کہی جاتی ہے۔ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد آمین کہنا درست ہے۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِذَا اَمَّنَ الْاِمَامُ فَاَمِّنُوْا فَاِنَّهٗ مَنْ وَّافَقَ تَاْمِيْنُهٗ تَاْمِيْنَ الْمَلٰٓئِكَةِ غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ

جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوئی اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔[1]

آمین آہستہ آواز سے کہنی چاہیے

آمین آہستہ آواز سے کہنی چاہیے لیکن کچھ احباب آمین بلند آواز سے کہنے کے قائل ہیں۔ دونوں طرف دلائل موجود ہیں۔ آمین آہستہ آواز سے کہی جائے خواہ بلند آواز سے نماز دونوں طریقوں سے ہو جاتی ہے۔ ہمارا موقف یہ ہے کہ افضل اور بہتر یہ ہے کہ آمین آہستہ آواز سے کہی جائے۔

ہمارے دلائل

۱: آمین اسم فعل ہے یعنی اسم ہے لیکن معنی فعل کا ادا کرتا ہے۔ اس کا معنی **اِسْتَجِبْ**

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب جھر الامام بالتامین، صفحہ: ۱۹۲، رقم الحدیث ۷۸۰ / صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب التسمیع والتحمید والتامین، صفحہ: ۱۷۴، رقم الحدیث: ۴۱۰

ہے یعنی اے اللہ ہماری دعا کو قبول فرما۔ معلوم ہوا کہ آمین ایک دعا ہے اور دعا کے بارے میں اللہ حکم دے رہا ہے:

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۟

اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑاتے اور آہستہ بے شک حد سے بڑھنے والے اسے پسند نہیں۔ ۱

قرآن شریف کی اس آیت سے معلوم ہوا کہ دعا میں اصل اخفا ہے اور چونکہ آمین بھی ایک دعا ہے لہٰذا اسے آہستہ کہنا چاہیے۔

۲: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

لَا تُبَادِرُوا الْاِمَامَ اِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا قَالَ وَلَا الضَّآلِّيْنَ فَقُوْلُوْا: آمِيْن

امام سے آگے نہ بڑھو جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو جب امام ولا الضآلّین کہے تو تم آمین کہو۔ ۲

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے امام کے ولا الضالین کہنے پر آمین کہنے کو موقوف کیا۔ یہ نہیں فرمایا کہ جب امام آمین کہے تو تم آمین کہو۔ معلوم ہوا کہ امام آمین بلند آواز سے نہیں کہے گا۔

۳: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اَنَّهٗ حَفِظَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَكْتَتَيْنِ: سَكْتَةٌ

---

۱ سورۃ الاعراف:۵۵

۲ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب النھی عن مبادرۃ الامام، صفحہ ۱۷۶، رقم الحدیث ۹۳۲ / السنن الکبریٰ للبیھقی، کتاب الصلوۃ، جماع ابواب صفۃ الصلاۃ، باب یرکع برکوع الامام، جلد دوم، صفحہ:۱۳۱

اِذَا کَبَّرَ وَسَکْتَۃٌ اِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَۃِ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ

میں نے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو سکتے یاد رکھے ہیں: ایک سکتہ اُس وقت جب آپ تکبیر کہتے اور دوسرا سکتہ اُس وقت جب آپ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ کہتے۔[1]

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ کہتے تو تھوڑی دیر خاموش ہو جاتے سکتہ اختیار کرتے۔ معلوم ہوا کہ آپ آمین بلند آواز سے نہیں کہتے تھے۔

۴: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اَنَّہٗ صَلّٰی مَعَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حِیْنَ قَالَ: غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ قَالَ آمِیْنَ یَخْفِضُ بِھَا صَوْتَہٗ

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی جب آپ نے غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ کہا تو آپ نے آہستہ آواز سے آمین کہی۔[2]

اللہ تعالیٰ آپ کو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ لے جائے حرمین شریفین میں بھی نمازیں ہوتی ہیں غور سے سنیے گا کہ مکہ مکرمہ کے آئمہ جب نماز پڑھاتے پڑھاتے غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ تک پہنچیں گے تو مناسب آواز سے آمین کہیں گے اور مدینہ طیبہ

---

۱ سنن ابی داود، کتاب الصلوۃ، باب السکتۃ عند الافتتاح، صفحہ: ۱۲۲، ۱۲۳، رقم الحدیث: ۷۷۹ / صحیح ابن خزیمہ، کتاب الامامۃ، باب سکوت الامام قبل القراءۃ، جلد: ۳، صفحہ: ۳۵، رقم الحدیث: ۱۵۷۸

۲ المستدرک علی الصحیحین، کتاب التفسیر، قرأت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جلد دوم، صفحہ ۲۵۳، رقم الحدیث: ۲۹۱۳

کے اکثر امام قدرے پست آواز میں آمین کہیں گے۔

معلوم ہوا دونوں طریقے احادیث سے ثابت ہیں۔ یہ نہیں کہنا چاہئے کہ جو آہستہ آواز میں آمین کہتے ہیں وہ بے ایمان ہو گئے، ان کی نماز نہیں ہوئی یا ناقص ہے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان کے دور میں بھی یہی ہوتا تھا کسی نے اونچی آمین کہہ دی کسی نے آہستہ کہہ دی۔ یہ بات زیادہ اس وقت بڑھی جب امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ترمذی شریف کے اندر حدیث بیان کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ پڑھا پھر فرمایا: آمین۔

سفیان کہتے ہیں اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلند آواز سے کہا اور شعبہ کہتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آہستہ آواز میں آمین کہا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے شعبہ والی روایت کو لے لیا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے سفیان والی روایت کو لے لیا دونوں کا اصل منبع حدیث پاک ہی ہے۔

شعبہ کوئی معمولی آدمی نہیں ہیں ان کو امیر المومنین فی الحدیث کہا جاتا ہے۔ سفیان بھی معمولی آدمی نہیں بلکہ سفیان کا حافظہ شعبہ کے حافظے سے قوی تھا لیکن ایک فرق ہے سفیان مدلس تھے اور شعبہ تدلیس کو زنا سے بھی بڑا جرم کہا کرتے تھے۔ بہرحال جنھوں نے اس روایت کو لے لیا وہ بھی ہمارے سر ماتھے پر اور جنھوں نے اس روایت کو لے لیا وہ بھی ہمارے سر ماتھے پر۔

سورۃ البقرۃ

سورۃ البقرہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ بڑی عظمت والی سورۃ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَاتَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ مَقَابِرَ ،إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْفِرُ مِنَ الْبَيْتِ الَّذِي تُقْرَأُ فِيهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ

اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے جس گھر کے اندر سورۃ بقرہ کی تلاوت کی جاتی ہے۔[1]

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

اِقْرَءُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيعًا لِأَصْحَابِهِ اقْرَءُوا الزَّهْرَاوَيْنِ الْبَقَرَةَ وَسُورَةَ آلِ عِمْرَانَ فَإِنَّهُمَا تَأْتِيَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ أَوْ كَأَنَّهُمَا غَيَايَتَانِ أَوْ فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافَّ تُحَاجَّانِ عَنْ أَصْحَابِهِمَا اقْرَءُوا سُورَةَ الْبَقَرَةِ فَإِنَّ أَخْذَهَا بَرَكَةٌ وَتَرْكَهَا حَسْرَةٌ وَلَا تَسْتَطِيعُهَا الْبَطَلَةُ

قرآن پڑھا کرو اس لئے کہ قرآن قیامت کے دن اپنے تلاوت کرنے والوں کی شفاعت فرمائے گا۔ سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران دو چمکتی دمکتی سورتوں کو پڑھا کرو کیونکہ

---

[1] مشکوۃ المصابیح، کتاب فضائل القرآن، رقم الحدیث:۲۱۱۹/ صحیح مسلم کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب استحباب صلاۃ النافلۃ فی بیتہ وجوازھا فی المسجد، صفحہ:۵۳ ۳، رقم الحدیث: ۱۸۲۴ / السنن الکبری للنسائی، کتاب فضائل القرآن، سورۃ البقرہ، جلد:۷، صفحہ:۲۵۷، رقم الحدیث:۷۹۶۱

یہ قیامت کے دن اس حال میں آئیں گی گویا کہ یہ دو بادل ہیں یا دو سائبان ہیں یا پرندوں کے غول ہیں جو صفیں باندھے ہوئے اپنے پڑھنے والوں کے حق میں جھگڑا کریں گے۔ سورہ بقرہ پڑھا کرو کیونکہ اس کا پڑھنا برکت اور اس کا چھوڑ دینا حسرت ہے اور جس گھر میں سورۃ بقرہ پڑھی جائے اس گھر میں جادوگر کا جادو اثر نہیں کرتا۔[1]

فائدہ: جس گھر میں سورۃ بقرہ پڑھی جائے اس گھر میں جادو نہیں ہوتا تو جس ذات پر سورہ بقرہ نازل ہوئی ان پر جادو کیسے ہو سکتا ہے۔

بقرہ کا معنی گائے ہے چونکہ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ کے ولی کی ایک گائے کا تذکرہ ہے تو جزء کا نام کل کا نام رکھ دیا گیا۔

وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کا صحیح مفہوم

ایک مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی چیز صرف اتنی بات سے حرام نہیں ہوتی کہ اس پر غیر اللہ کا نام آ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ

اللہ تعالیٰ نے تم پر مردار جانور اور بہتا ہوا خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جس کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا حرام کر دیا ہے۔[2]

---

[1] مشکوۃ المصابیح، کتاب فضائل القرآن، رقم الحدیث: 2120/ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب فضل قرآۃ القرآن وسورۃ البقرۃ، صفحہ: ۳۶۱، رقم الحدیث: ۱۸۷۴/ السنن الکبری للبیھقی، کتاب الصلوۃ، جماع ابواب القراءۃ، باب المعاھدۃ علی قراءۃ القرآن، جلد: ۲، صفحہ: ۵۵۴، رقم الحدیث: ۴۰۵۶

[2] سورۃ البقرہ: ۱۷۳

اس آیت میں وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ فرما کر مکہ کے ان لوگوں کی مذمت بیان کی گئی جو بسم اللہ کی بجائے بسم اللات ، بسم العزی اور بسم الھبل کہہ کر جانوروں کو ذبح کرتے تھے۔ کچھ مولوی صاحبان جن کو مصالحہ زیادہ لگ گیا وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کا معنی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جس بھی چیز پر غیر اللہ کا نام آ جائے وہ حرام ہو جاتی ہے حالانکہ ان کی یہ بات درست نہیں۔ اگر صرف غیر اللہ کا نام آ جانے سے کوئی چیز حرام ہو جاتی تو قرآن شریف کی مقدس سورتیں بقرہ، آل عمران، نساء، مائدہ اور انعام وغیرہ بھی تو غیر اللہ ہیں۔ ان ناموں کی سورتیں ہرگز نہ ہوتیں۔

لطیفہ ایک مولوی صاحب نے خوشاب میں اسی موضوع پر تقریر کی۔ وہاں کے سنیوں نے جوابی جلسے میں مجھے بلایا۔ میں نے کہا سنیو! یہ تو مسئلہ ہی بہت آسان ہے۔ جو مولوی صاحب یہ درس دے کہ جس بھی چیز پر غیر اللہ کا نام آ جائے وہ حرام ہے اس سے پوچھو تمہارے سر پر کیا ہے؟ وہ کہے گا ٹوپی، رومال یا پگڑی ہے پھر پوچھو یہ کس کی ہے؟ وہ کہے گا میری ہے۔ اس سے کہو جناب نے ابھی درس دیا ہے کہ غیر اللہ کے نام والی چیز حرام ہوتی ہے اس ٹوپی پر چونکہ غیر اللہ کا نام آ گیا ہے اس لیے یہ ٹوپی حرام ہے۔ اب کُرتے کے متعلق پوچھو کہ یہ کُرتا کس کا ہے؟ وہ کہے گا میرا ہے۔ اس سے کہو کہ اس کُرتے کو پہننا حرام ہے کیونکہ اس پر غیر اللہ کا نام آ گیا ہے۔ مولوی صاحب سبزی لے کر جا رہے ہوں ان سے پوچھو یہ سبزی کس کی ہے؟ وہ کہیں گے میری ہے ان سے کہو تم بھی تو غیر اللہ ہو۔ یہ سبزی بھی

تمہارے لیے حرام ہے۔ میرا راولپنڈی کے علاقے میں مولوی طالب الرحمٰن صاحب سے مناظرہ ہوا وہ بار بار کہہ رہے تھے کہ گیارھویں سور سے بڑھ کر حرام ہے۔ میں نے ان سے پوچھا مولوی صاحب یہ بتاؤ آپ کا نام کیا ہے؟ کہنے لگے طالب الرحمن۔ میں نے کہا طالب الرحمٰن اللہ ہے یا غیر اللہ؟ ان کے منہ سے نکل گیا: اللہ۔ میں نے کہا: در فٹے منہ کیا تو اللہ ہے؟ توبہ کر۔ ان سے توبہ کرائی پھر کہنے لگے یہ میرا نام ہے۔ میں نے پوچھا: تم اللہ ہو یا غیر اللہ؟ کہنے لگے: غیر اللہ۔ میں نے کہا تیرے جسم پر غیر اللہ کا نام آ گیا ہے تیرا جسم بھی سور سے بڑھ کر پلید۔ میں نے کہا: تیرا باپ، تیرے باپ پر تیرا نام آیا تیرا باپ بھی سور سے بڑھ کر پلید۔ میں نے جب اس طرح گردان کی تو مجھے کہنے لگے: گالیاں دیتے ہو؟ میں نے کہا کیا گالی دی؟ جب تم گیارھویں شریف کو سور سے بڑھ کر حرام کہتے ہو تو ہمیں تکلیف نہیں ہوتی؟ توبہ کرو ورنہ یہی فتویٰ تم پر بھی لگے گا۔

اگر صرف غیر اللہ کا نام آ جانے سے کوئی چیز حرام ہو جاتی ہے تو مختلف مساجد مثلاً مسجد حرام، مسجد اقصیٰ، مسجد نبوی، مسجد قبا، مسجد قبلتین، مسجد ابی بکر، مسجد عمر، مسجد عثمان، مسجد علی، مسجد فاطمہ اور مسجد بلال پر بھی غیر اللہ کا نام نہ آتا۔

کتبِ احادیث بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد، ابنِ ماجہ، مؤطا امام مالک، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابنِ ابی شیبہ، بیہقی، دارقطنی، دارمی وغیرہ پر بھی غیر اللہ کا نام ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَحَبُّ الصِّيَامِ إِلَى اللهِ صِيَامُ دَاوُدَ كَانَ يَصُومُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا

وَأَحَبُّ الصَّلَاةِ إِلَى اللهِ صَلَاةُ دَاوُدَ كَانَ يَنَامُ نِصفَ اللَّيلِ وَيَقُومُ ثُلُثَهُ وَيَنَامُ سُدُسَهُ

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب روزوں سے بہترین روزہ حضرت داوٗد علیہ السلام کا روزہ ہے۔ آپ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن بغیر روزہ کے رہتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب نمازوں سے بہترین نماز حضرت داوٗد علیہ السلام کی نماز ہے۔ آپ آدھی رات سوتے اور ایک تہائی حصے میں عبادت کیا کرتے تھے پھر بقیہ چھٹے حصہ میں بھی سوتے تھے۔ [1]

اس حدیث میں نماز اور روزے جیسی اعلیٰ ترین عبادت پر غیر اللہ حضرت داوٗد علیہ السلام کا نام آیا ہے۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ عرض کرتے ہیں: آقا! میری ماں فوت ہوگئی ہے۔ میں ماں کی طرف سے کوئی چیز صدقہ کرنا چاہتا ہوں تو کون سی چیز افضل ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پانی کا صدقہ سب سے بہتر ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنی ماں کے ایصال ثواب کے لیے پورا کنواں کھدوایا پھر کہا: هَذِهٖ لِأُمِّ سَعْدٍ یہ کنواں سعد کی ماں کے نام کا ہے۔ [2]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب احب الصلاۃ الی اللہ صلاۃ داوٗد، صفحہ: ۶۵۸، رقم الحدیث: ۳۴۲۰/ صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب النھی عن صوم الدھر لمن تضرر بہ، صفحہ: ۴۷۵، رقم الحدیث: ۲۷۳۹

[2] سنن ابی داوٗد، کتاب الزکاۃ، باب فی فضل سقی الماء، صفحہ: ۲۴۹، رقم الحدیث: ۱۶۸۱ / البانی صاحب کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے/ جامع المسانید والسنن لابن کثیر، سعد بن عبادۃ الانصاری الخزرجی، جلد: ۳، صفحہ: ۲۹۸ /تحفۃ الاشراف للمزی، جلد: ۳، صفحہ: ۲۷۳، رقم الحدیث: ۳۸۳۳

کنزالعمال میں ہے کہ اس کنویں کا نام سِقَايَةُ اُمِّ سَعْدٍ (سعد کی ماں کے نام کی سبیل) پڑ گیا تھا۔[1]

جب کنویں پر غیر اللہ کا نام آیا پانی پلید نہیں ہوا تو اگر ہم ایصال ثواب کے لیے کوئی چیز پیش کریں اور اس پر کسی کا نام آجائے تو چیز حرام کیسے ہو جائے گی؟

یہاں سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ بندہ جب صدقہ خیرات کرنے لگے تو دیکھ لے کہ جس غریب یا حقدار کو صدقہ دینا ہے اس کو کس چیز کی ضرورت ہے چونکہ مدینہ شریف میں پانی کی ضرورت تھی تو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا پانی بہترین صدقہ ہے۔

مکہ مکرمہ کے مشرک اپنے جانوروں کو بتوں کے نام پر نامزد کر کے چھوڑ دیتے تھے۔ ان پر چڑھنا، ان کا دودھ پینا، انہیں ذبح کرنا اور ان کا گوشت کھانا حرام سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾[2]

اللہ نے نہ کوئی بحیرہ مقرر کیا ہے نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام مگر یہ کافر لوگ اللہ پر

---

[1] کنزالعمال، کتاب الزکاۃ من قسم الافعال، باب فی السخاء والصدقۃ، فصل فی المصرف، جلد:۶، صفحہ:۲۰۵، رقم الحدیث:۱۷۰۸۰ پر ہے: قد شرب أبو بكر وعمر من سقاية أم سعد فمه: حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے ام سعد کی سبیل سے پانی پیا/ الطبقات الکبری لابن سعد، الطبقۃ الاولی وھم البدریین من المھاجرین والانصار، جلد:۳، صفحہ:۴۶۲، رقم الترجمہ:۳۳۲

[2] سورۃ مائدہ:۱۰۳

جھوٹی تہمت لگاتے ہیں اوران میں سے اکثر بے عقل ہیں (کہ ایسے وہمیات کومان رہے ہیں) ا؎

پھر دوسرے پارے میں انہی جانوروں کے بارے میں فرمایا:

يَاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا

اے لوگو! کھاؤ جو کچھ زمین میں حلال پاکیزہ ہے۔ ۲؎

جب بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام جانوروں پر بتوں کا نام آنے سے یہ جانور حرام نہیں ہوتے تو بکرا، مرغ یا گائے پر اگر کسی خدا کے پیارے کا نام آجائے تو وہ کیسے حرام ہو سکتے ہیں؟

لطیفہ: میں ایک گاؤں پنا کے شریف جلسے کے لیے گیا۔ جب سوالات کی باری آئی تو ایک مولوی صاحب غالبا جن کا نام اشفاق تھا کھڑے ہو کر کہنے لگے: تم لوگ سور کھاتے ہو۔ میں نے کہا: استغفراللہ، لاحول ولا قوۃ الا باللہ ہم سور نہیں کھاتے۔ دیہاتیوں نے اسے مارنے پیٹنے کے لیے لاٹھیاں نکال لیں لیکن میں نے منع کر دیا اور کہا لڑے وہ جس کے پاس دلیل نہ ہو۔ میں نے کہا مولوی صاحب! کوئی دلیل بھی ہے یا ویسے ہی الزام لگا رہے ہو؟ وہ کہنے لگے یہ بات قرآن میں ہے اور پھر انہوں نے وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کی تلاوت کی۔ میں نے جواب میں اور باتیں بھی کیں پھر یہی آیت مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ پڑھی تو وہ حیران ہو کر کہنے لگے: کیا یہ قرآن شریف میں لکھا ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ کہنے لگے: مجھے دکھاؤ۔ میرے

ا؎ ترجمہ مودودی صاحب ۲؎ سورۃ البقرہ:۱۶۸

پاس کتابیں نہیں تھیں۔میں نے کہا: مسجد کی الماری سے کوئی بھی ترجمے والا قرآن شریف دیکھو۔اتفاق سے تھانوی صاحب کا ترجمہ ملا اور جو بات میں نے کہی تھی بالکل وہی بات تھانوی صاحب نے حاشیہ میں نقل کی تھی[۱]۔میں نے اس کو پڑھنے کے لیے دیا۔اس نے پڑھا۔تھوڑی دیر خاموش رہا پھر کہنے لگا: اسعد صاحب! ہم نے مولانا منظور چنیوٹی صاحب کے پاس تفسیر پڑھی تھی ہمیں کبھی انہوں نے ایسی باتیں بتائی ہی نہیں۔آپ کی مہربانی مجھے کلمہ بھی پڑھائیں اور سنی بھی بنا دیں۔

آیت نمبر:۱

الٓمّٓ ۝۱

سورۃ بقرہ مدنیہ ہے۔ہجرت کے بعد نازل ہوئی لیکن ایک آیت وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝۲۸۱[۲] حج کے موقع پر مکہ شریف میں نازل ہوئی۔[۳]

---

۱ اشرف علی تھانوی صاحب لکھتے ہیں: بعض مشرکین بتوں کے نام پر جانور چھوڑتے تھے اور ان سے منتفع ہونے کو باعتقاد ان کی تعظیم کے حرام سمجھتے تھے اور اپنے اس فعل کو حکم الٰہی اور موجب رضاء حق و وسیلہ تقرب الی اللہ بواسطہ شفاعت ان بتوں کے سمجھتے تھے حق تعالیٰ اس باب میں فرماتے ہیں کہ اے لوگو! جو چیزیں زمین میں موجود ہیں ان میں سے (شرعی) حلال پاک چیزوں (کی نسبت اجازت ہے کہ ان) کو کھاؤ۔(تفسیر بیان القرآن، جلد:۱، صفحہ:۱۱۷، تحت آیت يٰأَيُّهَا النّاسُ كُلُوا مِمّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا)

۲ سورۃ البقرہ:۲۸۱

۳ عَن ابْن عَبَّاس قَالَ: آخر آيَة نزلت {وَاتَّقوا يَوْمًا ترجعون فِيهِ إِلَى الله} نزلت بمنى وَكَانَ بَين نُزُولهَا وَبَين موت النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم أحد وَثَمَانُونَ يَوْمًا۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں [وَاتَّقوا يَوْمًا ترجعون فِيهِ إِلَى الله] آخری آیت ہے جو منی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی۔اس کے نزول اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے درمیان ۸۱ دنوں کا فاصلہ تھا۔(تفسیر در منثور، جلد:۳، صفحہ:۱۱۶)(تفسیر ابن کثیر، جلد:۱، صفحہ:۷۲۱)

قرآن شریف کا ہر حرف دوسرے حرف کے ساتھ جڑا ہوا ہے جیسے ذٰلِكَ الْكِتٰبُ میں ذال الف کے ساتھ، الف لام کے ساتھ اور لام کاف کے ساتھ۔ سارا قرآن جوڑ جوڑ کر پڑھا جاتا ہے۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ میں ذال، الف، لام اور کاف کو الگ الگ کر کے نہیں پڑھا جاتا لیکن قرآن شریف کی ایک سو چودہ سورتوں میں سے انیس سورتیں ایسی ہیں جن کی ابتدا کے حروف کو الگ الگ کر کے پڑھا جاتا ہے کسی سورۃ کے شروع میں تنہا ایک حرف ہے جیسے ق۔ کسی سورۃ کے شروع میں دو حرف ہیں جیسے طٰهٰ۔ کسی سورۃ کے شروع میں تین حروف ہیں جیسے الٓمّٓ۔ کسی سورۃ کے شروع میں چار حروف ہیں جیسے الٓمّٓرٰ اور کسی جگہ پانچ حروف ہیں جیسے كٓهٰیٰعٓصٓ۔ ان حروف کو حروف مقطعات کہتے ہیں۔

حروف مقطعات کا معنی مفسرین نے ان کے مختلف معانی بیان کیے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ یہ حروف اللہ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے درمیان راز ہیں۔[1] ان کا مطلب صرف اللہ جانتا ہے یا اللہ کی عطا سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جانتے ہیں یا وہ جانتا ہے جسے بارگاہ نبوت سے فیض ملا ہے۔

کچھ مولوی صاحبان یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ ان حروف کا علم صرف اللہ جانتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی ان کا معنی نہیں جانتے حالانکہ ان کی یہ بات قرآن فہمی سے دوری کی وجہ سے ہے۔ اگر ہم بغور قرآن شریف کا مطالعہ کریں تو قرآن شریف پکار پکار کر کہہ رہا

---

[1] تفسیر بیضاوی، جلد: ۱، صفحہ: ۳۵، تحت آیت: سورۃ البقرہ: ۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

ہے کہ اللہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حروف مقطعات کا معنی سکھایا ہے۔

ا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَلرَّحۡمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ؕ﴿۲﴾

رب رحمٰن نے اپنے محبوب علیہ السلام کو قرآن سکھا دیا۔ ۱

جس جس چیز پر قرآن کا اطلاق ہوتا ہے اللہ نے ہر وہ چیز اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سکھا دی تو چونکہ حروف مقطعات بھی قرآن کا حصہ ہیں لہذا ثابت ہوا کہ اللہ نے حروف مقطعات کا علم بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سکھا دیا۔

۲: امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ قرآن کریم کی شان بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاِنَّهٗ لَتَنۡزِيۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ؕ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوۡحُ الۡاَمِيۡنُ ۙ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلۡبِكَ لِتَكُوۡنَ مِنَ الۡمُنۡذِرِيۡنَ ۙ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِىٍّ مُّبِيۡنٍ ؕ﴿۱۹۵﴾ "فَلَوْ لَمْ يَكُنْ مَفْهُومًا بَطَلَ كَوْنُ الرَّسُولِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْذِرًا بِهِ"

اور بے شک یہ قرآن رب العالمین کا اُتارا ہوا ہے۔ اسے روح الامین لے کر اُترا تمہارے دل پر کہ تم ڈر سناؤ روشن عربی زبان میں ۲۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا معنی نہ سمجھا ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان آیتوں سے منذر ہونا باطل ہو جائے گا۔ ۳

---

۱ سورۃ رحمٰن: ۱، ۲ ۲ سورۃ الشعراء: ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵

۳ تفسیر کبیر، جلد: ۲، صفحہ: ۲۵۰، تحت آیت سورۃ البقرہ: ۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

۳: حضرت جبریل علیہ السلام جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پہلے پہل قرآن لے کر تشریف لاتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وحی کو یاد کرنے کے لیے اپنی زبان کو جلدی جلدی ہلاتے مثلاً جبریل نے آکر پڑھا: یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ساتھ ہی یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرِ پڑھتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ڈیوٹیاں دو ہو گئیں ایک حضرت جبریل علیہ السلام سے سننا اور دوسرا اسے یاد کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہاں بھی راحت عطا فرمائی۔

ارشاد فرمایا:

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ ﴿۱۹﴾

محبوب! وحی کو یاد کرنے کی جلدی میں اپنی زبان کو حرکت نہ دیجیے۔ بیشک اس کا آپ کے سینے میں جمع کرنا اور اسے آپ کی زبان پر جاری کرنا ہمارا ذمہ کرم ہے۔ جب ہم اسے پڑھ چکیں تو اس پڑھے ہوئے کی اتباع کیجیے پھر بیشک اس کا مطلب اور بیان سکھانا بھی ہمارے ذمہ کرم پر ہے۔ [1]

قرآن کی اس آیت سے پتہ چلا کہ اللہ نے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن کی ایک ایک آیت کا مطلب اور معنی سکھا دیا۔ یہ نہیں کہنا چاہیے کہ اللہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مقطعات کا علم نہیں دیا۔ قرآن کے ہر حرف کا مالک نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم عطا فرمایا ہے۔

---

[1] سورۃ القیامہ: ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹

آیت نمبر: ۲

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۲

اس آیت کی تین طرح ترکیب ہوسکتی ہے۔

۱: ذٰلِكَ مبتدا اور الْكِتٰبُ اس کی خبر ہے۔اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ یہ ہے وہ کتاب اوراس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ وہی کتاب ہے جس کا تم سے تورات وانجیل میں وعدہ کیا گیا ہے۔

کتاب مقدس بائبل میں ہے:

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

میں ان کے لیے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا۔[۱]

بنی اسرائیل کے بھائیوں سے مراد بنی اسماعیل ہیں۔موسیٰ علیہ السلام اعلان کررہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: میں بنی اسرائیل کے بھائیوں بنی اسماعیل میں سے ایک نبی برپا کروں گا اوراس کے منہ میں اپنا کلام ڈالوں گا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝۱ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝۲ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝۳ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝۴

---

[۱] استثنا ۱۸:۱۸

اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم! جب یہ معراج سے اُترے۔ تمہارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔ وہ تو نہیں مگر وحی جو اُنہیں کی جاتی ہے۔[۱]

نبی کریم ﷺ قرآن اپنی طرف سے نہیں گھڑتے ۔ یہ تو وحی ہے جو اللہ ان کی طرف کرتا ہے۔ یہ آیات مبارکہ بھی بائبل کے مذکورہ بالا بیان کی تائید کر رہی ہیں۔

نیز بائبل میں ہے کہ پطرس نے کہا: اور وہ اس مسیح کو جو تمہارے واسطے مقرر ہوا ہے یعنی یسوع کو بھیجے۔ ضرور ہے کہ وہ آسمان میں اس وقت تک رہے جب تک کہ وہ سب چیزیں بحال نہ کی جائیں جن کا ذکر خدا نے اپنے پاک نبیوں کی زبانی کیا ہے جو دنیا کے شروع سے ہوتے آئے ہیں چنانچہ موسیٰ نے کہا کہ خداوند خدا تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لیے مجھ سا ایک نبی پیدا کرے گا جو کچھ وہ تم سے کہے اس کی سننا اور یوں ہوگا کہ جو شخص اس نبی کی نہ سنے گا وہ امت میں سے نیست و نابود کر دیا جائے گا۔[۲]

۲: دوسری ترکیب یہ کہ ذٰلِكَ اسم اشارہ اور الْكِتٰبُ مشار الیہ مل کر مبتداء بنے۔ لَا رَيْبَ فِيْهِ اس کی خبرِ اول اور هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ اس کی خبرِ ثانی ہے۔ اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ یہ عالی شان کتاب اس کے خدا کا کلام ہونے میں کوئی شک نہیں یہ متقین کے لیے ہدایت کا سبب ہے۔

---

[۱] سورۃ نجم: ۱، ۲، ۳، ۴ [۲] اعمال ۳: ۲۴-۲۱

۳: تیسری ترکیب یہ کہ لَا رَیۡبَ فِیۡهِ کو جملہ معترضہ بنا لیا جائے۔ اب عبارت ذٰلِكَ الۡكِتٰبُ هُدًى لِّلۡمُتَّقِيۡنَ بنے گی۔ ترجمہ ہوگا کہ یہ کتاب ہے جو متقین کے لیے ہدایت ہے۔

لَا رَیۡبَ فِیۡهِ ایک دعوی ہے۔ قرآن کو لاریب ماننے کے لیے کچھ اور چیزوں کو بھی لاریب ماننا پڑے گا۔ قرآن اسی صورت میں لاریب ہوسکتا ہے جب بھیجنے والے اللہ اور لانے والے روح الامین کو لاریب مانا جائے۔ یہ کہنا کہ اللہ نے وحی دے کر مولا علی کی طرف بھیجا تھا لیکن جبریل بھول کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی لے آئے[۱]۔ بالکل غلط اور بہت بڑی جسارت ہے کیونکہ اس کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ حضرت جبریل ڈیوٹی پوری ادا نہ کرنے کی وجہ سے مشکوک ہو گئے لیکن اللہ فرماتا ہے یہ قرآن لاریب ہے۔ بھیجنے والا لاریب ہے تو لانے والا بھی لاریب ہے۔ جب قرآن کو لاریب مانا گیا تو مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن پر قرآن نازل ہوا کو بھی لاریب ماننا ہوگا۔ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس قرآن اور دین میں سے کچھ بھی چھپایا نہیں بلکہ سارے کا سارا من وعن امت کو پہنچا دیا۔

مزید یہ کہ یہ جو دوگتوں کے درمیان قرآن ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں اس حالت میں قرآن دے کر نہیں گئے۔ قرآن کی آیتیں نازل ہوتی تھیں کوئی آیت کسی جگہ اتری سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کو وہاں رکھو۔ کوئی آیت کہاں اتری سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کو فلاں سورۃ میں فلاں آیت کے بعد رکھو۔ ترتیب خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی لیکن کوئی

---

[۱] الانوار النعمانیہ للجزائری، جلد: ۲، صفحہ: ۲۳۷، مطبوعہ موسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت

آیت کسی کاغذ پر، کوئی کسی گتے پر، کوئی کسی چمڑے پر، کوئی کسی درخت کے پتے پر اور کوئی درخت کی ٹہنیوں پر موجود تھی۔ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد قرآن جمع ہونا شروع ہوا جیسا کہ میں نے بتایا کہ سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۲۸۱ حج کے موقع پر مکہ شریف میں نازل ہوئی لیکن سرکار ﷺ نے فرمایا اس کو یہاں سورۃ بقرہ میں درج کرو۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں یہ کام جاری رہا جبکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔ قرآن فرماتا ہے بسم اللہ کی باء سے لے کر والناس کی سین تک سارا قرآن لاریب ہے۔ اگر تم صحابہ رضی اللہ عنہم کو مشکوک اور بددیانت مانو تو خدا کی قسم! قرآن پر تمہارا ایمان نہیں بنتا۔ قرآن پر تمہارا ایمان صرف اس صورت میں بنتا ہے جب تم اللہ، جبریل علیہ السلام، نبی کریم ﷺ، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور سب صحابہ کرام علیھم الرضوان کو بھی لاریب مانو وگرنہ قرآن میں شک رہے گا کہ پتہ نہیں انہوں نے کس آیت میں ڈنڈی مار دی۔ قرآن لاریب ہے تو میرے محبوب کے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی لاریب ہیں۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ: یہ قرآن متقین (جو کہ ڈرنے والے اور خطرات سے بچ کر نکلنے والے ہیں) کو ہدایت دیتا ہے۔ یہاں متقین فرمایا جبکہ ایک جگہ **هُدًى لِّلنَّاسِ**[1] فرمایا کہ قرآن سب لوگوں کو ہدایت دیتا ہے۔ دونوں آیتوں میں تطبیق یہ ہے کہ قرآن جنت جانے کا راستہ سب کو دکھاتا ہے لیکن اس سے نفع وہ لوگ اٹھاتے ہیں جو اللہ سے ڈرتے ہیں، جن کے دل اللہ کی بارگاہ میں جھکے ہوئے ہیں اور جو جہنم کے خطرات سے بچنا چاہتے

---

[1] سورۃ البقرہ:۱۸۵

ہیں۔ اس کو یوں سمجھو کہ ایک ہوتا ہے راستہ دکھانا اور ایک ہوتا ہے بازو سے پکڑ کر جنت لے جانا۔ قرآن راستہ سب کو دکھاتا ہے لیکن بازو سے پکڑ کر جنت ان کو لے کر جاتا ہے جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔

آیت نمبر: ۳

الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾

جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے کچھ خرچ کرتے ہیں۔

پنکھے چل رہے ہیں میں بھی مان رہا ہوں تم بھی مان رہے ہو لیکن ہمیں ان پنکھوں کا چلنا آنکھ سے معلوم ہوا، ان کی سنسناہٹ اور سرسراہٹ سے معلوم ہوا کہ چیز چل رہی ہے اور ہمارے جسم نے ہوا کو محسوس کیا جس سے معلوم ہوا کہ پنکھے چل رہے ہیں لیکن یہ ماننا ایمان نہیں کیونکہ یہ تو سامنے نظر آرہا ہے اور حواس سے معلوم ہو رہا ہے۔ ایمان اُس چیز کا نام ہے جس کو حواس محسوس نہ کرسکیں اور ہم مانیں۔ لوگ تو خوامخواہ غیب کی بحث کرتے ہیں کہ نبی کو غیب کا پتہ ہے کہ نہیں پتہ۔ میں کہتا ہوں کہ قرآن یہ بتا رہا ہے کہ متقی وہ ہے جو سب سے پہلے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غیب کو مانے۔ ہم جبریل علیہ السلام، جنت، دوزخ اور قبر کے ثواب وعذاب کو مانتے ہیں حالانکہ ہم نے کبھی ان چیزوں کو نہیں دیکھا ان چیزوں پر ہمارا ایمان اس لیے ہے کیونکہ ایک دیکھنے والے نے ہمیں بتایا ہے۔

ہمارے ماننے اور نبی کریم ﷺ کے ماننے میں فرق

ہمارے ماننے، نبی کریم ﷺ کے ماننے اور جبریل علیہ السلام کے ماننے میں صرف اتنا فرق ہے کہ ہمیں نبی کریم ﷺ نے بتایا جبکہ نبی کریم ﷺ کو جبریل امین علیہ السلام نے بتایا اور جبریل علیہ السلام کو اللہ نے بتایا لیکن یہ کہنا کہ اللہ نے نبی کریم ﷺ کو دکھا دیا یہ ہمیں تسلیم نہیں۔

جواب: ہمارا ان امور پر ایمان اس لیے ہے کیونکہ ہمیں سرکار ﷺ نے بتایا ہے لیکن ہم نے ان امور کا مشاہدہ نہیں کیا جبکہ سرکار ﷺ کا ایمان اس لیے تھا کیونکہ آپ کو اللہ نے بتایا اور مشاہدہ بھی کرایا ہے۔

ہم نے جبریل علیہ السلام کو نہیں دیکھا لیکن نبی کریم ﷺ جبریل علیہ السلام کو دیکھتے تھے۔ اصلی صورت میں بھی آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دو مرتبہ دیکھا۔ [1]

ہم نے سنا ہے کہ جنت ہے۔ ہمیں نبی کریم ﷺ نے بتایا کہ جنت ہے لیکن نبی کریم ﷺ نے جنت کو دیکھا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے عہد میں سورج گہن ہوا تو آپ نے گہن کی نماز پڑھائی۔ لوگوں نے عرض کی:

---

[1] حدیث شریف میں ہے: نبی کریم ﷺ نے دو مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا جس پر ان کی تخلیق ہوئی۔ (جامع ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ الانعام، صفحہ:۴۸۸، رقم الحدیث:۳۰۶۸)(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب معنی قول اللہ عزوجل: ولقد راٰہ نزلۃ اخری، صفحہ:۹۰، رقم الحدیث:۴۳۹)

يَا رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! رَأَيْنَاكَ تَنَاوَلْتَ شَيْئًا فِي مَقَامِكَ ثُمَّ رَأَيْنَاكَ تَكَعْكَعْتَ

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! ہم نے دیکھا کہ نماز میں آپ اپنی جگہ سے کچھ لینے کے لیے آگے بڑھے پھر ہم نے دیکھا کہ کچھ پیچھے ہٹے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنِّي أُرِيتُ الْجَنَّةَ، فَتَنَاوَلْتُ مِنْهَا عُنْقُودًا وَلَوْ أَخَذْتُهُ لَأَكَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا

مجھے جنت دکھائی گئی تو میں نے اس میں سے ایک خوشہ لینا چاہا اور اگر میں لے لیتا تو تم اس وقت تک کھاتے رہتے جب تک دنیا باقی ہے۔[1]

ہم دن رات قبرستان سے گزرتے رہتے ہیں لیکن ہمیں نہیں معلوم کہ قبر والوں پر کیا بیت رہی ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبر والوں کے عذاب کو بھی دیکھ لیتے تھے۔

بخاری شریف میں ہے:

مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَبْرَيْنِ، فَقَالَ: إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ، أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ، وَأَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے۔ ارشاد فرمایا: ان دونوں قبر والوں کو عذاب دیا جا رہا ہے اور یہ عذاب کسی ایسے گناہ پر نہیں دیا جا رہا جس کو تم بڑا سمجھتے

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب رفع البصر الی الامام فی الصلاۃ، صفحہ:۱۵۶، رقم الحدیث:۷۴۸/سنن نسائی، کتاب الکسوف، باب قدر القراءۃ فی صلاۃ الکسوف، صفحہ:۳۰۳، رقم الحدیث:۱۴۹۴

ہو۔ایک تو ان میں سے پیشاب کے چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا جبکہ دوسرا چغلی بہت کرتا تھا۔[1]

چغلی قبر والے نے اب نہیں بلکہ اب سے پہلے کی تھی اور پیشاب کے چھینٹے بھی اب نہیں بلکہ کبھی اس پر پڑے تھے۔

پتہ چلا کہ اللہ نے مصطفیٰ ﷺ کی نگاہ میں وہ پاور رکھی ہے کہ آپ نے عذاب اور عذاب کے سبب کو دیکھ لیا۔کبھی یہ نہ کہنا کہ اللہ نے نبی کریم ﷺ کو غیب کا علم نہیں دیا۔ بغیر غیب کا علم مانے بندہ مومن بن ہی نہیں سکتا۔

ایک دیوبندی عالم مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں:

جاہل عوام جو ان دونوں باتوں میں فرق نہیں کرتے جب ان کے سامنے کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عالم الغیب نہیں وہ اس کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کو معاذ اللہ کسی غیب کی چیز کی خبر نہیں جس کا دنیا میں کوئی قائل نہیں اور نہ ہو سکتا ہے کیونکہ ایسا ہونے سے تو خود نبوت و رسالت کی نفی ہو جاتی ہے جس کا کسی مومن سے امکان نہیں۔[2]

یہی بات حق ہے۔ یہ کہنا کہ نبی پاک ﷺ کو کسی غیب کی بات کا علم نہیں، کفر ہے۔ یہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو بہت سارا غیب کا علم عطا کیا۔ بیشمار کروڑوں، اربوں، کھربوں غیب کی باتیں بتائیں اور دکھائیں۔اس پر تفصیلی بحث آئے گی۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب ماجاء فی غسل البول، صفحہ:۶۵، رقم الحدیث:۲۱۸/صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب الدلیل علی نجاسۃ البول، صفحہ:۱۳۵، ۱۳۶، رقم الحدیث:۶۷۷

[2] تفسیر معارف القرآن، جلد:۸، صفحہ:۵۸۳، تحت آیت سورۃ الجن:۲۶، ۲۷

محیط الکل علم کا مطلب

یہاں یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ ذاتی اور محیط الکل علم غیب صرف اور صرف اللہ کی شان ہے۔ محیط الکل کا مطلب یہ ہے کہ مثال کے طور پر یہ کاغذ بہت سے ذرات کے ساتھ مل کر بنا ہے۔ اس کاغذ کے ایک ذرے کی دوسرے ذرے کے ساتھ کیا نسبت ہے؟ تیسرے ذرے کے ساتھ کیا نسبت ہے؟ سعید اسعد کے جسم کے اندر جتنے ذرے ہیں اس ذرے کی ان ذرات کے ساتھ کیا نسبت ہے؟ ریت کے جتنے بھی ذرے ہیں، پانی کے جتنے بھی قطرے ہیں، عالم کے اندر جتنی بھی چیزیں ہیں اس ایک ذرے کا ان ساری چیزوں کے ساتھ کیا تناسب ہے؟ اعلیٰ حضرت، امام اہلسنت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے ایک ذرے کا بھی ذاتی یا محیط الکل علم نہیں مانتے۔[1]

یہ قرآن ان لوگوں کو ہدایت دیتا ہے جو صرف پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبان پر اعتبار کر کے مان لیتے ہیں۔ ہم سے کوئی جنت، دوزخ، جبریل علیہ السلام اور قبر میں ثواب وعذاب کے متعلق دلیل پوچھے تو ہم کہیں گے ہمارے پاس آخری دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبان مبارک ہے چونکہ آپ نے فرمایا کہ یہ سب چیزیں ہیں تو ہم ان پر ایمان لے آئے۔

وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ: وہ نماز کو قائم کرتے ہیں۔

نماز پڑھنے اور نماز قائم کرنے میں فرق ہے۔ نماز پڑھنا یہ ہے کہ کسی کو وقت مل گیا اور وہ مسجد میں آ گیا اور اس نے نماز پڑھ لی جبکہ نماز قائم کرنے کا مطلب ہے ناغہ کیے بغیر باجماعت نماز ادا کرے، نماز کے شرائط و آداب کا خیال رکھے اور دل کی کامل توجہ کے ساتھ نماز ادا کرے۔

---

[1] الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ، صفحہ: ۶۲، ۶۸، ۶۹، ۷۳، مطبوعہ نذیر سنز پبلشرز/ خالص الاعتقاد، صفحہ: ۱۰، ۱۱، ۲۳، مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی اردو بازار لاہور

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ:

اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے کچھ خرچ کرتے ہیں۔

اللہ سے ڈرنے والے اللہ کی راہ میں اپنا کچھ مال خرچ کرتے ہیں اور مال خرچ کرتے ہوئے سمجھتے ہیں کہ یہ مال ہمارا نہیں بلکہ اللہ کا ہے اور شکر ادا کرتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں اس مال کو اپنی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق بخشی۔ اپنا مال بیوی بچوں، رشتہ داروں، غریبوں، یتیموں اور اللہ کے دین پر خرچ کرتے ہیں۔ بیوی بچوں پر اللہ کا حکم اور اللہ کی رضا سمجھتے ہوئے خوش ہو کر مال خرچ کرنا بھی عبادت ہے۔

مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ میں صرف مال ہی مراد نہیں بلکہ علم بھی مراد ہو سکتا ہے۔ اللہ نے بہت ساروں کو مال دیا اور بہت ساروں کو علم دیا۔ علم بھی بہت بڑی دولت ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ جن کو اللہ نے علم عطا کیا وہ اپنے علم کو خرچ کرنے میں کنجوسی نہیں کرتے۔

مولا مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی تو فرمایا:

رَضِينا قِسمَةَ الجَبّارِ فينا   لَنا عِلمٌ وَلِلجُهّالِ مالُ

ہم رب کی تقسیم پر راضی ہیں۔ جاہلوں کو اللہ نے مال دیا جبکہ ہمیں علم کی دولت سے نوازا۔[1]

عالم کو چاہیے کہ مسئلہ بتاتے ہوئے کنجوسی نہ کرے، اکتاہٹ کا شکار نہ ہو بلکہ اللہ کی رضا کے لیے جو کچھ اس کے پاس ہے آگے بیان کرے۔ یہ بھی مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ میں داخل ہے۔

---

[1] دیوان امیر المؤمنین علی بن ابی طالب، صفحہ: ۷۶

آیت نمبر: ۴

وَالَّذِيۡنَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِمَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ وَمَآ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ‌ۚ وَبِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ يُوۡقِنُوۡنَؕ‏ ۴

متقی وہ ہیں جو اس وحی کو مانیں جو تیری طرف نازل کی گئی اور اس وحی کو بھی مانیں جو تجھ سے پہلے نازل کی گئی اور وہ قیامت پر یقین رکھتے ہیں۔

وحی کی قسمیں

یہاں وحی کی دو قسمیں بیان کی گئیں۔

۱: وہ وحی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی

۲: وہ وحی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے نازل ہوئی

سارا قرآن پڑھ لیجیے۔ آپ کو کئی جگہ ''محبوب! تجھ سے پہلے'' ''یا محبوب! تجھ پر'' کے الفاظ ملیں گے۔ کسی جگہ بعد کا اشارہ بھی نہیں۔ اگر کوئی وحی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نازل ہونا ہوتی تو اللہ کریم اس کا بھی ذکر کرتا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نبوت نازل ہونے کے بعد وحی نبوت بند ہے۔ اب کسی پر وحی نبوت نازل نہیں ہو سکے گی۔

امام اہلسنت مولانا سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَمَآ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی پر وحی نبوت نازل نہ ہو گی یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں۔ بیشک عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں۔ ان کی نبوت سلب نہیں ہوئی اور نہ ہو گی مگر ان کی بعثت حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے ہو چکی ہے اس لیے ان کا نازل ہونا ختم نبوت کے منافی نہیں۔ وہ سابقہ حیات

کے ساتھ آسمان پر زندہ ہیں اور اسی حیات کے ساتھ قیامت کے قریب نازل ہوں گے مگر بعثت محمدی کے بعد وہ آسمان پر ہوں یا زمین پر نبی ہونے کے باوجود تاحیات حضور کے امتی ہی کی حیثیت میں رہیں گے۔ اس لیے اگر ان پر کوئی وحی آئے تو وہ وحی ولایت ہی کی حیثیت میں ہوگی۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی کو نبوت نہ ملے گی اور کسی پر ایسی وحی نازل نہ ہوگی جس پر ایمان لائے بغیر کوئی مومن نہ ہو سکے۔ اس قسم کی وحی حضور پر اور حضور سے پہلے نازل ہو چکی۔ حضور کی بعثت کے بعد اس کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہے۔[1]

مرزائیوں کا ایک سوال

جب ہم مرزائیوں سے بحث کے دوران یہ دلیل پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی پر وحی نبوت نازل نہیں ہوسکتی تو مرزائی کہتے ہیں اس سے آگے بھی پڑھو۔ اللہ فرما رہا ہے: وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ایک وحی آخر میں بھی آنی ہے لہذا ثابت ہوا کہ حضور کے بعد بھی وحی آسکتی ہے۔ قادیانیوں کا حال اس آدمی کی طرح ہے جس سے کسی نے پوچھا: اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ کا کیا معنی ہے؟ تو وہ کہنے لگا: اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ کا معنی ہے کہ تو مان ایک بلّا تھا وَمَلٰٓئِكَتِهٖ ملائی کھا جایا کرتا تھا وَكُتُبِهٖ پھر اس کے پیچھے کتے لگ گئے وَرُسُلِهٖ پھر اس کو رسیوں سے باندھ دیا گیا وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اور یہی اس کا آخری دن تھا۔ مرزائی بھی اسی طرح کا ترجمہ کرتے ہیں۔ ہم مرزائیوں کی اس معنوی تحریف پر لا حول ولا قوۃ

---

[1] التبیان مع البیان، پارہ اول، صفحہ: ۵۳، ۵۴، مطبوعہ کاظمی پبلیکیشنز ملتان

الا باللّٰہ ہی پڑھ سکتے ہیں۔ جواباً عرض ہے:

آخرۃ کا معنی آخری وحی کہاں سے ثابت ہے؟ دوسرا یہ کہ اَلْقُرْآنُ یُفَسِّرُ بَعْضُہٗ بَعْضًا قرآن اپنے بعض حصے کی تفسیر خود بیان کرتا ہے۔[1]

قرآن فرماتا ہے:

وَاِنَّ الْاٰخِرَۃَ ھِیَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾

بیشک آخرت ہمیشگی کا گھر ہے۔[2]

قرآن سے ثابت ہوا کہ آخرۃ کا معنی آخری وحی نہیں بلکہ اس کا معنی آخرت کا گھر ہے۔

تیسرا یہ کہ لطف کی بات یہ ہے کہ اللہ نے مرزا قادیانی کے قلم سے بھی آخرۃ کا معنی قیامت، جزاوسزا اور پچھلی آنے والی گھڑی لکھوادیا۔

مرزا قادیانی صاحب لکھتے ہیں:

طالب نجات وہ ہے جو خاتم النبیین پیغمبر آخرالزماں ﷺ پر جو کچھ اتارا گیا اس پر ایمان لاوے اور اس پیغمبر سے پہلے جو کتابیں اور صحیفے سابقہ انبیاء ورسولوں پر نازل ہوئے ان کو بھی مانے وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ اور طالب نجات وہ ہے جو پچھلی آنے والی گھڑی یعنی قیامت پر یقین رکھے اور جزاء وسزا مانتا ہو۔[3]

---

[1] تفسیر روح المعانی، تحت آیت سورۃ بقرہ:۷، جلد:۱، صفحہ:۱۳۸۔ جلد:۴، صفحہ:۱۷۶، ۲۶۰۔ جلد:۶، صفحہ:۱۲۷، ۲۸۶، ۳۰۹، ۳۵۸۔ جلد:۸، صفحہ:۱۶۰، ۵۰۴، دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان

[2] سورۃ مومن:۳۹

[3] الحکم، جلد:۸، نمبر:۳۴، ۳۵، مورخہ ۱۰ اکتوبر تا ۱۷ اکتوبر ۱۹۰۴، صفحہ:۹

قرآن نے سب سے زیادہ زور اس بات پر دیا کہ قیامت پر یقین رکھنا ہے۔ پہلے جو خوبیاں بیان ہوئیں غیب پر ایمان رکھنا، اس وحی کو ماننا جو سرکار ﷺ پر نازل ہوئی اور اس وحی کو ماننا جو آپ سے پہلے نازل ہوئی ان کے لیے **يُؤْمِنُوْنَ** یعنی ایمان کا لفظ استعمال ہوا لیکن قیامت کے وقوع کے لیے **يُوْقِنُوْنَ** یعنی یقین کا لفظ استعمال ہوا۔ ایمان کا مقابل تکذیب ہے جبکہ یقین کا مقابل شک ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے وقوع کے بارے میں معمولی سا شک بھی تمہارے ذہن میں نہ آئے۔ قیامت پر یقین گناہوں سے دوری کا سبب ہے۔ کوئی بھی بندہ جسے یقین ہو کہ میں نے مرنا ہے اور مجھے اپنے اعمال کا حساب دینا ہے گناہوں کے قریب نہیں جائے گا۔ بڑے بڑے لوگ جن کے ویڈیوز لیک ہو جاتے ہیں اگر ان کو پتہ ہو کہ ہماری ویڈیو بن رہی ہے۔ ہمیں حساب دینا پڑے گا۔ سپریم کورٹ قائم ہو گی۔ وہاں ہمارا مقدمہ چلے گا تو کیا یہ کوئی غلط کام کریں گے؟ بندہ گناہ اسی وقت کرتا ہے جب اس کے دل میں قیامت کے بارے میں شک ہو۔

آیت نمبر: ۵

أُولَٰٓئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝٥

یہ ہیں وہ لوگ جو اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

معلوم ہوا کہ قرآن ان لوگوں کو ہدایت دیتا ہے جو نبی کریم ﷺ کے غیب کو مانتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں، اس

وحی پر ایمان رکھتے ہیں جو نبی کریم ﷺ پر نازل ہوئی اور اس وحی پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپ سے پہلے نازل ہوئی اور قیامت پر یقین رکھتے ہیں۔

معتزلہ کی ایک کمزور دلیل

معتزلہ کا دعوی ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ وہ دلیل اسی آیت سے پیش کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں جس میں ان خوبیوں میں سے ایک خوبی نہ پائی جائے مثلاً کوئی جان بوجھ کر نماز چھوڑ دے تو وہ اس بشارت کا حقدار نہیں۔ نماز کا تارک، شرابی، زانی ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا لیکن ان کی یہ دلیل کمزور ہے کیونکہ کامیابی کے کچھ مراتب ہیں۔ کامیابی کا اعلی درجہ انہی لوگوں کا مقدر ہے جن میں یہ ساری خصوصیات پائی جائیں لیکن اگر کسی میں کوئی ایسی خصوصیت نہ پائی جائے جس کا تعلق گناہ کبیرہ سے ہے تو اس کی وجہ سے وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوگا۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اپنے اعمال کی سزا پا کر جنت میں جائے۔

قرآن کے حوالے سے گروہ بندی

قرآن کے حوالے سے تین طرح کے گروہ پیدا ہوئے۔ ایک وہ گروہ جنہوں نے سوچ سمجھ کر قرآن اور اسلام کو اختیار کیا اور پوری شرح صدر کے ساتھ نبی کریم ﷺ کو اللہ کا آخری نبی مانا۔ ان کے لیے سورۃ بقرہ کی پہلی پانچ آیتیں نازل ہوئیں۔

مدینہ منورہ میں ایک گروہ وہ بھی تھا جو جانتے تھے کہ نبی کریم ﷺ ہی اللہ کے آخری نبی ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ذکر ان کی کتابوں میں بھی موجود تھا جیسا کہ بائبل کا حوالہ گزرا لیکن انہوں نے سوچ سمجھ کر کفر اختیار کیا۔ ان کا خیال تھا کہ اگر ہم نے ایمان قبول کر لیا تو ہماری عزت میں فرق آ جائے گا۔ اب دو آیتیں ان کے لیے ہیں۔

آیت نمبر:٦

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ۝٦

بیشک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا برابر ہے آپ انہیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ یہ ایمان نہیں لائیں گے۔

کیونکہ ایمان وہ لاتا ہے جس کے دل میں حق کی تلاش کی تڑپ ہو اور جو اللہ کی طرف رجوع کرے۔ میں نے ہدایت کے مسئلے میں بیان کیا تھا کہ اِرَائَۃُ الطَّرِیۡق کے چار درجے ہیں۔ پہلا درجہ انابت (اللہ کی طرف رجوع کرنا ہے)۔ دوسرا درجہ ہدایت (ایمان کامل جانا) ہے۔تیسرا درجہ استقامت اور چوتھا درجہ ربط القلب ہے۔ یہ ان لوگوں کی بات ہے جنہوں نے اللہ کی طرف رجوع نہیں کیا بلکہ جان بوجھ کر کفر اختیار کیا۔اللہ فرماتا ہے برابر ہے آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ یہاں ہمزہ استفہام کا نہیں بلکہ تسویہ کا ہے۔

آیت نمبر:۷

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ وَعَلٰى سَمۡعِهِمۡ‌ؕ وَعَلٰۤى اَبۡصَارِهِمۡ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ۝٧

اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔

وہ لوگ جنہوں نے جان بوجھ کر کفر اختیار کیا اور کفر میں راسخ ہو گئے ان کے بارے میں فرمایا یہ اس لیے ایمان قبول نہیں کرتے کیونکہ اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگادی اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔

سوال جب اللہ نے خود ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگادی اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا تو اگر یہ ایمان نہیں لائے تو قصور کس کا ہے؟ اللہ نے خود ان کو اس طرف نہیں آنے دیا۔

جواب اس کا جواب سمجھنے سے پہلے ایک مثال پیش خدمت ہے۔

کئی مرتبہ آپ دیکھتے ہیں کہ محلے کا کوئی لڑکا بدمعاشی اور بے راہ روی کا شکار ہو جاتا ہے۔ جرائم کرتے کرتے ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ وہ اپنی عیاشی اور بدمعاشی میں راسخ ہو جاتا ہے۔ جرم ثابت ہونے کی وجہ سے حکومت اس کو پکڑ لیتی ہے اور بالآخر اسے پھانسی دے دی جاتی ہے۔ لوگ اس بات کو تین طرح بیان کرتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے اس نے اپنا بیڑا خود غرق کیا۔ کوئی کہتا ہے اس کے کرتوت ہی ایسے تھے۔ کوئی کہتا ہے کہ اللہ کی پکڑ بڑی سخت ہے۔ اللہ نے اس کو تختہ دار تک پہنچا دیا یعنی کبھی فعل کی نسبت اس کی اپنی طرف، کبھی اس کے عملوں کی طرف، کبھی فاعل حقیقی اللہ کی طرف کی جاتی ہے۔ بلاتشبیہ وتمثیل اللہ بلاوجہ کسی کے دل پر مہر نہیں لگاتا اور کسی کے لیے حق کی راہیں مسدود نہیں فرماتا۔ بندہ خود کالے کرتوتوں میں مشغول ہو جاتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا أَخْطَأَ خَطِيئَةً نُكِتَتْ فِي قَلْبِهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فَإِذَا هُوَ نَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ وَتَابَ سُقِلَ قَلْبُهُ وَإِنْ عَادَ زِيدَ فِيهَا حَتَّى تَعْلُوَ قَلْبَهُ

بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نکتہ پڑ جاتا ہے پھر جب وہ گناہ کو چھوڑ دیتا ہے اور استغفار اور توبہ کرتا ہے تو وہ سیاہ نکتہ ختم ہو جاتا ہے اور اگر وہ دوبارہ گناہ کرے تو سیاہ نکتہ مزید پھیل جاتا ہے یہاں تک کہ پورے دل پر چھا جاتا ہے۔ [1]

نیکی کے بعد دوسری نیکی پہلی نیکی کی قبولیت کی دلیل ہے جبکہ گناہ کے بعد دوسرا گناہ پہلے گناہ کی شامت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ گناہ کر کر کے سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے اور اس میں حق کے داخل ہونے کے لیے کوئی جگہ باقی نہیں رہتی۔ دل کی سیاہی اس شخص کے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہے لیکن چونکہ فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اس لیے کبھی فعل کی نسبت اللہ کی طرف کر دی جاتی ہے اور کہہ دیا جاتا ہے کہ اللہ نے فلاں شخص کا دل سیاہ کر دیا۔ اسی طرح کفار کے دلوں اور کانوں پر مہر ان کے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے لگی لیکن اس کی نسبت فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ کی طرف کر دی گئی اور فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے۔

ایمان والوں کے لیے پانچ آیتیں اور جنہوں نے کفر اختیار کیا ان کے لیے دو

---

[1] جامع ترمذی، ابواب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ ویل للمطففین، صفحہ:۹۹۱، رقم الحدیث:۳۳۳۴/ امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے جبکہ سنن ترمذی بتحقیق ناصر الدین البانی، صفحہ:۷۵۶ پر البانی صاحب اس حدیث کو حسن قرار دیتے ہیں/سنن ابن ماجہ، ابواب الزھد، باب ذکر الذنوب، صفحہ:۷۷۷، رقم الحدیث:۴۲۴۴

آیتیں نازل ہوئیں۔ایک تیسرا گروہ پیدا ہو گیا تھا جو کہ اندر سے بے ایمان تھے، اوپر سے کلمہ پڑھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں یعنی مسلمانوں میں مسلمان اور کافروں میں کافر بن جاتے تھے۔ان کو منافقین کہا جاتا ہے۔منافقین کے لیے اللہ تعالیٰ نے تیرہ آیات نازل فرمائیں۔ہمیں بھی لوگ کہتے ہیں کہ آپ لوگ ٹھکائی زیادہ کرتے ہو دوسرے مسائل کم بیان کرتے ہو۔میں کہتا ہوں کہ یہ تو اللہ کی سنت ہے۔ایمان والوں کے لیے پانچ آیتیں، کافروں کے لیے دو آیتیں جبکہ منافقوں کے لیے تیرہ آیتیں نازل کیں تو پھر ہم نے بھی اسی کے حساب سے وقت دینا ہے۔

آیت نمبر:۸

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۸

اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور وہ مومن نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ یہ منافقین اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان کا دعوی کرتے ہیں حالانکہ اپنے اس دعوے میں جھوٹے ہیں اور مومن نہیں ہیں۔ان کے مومن نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ اور قیامت کے دن کو مانا لیکن رسول اللہ ﷺ کو نہ مانا اور اللہ اور قیامت کے دن کو بھی اپنے اعتبار سے مانا۔ان پر لازم تھا کہ اللہ اور قیامت کے دن کو نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے موافق مانیں۔

آیت نمبر:۹

یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْاۚ وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَؕ۝۹

یہ اللہ اور ایمان والوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں لیکن حقیقت میں اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں اور انہیں شعور نہیں ہے۔

اللہ کو دھوکہ دینے سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دھوکہ دینا ہے کیونکہ منافقین اپنے اعتبار سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دھوکہ دیتے تھے۔ اللہ فرمارہا ہے میرے رسول کو دھوکہ دینا مجھے دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔ جس طرح کوئی مجھے دھوکہ نہیں دے سکتا اسی طرح کوئی میرے رسول کو بھی دھوکہ نہیں دے سکتا۔ منافقین یہ سمجھتے تھے کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ایمان والوں کو دھوکہ دے رہے ہیں لیکن اللہ فرماتا ہے وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ حقیقت میں یہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں اور انہیں شعور نہیں ہے۔

آیت نمبر:۱۰

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًاۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌۢ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ۝۱۰

ان کے دلوں میں مرض ہے، اللہ نے ان کے مرض کو بڑھا دیا اور ان کے لیے ان کے جھوٹ بولنے کی وجہ سے دردناک عذاب ہے۔

منافقین نبی کریم ﷺ اور ایمان والوں کو اس لیے دھوکہ دینے کی کوشش کرتے تھے کیونکہ ان کے دلوں میں نبی کریم ﷺ کے بغض اور حسد کی بیماری تھی۔ انہوں نے اللہ کو ویسا نہیں مانا جیسا ماننا چاہیے تھا۔

اللہ خالص توحید والی سورۃ میں ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ ① اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ ② لَمْ يَلِدْ ۙ وَ لَمْ يُوْلَدْ ۙ ③ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۠ ④

محبوب! فرما دیجیے کہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس کی بیٹی ہے، نہ اس کا بیٹا ہے اور نہ اس کی والدہ ہے، نہ اس کا والد ہے اور اس کے برابر کا کوئی نہیں۔ [1]

لیکن یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہہ دیا۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۨ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ

اور یہودی بولے عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائی بولے مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ [2]

منافقین کو نبی کریم ﷺ سے بغض اور حسد تھا۔ جب کسی کو کسی کے ساتھ حسد ہوتا ہے تو کبھی حسد کم ہو جاتا ہے اور کبھی بڑھ جاتا ہے۔ کم تب ہوتا ہے جب محسود (جس کے

---

[1] سورۃ اخلاص   [2] سورۃ توبہ: ۳۰

ساتھ حسد کیا جا رہا ہے) کی شان کم ہونی شروع ہو جائے اور بڑھتا تب ہے جب محسود کی شان میں اضافہ ہو۔ اللہ نے ان منافقین کے دلوں میں حسد کے مرض کو بڑھا دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر آن، ہر گھڑی مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عظمت اور شان میں اضافہ کرتا چلا جا رہا ہے۔

وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کا ہے سایہ تجھ پر

بول بالا ہے تیرا، ذکر ہے اونچا تیرا۔[1]

منافقین جھوٹ بولتے تھے کہ ہم نے اللہ اور قیامت کے دن کو مانا کیونکہ انہوں نے اللہ اور قیامت کے دن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشاد کے موافق نہیں مانا۔ اللہ فرما رہا ہے کہ ان کے جھوٹ کی وجہ سے ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

احباب سے دردمندانہ اپیل

خاص طور پر مولوی صاحبان، واعظ حضرات، نعت خواں، مسجدوں میں آنے جانے والے اور صلوۃ وسلام پڑھنے والے حضرات توجہ کریں کہ یقینا منافقین جھوٹے تھے لیکن جھوٹ بولنے کو یہ بھی برا سمجھتے تھے۔ کبھی انہوں نے یہ نہیں کہا کہ ہم جھوٹ بول رہے ہیں بلکہ کہتے تھے کہ ہم سچ بول رہے ہیں۔ میری آپ حضرات سے گزارش ہے کہ خدا کے لیے اپنی زبانوں کو اپنی گرفت میں رکھیے۔ بے مہار نہ ان کو جانے دیجیے۔ زبان سے کبھی جھوٹی بات نہ نکالیے کیونکہ جھوٹ اللہ کو بالکل بھی پسند نہیں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں:

الصِّدْقُ يُنْجِي وَالْكِذْبُ يُهْلِكُ

---

[1] حدائق بخشش، صفحہ:۱۰، مطبوعہ پروگریسو بکس اردو بازار لاہور

سچ بندے کو بچالیتا ہے اور جھوٹ بندے کا بیڑا غرق کر دیتا ہے۔[1]

جو نبی کریم ﷺ کا کلمہ پڑھتا ہے، آپ کے دین میں داخل ہے اور آپ کے دین کا مبلغ ہے اسے سوچنا چاہیے کہ وہ کس نبی کے دین کا سفیر ہے۔ نبی ﷺ ساری زندگی کبھی زبان پر جھوٹ نہیں لائے تو ہمیں بھی چاہیے کہ ہم سچ بولیں، جھوٹ نہ بولیں مذاق میں بھی جھوٹ نہیں بولنا چاہیے۔

آیت نمبر: ۱۱، ۱۲

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱﴾
اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو تو وہ کہتے ہیں ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ خبردار! سن لو! یہی فسادی ہیں مگر انہیں شعور نہیں۔

منافقین کے کئی گروہ تھے۔ ایک گروہ یہودیوں کے ساتھ میل ملاقات رکھتا تھا۔ ان کو مسلمانوں کے راز دیتا تھا اور ان کی ہاں میں ہاں ملاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرما رہا ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں شرارتیں نہ کرو، ایک کے بن کر رہو تو وہ کہتے ہیں ہم تو اصلاح کی غرض سے میل ملاقات رکھتے ہیں تاکہ دوریاں ختم ہوں۔ اللہ فرماتا ہے خبردار! سن لو! یہی فسادی ہیں۔ ان کا فساد یہودیوں کے فساد سے بھی بڑھ کر ہے۔

---

[1] حدیث شریف کے یہ الفاظ بہت مشہور ہیں لیکن کنز العمال جلد: ۳، صفحہ: ۴۲۹ پر دَعْ مَا يَرِيْبُكَ اِلٰى مَا لَا يَرِيْبُكَ، فَاِنَّ الصِّدْقَ يُنْجِي کے لفظوں کے سوا کسی جگہ ہمیں یہ لفظ نہیں ملے لیکن چونکہ اس حدیث کا مضمون قرآن شریف کی آیت قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ اور فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ اور اس جیسی دیگر آیات کے مطابق ہے اس لیے ہم نے اسے درج کر دیا۔

دورنگی چھوڑ کر یک رنگ ہو جا سراسر موم ہو یا سنگ ہو جا

آیت نمبر: ۱۳

وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَاۤ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ كَمَاۤ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَ لٰكِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایسے ایمان لاؤ جس طرح یہ لوگ ایمان لائے تو کہتے ہیں کیا ہم پاگلوں کی طرح ایمان لے آئیں۔ سن لو! یہی پاگل ہیں لیکن انہیں اس بات کا علم نہیں۔

صحابہ کرام کی عزت وعظمت

اس آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ جب منافقین سے کہا جاتا ہے کہ ایسے ایمان لاؤ جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایمان لائے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں گھر، جان، مال سب کچھ قربان کر دیا۔ جب محبوب فرماتے ہیں یہ کرو تو فوراً کرتے ہیں، جب کسی چیز سے منع کرتے ہیں تو بالکل رک جاتے ہیں۔ جب لڑنے کا حکم دیتے ہیں تو لڑ پڑتے ہیں۔ ایسا ایمان لاؤ جیسا میرے محبوب کے صحابہ ایمان لائے تو یہ کہتے ہیں کیا ہم پاگلوں کی طرح ایمان لے آئیں؟ صحابہ نہ اپنا نفع دیکھتے ہیں اور نہ نقصان بس جو بھی ان کے نبی نے کہہ دیا فوراً اس کی تعمیل کے لیے دوڑ پڑتے ہیں۔ ہم پاگل نہیں ہیں کہ پاگلوں کی طرح ایمان لے آئیں۔ اللہ فرماتا ہے سن لو! یہی پاگل اور بیوقوف ہیں ۔ میرے محبوب کے صحابہ تو جنت والے ہیں۔ اس آیت کو پھر پڑھیں۔ اللہ فرما رہا ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ جس طرح لوگ ایمان لائے۔ جس طرح ابوبکر، عمر، عثمان، علی

اور دیگر صحابہ ایمان لائے اس طرح کا ایمان لاؤ۔[1] پتہ چلا کہ اللہ کے نزدیک وہ ایمان معتبر ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کے ایمان کی طرز پر ہو۔

میرے بھائیو! میرے بچو! میری بہنو! میری جہاں تک آواز جارہی ہے۔ مسلمان کے لیے اصل دلیل قرآن ہے۔ ادھر ادھر کی روایتیں اور کہانیاں سن کر قرآن کی مخالفت میں کبھی زبان نہ کھولنا۔ لوگ تمہیں کہانیاں سنائیں گے کہ ابوبکر بڑا ظالم تھا، فلاں بڑا ظالم تھا، عمر بڑا ظالم تھا سب جھوٹ اور بکواس ہے کیونکہ ہم ہر چیز کو قرآن پر پرکھیں گے۔ قرآن فرما رہا ہے کہ ایسے ایمان لاؤ جیسے میرے محبوب کے صحابہ ایمان لائے تو معلوم ہوا کہ صحابہ کرام ایمان کا معیار ہیں۔ یہ مضمون قرآن میں جگہ جگہ بیان ہوا۔ چند آیتیں مزید ملاحظہ کیجیے:

۱: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو کعبہ کی تعمیر کا حکم دیا۔ یہ دونوں باپ بیٹا اللہ کے نبی ہیں۔ کعبہ بھی بناتے جارہے ہیں اور دعائیں بھی کرتے جا رہے ہیں۔ انہوں نے عرض کی:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾

---

[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں (تاریخ دمشق لابن عساکر، جلد: ۳۹، صفحہ: ۱۷۷، درمنثور للسیوطی، جلد اول، صفحہ: ۷۷، تحت آیت سورۃ بقرہ، آیت نمبر: ۱۳)

یا اللہ! ہم دونوں کو مسلم رکھ اور ہم دونوں کی اولاد میں سے ایک گروہ مسلمان رہے اور ہمیں ہماری عبادت کے طریقے بتا اور ہم پر اپنی رحمت کے ساتھ رجوع فرما بے شک تو توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ یا اللہ! ان میں انہی (مسلم گروہ) میں سے ایک شان والا رسول بھیج جو ان پر تیری آیتیں تلاوت کرے اور انہیں کتاب کی تعلیم دے اور پختہ علم سکھائے اور انہیں پاک بھی کرے بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔[1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرائض میں سے ایک فریضہ یہ بھی ہے کہ جو آپ کے دامن سے وابستہ ہو جائے اسے پاک کریں۔ اگر شیعہ کی بات مان لی جائے کہ اِرْتَدَّ النَّاسُ بَعْدَ النَّبِیِّ اِلَّا ثَلَاث نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سارے صحابہ مرتد ہو گئے تھے سوائے تین کے: سلمان، مقداد اور ابوذر۔[2] اگر یہ مان لیا جائے تو اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان بڑھتی ہے یا گھٹتی ہے؟ ہمارے فیصل آباد میں بیشمار سکول ہیں جب بھی رزلٹ آتا ہے تو سکولوں والے بینرز اور فلیکس چھپواتے ہیں کہ ہمارے سکول کا رزلٹ سو فیصد رہا۔ کوئی کہتا ہے ہمارے سکول کا رزلٹ اٹھانوے فیصد رہا، پچانوے فیصد رہا، نوے فیصد رہا یعنی جتنے طلباء کامیاب ہوں گے اتنی ہی سکول، پرنسپل اور استاد کی عزت بڑھے گی۔ اگر

---

[1] سورۃ بقرہ:۱۲۸، ۱۲۹

[2] رجال الکشی، رقم الترجمہ:۱، سلمان الفارسی ابوالحسن وابواسحاق، صفحہ:۱۴، ۱۵، مطبوعہ موسستہ الاعلمی للمطبوعات بیروت/ مناقب آل ابی طالب لابن شہر آشوب، جلد:۳، صفحہ:۲۲۵، مطبوعہ ذوی القربی قم ایران/ الانوار النعمانیہ للجزائری، جلد اول، صفحہ:۸۱، مطبوعہ مؤسستہ الاعلمی للمطبوعات بیروت/ حیات القلوب للباقر مجلسی مترجم، جلد:۲، صفحہ:۹۲۳، مطبوعہ امامیہ کتب خانہ اندرون موچی دروازہ لاہور

سکول میں سوطلباء میں سے ایک پاس ہو، ننانوے فیل ہوں تو اس میں سکول، پرنسپل اور استاد کی بے عزتی ہے کہ نہیں؟ ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب لوگوں نے کلمہ پڑھا اور نبی کریم ﷺ کی ڈیوٹی بھی تھی کہ انہیں پاک کریں تو آپ نے کیا پاک کیا؟ لاکھ میں سے صرف تین آدمیوں کو پاک کیا؟ باقی سارے ہی فیل ہو گئے؟ خدا کے لیے میرے مصطفیٰ کریم ﷺ کی توہین نہ کرو۔ یہاں تو جو بھی آیا نبی کریم ﷺ نے اسے رنگ دیا۔ یہ کہنا کہ ابوبکر، عمر، عثمان مرتد تھے ان پر یہ اعتراض بعد میں جائے گا پہلے یہ اعتراض مصطفیٰ کریم ﷺ پر ہوگا حالانکہ میرے مصطفیٰ ﷺ جیسا کوئی استاد دنیا میں نہیں آیا۔ یہ آیت بتا رہی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل نبی پاک ﷺ کی نگاہ کرم نے صاف اور ستھرے کر دیئے تھے۔

۲: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا

پھر اگر یہ یہودی بھی ایمان لائیں جس طرح کا اے صحابہ! تم ایمان لائے تو پھر یہ ہدایت پا جائیں گے۔[۱]

پتہ چلا صحابہ رضی اللہ عنہم کو اللہ نے معیارِ ایمان بنایا ہے۔ اللہ یہ چاہتا ہے کہ لوگ اُس طرح کا کلمہ پڑھیں، ایمان لائیں اور میرے مصطفیٰ ﷺ کو مانیں جس طرح ابوبکر، عمر، عثمان اور علی نے کلمہ پڑھا، ایمان لائے اور مصطفیٰ ﷺ کو مانا۔ خبردار! کبھی صحابہ کرام کے

---

[۱] سورۃ بقرہ: ۱۳۷

بارے میں ذرا بھی دل میں میل نہ آئے۔ جتنی کہانیاں فیس بک پر گردش کر رہی ہیں سب جھوٹ ہیں۔ جھوٹی کہانیوں کو بنیاد بنا کر نہ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تبرا کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا پر تبرا کیا جا سکتا ہے۔

۳: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

تم سب سے بہتر امت ہو جو لوگوں میں ظاہر ہوئی، تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور بری چیزوں سے روکتے ہو اور اللہ پر تمہارا ایمان ہے۔[1]

یعنی جتنی بھی امتیں آئیں ان سب میں اے میرے محبوب کے صحابہ! تم بہترین امت ہو۔ حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت شعیب، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی امتیں آئیں ان میں اچھے لوگ بھی تھے لیکن اے میرے محبوب کے غلامو! تم سب میں سے افضل اور اعلیٰ امت ہو۔ اللہ کہے سب سے افضل امت لیکن شیعہ حضرات کہیں اِرْتَدَّ النَّاسُ بَعْدَ النَّبِيِّ اِلَّا ثَلَاث سوائے تین کے سارے مرتد تھے۔ کیا مرتد بہترین لوگ ہوتے ہیں؟ بہترین وہ ہیں جن کو اللہ بہترین فرمائے اور کوئی مائی کا لعل ان میں نقص نہ نکال سکے۔ جھوٹ بولنا اور چیز ہے جبکہ حقائق کی دنیا میں بات کرنا اور چیز ہے۔ یہ آیت پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کا کوئی ثانی

---

[1] سورۃ آل عمران: ۱۱۰

نہ تھا۔ یہ ساری امتوں میں بہترین لوگ تھے۔ ان شاء اللہ! انہی کے صدقے ہمیں بھی اللہ درجہ بدرجہ ان لوگوں کی صف میں کھڑا کرے گا جن پر نبی اکرم ﷺ کی نگاہ کرم ہو گی لیکن نگاہ کرم لینے کے لیے ڈیوٹی ادا کرنی ہوگی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک وصف یہ ہے کہ لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے ہیں۔ نیکی یہ ہے کہ اللہ کی توحید کو بیان کیا جائے اور لوگوں کو بتایا جائے کہ ہر شے کا خالق، مالک اللہ ہے۔ ہر کسی کو عطا کرنے والا اللہ ہے لیکن اللہ ڈائریکٹ کسی کو عطا نہیں کرتا۔ اللہ نے ہمیں جو کچھ عطا کیا مصطفیٰ ﷺ کے صدقے عطا کیا۔ ایک وصف یہ کہ یہ بری چیزوں سے روکتے ہیں اور اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ انہی اوصاف کی بنا پر یہ ساری امتوں سے بہتر امت قرار پائے۔

۴: اللہ ارشاد فرماتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۫ يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَاۤئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾

اے ایمان والو! تم میں سے جو بندہ اپنے دین سے پھرے گا تو عنقریب اللہ ان پر ایسے لوگ مسلط کرے گا جن سے اللہ پیار کرتا ہے اور وہ بھی اللہ سے پیار کرتے ہیں مومنوں پر بڑے ہی نرم دل ہیں کافروں پر بڑے سخت ہیں اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے کسی طعنہ دینے والے کے طعنے کی پرواہ نہیں کریں گے یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے

عطا کرتا ہے اللہ وسعت والا، بڑے علم والا ہے۔ ۱؎

اس آیت میں مَنۡ یَّرۡتَدَّ مِنۡکُمۡ عَنۡ دِیۡنِهٖ فرما کر کچھ لوگوں کے مرتد ہونے کی طرف اشارہ فرمایا۔ مرتد ہونے والوں کا انجام یہ ہے کہ اللہ ان پر ایسی قوم مسلط کرے گا جس سے اللہ پیار کرتا ہے اور وہ اللہ سے پیار کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال مقدس کے بعد کئی لوگوں نے کلمہ پڑھنا چھوڑ دیا۔ وہ یہ سمجھے کہ چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وصال فرما گئے لہذا ان کا دین بھی ختم ہو گیا ہے۔ کچھ لوگوں نے کہا نماز تو پڑھ لیں گے لیکن زکوۃ نہیں دیں گے ان کو بھی مرتدوں کی فہرست میں شمار کیا گیا۔

یہاں یہ مسئلہ بھی ذہن نشین کر لیں کہ جو بندہ ضروریات دین میں سے کسی ایک بھی چیز کا انکار کرے وہ مرتد ہے تو چونکہ انہوں نے زکوۃ کا انکار کیا تھا اس لیے وہ مرتد بن گئے۔ ان دین سے پھرنے والوں کا مقابلہ جناب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کیا۔ آپ کو لوگوں نے روکا لیکن آپ نہیں رکے۔ قرآن شریف مرتدوں پر مسلط ہونے والوں کے بارے میں فرما رہا ہے کہ اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ پتہ چلا جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تو وہ ہیں جن سے اللہ محبت کرتا ہے۔ اللہ تو ان سے محبت کرے اور تم ان کی شان میں بک بک کرو؟ کچھ ہوش ہے؟ کیوں یہودیوں کی سازش کو کامیاب کر رہے ہو؟ ان کی سازش تھی کہ مسلمان آپس میں لڑیں اور گروہوں میں تقسیم ہوں۔ خدا کے لیے یہودیوں کی سازش کو پروان نہ چڑھاؤ بلکہ جو قرآن کہتا ہے اس کے مطابق صحابہ کرام کی عظمت اور شان تسلیم کرو۔

۱؎ سورۃ مائدہ: ۵۴

۵: اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾

اور جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور ہجرت فرمائی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے ان مہاجرین کو رہنے کے لیے مکانات دیئے اور ان مکہ سے آنے والے مہاجرین کی مدد کی یہ پکے سچے مومن ہیں ان کے لیے بخشش اور عزت والی روٹی ہے۔[1]

اس آیت میں مہاجرین اور انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کو مغفرت اور عزت کی روٹی کی نوید اور پکا سچا مومن ہونے کا سرٹیفکیٹ عطا کیا گیا۔ مہاجرین صحابہ میں نمایاں نام ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، سعد، سعید، زبیر اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم ہیں۔ کبھی صحابہ کے بارے میں یہ نہ کہنا کہ انہوں نے کسی پر ظلم کیا یا کسی کا حق مارا۔ عام آدمی کا حق مارنے والا اُتنی جگہ جہنم میں الاٹ کرواتا ہے تو جو سیدہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کا حق مارے کیا وہ جنتی ہوسکتا ہے؟ تاریخ کی کتابیں پڑھ کر اپنے آپ کو مفکر ظاہر کرنے والوں کو زیادہ پتہ ہے کہ صحابہ جنت میں جائیں گے یا نہیں؟ یا اللہ کو زیادہ علم ہے جو کہ سینوں میں چھپی بات بھی جانتا ہے؟ اللہ فرما رہا ہے کہ ان کی لیے بخشش اور عزت کی روٹی ہے۔

میرا جلسوں میں آتے جاتے رہنے کی وجہ سے تجربہ ہے کہ لوگ بڑی محبت اور عزت سے کھانا پیش کرتے ہیں جس کی وجہ سے دل بہت خوش ہوتا ہے۔ سعید اسعد کو اس

---

[1] سورۃ انفال: ۷۴

دنیا کا کوئی انسان عزت سے روٹی کھلائے تو سعید اسعد بہت خوش ہوتا ہے تو اُس ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عظمت کون بیان کرے جن کو عزت کی روٹی میرا مالک کھلائے گا۔سورۃ انفال کی مذکورہ بالا آیت سے معلوم ہوا کہ مہاجرین اور انصار دونوں ہی پکے سچے مومن ہیں۔ان کے لیے بخشش اور عزت والی روٹی ہے لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان میں سے زیادہ درجہ کس کا ہے؟

٦: اللہ ارشاد فرماتا ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿٢٠﴾ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴿٢١﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٢﴾

جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا اللہ کی بارگاہ میں یہ زیادہ بڑے مرتبے والے ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہیں ان کا رب انہیں اپنی رحمت اور اپنی رضا اور ان جنتوں کی خوشخبری سناتا ہے جن کی نعمتیں ہمیشہ قائم رہیں گی ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے بیشک اجر عظیم اللہ ہی کے پاس ہے۔[1]

مہاجرین اور انصار دونوں گروہ جنتی اور کامیاب ہیں لیکن اس آیت سے پتہ چلا کہ مہاجرین کا درجہ انصار سے زیادہ ہے کیونکہ اللہ کی راہ میں جتنی تکالیف اور مصائب

---

[1] سورۃ توبہ:٢٠،٢١،٢٢

مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم نے برداشت کیے کسی اور نے نہیں کیے۔ یہ آیتیں بھی پکار پکار کر بتا رہی ہیں کہ ابوبکر، عمر، عثمان، علی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کامیاب لوگ ہیں۔ ان کا رب انہیں اپنی رحمت، رضا اور جنتوں کی خوشخبری سنا رہا ہے۔

۷: اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۱۰۰

اور پہلے پہلے جنہوں نے ایمان قبول کیا خواہ مہاجر ہیں خواہ انصار اور جن لوگوں نے ان مہاجرین و انصار کی بھلائی کے ساتھ اتباع کی اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے اور اللہ نے ان کے لیے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں یہ ان میں ہمیشہ رہیں گے یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔[۱]

یہاں دو شانیں بیان کی گئیں کہ اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔ یہ بہت اونچا مقام ہے کہ بندہ اپنے مالک سے راضی ہو جائے۔ بندے کے راضی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس حال میں مالک رکھے اس حال میں راضی رہے اور عرض کرے یا اللہ! جس حال میں تو نے رکھا میں تیری تقسیم پر دل سے راضی ہوں۔ شکوہ شکایت نہ کرے، گلہ نہ کرے لیکن اپنی محنت ضرور کرے۔ صحابہ کرام کو یہ مقام حاصل تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[۱] سورۃ توبہ: ۱۰۰

کی نگاہ نے ان کو اتنا پاک کر دیا تھا کہ اب وہ مالک کی رضا میں راضی تھے۔

میرے بچو! میری بات یاد رکھنا قرآن سے بڑی کتاب اور دلیل کوئی نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کھلم کھلا فرما رہا ہے کہ پہلے پہلے ایمان قبول کرنے والے اور جنہوں نے ان کے پیچھے لگ کر ایمان قبول کیا ان سب سے اللہ راضی ہے۔ اللہ انہیں جنتیں عطا کرے گا تو کسی ایری غیری چھوٹی موٹی کتابڑی کو دیکھ کر صحابہ کے ایمان کے بارے میں شک نہ کرنا۔ کتابیں اور راوی غلط ہو سکتے ہیں لیکن میرا پروردگار غلط نہیں ہو سکتا۔ مصیبت یہ ہے کہ ہم قرآن نہیں پڑھتے اور نہ ہی قرآن کو ترجیح دیتے ہیں حالانکہ جب ہم بچوں کو اصول فقہ پڑھاتے ہیں تو پہلا سبق ہی یہ ہوتا ہے کہ قرآن کے مقابلے پر اگر خبر واحد آ جائے تو کوشش کریں گے کہ دونوں میں اس طرح تطبیق ہو کہ قرآن کے معنی میں ذرہ بھی گڑبڑ نہ ہو۔ اگر تطبیق ہو گئی تو ٹھیک ورنہ خبر واحد کو چھوڑ دیں گے اور قرآن پاک کے خاص پر عمل کریں گے۔

۸: جب نبی کریم ﷺ غزوہ تبوک کے لیے تشریف لے گئے تو تین صحابی صرف سستی کی وجہ سے ساتھ نہ گئے۔ پہلے ان سے بائیکاٹ ہوا پھر اللہ کریم ان سے راضی ہو گیا۔ ان کی معافی کی صورت یوں بیان ہوئی:

اللہ ارشاد فرماتا ہے:

خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمۡ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۱۰۳﴾

محبوب پیارے! ان کے مالوں میں سے چندہ لیجیے جس کی وجہ سے انہیں پاک اور

ستھرا کر دیں اور ان کے لیے دعائے رحمت کیجیے بیشک آپ کی دعا ان کے دل میں ٹھنڈ ڈال دیتی ہے اور اللہ سنتا جانتا ہے۔ [1]

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو چندہ لینے کا حکم دیا۔ نبی کریم ﷺ صرف لینا ہی نہیں جانتے بلکہ دینا بھی جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا محبوب! چندہ لے کر انہیں پاک اور ستھرا کر دے۔ قرآن سے پتہ چلا کہ جس جس سے نبی نے چندہ لیا ہے پھر اسے پاک اور ستھرا بھی کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جناب صدیق اکبر، جناب عمر فاروق اور جناب عثمان غنی رضی اللہ عنہم سے کبھی چندہ لیا ہے کہ نہیں لیا؟ یہ کہنا کہ سرکار ﷺ نے چندے تو لیے لیکن اپنی ڈیوٹی ادا نہیں کی اور انہیں پاک نہیں کیا یہ تو نبی کریم ﷺ پر طعنہ ہے حالانکہ قرآن کہہ رہا ہے نبی کریم ﷺ نے چندے لیے اور چندے لے کر ان کو اندر سے بھی پاک وصاف کر دیا۔

۹: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝۷ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۸

اور لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایمان محبوب کر دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں مزین کر دیا ہے اور کفر اور حکم عدولی اور نافرمانی تمہیں ناگوار کر دیئے یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں یہ اللہ کا

---

[1] سورۃ توبہ: ۱۰۳

فضل اور احسان ہے اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔[1]

یعنی اے محبوب کے صحابہ! اللہ نے تمہارے دلوں کے اندر ایمان کی محبت ڈال دی ہے۔ ایمان کی محبت سے مراد اللہ کی محبت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور جس کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہو جائے اس کی محبت ہے۔ میرا مالک صحابہ کے دلوں کی گواہی دے رہا ہے کہ ان کے دلوں میں محبوب ترین چیز ایمان ہے۔ اللہ نے ایمان محبوب کے صحابہ کے دلوں میں مزین کر دیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کفر، حکم عدولی اور نافرمانی کو ناپسند کرتے تھے۔ جس آدمی کا قرآن شریف پر ایمان ہے وہ ان آیتوں کو سننے کے بعد کہے گا کہ واقعی میرے اللہ نے ابوبکر صدیق کے دل میں ایمان کی محبت ڈال دی تھی اور ایمان ان کے دل میں نقش کر دیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں کفر، فسق اور عصیاں کو ناپسند کر دیا تھا۔

۱۰: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾

---

[1] سورۃ حجرات: ۷، ۸

جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ان کو تم نہیں پاؤ گے کہ یہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اسکے رسول کی مخالفت کی اگرچہ وہ لوگ ان کے باپ دادا یا سگے بیٹے یا بھائی یا برادری والے ہی کیوں نہ ہوں اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان لکھ دیا ہے اور اللہ نے اپنی طرف سے روح کے ساتھ ان کی مدد کی اور اللہ ان کو ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اللہ ان سے راضی اور یہ اللہ سے راضی ہیں یہ اللہ کا گروہ ہے سن لو! بیشک اللہ ہی کا گروہ کامیاب ہے۔[1]

بدر کی لڑائی میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے لڑ رہے تھے جبکہ آپ کا سگا بیٹا کافروں کی طرف سے لڑ رہا تھا۔ بعد میں بیٹا مسلمان ہو گیا۔ ایک دن باپ بیٹا بیٹھے ہوئے تھے کہ بیٹا کہنے لگا ابا جان! بدر کی لڑائی میں ایک وقت ایسا آیا کہ آپ میری تلوار کی زد میں تھے۔ میں چاہتا تو آپ کی گردن اڑا دیتا لیکن میں نے باپ کا خیال کرتے ہوئے وار کو روک لیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا بیٹے! تم نے تو وار روک لیا تھا لیکن مجھے قسم ہے پروردگار کی! اگر تو میرے وار کے نیچے آتا میں بیٹا سمجھ کر کبھی تجھے معاف نہ کرتا بلکہ اللہ رسول کا دشمن سمجھ کر تجھے قتل کر دیتا۔[2]

یہ ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل کی کیفیت کہ سگا بیٹا بھی اللہ رسول کے مقابلے میں کوئی

---

[1] سورۃ مجادلہ: ۲۲

[2] تاریخ مدینہ دمشق لابن عساکر، رقم الترجمہ عبداللہ ویقال عتیق بن عثمان، جلد: ۳۰، صفحہ: ۱۳۰ / نوادر الاصول حکیم ترمذی، الاصل الثالث والعشرون والمائۃ، فی شرائط الولایۃ، جلد: ۲، صفحہ: ۹۵ / الروض الانف للسھیلی، غزوۃ بدر الکبری، جلد: ۵، صفحہ: ۱۱۱ / تاریخ الخلفاء للسیوطی، ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ فصل فی صحبتہ ومشاہدہ، صفحہ: ۲۸

حیثیت نہیں رکھتا اور یہ اس لیے ہے کیونکہ اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان نقش کر دیا اور اپنی طرف کی روح (جبریل امین علیہ السلام) کے ذریعے ان کی مدد کی۔ اب اگر یہ کہانی مان لی جائے کہ تین کے سوا سارے صحابہ مرتد ہو گئے تھے تو کافر اعتراض کریں گے کہ تمہارا قرآن تو کہہ رہا ہے کہ اللہ نے ایمان ان کے دلوں میں نقش کر دیا ہے۔ کیا ایمان نقش کیا؟ ادھر نبی کی آنکھیں بند ہوئیں اور ادھر سارے ہی مرتد ہو گئے؟ میرے بھائی! دشمن کو مذاق اڑانے کا موقع مت دو۔ جو قرآن فرما رہا ہے اس پر ٹھیک ٹھیک ایمان لاؤ ورنہ تو لوگ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر بھی اعتراض کریں گے کہیں گے کہ کمال کے آدمی تھے شیر خدا ہو کر مرتدوں کے ہاتھ پر بیعت کر لی؟ کیوں مولا علی رضی اللہ عنہ کو بھی گالیاں دلواتے ہو؟ ہم کہتے ہیں اگر یہ جھوٹے ہوتے تو کبھی مولا مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان کے ہاتھ پر بیعت نہ کرتے۔ مولا حسین رضی اللہ عنہ جو کہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں انہوں نے سب کچھ کٹوا دیا لیکن یزید کے ہاتھ پر بیعت نہ کی۔ اگر یہ بھی جھوٹے اور غلط ہوتے تو علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ مر جاتے لیکن کبھی ان کے ہاتھ پر بیعت نہ کرتے۔ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا بیعت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی سچے، عمر رضی اللہ عنہ بھی سچے اور عثمان رضی اللہ عنہ بھی سچے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت کو اپنی جماعت فرما رہا ہے اور اعلان کر رہا ہے کہ میری جماعت ہی کامیاب جماعت ہے۔

۱۱: اللہ ارشاد فرماتا ہے:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ ﴿۱﴾ وَ رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ﴿۲﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ﴿۳﴾

جب اللہ کی مدد اور فتح آئے اور تو لوگوں کو دیکھے کہ وہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح پڑھ اور استغفار کر بیشک وہ توبہ قبول فرمانے والا ہے۔[1]

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ ہزاروں لوگ اللہ کے دین میں داخل ہوئے تھے۔

اعتراض

یہ تو ٹھیک ہے کہ ہزاروں لوگ اللہ کے دین میں داخل ہوئے تھے اور ایمان بھی قبول کیا تھا لیکن اس وقت انہوں نے اسلام کی شان وشوکت اور حکومت دیکھتے ہوئے منافقانہ طور پر کلمہ پڑھا تھا۔ سچے دل سے کلمہ نہیں پڑھا تھا (شیعہ)

جواب: آیات پر غور کریں اللہ فرما رہا ہے پیارے حبیب! لوگ جو فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہوئے ہیں اس پر اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کر اور اللہ کا شکر ادا کر۔ سوال یہ ہے کہ کیا اللہ منافق ملنے پر اپنی حمد اور شکر کا حکم دے رہا ہے؟ حالانکہ منافق تو دین کو نقصان دیتے ہیں اس پر شکر یہ کس بات کا؟ شکر نعمت پر ہوتا ہے اور نعمت تب بنتی ہے جب آنے والے سارے سچے دل کے ساتھ ایمان لائے ہوں۔ یہ کہنا کہ صحابہ کرام بس اوپر اوپر سے ایمان لائے تھے اور پیسہ دیکھ کر ایمان لائے تھے بالکل غلط ہے۔

۱۲: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَ نِصْفَهٗ وَ ثُلُثَهٗ وَطَآىِٕفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ

---

[1] سورۃ النصر

بیشک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ کے لوگوں کی ایک جماعت رات کے دو تہائی حصوں کے قریب اور کبھی کبھی آدھی رات اور کبھی کبھی رات کا ایک تہائی حصہ قیام کرتے ہیں۔[1]

سورۃ مزمل مکی سورۃ ہے۔ یہ وہ دور تھا کہ کفار کسی کو نماز پڑھتا دیکھتے تو اس کو خوب مارتے، پیٹتے لیکن اس کے باوجود صحابہ کی ایک جماعت نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز میں مصروف رہتی۔ پتہ چلا یہ کہنا بالکل بکواس اور غلط ہے کہ تین کے سوا سارے صحابہ مرتد ہو گئے تھے کیونکہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ وفا شعاروں اور وفاداروں کی جماعت تھی۔

۱۳: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾

بیشک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو خرید لیا ہے اس بدلے پر کہ ان کے لیے جنت ہے یہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں قتل کرتے ہیں اور قتل ہوتے ہیں یہ سچا وعدہ اللہ کے ذمہ کرم پر ہے تورات میں انجیل میں اور قرآن میں اللہ سے بڑھ کر وعدہ پورا کون کرسکتا ہے تو جشن مناؤ اپنے سودے پر جو تم نے اللہ سے کیا ہے یہی بڑی کامیابی ہے۔[2]

---

[1] سورۃ مزمل:۲۰ [2] سورۃ توبہ:۱۱۱

اللہ تعالیٰ یہاں پر ایک سودے کی بات بیان کر رہا ہے۔ سودے میں کوئی خریدنے والا ہوتا ہے اور کوئی بیچنے والا۔ یہاں اللہ اور صحابہ کے درمیان سودا ہو رہا ہے۔ خریدنے والا اللہ ہے جبکہ بیچنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ اللہ فرما رہا ہے: میرے محبوب کے صحابہ! تم میرے حکم پر جان اور مال دو میں اس کے بدلے میں جنت عطا کروں گا۔ کہا جاتا ہے کہ سودا پکے کاغذوں پر لکھو تو اللہ نے اس سودے کو پکے کاغذوں تورات، انجیل اور قرآن میں لکھ دیا ہے۔ اللہ تو صحابہ سے جان و مال کے بدلے جنت کا معاہدہ کرے تو کیسے عجیب ہیں وہ لوگ جو اللہ اور قرآن پر ایمان کا دعوی کرتے ہیں لیکن اس سودے سے ہی بے خبر ہیں۔ پھر یہ کہ جب لوگ سودا کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہمارا فلاں کے ساتھ سودا ہوا تھا پیسے مل جائیں گے کیونکہ پارٹی بڑی ساؤنڈ ہے۔ یہ آج کی ساؤنڈ پارٹیاں تو ایک طرف اللہ فرماتا ہے ایمان والو! اللہ سے کیے ہوئے سودے پر جشن مناؤ اور خوش ہو جاؤ کہ تم نے اللہ کی راہ میں مال اور جان دی اس کے بدلے میں اللہ تمہیں جنت عطا کرے گا۔ جنت تمہاری پکی ہے اس لیے کہ اللہ سے بڑھ کر وعدے کو پورا کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ سودے پر جشن منانے کا حکم ہے تو جن کے ذریعے سودا طے ہوا ان کی آمد پر جشن منانے کا کیا حکم ہونا چاہیے؟ جب خوشی کی بات ہو تو جشن منائے جاتے ہیں۔ ہم سنیوں کو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے پر خوشی ہے اس لیے ہم جشن مناتے ہیں۔

اس موضوع پر اگلی آیت سننے سے پہلے ایک حدیث سماعت کیجیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ تم میں سے

کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ اس کی خواہشات میری شریعت کے تابع نہ ہو جائیں۔[1]

۱۴: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۰﴾

تم میں سے جس نے فتح سے پہلے خرچہ کیا اور اللہ کی راہ میں لڑائی کی اس کے برابر کوئی نہیں ہوسکتا یہ لوگ درجے میں زیادہ بڑے ہیں ان لوگوں سے جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور بعد میں قتال کیا دونوں گروہوں سے اللہ نے جنت کا وعدہ کرلیا ہے اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔[2]

یعنی جو صحابہ فتح مکہ سے قبل ایمان لائے اور جہاد کیا ان کا مرتبہ ان صحابہ سے بڑا ہے جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے اور جنہوں نے فتح مکہ کے بعد جہاد کیا لیکن جنہوں نے فتح مکہ کے بعد کلمہ پڑھا اور جہاد کیا وہ بھی شان والے ہیں، برا ان کو بھی نہیں کہنا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے جو وہ کریں گے اور اللہ اپنے علم ازلی کی بنا پر جانتا ہے کہ وہ کفر نہیں کریں گے اس

---

[1] مشکوۃ شریف، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، الفصل الثانی، جلد:۱، صفحہ:۵۹، رقم الحدیث:۱۶۷ / صاحب مشکوۃ فرماتے ہیں کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اربعین میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا جبکہ ناصر الدین البانی اور حافظ زبیر علی زئی کے نزدیک اس کی سند ضعیف ہے/ السنۃ لابن ابی عاصم، صفحہ:۱۲، رقم الحدیث:۱۵ / شرح السنہ للبغوی، کتاب الایمان، باب ردالبدع والاھواء، جلد:۱، صفحہ:۲۱۳

[2] سورۃ الحدید:۱۰

لیے اللہ تعالیٰ نے دونوں گروہوں سے جنت کا وعدہ کرلیا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کچھ علماء فرماتے ہیں کہ فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے اور کچھ علماء فرماتے ہیں فتح مکہ کے بعد ایمان لائے۔ فتح مکہ کے بعد ایمان لانے والی بات کنفرم ہے اور انہوں نے جہاد فتح مکہ کے بعد کیا تھا۔ معلوم ہوا کہ آپ فتح مکہ کے بعد کے صحابی ہیں جبکہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فتح مکہ سے پہلے کے صحابی ہیں درجہ مولا علی رضی اللہ عنہ کا زیادہ ہے لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی شان والے ہیں، برا ان کو بھی نہیں کہنا کیونکہ قرآن کا اٹل فیصلہ ہے کہ اللہ نے دونوں گروہوں سے جنت کا وعدہ فرمالیا ہے۔

۱۵: شیعہ حضرات کا یہ کہنا کہ کامل ایمان والے صرف تین تھے قرآن کی رو سے غلط ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۞۶۵ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۞۶۶

اے غیب کی خبریں دینے والے محبوب! مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دو اگر تم میں بیس بندے بھی صبر کرنے والے ہوئے وہ دوسو پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں سو

ہوئے تو وہ ہزار کافروں پر غالب آ جائیں گے اس لیے کہ کافروں میں عقل نہیں ہوتی اب اللہ نے تم سے بوجھ ہلکا کر دیا اللہ کو تمہارے اندر کے ضعف کا علم ہے اگر تم میں سو صبر کرنے والے ہوئے تو دو سو پر جیت جائیں گے اور اگر تم میں ہزار ہوئے تو وہ اللہ کی دی ہوئی طاقت سے دو ہزار پر غالب آ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ [1]

پتہ چلا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ ہزار تو اللہ ان آیتوں میں فرما رہا ہے بعد میں پتہ نہیں کتنے لوگ شامل ہوئے۔

۱۶: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ ۚۖۛ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۲۹﴾

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھی ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں بڑے مضبوط ہیں لیکن آپس میں بڑے مہربان ہیں تو انہیں اللہ کے فضل اور اس کی رضا کی تلاش میں رکوع اور سجدہ کی حالت میں دیکھے گا ان کی نشانی سجدوں کے اثر کی وجہ سے ان

---

[1] سورۃ انفال: ۶۵، ۶۶

کے چہروں میں ہے ان کی یہ شان تو راۃ میں درج ہے اور انجیل میں ان کی مثال درج ہے جیسے ایک کھیتی جو کہ اپنی سوئی، پٹھہ باہر نکالتی ہے پھر اس کو طاقت ملتی ہے پھر وہ موٹی ہو جاتی ہے پھر وہ فصل اپنی پنڈلیوں پر کھڑی ہو جاتی ہے کسانوں کو بڑی اچھی لگتی ہے تا کہ اس سے کافروں کے دل جلیں اور اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں اور اچھے کام کرنے والوں سے بخشش اور بہت بڑے اجر کا وعدہ کر لیا ہے۔[1]

جو لوگ کہانیاں سناتے ہیں کہ صحابہ کرام کی اہل بیت کے ساتھ بڑی لڑائی اور بڑی دشمنی تھی ان سے گزارش ہے کہ اس آیت کو توجہ سے پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ تو دلوں کے حالات بھی جانتا ہے۔ اللہ اعلان کر رہا ہے کہ میرے محبوب کے ساتھی آپس میں بڑے مہربان ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھی کئی تھے تقریباً ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ تھے[2] لیکن سب سے زیادہ مشہور حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہم ہیں۔ یہ آپس میں بڑے مہربان تھے۔ ان کے اندر کسی قسم کی رنجش نہیں تھی۔

ہیں کرنیں ایک ہی مشعل کی   بوبکر و عمر عثمان علی

ہم مسلک ہیں یاران نبی   کچھ فرق نہیں ان چاروں میں

اللہ تعالیٰ صحابہ کی قلبی کیفیت کو بیان کر رہا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ کی رضا اور اللہ کا فضل حاصل کرنے کے لیے سجدے اور رکوع کرتے ہیں۔ ہم بھی سجدے اور رکوع کرتے

---

[1] سورۃ الفتح: ۲۹   [2] الاصابہ فی تمیز الصحابہ، مقدمہ، جلد اول، صفحہ: ۱۵۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ

ہیں لیکن ہمیں کسی کی قلبی کیفیت کا پتہ نہیں چلتا کیونکہ ہم صرف ظاہر کو دیکھتے ہیں لیکن اللہ تو اندر کی چیزوں کو بھی دیکھتا ہے۔اللہ محبوب کے صحابہ کے بارے میں گواہی دے رہا ہے کہ یہ اللہ کا فضل اور اللہ کی رضا چاہتے ہیں۔ یہ دل سے پکے سچے مومن تھے۔فرمانبردار تھے۔اللہ کو راضی کرنے کے لیے جتن کرتے تھے۔

اللہ فرماتا ہے ان کی نشانی سجدوں کے اثر کی وجہ سے ان کے چہروں میں ہے۔ جو بندہ اللہ کی بارگاہ میں سجدے کرتا رہے رنگ کا بلالی ہی کیوں نہ ہو اس کے چہرے پر ایک رونق ہوتی ہے۔

مردِ حقانی کی پیشانی کا نور　　　　کب چھپا رہتا ہے پیشِ ذی شعور

جو عقل والا ہوتا ہے وہ سمجھ جاتا ہے کہ یہ بندہ کس کیٹیگری کا ہے۔ ہمارے حضرت صاحب قبلہ اباجی رحمۃ اللہ علیہ دربار شریف جہلم میں حاضر تھے۔ دلّی والے حضرت بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔انہوں نے ہمارے حضرت صاحب کو دیکھا تو فرمانے لگے: ماشاءاللہ! پیشانی مبارکہ سے نسبت شریفہ کے آثار چمکتے نظر آرہے ہیں۔ بڑے حضرت صاحب نے عرض کی: جی حضور! انہوں نے محنت بہت کی ہے۔

اللہ فرماتا ہے صحابہ کی یہ شان توراۃ اور انجیل میں بیان ہوئی ہے۔اس کو یوں بھی پڑھ سکتے ہیں کہ اللہ نے ان کی شان توراۃ میں بیان کی اور انجیل میں ان کی مثال اس کھیتی سے دی جو کہ ابتداء میں باریک سی سوئی ہوتی ہے پھر اس کو طاقت ملتی ہے اور موٹی ہو جاتی ہے پھر وہ اپنی پنڈلی پر کھڑی ہو جاتی ہے اور لہلہانا شروع کر دیتی ہے۔فصل کا مالک اپنی

فصل کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے جبکہ کچھ لوگ جلتے ہیں۔ یہ محبوب کے صحابہ کی مثال ہے۔ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایمان کا بیج بویا۔ پہلے باریک سی سوئی نکلی۔ ابوبکر و علی نے کلمہ پڑھا پھر اور لوگ ساتھ مل گئے پھر فصل اپنی پنڈلی پر کھڑی ہوگئی۔ تقریباً ایک لاکھ سے زائد لوگوں نے کلمہ پڑھا اور دین میں شامل ہوگئے۔ فصل خوب لہلہانے لگی۔ اللہ اور رسول فصل دیکھ کر خوش ہیں جبکہ صحابہ کی اس لہلہاتی فصل کو دیکھ کر کافر غصے سے جل رہے ہیں۔ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لائے۔ آپ نے محنت کی اور صرف تئیس سال کے عرصے میں اتنی شاندار فصل تیار ہوگئی۔ اللہ فرماتا ہے کہ اللہ نے ایمان والوں اور اچھے عمل کرنے والوں سے بخشش اور بہت بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے۔ اس آیت میں مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً میں ''مِنْ'' بیان کا ہے۔

۱۷: مال غنیمت وہ مال ہوتا ہے جو لڑائی کے بعد کافروں کا مال ہاتھ آئے جبکہ مال فئے وہ مال ہوتا ہے جس میں لڑائی کی نوبت ہی نہیں آئی، رعب و دبدبہ ہی کام کر گیا اور کافر اپنا مال چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اللہ تعالیٰ مال فئے کے مصارف بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ﴿۸﴾ وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ

هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۹﴾ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰﴾

ان غریب مہاجرین کو دو جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے ہیں اللہ کا فضل اور اسکی رضا تلاش کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں یہی سچے ہیں اور یہ مال فئے ان کو بھی دو جنہوں نے مہاجرین کے آنے سے پہلے ہی ایمان قبول کیا اور ان کے لیے جگہ تیار کی جو کہ مہاجرین سے محبت کرتے ہیں اور اپنے دلوں میں اس چیز کی ضرورت نہیں پاتے جو مہاجرین کو دی گئی اور اپنی جانوں پر انہیں ترجیح دیتے ہیں خواہ انہیں کتنی حاجت ہو اور جو بندہ اپنے دل کے لالچ سے بچا لیا گیا یہی کامیاب ہیں اور یہ مال فئے ان کو بھی ملے گا جو ان کے بعد آئے عرض کرتے ہیں یا اللہ! ہمیں بھی بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان کی دولت کے ساتھ تشریف لے گئے ہمارے رب! جس جس نے تیرے محبوب کا کلمہ پڑھا ہے ہمارے دل میں اس کے بارے میں ذرہ بھی کھوٹ نہ رکھ یا اللہ! تو بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔[1]

اس آیت میں جہاں مال فئے کے مصارف بیان ہوئے وہاں مہاجرین اور انصار صحابہ کی آپس کی محبت بھی ثابت ہوئی۔ انصار صحابہ کی ایک خوبی یہ بیان ہوئی کہ مہاجرین کو اگر کوئی چیز دی جاتی ہے تو یہ اپنے دل میں تنگی محسوس نہیں کرتے بلکہ خوش ہو جاتے ہیں اور

---

[1] سورۃ حشر: ۸، ۹، ۱۰

اپنی جانوں پر مہاجرین کو ترجیح دیتے ہیں ورنہ انسانی فطرت ہے کہ ایک کو چیز ملے اور دوسرے کو نہ ملے تو دل میں آتا ہے کہ اس کو چیز مل گئی مجھے نہیں ملی۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ مہاجرین ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کے بارے میں فرما رہا ہے کہ یہ سچے لوگ ہیں اور ایک جگہ ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ [1]

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی محبت دل میں رکھنا بہت بڑی سعادت اور مومن پر واجب ہے۔

نوٹ: آیت وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ بھی مقدم مؤخر میں سے ہے کیونکہ انصار نے ایمان پہلے قبول کیا تھا اور مہاجرین کو جگہ بعد میں دی تھی۔

امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اہل عراق کا ایک گروہ آیا۔ انہوں نے حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی شان میں نازیبا کلمات کہے۔ جب خاموش ہوئے تو امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کیا تم وہ مہاجرین اولین ہو جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے جو کہ اللہ کا فضل اور اسکی رضا تلاش کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں یہی سچے ہیں؟ تو وہ کہنے لگے ہم وہ نہیں ہیں۔ امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کیا تم وہ لوگ ہو جنہوں نے مہاجرین کے آنے سے پہلے ہی ایمان قبول کیا اور ان کے لیے جگہ تیار کی جو کہ مہاجرین سے محبت کرتے ہیں اور اپنے دلوں میں

---

[1] سورۃ توبہ: ۱۱۹

اس چیز کی ضرورت نہیں پاتے جو مہاجرین کو دی گئی اور اپنی جانوں پر انہیں ترجیح دیتے ہیں خواہ انہیں کتنی حاجت ہو وہ کہنے لگے ہم وہ بھی نہیں ہیں۔ امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم اپنے اقرار سے ان دونوں جماعتوں (مہاجرین و انصار) میں سے ہونے سے برأت کا اظہار کر چکے ہو اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تم ان مسلمانوں میں سے بھی نہیں جن کے بارے میں اللہ فرماتا ہے جو ان مہاجرین و انصار کے بعد آئے عرض کرتے ہیں یا اللہ! ہمیں بھی بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان کی دولت کے ساتھ تشریف لے گئے۔ ہمارے رب! جس جس نے تیرے محبوب کا کلمہ پڑھا ہے ہمارے دل میں اس کے بارے میں ذرہ بھی کھوٹ نہ رکھ۔ یہ فرما کر امام زین العابدین نے فرمایا: اُخْرُجُوْا عَنِّي فَعَلَ اللّٰهُ بِكُمْ میرے یہاں سے نکل جاؤ اللہ تمہیں ہلاک کرے۔[1]

ایک مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ نہیں کہنا چاہیے کہ اللہ کے سوا کوئی مدد نہیں کر سکتا کیونکہ اللہ خود ارشاد فرما رہا ہے کہ مہاجرین اللہ، رسول کی مدد کرتے ہیں حالانکہ مہاجرین غیر اللہ ہیں بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ کوئی بھی اللہ کی عطا کے بغیر مدد نہیں کر سکتا۔

---

[1] کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ اربلی، جلد:۲، صفحہ:۸۷، مطبوعہ مکتبہ بنی ہاشم تبریز/ حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء لابی نعیم، رقم الترجمہ، زین العابدین، جلد:۳، صفحہ:۱۳۷ مطبوعہ مصر/ النھی عن سب الاصحاب ضیاء مقدسی، ذکر قول اللہ عزوجل ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا، صفحہ:۵۵، رقم الحدیث:۱۳، مطبوعہ الدار الذھبیہ مصر/ صفۃ الصفوۃ لابن الجوزی، ذکر المصطفین من طبقات اھل المدینہ، من الطبقۃ الثانیۃ من اھل المدینہ، رقم الترجمہ:۱۶۵، علی بن الحسین، جلد اول، صفحہ:۳۵۶، مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ

قرآن شریف کی یہ آیتیں پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ سچا مسلمان وہ ہے جو مہاجرین اور انصار دونوں سے پیار کرتا ہے اور اپنے دل کے اندر کسی کے بارے میں کھوٹ نہیں رکھتا۔ درجے مرتبے دینا اللہ کا کام ہے۔ ہمیں اس کے محبوب نے جو کچھ بتایا ہم نے آگے سنا دیا۔ ہمیں تو اپنی فکر رہتی ہے۔ اس کی رحمت سے بڑی امید ہے لیکن اس کی بے نیازی سے ڈر لگتا ہے۔ اس کی رحمت سے امید رکھو اور اس کی بے نیازی سے ڈرو۔ ان شاء اللہ سیدھے جنت پہنچ جاؤ گے۔

منافق دورخی پالیسی اختیار کیے ہوئے تھے اللہ ان کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

آیت نمبر: ۱۴

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور جب یہ ایمان والوں سے ملیں تو کہہ دیتے ہیں ہم تو مومن ہیں اور جب یہ اپنے شیطانوں کے پاس اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں بیشک ہم مسلمانوں کے ساتھ ذرا مخول (مذاق) کر رہے ہیں۔

آیت نمبر: ۱۵

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾

اللہ ان کے ساتھ استہزاء فرمائے گا اور انہیں ڈھیل دے گا کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔

استہزاء کا معنی مذاق اڑانا ہے۔ اللہ مذاق اڑانے سے پاک ہے۔ قرآن کا ایک اسلوب ہے کہ کبھی چیز کے بدلے کو اسی لفظ کے ساتھ تعبیر کر دیا جاتا ہے جیسے اللہ فرماتا ہے:

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا

گناہ کا بدلہ ویسی ہی سزا ہے۔ [1]

یہاں سزا اور جوابی کاروائی کو سَيِّئَةٌ سے ذکر کیا گیا۔ اللہ منافقین کے مخول کا بدلہ یوں دے گا کہ انہیں ان کی سرکشی میں ڈھیل دے گا تاکہ وہ مزید در مزید گناہ کرتے رہیں اور قیامت کے دن ان کے گناہوں کا بوجھ زیادہ ہو اور سزا بھی زیادہ ملے۔ دنیا میں بڑے خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے مسلمانوں کو دھوکہ دے دیا اور ان کے ساتھ برا سلوک کیا لیکن جیسے ہی آنکھیں بند ہوں گی تو انہیں فوراً پتہ چل جائے گا کہ انہوں نے اپنا ہی نقصان اور بیڑا غرق کیا ہے۔

آیت نمبر: ۱۶

أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۠ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۶﴾

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی کو خریدا تو ان کو ان کی تجارت نے نفع نہیں دیا اور یہ ہدایت یافتہ نہیں تھے۔

---

[1] سورۃ الشوریٰ: ۴۰

منافقین کے پاس دو راستے تھے۔ ایک ہدایت کا راستہ اور دوسرا گمراہی کا راستہ اور ان کے پاس اختیار تھا کہ دونوں میں سے جس مرضی راستے کو اختیار کریں۔ انہوں نے گمراہی کے راستے کو اختیار کیا۔

اللہ تعالیٰ گمراہی کے راستے کے اختیار کرنے کو خریدنے سے تعبیر کر رہا ہے۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ جب بندہ کوئی چیز خریدتا یا بیچتا ہے تو سودے میں کبھی گھاٹا پڑتا ہے اور کبھی نفع ہوتا ہے۔ اللہ فرما رہا ہے کہ منافقین نے جو یہ سودا کیا، ہدایت کے بدلے میں گمراہی لی ان کو اس میں نفع نہیں ملا اور یہ ہدایت یافتہ نہ تھے۔ انہوں نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دے کر یہ ثابت کر دیا کہ وہ سودا کرنا جانتے ہی نہ تھے کیونکہ کامیاب سوداگر وہ ہوتا ہے جو کم قیمت کے بدلے اعلیٰ چیز خریدے۔

آیت نمبر: ۱۷

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَ تَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ﴿١٧﴾

ان کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ روشن کی جب اس کا اردگرد روشن ہو گیا اللہ ان کا نور لے گیا اور ان کو تاریکیوں میں چھوڑ دیا ان کو نظر ہی کچھ نہیں آتا۔

كَمَثَلِ الَّذِي میں کاف زائدہ ہے۔ زائدہ وہ حرف ہوتا ہے کہ اسے کلام سے حذف کر دیا جائے پھر بھی معنی میں فرق نہ پڑے۔ کچھ لوگ رات کو کسی جنگل، بیابان میں سفر کر رہے ہیں۔ خوب اندھیرا ہے۔ طرح طرح کے خطرات بھی ہیں اور راستہ بھی نظر نہیں

آ رہا۔ ان میں سے کسی نے آگ روشن کی تا کہ راستے کی نشاندہی ہو اور خطرات سے محفوظ رہا جائے۔ جب ارد گرد کا ماحول خوب روشن ہو گیا تو اللہ تعالیٰ ان کے اندر کے نور کو لے گیا اور انہیں پھر سے تاریکی میں چھوڑ دیا کہ ان کو نظر ہی کچھ نہیں آ رہا۔ راستہ دیکھنے کے لیے دو نوروں، ایک اندر کا نور اور دوسرا باہر کا نور ہونا ضروری ہے۔ رات کے وقت روشنی کا اہتمام ہو تو ہم چیزوں کو دیکھتے ہیں کیونکہ باہر بھی روشنی کا انتظام ہے اور ہماری آنکھوں کے اندر بھی دیکھنے کی طاقت ہے۔ اگر کسی کے اندر کا نور ختم ہو جائے تو باہر لاکھ بلب اور قمقمے چلا دیئے جائیں اسے کچھ بھی نظر نہیں آئے گا۔ اسی طرح اگر باہر اندھیرا ہو اور آنکھوں کے اندر نور ہو پھر بھی کچھ نظر نہیں آئے گا کیونکہ اندھیرا بہت زیادہ ہے۔ کبھی دھند کا موسم ہوتا ہے تو سفر کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے کیونکہ آنکھوں میں نور ہے لیکن باہر دھند کی وجہ سے تاریکی ہے۔ کچھ نظر ہی نہیں آ رہا۔ اللہ تعالیٰ منافقین کے پہلے گروہ کی مثال بیان کر رہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن پڑھا۔ قرآن کی روشنی پھیلی۔ کچھ عرصہ منافقین ساتھ چلتے رہے کیونکہ فتوحات اور مال غنیمت ملتا تھا۔ پھر یہ کفر میں پکے ہو گئے۔ اب یہ دیکھ نہیں رہے کیونکہ ان کے اندر کا نور ختم ہو چکا ہے۔

آیت نمبر: ۱۸

صُمٌّۢ بُكۡمٌ عُمۡیٌ فَهُمۡ لَا يَرۡجِعُوۡنَۙ ۝۱۸

یہ بہرے، گونگے، اندھے ہیں یہ واپس پلٹنے والے نہیں ہیں۔

منافقین کے کان تھے دوسری آوازیں سنتے تھے لیکن حق کی آواز سن کر قبول نہیں

کرتے تھے۔ پتہ چلا وہ کان کسی کام کا نہیں جو اللہ کی توحید اور نبی کریم ﷺ کی رسالت نہ سنے۔ ان کی زبانیں تھیں تڑاتڑ بولتے تھے لیکن اللہ کی شان اور نبی اکرم ﷺ کی عظمت بیان نہیں کرتے تھے۔ پتہ چلا جو زبان اللہ کی توحید اور مصطفیٰ کریم ﷺ کی عظمت، شان اور رفعت بیان نہ کرے وہ گونگی ہے۔ ان کی آنکھیں بھی تھیں لیکن چونکہ ان کو نبی اکرم ﷺ کی عظمت نظر نہیں آتی تھی اس لیے فرمایا یہ اندھے ہیں پھر ارشاد فرمایا یہ واپس حق کی طرف پلٹنے والے نہیں ہیں کیونکہ ان کے کرتوت ہی ایسے ہیں کہ ان کے دلوں پر مہر لگ گئی ہے۔ اس کو خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ کے ساتھ ملا کر پڑھو۔

آیت نمبر: ۱۹

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ؕ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾

یا جس طرح آسمان سے زور کی بارش ہو رہی ہو تو اس میں اندھیریاں، کڑک اور بجلی ہوتی ہے یہ منافق موت سے ڈرتے ہوئے کڑک کی وجہ سے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کافروں کو گھیرے میں لیے ہوئے ہے۔

منافقین کے دوسرے گروہ کی مثال بیان کی جا رہی ہے۔ تیز بارش سے مراد قرآن کا نزول ہے۔ اندھیریوں، کڑک اور بجلی سے مراد اسلام میں آنے والی تکلیفیں، مصیبتیں اور آزمائشیں ہیں۔ اسلام میں بھوک برداشت کرنی پڑتی ہے اور جہاد کرتے ہوئے مرنا

اور مارنا بھی پڑتا ہے۔ منافقین تکلیفوں اور آزمائشوں کو دیکھ کر کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں۔ اسلام پر عمل نہیں کرتے۔

آیت نمبر: ۲۰

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَاۤ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَاِذَاۤ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾

قریب ہے کہ بجلی ان کی بصارتوں کو اچک لے جب کبھی ان کے لیے روشنی ہوتی ہے تو اس روشنی میں چلنے لگتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں اور اگر اللہ چاہتا تو ان کے کان اور بصارت لے جاتا بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

کَادَ یَکَادُ کے متعلق ایک قاعدہ

یَکَادُ فعل مضارع کا صیغہ ہے۔ کاد یکاد سے فعل مضارع کا صیغہ قرآن میں جہاں بھی واقع ہوا ہے اس کا وقوع نہیں ہوا۔ یہاں بھی فعل کا وقوع نہیں ہوا۔ اللہ فرما رہا ہے قریب ہے کہ بجلی ان کی نگاہوں کو اچک لے لیکن ابھی اچکا نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ جب ان منافقین کے لیے روشنی ہوتی ہے تو اس روشنی میں چلنا شروع کر دیتے ہیں اور جب اندھیرا چھا جاتا ہے تو کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں یعنی جب مال غنیمت اور فتوحات نظر آتی ہیں تو مسلمانوں کے ساتھ چلتے ہیں اور جب تکلیفوں اور مصیبتوں کا وقت آتا ہے تو ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ہر چیز پر قادر ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ اپنا شریک بھی بنا سکتا ہے، اپنے آپ کو فنا بھی کر سکتا ہے، جھوٹ بھی بول سکتا ہے اور چوری اور زنا بھی کر سکتا ہے بلکہ اس کا معنی ہے: اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۩ ﴿۱۸﴾ اللہ جو چاہتا ہے کر لیتا ہے[۱]۔ عیب کی چیز شان الوہیت کے لائق نہیں۔ اللہ کی قدرت اس سے متعلق نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ عیب والی چیزوں سے وراء ہے۔

آیت نمبر: ۲۱

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾

اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلوں کو پیدا کیا تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔

ہر پکار شرک نہیں ہوتی

بعض لوگوں کو مصالحہ زیادہ لگ جاتا ہے تو وہ انٹ شنٹ جو دل میں آئے کہتے رہتے ہیں مثلاً ایک تقریر ہوتی ہے کہ پکارنا صرف اللہ کو چاہیے۔ پکار صرف اللہ کے لائق ہے۔ اللہ کے علاوہ کسی اور کو پکارنا شرک ہے حالانکہ یہ بات درست نہیں کیونکہ ہر پکار شرک نہیں ہوتی۔ صرف وہ پکار شرک ہے جس میں غیر خدا کو مستقل، واجب بالذات اور غیر محتاج مان کر پکارا جائے۔ اگر ہر پکار شرک ہے تو اللہ نے بھی تو اس آیت میں يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ کہہ کر انسانوں کو پکارا ہے۔

---

[۱] سورۃ الحج: ۱۸

اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے اسی کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا۔ پیدا کرنا تو بہت بڑا احسان ہے اب یہ جو تم اٹھتے، بیٹھتے، دیکھتے، کھاتے پیتے اور مزے کرتے ہو یہ سب کچھ اسی کی عطا ہے جس نے تمہیں پیدا کیا تو پھر جس کی عطا سے سب کچھ ملا عبادت بھی اسی کی کرو۔ اللہ نے صرف تمہیں ہی پیدا نہیں کیا بلکہ تم سے پہلوں تمہارے باپ، دادا، پردادا اوپر تک سب کو بھی پیدا کیا۔ باپ دادا پر احسان بھی تم پر احسان ہے اس لیے صرف اسی کی عبادت کرو۔

اس آیت میں لَعَلَّ کَیْ کے معنی میں ہے۔ اللہ نے تمہیں اس لیے پیدا کیا تا کہ تم اس کی عبادت وریاضت کرو، حقوق اللہ اور حقوق العباد پورے کرو اور پرہیز گار بن جاؤ۔

آیت نمبر: ۲۲

الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

وہ پروردگار جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا اور اس نے اوپر سے پانی اتارا پھر اللہ نے اس پانی کے وسیلے سے تمہارے کھانے کے لیے پھل نکالے تو تم جان بوجھ کر کسی اور کو اللہ کا نِدّ نہ بناؤ۔

پانی آسمان سے نہیں بادل سے آتا ہے اور بادل اوپر ہوتا ہے۔ کبھی کبھی ہر وہ چیز جو اوپر ہو اس کو بھی سماء کہا جاتا ہے۔

نِدّ کا معنی ضد اور شریک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ چونکہ زمین کو بچھونا، آسمان کو چھت، بادلوں سے پانی اور زمین سے پھلوں کو نکالنے والا اکیلا میں ہوں اس لیے کسی کو بھی میرے برابر نہ سمجھو۔

اعتراض

مشرکین بتوں کو اللہ کے برابر نہیں سمجھتے تھے۔ پھر کیوں کہا گیا کہ کسی کو بھی اللہ کے برابر نہ سمجھو؟

جواب جو چیزیں اللہ کی شان کے لائق ہیں ان میں سے کسی ایک صفت کو بھی کسی اور میں ماننا اللہ کا نِدّ ٹھہرانا ہے۔ لائق عبادت ہونا صرف اللہ کی صفت ہے۔ مشرکین چونکہ اپنے بتوں کو لائق عبادت سمجھتے تھے اس لیے فرمایا جانتے بوجھتے کسی کو بھی اللہ کا شریک نہ بناؤ۔ اللہ کے برابر کوئی بھی نہیں ہے۔ نبی، ولی ساری کائنات اللہ کی رحمتوں کی محتاج ہے۔ کائنات میں صرف ایک ہستی کسی کی محتاج نہیں وہ صرف اللہ کی ذات ہے اسی کی عبادت کرو۔ سارے نبی اور ہمارے نبی کریم ﷺ یہی پیغام لے کر آئے کہ عبادت صرف اللہ کی کرنی ہے۔

اللہ نے نبی کریم ﷺ کو قرآن عطا کیا۔ آپ اسے پڑھ پڑھ کر لوگوں کو سناتے تھے لیکن کچھ لوگ کہتے تھے کہ نبی کریم ﷺ نے قرآن اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

آیت نمبر: ۲۲۳

وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ
وَادۡعُوۡا شُهَدَآءَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۲۳﴾

اگر تم اس میں جو ہم نے اپنے اس بندے پر دھیرے دھیرے اتارا کسی شک میں ہو تو قرآن جیسی ایک سورۃ بنا کے لے آؤ اور اللہ کے سوا جتنے تمہارے حمایتی ہیں ان کو بھی جمع کرلو اگر تم اپنے دعوی میں سچے ہو۔

قرآن شریف کے درجہ بدرجہ چیلنجز

پہلے چیلنج کیا گیا کہ پورے قرآن کی مثل لے کے آؤ۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے:

قُلۡ لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَالۡجِنُّ عَلٰۤى اَنۡ يَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ
لَا يَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِهٖ وَلَوۡ كَانَ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ ظَهِيۡرًا ﴿۸۸﴾

فرما دیجیے! اگر سارے انسان اور سارے جن اکٹھے ہو جائیں کہ اس قرآن کی مثل لے کے آئیں گے تو اس قرآن جیسی کتاب نہیں بنا سکتے خواہ ایک دوسرے کی مدد ہی کیوں نہ کریں۔ [1]

پھر چیلنج کیا گیا کہ قرآن کی دس سورتوں جیسی دس سورتیں بنا کر لاؤ۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے:

---

[1] سورۃ بنی اسرائیل: ۸۸

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِعَشۡرِ سُوَرٍ مِّثۡلِهٖ مُفۡتَرَيٰتٍ وَّادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۱۳﴾

کیا یہ کہتے ہیں کہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس قرآن کو اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے؟ فرما دیجیے! ایسی ہی بنائی ہوئی قرآن جیسی دس سورتیں بنا کے لاؤ اور اللہ کے علاوہ جو بھی تمہیں ملتا ہے لے آؤ اگر تم سچے ہو۔[1]

پھر اس کے بعد ایک سورۃ لانے کا چیلنج کیا گیا۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے:

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّثۡلِهٖ وَادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۳۸﴾

کیا یہ کہتے ہیں کہ قرآن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے؟ فرما دیجیے! اس قرآن جیسی ایک سورۃ بنا کے دکھاؤ اور اللہ کے مقابلے میں جو بھی تمہیں ملتا ہے لے کے آؤ اگر تم سچے ہو۔[2]

اگر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قرآن گھڑا ہے تو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی تو بشر اور انسان ہیں تم بھی ان کے کلام جیسا کلام بنا سکتے تھے۔ ہم پورے قرآن اور دس سورتوں والا چیلنج چھوڑتے ہیں۔ تم اس قرآن کی ایک سورۃ جیسی ایک سورۃ بنا کے دکھاؤ۔

---

[1] سورۃ ہود: ۱۳ [2] سورۃ یونس: ۳۸

اس آیت میں نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فرما کر نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کو عبد فرمایا گیا۔عبد وہ ہوتا ہے جو کسی کی ملک اور کنٹرول میں ہو۔

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نوری بشر ہیں

سوال تم تو نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کو نور مانتے ہو حالانکہ قرآن نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کو عبد فرما رہا ہے۔جو نور ہو وہ عبد نہیں ہوتا۔

جواب یہ سوال قرآن شریف سے لاعلمی کی بنیاد پر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بھی عبد فرمایا ہے۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور انہوں نے کہا رب رحمن نے بیٹے اختیار کیے ہیں۔ اللہ اولاد سے پاک ہے بلکہ یہ تو عزت والے عبد ہیں۔[۱]

عیسائیوں نے دعوی کیا کہ جناب عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام معبود ہیں،عبد نہیں ہیں جبکہ کچھ لوگوں نے کہا فرشتے معبود ہیں،عبد نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَنْ یَّسْتَنْكِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَ لَا الْمَلٰٓىِٕكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ

---

[۱] سورۃ الانبیاء:۲۶

مسیح اور مقرب فرشتے اللہ کا عبد ہونے میں نفرت یا شرم محسوس نہیں کرتے۔[1]

ایک حدیث شریف میں ہے:

خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُورٍ

اللہ کے سارے فرشتے نور سے پیدا کیے گئے ہیں۔[2]

معلوم ہوا کہ سارے فرشتے نور ہونے کے ساتھ ساتھ عبد بھی ہیں۔ اگر فرشتوں کا عبد ہونا ان کے نور ہونے کے خلاف نہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عبد ہونا آپ کے نور ہونے کے خلاف کیسے ہوسکتا ہے؟

نوٹ کچھ عقائد قطعی ہوتے ہیں جبکہ کچھ عقائد ظنی ہوتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بشر ہونا عقیدہ قطعیہ ہے جبکہ آپ کا نور ہونا عقیدہ ظنیہ ہے۔

آیت نمبر: ۲۴

فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾

پھر اگر تم یہ نہ کرسکو اور ہرگز نہ کرسکو گے تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے یہ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

---

[1] سورۃ نساء: ۱۷۲

[2] صحیح مسلم، کتاب الزھد والرقائق، باب فی احادیث متفرقۃ، صفحہ: ۱۳۶۴، رقم الحدیث: ۲۹۹۶ / السنن الکبری للبیھقی، کتاب السیر، باب مبتداء الخلق، جلد: ۹، صفحہ: ۶، رقم الحدیث: ۱۷۷۰۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ

اللہ تعالیٰ اس آیت میں اعلان کر رہا ہے کہ کافر سارے قرآن یا دس سورتوں کی مثل تو کیا ایک سورۃ کی مثل بھی نہیں بنا سکتے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تم قرآن کی مثل ایک سورۃ بھی تیار نہیں کر سکتے تو پھر کیوں کہتے ہو کہ قرآن کو مصطفیٰ کریم ﷺ اپنی طرف سے گھڑ کر لے آئے ہیں؟ اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے چونکہ یہ کافر پتھروں کو تراش تراش کر بت بناتے تھے اس لیے فرمایا سارے بتوں کو بھی دوزخ کا ایندھن بنائیں گے۔

یہاں پہلے کافروں کو جہنم سے ڈرایا گیا اب ایمان والوں کو خوشخبری دی جا رہی ہے

آیت نمبر:۲۵

وَ بَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًاۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُۙ وَ اُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًاؕ وَ لَهُمْ فِیْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌۗۙ وَّ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ۝۲۵

اور خوشخبری دے دیجیے ان لوگوں کو جنہوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے عمل کیے کہ ان کے لیے جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جنت میں جب کبھی کھانے کے لیے کوئی پھل دیا جائے گا تو کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ہم اس سے پہلے بھی کھاتے رہے ہیں اور جنتیوں کو ملتے جلتے پھل دیئے جائیں گے اور ان کے لیے وہاں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

عمل بغیر ایمان قبول نہیں

جہاں پر ایمان اور عمل صالح اکٹھے بیان ہوتے ہیں بالعموم ایمان کا ذکر پہلے جبکہ عمل صالح کا ذکر بعد میں آتا ہے۔قرآن شریف سے دو مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

مگر وہ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام کیے۔[۱]

۲: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام کیے۔[۲]

ایمان کا ذکر پہلے جبکہ عمل صالح کا ذکر بعد میں اس لیے ہوتا ہے تا کہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ جس عمل سے پہلے ایمان ہے وہ عمل اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہے اور جس عمل سے پہلے ایمان نہیں اللہ کی بارگاہ میں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔یہی وجہ ہے کہ ہم اہلسنت وجماعت بیان کرتے ہیں کہ اپنے اعمال کی قدر چاہو تو مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت کرو کیونکہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت کے بغیر ایمان نہیں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ

---

[۱] سورۃ التین:۶ [۲] سورۃ العصر:۳

کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے ماں، باپ، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔[1]

جس کے دل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جتنی محبت ہوگی اتنا ہی اس کا ایمان قوی ہوگا۔ محبت کا ثمرہ بھی ہوتا ہے۔ وہ جھوٹی محبت ہے کہ بندہ کہے کہ میں نے بات نہیں ماننی لیکن مجھے محبت بہت ہے حالانکہ اصل محبت یہ ہے کہ جب محبوب کسی کام کا کہے تو بندہ پلک جھپکنے سے پہلے تیار ہو۔ باپ کہے: بیٹا! مجھے درد ہو رہی ہے۔ میری ٹانگیں دباؤ۔ بیٹا کہے: ابا جی! اللہ کی قسم آپ بڑے سوہنے لگ رہے ہیں۔ باپ کہے: بیٹا! ٹانگیں دباؤ۔ بیٹا کہے: نہیں ابا جی! آپ بڑے پیارے لگ رہے ہیں۔ بیٹا کہنا نہ مانے تو زبانی کلامی تعریف کا کیا فائدہ ہے؟ اہلسنت کو سوچنا چاہیے کہ اگرچہ نعت خوانی بہت بڑا اجر ہے لیکن بندہ نعتیں پڑھتا رہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کہنے پر نہ چلے تو یہ سچی محبت نہیں ہے۔ سچی محبت یہ ہے کہ بندہ محبوب کے اشارے پر چلے۔

ایمان والوں اور نیک عمل کرنے والوں کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ کچھ باغ نہر کے بغیر ہوتے ہیں جبکہ کچھ باغ نہر والے ہوتے ہیں۔ جس باغ میں نہر نہ ہو وہ زیادہ قیمتی اور پیارا نہیں ہوتا اور جس باغ میں نہریں رواں دواں ہوں اور درمیان میں سے نہر جاری ہو تو وہ بڑا حسین اور دلکش منظر پیش کرتا ہے۔ جنت میں جائیں گے تو انشاءاللہ! بڑا شاندار نظارہ ہوگا۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم من الایمان، صفحہ: ۱۴، رقم الحدیث: ۱۵/ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب محبۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، صفحہ: ۴۱، رقم الحدیث: ۱۶۹

جنتیوں کو جنت میں جب کوئی پھل دیا جائے گا تو وہ کہیں گے یہ تو وہی پھل ہے جو اس سے پہلے بھی ہم کھاتے رہے ہیں اور جنتیوں کو ملتے جلتے پھل دیئے جائیں گے۔ جنتی کہیں گے یہ تو وہی کیلا، سیب، آم اور آڑو ہیں جو ہم دنیا میں کھاتے رہے ہیں لیکن جب انہیں کھائیں گے تو ان کا مزہ ہی جدا ہوگا۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ جو دوسرا پھل دیا جائے گا وہ دیکھنے میں پہلے پھل جیسا ہوگا لیکن ذائقے اور لذت میں پہلے پھل سے مختلف ہوگا۔

جنتیوں کے لیے جنت میں پاکیزہ اور ستھری بیویاں ہوں گی۔ دنیا میں جو بیویاں ہیں انہیں ماہواری بھی آتی ہے۔ بچہ پیدا ہو تو نفاس کا خون بھی آتا ہے۔ ناک بہتا اور تھوک آتا ہے لیکن جنتی بیویوں میں کوئی نجاست نہیں ہوگی۔

کافروں نے اعتراض کیا کہ قرآن کہیں مکھی کا ذکر کر دیتا ہے۔ کہیں مچھر اور مکڑی کی مثال بیان کرتا ہے۔ یہ ذلیل و خسیس چیزیں بھلا اللہ کے کلام کے لائق ہو سکتی ہیں؟

قرآن نے فرمایا کیا تم ان بتوں کو معبود مانتے ہو کہ اگر مکھی چڑھاوے کی چیز میں سے ایک ذرہ بھی اٹھا لے تو یہ اس مکھی سے اپنا رزق واپس نہیں لے سکتے؟ انہوں نے قرآن کی ایسی مثالوں پر کلام الٰہی کا انکار کرتے ہوئے کہا کیا اللہ کے کلام میں مکھیوں اور مچھروں کا ذکر ہوگا؟ اللہ کے کلام میں تو بڑی بڑی چیزوں کا ذکر ہونا چاہیے۔ اللہ جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

آیت نمبر: ۲۶

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۭ فَاَمَّا

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾

بیشک اللہ حیا نہیں فرماتا کہ مچھر یا اس سے اوپر کی چیز کی مثال بیان فرمائے جو ایمان والے ہیں وہ جانتے ہیں کہ بیشک یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے اور جو کافر ہیں وہ کہتے ہیں اللہ نے اس مثال سے کیا چیز سمجھانے کا ارادہ کیا ہے اسی قرآن کے ذریعے اللہ بہت ساروں کو ہدایت دیتا ہے اور اسی قرآن کے ذریعے بہت ساروں کو گمراہ کرتا ہے اور اللہ اس قرآن کے ذریعے صرف نافرمانوں کو گمراہ کرتا ہے۔

مچھر سے اوپر والی چیز سے مراد مچھر سے جسامت میں بڑی چیز ہے یا مچھر سے جسامت میں چھوٹی چیز ہے۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ حیا نہیں فرماتا کہ مچھر سے جسامت میں بڑی چیز کی مثال بیان کرے یا مچھر سے بھی جسامت میں چھوٹی چیز کی مثال بیان کرے۔ اللہ تعالیٰ سمجھانا چاہتا ہے کہ تمہارے بت اتنے نکمے اور ناکارے ہیں کہ مکھی سے بھی اپنا سامان نہیں چھڑا سکتے۔ مکڑی جالے سے اپنا گھر تیار کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ

اور بیشک سب گھروں سے کمزور گھر مکڑی کا گھر ہوتا ہے۔[1]

---

[1] سورۃ العنکبوت: ۴۱

ایمان والے قرآن شریف کی ان مثالوں کو دیکھ کر ان کے حق ہونے اور رب تعالیٰ کی طرف سے ہونے کا یقین کر لیتے ہیں جبکہ کافر ایسی مثالوں کو دیکھ کر کہتے ہیں اللہ کی ان مثالوں سے مراد کیا ہے۔

بارش برستی ہے۔ بارش ایک ہی ہوتی ہے لیکن اگر زرخیز زمین پر برسے اور وہاں بیج بھی پڑا ہو تو کھانے والے کے لیے نعمتیں پیدا ہوتی ہیں۔ یہی بارش اگر کسی گندی جگہ پر پڑے تو وہاں بدبو پیدا ہوتی ہے۔ قصور بارش کا نہیں بلکہ وہاں پڑے گند کا ہے۔ قرآن اور انہی مثالوں کے ذریعے اللہ کثیر لوگوں کو ہدایت دیتا ہے اور قرآن اور انہی مثالوں کے ذریعے اللہ کثیر لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ گمراہی اسے ملتی ہے جس کے اندر گند ہو جبکہ جس کے اندر بیج شاندار ہو اس سے پھل اور پھول اگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان مثالوں کے ذریعے صرف نافرمانوں کو گمراہ کرتا ہے جن کے اندر گند ہوتا ہے۔

آیت نمبر: ۲۷

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۪ وَ يَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

وہ جو اللہ کے ساتھ عہد پکا کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور جو اس تعلق کو توڑ دیتے ہیں جس کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا اور زمین میں فساد کرتے ہیں یہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں۔

گمراہ اور نافرمان لوگ وہ ہیں جو اللہ کے ساتھ کیے ہوئے عہد کو توڑ دیتے ہیں اور اللہ کے ساتھ بے وفائی کرتے ہیں اور اس چیز کو کاٹ دیتے ہیں جس کے ملانے کا اللہ نے حکم دیا اور زمین میں فساد پیدا کرتے ہیں۔ سچا مومن وہی ہے جو اللہ کے ساتھ کیے ہوئے عہد کو نبھائے۔ اللہ نے عالم ارواح میں ہم سب سے ایک عہد اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کیا میں تمہارا رب نہیں؟ لیا تھا۔ حضرت امام باقر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی روح پاک نے جواب دیا: کیوں نہیں؟ یا اللہ! تو ہی ہمارا رب ہے۔[1] چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سب سے پہلے جواب دیا تھا اس لیے بھی آپ کو اول کہا جاتا ہے۔

اللہ نے حکم دیا بھائی بھائی بن کے رہو لیکن کئی لوگ خوامخواہ شرارتیں اور لڑائیاں کرتے ہیں۔ حافظ، قاری اور مولوی ہونے کے باوجود رشتہ داروں کا خیال نہیں کرتے، ان کا حق مار لیتے ہیں، ان کی عزت برباد کرتے اور زمین میں فساد کرتے ہیں۔ یہ لوگ ہیں جنہیں اللہ گمراہ کرتا ہے اور یہی خسارہ پانے والے ہیں۔

شیعہ حضرات کی جسارت

یہاں ایک بڑی پرلطف بات عرض کرتا ہوں۔ شیعہ حضرات کا دعویٰ ہے کہ ہم سے بڑا محب اہل بیت کوئی نہیں ہے۔ قرآن شریف میں بیان ہوا کہ اللہ تعالیٰ حیا نہیں فرماتا کہ مچھر یا اس سے اوپر کی چیز کی مثال بیان کرے۔

---

[1] تفسیر قمی، جلد:۱، صفحہ:۳۵۹، تحت آیت سورۃ اعراف:۱۷۲ / الخصائص الکبری للسیوطی، باب خصوصیۃ النبی بکونہ اول النبیین، جلد اول، صفحہ:۷ / المواھب اللدنیہ، المقصد الاول، تشریف اللہ تعالی لہ، جلد اول، صفحہ:۳۰ / سبل الھدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، جماع ابواب بعض الفضائل والآیات، الباب الرابع، جلد اول، صفحہ:۸۳

شیعہ حضرات کی معتبر تفسیر میں ہے:

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ علیہ السلام اِنَّ ھٰذَا الْمَثَلَ ضَرَبَہُ اللّٰہُ لِاَمِیْرِ الْمُؤمِنِیْنَ عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ علیہ السلام فَالْبَعُوْضَۃُ اَمِیْرُ الْمُؤمِنِیْنَ علیہ السلام وَمَا فَوْقَھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ نے یہ کہاوت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کی بیان کی ہے۔ مچھر مولا علی علیہ السلام ہیں اور اس سے اوپر کی چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔[1]

توبہ! توبہ! حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مچھر قرار دینا بہت بڑی جسارت اور بے ادبی ہے۔ حضرت علی تو شیر خدا اور مولا ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین میں یہ نہیں چلتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیار کرو لیکن علی مرتضی سے پیار نہ کرو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ

مجھ سے پیار کرنا ہے تو میرے علی سے بھی پیار کرنا ہے۔[2]

---

[1] تفسیر قمی، جلد:۱، صفحہ:۶۲، تحت آیت سورۃ بقرہ:۲۶

[2] جامع ترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، صفحہ:۸۴۵، رقم الحدیث:۳۷۱۳/ امام ترمذی اس حدیث کو حسن غریب قرار دیتے ہیں جبکہ البانی صاحب کی تحقیق کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے/سنن ابن ماجہ، کتاب السنۃ، باب فضل علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، صفحہ:۲۳، رقم الحدیث:۱۲۱

مولا کے کئی معانی ہیں۔ایک معنی محبوب بھی ہے۔حضرت علی کو مچھر کہنا محبت کی بات نہیں وہ تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شیر ہیں۔

آیت نمبر:۲۸

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾

تم کیسے اللہ کا انکار کرسکتے ہو حالانکہ تم بے جان تھے پھر اس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں موت دے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا پھر تم اللہ کی بارگاہ میں لوٹائے جاؤ گے۔

تم کیسے اللہ کا انکار کرسکتے ہو؟ تمہاری اپنی پوزیشن کیا ہے؟ تم تو بے جان تھے۔ کچھ بھی نہیں تھے۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے:

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ﴿۱﴾

بیشک آدمی پر ایک وقت وہ گزرا کہ کہیں اس کا نام بھی نہ تھا۔[۱]

پھر اللہ نے تمہیں ماں کے پیٹ میں چار ماہ کی عمر میں زندہ کیا پھر اللہ تمہیں موت دے گا پھر اللہ تمہیں قیامت کے دن زندہ کرے گا پھر تم اللہ کی بارگاہ میں لوٹائے جاؤ گے۔ وہاں جا کر حساب کتاب دینا پڑے گا۔اللہ فرما رہا ہے میں تو اتنی عظمتوں اور شانوں کا

---

[۱] سورۃ دھر:۱

مالک ہوں تم کس منہ سے میرا انکار کرتے ہو؟ جو اللہ تمہیں نیست سے ہست میں لا سکتا ہے وہی اللہ دوبارہ بھی تمہیں زندہ فرمائے گا۔

سوال اس آیت میں دنیا اور آخرت کی زندگی کو بیان کیا لیکن دنیا اور آخرت کے درمیان قبر والی زندگی کو صراحتاً بیان نہیں کیا۔

جواب قبر والی زندگی کو صراحتاً بیان نہ کرنے کی مجھے یہ وجہ سمجھ آئی کہ میں بول رہا ہوں، تم مجھے زندہ دیکھ رہے ہو۔ تم سب پڑھ رہے ہو، بیٹھے ہوئے ہو۔ میری طرف تمہاری آنکھیں متوجہ ہیں ۔ مجھے تمہاری زندگی کا احساس ہے اور تمہیں میری زندگی کا احساس ہے اور میدان محشر میں بھی ہر بندہ دوسرے کی زندگی کا احساس کرے گا۔ سارے لوگ چلتے، پھرتے، بولتے، روتے نظر آئیں گے۔ یہاں بھی احساس ہے اور وہاں بھی احساس ہوگا لیکن قبر کی زندگی ایسی ہے کہ کسی دوسرے کو پتہ ہی نہیں چلتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

بَلْ اَحْيَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

شہید زندہ ہیں لیکن تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں۔[۱] قبر والے زندہ ہیں لیکن ان کی زندگی کا ہمیں پتہ نہیں چلتا۔ زبان مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے کہہ دیا اسی لیے ہم ایمان لے آئے۔

آیت نمبر: ۲۹

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى

---

[۱] سورۃ البقرہ: ۱۵۴

السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۲۹﴾

وہی ہے جس نے زمین میں جو کچھ بھی ہے تمہارے نفع کے لیے پیدا کیا پھر آسمان کی طرف استواء فرمایا پھر ٹھیک سات آسمان بنائے اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی توحید کی دعوت دے رہا ہے کہ کائنات میں کسی اور کی عبادت نہیں کرنی۔ اس کائنات کا واحد پالن ہار اور مالک میں ہوں۔ اسی لیے لائق عبادت بھی صرف میں ہوں۔ اسی دعوی توحید پر دلیل پیش کرتے ہوئے مالک ارشاد فرماتا ہے کہ وہی ہے جس نے زمین میں جو کچھ بھی ہے تمہارے نفع کے لیے پیدا کیا۔ جس ذات نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا، تمہارے پینے کے لیے شاندار پانی عطا کیا، تمہارے رہنے کے لیے مکانات بنانے کا ڈھنگ سکھایا، تمہارے لیے سبزیاں اگائیں اور جانور پیدا کیے تو پھر عبادت بھی اسی پروردگار کی ہوگی۔

چیزوں میں اصل اباحت ہے

اس آیت سے نتیجہ یہ نکلا کہ اَلْاَصْلُ فِی الْاَشْیَاءِ اَلْاِبَاحَةُ چیزوں میں اصل اباحت ہے۔ اباحت کا معنی جائز ہونا، مباح ہونا ہے۔ جب ہر چیز ہمارے نفع کے لیے بنی تو پھر ہر چیز ہمارے لیے جائز بھی ہے۔ جن چیزوں میں نقصان تھا اللہ، رسول نے حرام کر دیں اور جن چیزوں کو اللہ، رسول نے حرام نہیں کیا وہ ہمارے لیے جائز اور مباح ہیں مثلاً ہم بوتل پیتے ہیں کیونکہ اللہ نے ہر چیز ہمارے نفع کے لیے پیدا کی حالانکہ اس کا ذکر قرآن حدیث میں نہیں ہے۔ اللہ نے شراب، مردار اور زنا کو حرام قرار دیا کیونکہ یہ

ہمارے لیے نقصان دہ تھے۔ جب تک اللہ یا اللہ کا پیارا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی چیز سے منع نہ کرے وہ چیز جائز ہوتی ہے۔ جو قرآن شریف مدینہ شریف سے چھپ کر مفت تقسیم ہوتا ہے اس میں بھی یہی لکھا ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔[1] اس قانون کو ذہن نشین کر لیں کیونکہ کچھ ساتھی خوامخواہ جھگڑنا شروع کر دیتے ہیں کہ میلاد شریف کی خوشی کہاں لکھی ہے؟ گیارھویں شریف کہاں لکھا ہے؟ جنازے کے بعد دعا کہاں لکھی ہے؟ اذان کے ساتھ درود وسلام کہاں سے ثابت ہے؟ تو آپ بڑے آرام سے جواب دیں کہ اللہ نے ہر چیز کو جائز رکھا ہے۔ اگر تمہارے پاس حرمت کی کوئی دلیل ہے تو پیش کرو۔ اسی قانون اور اصول کے ثبوت میں مزید دلائل ملاحظہ کیجیے۔

۱: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَ اِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾

اے ایمان والو! ایسی باتیں مت پوچھا کرو کہ اگر تمہارے لیے ظاہر کی جائیں تو تمہیں بری لگیں اور اگر ان کے متعلق قرآن کے نزول کے وقت پوچھو گے تو وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں گی اللہ انہیں معاف کر چکا ہے اور اللہ بہت بخشنے والا بڑے حلم والا ہے۔[2]

---

[1] شاہ فہد بن عبدالعزیز آل سعود کے حکم پر چھپنے والے قرآن کریم میں لکھا ہے: اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ زمین کی اشیاء مخلوقہ کے لیے اصل حلت ہے الا یہ کہ کسی چیز کی حرمت نص سے ثابت ہو۔ (صفحہ ۱۶، زیر آیت هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا)

[2] سورۃ المائدہ: ۱۰۱

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! اللہ نے تم پر حج فرض کیا ہے لہذا حج کرو۔ ایک صاحب نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا ہر سال حج فرض ہے؟ آپ خاموش رہے حتی کہ اس نے تین بار یہی سوال کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَوْ قُلْتُ: نَعَمْ لَوَجَبَتْ، وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ

اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج فرض ہو جاتا اور تم اس کی طاقت نہ رکھتے تھے۔[1]

نتیجہ یہ نکلا کہ کوئی بھی شے بندے پر تب فرض یا حرام ہوتی ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ سے حکم آتا ہے۔ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے بغیر کوئی بھی چیز اپنی مرضی سے فرض یا حرام نہیں کر سکتے۔

مشہور دیوبندی عالم علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

یا تو مراد یہ ہے کہ ان اشیاء سے درگزر کی یعنی جب خدا نے ان کے متعلق کوئی حکم نہ دیا تو انسان ان کے بارہ میں آزاد ہے۔ خدا ایسی چیزوں پر گرفت نہ کرے گا چنانچہ اسی سے بعض علماء اصول نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے اور یا یہ کہ ان فضول سوالات سے جو پہلے کر چکے ہو اللہ نے درگزر کی آئندہ احتیاط رکھو۔[2]

جماعت اسلامی کے بانی مودودی صاحب لکھتے ہیں:

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فرض الحج مرۃ فی العمر، صفحہ:۶۰۸، رقم الحدیث:۳۲۵۷/ سنن ابن ماجہ، ابواب المناسک، باب فرض الحج، صفحہ:۵۲۶، ۵۲۷، رقم الحدیث: ۲۸۸۴

[2] تفسیر عثمانی، جلد:۱، صفحہ:۵۷۷، دارالاشاعت کراچی

نبی ﷺ سے بعض لوگ عجیب عجیب قسم کے فضول سوالات کیا کرتے تھے، جن کی نہ دین کے کسی معاملہ میں ضرورت ہوتی تھی اور نہ دنیا ہی کے کسی معاملہ میں۔ مثلاً ایک موقع پر ایک صاحب بھرے مجمع میں آپ ﷺ سے پوچھ بیٹھے کہ "میرا اصلی باپ کون ہے؟" اسی طرح بعض لوگ احکام شرع میں غیر ضروری پوچھ گچھ کیا کرتے تھے اور خواہ مخواہ پوچھ پوچھ کر ایسی چیزوں کا تعین کرانا چاہتے تھے جنہیں شارع نے مصلحتاً غیر معین رکھا ہے۔ مثلاً قرآن میں مجملاً یہ حکم دیا گیا تھا کہ حج تم پر فرض کیا گیا ہے۔ ایک صاحب نے حکم سنتے ہی نبی ﷺ سے دریافت کیا: "کیا ہر سال فرض کیا گیا ہے؟" آپ ﷺ نے کچھ جواب نہ دیا۔ انہوں نے پھر پوچھا۔ آپ ﷺ پھر خاموش ہو گئے۔ تیسری مرتبہ پوچھنے پر آپ ﷺ نے فرمایا: تم پر افسوس ہے۔ اگر میری زبان سے ہاں نکل جائے تو حج ہر سال فرض قرار پا جائے۔ پھر تم ہی لوگ اس کی پیروی نہ کر سکو گے اور نافرمانی کرنے لگو گے۔ ایسے ہی لا یعنی اور غیر ضروری سوالات سے اس آیت میں منع کیا گیا ہے۔

نبی ﷺ خود بھی لوگوں کو کثرت سوال سے اور خواہ مخواہ ہر بات کی کھوج لگانے سے منع فرماتے رہے تھے۔

چنانچہ حدیث میں ہے:

اِنَّ أَعۡظَمَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ فِي الۡمُسۡلِمِيۡنَ جُرۡمًا مَنۡ سَأَلَ عَنۡ شَيۡءٍ لَمۡ يُحَرَّمۡ عَلَى النَّاسِ فَحُرِّمَ مِنۡ أَجۡلِ مَسأَلَتِهٖ

مسلمانوں کے حق میں سب سے بڑا مجرم وہ شخص ہے جس نے کسی ایسی چیز کے متعلق سوال چھیڑا جو لوگوں پر حرام نہ کی گئی تھی اور پھر محض اس کے سوال چھیڑنے کی بدولت وہ چیز حرام ٹھہرائی گئی۔[1]

ایک دوسری حدیث میں ہے:

إِنَّ اللّٰهَ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوهَا وَحَرَّمَ حُرُمَاتٍ فَلَا تَنْتَهِكُوهَا وَحَدَّ حُدُودًا فَلَا تَعْتَدُوهَا وَسَكَتَ عَنْ أَشْيَاءَ مِنْ غَيْرِ نِسْيَانٍ فَلَا تَبْحَثُوا عَنْهَا

اللہ نے کچھ فرائض تم پر عائد کیے ہیں، انہیں ضائع نہ کرو۔ کچھ چیزوں کو حرام کیا ہے ان کے پاس نہ پھٹکو۔ کچھ حدود مقرر کی ہیں، ان سے تجاوز نہ کرو اور کچھ چیزوں کے متعلق خاموشی اختیار کی ہے بغیر اس کے کہ اسے بھول لاحق ہوئی ہو، لہٰذا ان کی کھوج نہ لگاؤ۔[2]

ان دونوں حدیثوں میں ایک اہم حقیقت پر متنبہ کیا گیا ہے۔ جن امور کو شارع نے مجملاً بیان کیا ہے اور ان کی تفصیل نہیں بتائی یا جو احکام بر سبیل اجمال دیئے ہیں اور مقدار یا تعداد یا دوسرے تعینات کا ذکر نہیں کیا ہے، ان میں اجمال اور عدم تفصیل کی وجہ یہ نہیں ہے کہ شارع سے بھول ہو گئی، تفصیلات بتانی چاہیے تھیں مگر نہ بتائیں بلکہ اس کی

---

[1] مشکوۃ شریف، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، صفحہ: ۱۸۰، رقم الحدیث: ۱۵۳

[2] مشکوۃ شریف، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، صفحہ: ۲۱۰، رقم الحدیث: ۱۹۷/ حافظ زبیر علی زئی کہتے ہیں اس کی سند ضعیف ہے۔

اصل وجہ یہ ہے کہ شارع ان امور کی تفصیلات کو محدود نہیں کرنا چاہتا اور احکام میں لوگوں کے لیے وسعت رکھنا چاہتا ہے۔ [1]

اس آیت اور اس کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ اللہ بھولا نہیں ہے۔ جس چیز سے اللہ نے سکوت فرمایا اس میں گنجائش ہے۔ صرف وہ چیز منع ہے جس سے اللہ، رسول نے منع کر دیا۔ اب ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ ہم لوگ نبی مکرم، شفیع معظم، جان دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کی خوشی بڑی دھوم دھام سے مناتے ہیں۔ ہمیں لوگ کہتے ہیں کہ یہ بدعت، ناجائز اور حرام ہے۔ اسی طرح ہم ایصال ثواب کی محافل منعقد کرتے ہیں تو اس پر بھی فتویٰ لگ جاتا ہے کہ یہ حرام، بدعت اور ناجائز ہے۔ جنازہ سلام پر ختم ہو جاتا ہے لیکن ہمارے ہاں رواج ہے کہ سب ایصال ثواب کے لیے فاتحہ خوانی کرتے ہیں اس پر بھی بعض لوگ فتویٰ لگا دیتے ہیں کہ یہ بدعت اور حرام ہے۔ ہمارے کچھ ساتھی برکت حاصل کرنے کے لیے اذان سے پہلے اور بعد میں درود شریف پڑھ لیتے ہیں۔ کچھ ساتھی اذان اور نماز کے درمیان درود شریف پڑھ لیتے ہیں۔ ہم ان چیزوں کو فرض، واجب یا سنت نہیں سمجھتے بلکہ صرف جائز و مستحب سمجھتے ہیں کیونکہ اللہ، رسول نے ان چیزوں سے منع نہیں کیا۔ جب اللہ، رسول نے ان چیزوں سے منع نہیں کیا تو کسی اور کے کہنے سے یہ منع اور حرام کیسے ہو سکتی ہیں؟

---

[1] تفہیم القرآن، جلد:۱، صفحہ:۵۰۷، ۵۰۸، مطبوعہ ترجمان القرآن لاہور

سرکار دو عالم ﷺ کی تشریف آوری پر خوش ہونا فرض ہے۔ جو آدمی آپ کی ولادت کی بات سن کر خوش نہیں ہوتا بے ایمان ہے۔ وہ شخص بڑا بد بخت ہے جو اپنے بیٹے کی ولادت کا سن کر تو خوش ہو لیکن اللہ کے حبیب ﷺ جن کی برکت سے ہمیں ایمان کی دولت ملی ان کی ولادت کا سن کر رنجیدہ ہو اور کڑھے۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾

تم فرماؤ! اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت اور اسی پر چاہیے کہ خوشی کریں وہ ان کے سب دھن دولت سے بہتر ہے۔ [1]

اس آیت میں اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے حاصل ہونے پر خوشی کرنے کا حکم ہے لیکن یہ بیان نہیں کیا کہ خوشی کے کس طریقے کو اپنایا جائے اور کس انداز سے خوشی کا اظہار کیا جائے۔ خوش ہونا فرض ہے لیکن جس طرح جی چاہے خوشی کا اظہار کرے۔ خوشی کے اظہار کا طریقہ جائز کہلائے گا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

اے ایمان والو! نبی کریم ﷺ پر درود اور خوب سلام بھیجو۔ [2]

---

[1] سورۃ یونس: ۵۸ [2] سورۃ احزاب: ۵۶

اللہ تعالیٰ نے درود وسلام پڑھنے کا حکم دیا اور درود وسلام پڑھنے کو کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں کیا۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جب جی چاہے پڑھو۔ اوقات فرض یا واجب نہیں۔ کچھ اوقات احادیث میں بیان ہوئے۔ مثلاً نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

الْبَخِيلُ الَّذِي مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ

بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ پھر بھی مجھ پر درود نہ بھیجے۔ [1]

ایک حدیث میں فرمایا:

إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا۔

جب تم مؤذن کو سنو تو اسی طرح کہو جیسے وہ کہتا ہے پھر مجھ پر درود بھیجو کیونکہ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ [2]

جو اوقات احادیث میں بیان ہوئے ان میں درود شریف پڑھنا باقی کے اوقات میں درود شریف پڑھنے سے زیادہ اجر کا باعث ہے لیکن جن اوقات کے بارے میں حدیث نہیں آئی ان میں درود شریف پڑھنا سنت نہیں بلکہ جائز ہے۔

---

[1] جامع ترمذی، کتاب الدعوات، باب رغم انف رجل ذکرت عندہ، صفحہ:۸۰۸، رقم الحدیث:۳۵۴۶/ امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے جبکہ البانی صاحب اس حدیث کو صحیح قرار دیتے ہیں/ شعب الایمان للبیھقی، باب فی تعظیم النبی ﷺ واجلالہ وتوقیرہ، جلد سوم، صفحہ:۱۳۱، رقم الحدیث:۱۴۶۵

[2] صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب القول مثل قول المؤذن لمن سمعہ ثم یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، صفحہ:۱۸۰، رقم الحدیث:۸۴۹/ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب مایقول اذا سمع المؤذن، صفحہ:۱۱۸، رقم الحدیث:۵۲۳

ہم اہلسنت و جماعت ہیں، اہل جواز نہیں ہیں

یہ بات بھی ذہن نشین کرلیں کہ ہر چیز کو اس کی حد پر رکھیں جو حرام ہے اس کو حلال نہ کہیں۔ اللہ نے مردار کو حرام قرار دیا اسے حلال نہ کہیں اور جو چیز صرف جائز و مباح ہے اسے فرض یا سنت نہ کہیں۔ ہم اہلسنت و جماعت ہیں، اہل جواز نہیں ہیں۔ یہ بات میں اس لیے کر رہا ہوں کیونکہ میرا کلیجہ جلتا ہے۔ ہمارے کچھ ساتھی جائز چیزوں پر بہت زور دیتے ہیں اور نماز جو کہ فرض ہے اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ میلاد شریف کی محفل ضرور کروائیں لیکن اونچے اونچے لاؤڈ سپیکر لگا کر سارے محلے کو تنگ نہ کریں۔ یہ بھی نہ ہو کہ ساری رات محفل میں بیٹھے رہیں اور فجر کی نماز جو کہ فرض ہے قضاء ہو جائے۔ محفل میلاد فرض، واجب نہیں بلکہ یہ تو صرف جائز کے درجے میں ہے لیکن نماز فرض ہے۔ جائز کو ترجیح دینا اور فرائض کو چھوڑ دینا اہلسنت کا شیوہ نہیں ہے۔ بہر حال وہ حضرات جو ہم سے چڑتے ہیں اور بات بات میں بدعت کا فتویٰ لگاتے ہیں ان سے گزارش ہے کہ غور سے قرآن شریف پڑھیں۔ قرآن ہمیں کھول کھول کر بتا رہا ہے کہ حرام وہی چیز ہے جس کو اللہ، رسول نے حرام کیا اور جس چیز کو اللہ، رسول نے حرام نہیں کیا وہ حرام نہیں ہے۔

۲: کچھ چیزیں جو کہ حرام ہوئیں یہ بعد میں حرام ہوئیں مثلاً شراب، جوا وغیرہ۔ جب یہ چیزیں حرام ہو گئیں تو اب ذہنوں میں سوال پیدا ہوا کہ یہ ساری چیزیں تو ہم پہلے کھاتے، پیتے رہے ہیں اس کا کیا بنے گا؟

تو اس پر اللہ نے آیت مبارکہ نازل کی:

لَيۡسَ عَلَى الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيۡمَا طَعِمُوۡۤا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوۡا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحۡسَنُوۡا ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۹۳﴾

جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے ان پر کوئی گناہ نہیں جو پہلے کھا پی چکے ہیں جبکہ وہ ڈرتے رہیں، ایمان پر رہیں اور اچھے اچھے کام کرتے رہیں پھر وہ ڈرتے رہیں اور ایمان رکھیں پھر وہ ڈرتے رہیں اور اچھے کام کرتے رہیں اور اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔[۱]

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ کوئی بھی چیز حرام تب ہوتی ہے جبکہ اللہ، رسول کا حکم آجائے۔ جب تک اللہ، رسول کسی چیز کو حرام قرار نہیں دیتے اتنی دیر تک کوئی چیز حرام نہیں ہوتی۔

۳: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَأْكُلُونَ أَشْيَاءَ وَيَتْرُكُونَ أَشْيَاءَ تَقَذُّرًا فَبَعَثَ اللّٰهُ تَعَالَى نَبِيَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنْزَلَ كِتَابَهُ وَأَحَلَّ حَلَالَهُ وَحَرَّمَ حَرَامَهُ فَمَا أَحَلَّ فَهُوَ حَلَالٌ وَمَا حَرَّمَ فَهُوَ حَرَامٌ وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ عَفْوٌ وَتَلَا: قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا إِلَى آخِرِ الْآيَةِ

---

[۱] سورۃ مائدہ: ۹۳

اہل جاہلیت کچھ چیزوں کو کھاتے تھے جبکہ کچھ چیزوں کو برا سمجھ کر چھوڑ دیا کرتے تھے تو اللہ نے ان میں نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرمایا اور ان پر اپنی کتاب نازل فرمائی اور اس کے حلال کو حلال قرار دیا اور اس کے حرام کو حرام۔ پس جس چیز کو اس نے حلال قرار دیا وہ حلال ہے اور جس کو حرام قرار دیا وہ حرام ہے اور جس چیز سے سکوت فرمایا وہ معاف ہے اور آپ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی:

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ [1]

فرما دیجیے! جو مجھ پر وحی کی گئی ہے میں اس میں کسی کھانے والے کے لیے کوئی کھانا حرام نہیں پاتا مگر یہ کہ وہ مردار ہو یا بہتا خون یا سور کا گوشت ہو کیونکہ یہ نجاست اور نافرمانی ہے وہ جانور جس کو اللہ کے نام کے علاوہ کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو تو جو مجبور ہو نہ یوں کہ خود خواہش کرے اور نہ یوں کہ حد سے بڑھے تو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ [2]

---

[1] سورۃ انعام: ۱۴۵

[2] سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمہ، باب مالم یذکر تحریمہ، صفحہ: ۶۱۸، رقم الحدیث: ۳۸۰۰ / البانی صاحب نے اس حدیث کو صحیح الاسناد قرار دیا / شرح مشکل الآثار للطحاوی، باب بیان مشکل ما روی عنہ علیہ السلام، جلد دوم، صفحہ: ۲۲۸، رقم الحدیث: ۷۵۴ / المستدرک علی الصحیحین، کتاب الاطعمہ، جلد: ۵، صفحہ: ۴۳، رقم الحدیث: ۷۲۶۵ / امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور حافظ ذھبی نے بھی اس کی موافقت کی ہے۔

نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے حرام چیزوں کی ایک لسٹ عطا فرمائی۔ اس لسٹ میں مردار، بہتے خون، سور کے گوشت اور اس جانور کا نام ہے جس کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے اور بھی بہت ساری چیزیں حرام ہیں مثلاً گدھا، شکاری درندے اور شکاری پرندے تو جو چیز حرام چیزوں کی لسٹ میں آ گئی وہ حرام جبکہ جو چیز اس لسٹ میں نہیں آئی وہ ساری کی ساری تمہارے لیے جائز ہیں۔ اس اصول کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔ آپ کو کوئی کہے گیارھویں حرام ہے تو بڑے آرام سے کہہ دیجئے کہ بھائی صاحب! اللہ نے حرام چیزوں کی ایک لسٹ بیان کی ہے۔ اس لسٹ میں گیارھویں کا نام دے دیجئے۔ ہم چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر کوئی کہے تم میلاد کرتے ہو یہ حرام ہے تو بڑے آرام سے پوچھ لیجئے کہ بھائی جان! اللہ نے ہمیں حرام چیزوں کی ایک لسٹ دی ہے کیا اس میں میلاد شریف کا نام ہے؟ اگر کوئی کہے تم اذان سے پہلے درود و سلام پڑھتے ہو یہ حرام ہے تو بڑے آرام سے کہہ دیجئے کہ بھائی صاحب! اللہ نے حرام چیزوں کی لسٹ دی ہے کیا اس میں اس کا ذکر ہے؟ جنازے کے بعد ایصال ثواب کے لیے دعا مانگی جاتی ہے۔ ہم اسے فرض، واجب یا سنت مؤکدہ نہیں سمجھتے بلکہ صرف جائز و مستحب سمجھتے ہیں لیکن اگر کوئی ضد کرے کہ نہیں! یہ حرام ہے تو اس سے کہیے کہ آپ حرام چیزوں کی لسٹ میں ان چیزوں کا نام دکھا دیجئے۔ ہمیں اللہ کی قسم ہے انہیں چھوڑ دیں گے۔

اتحاد امت کا ایک فارمولا

آپ نے کئی بار میری زبان سے اتحاد امت کا فارمولا سنا ہے۔ میں گھروں میں جا

کر بھی دعوت دے رہا ہوں کہ ہمیں لڑنے کی بجائے مل بیٹھ کر ہر مسئلے کو قرآن وسنت کی روشنی میں حل کرنا چاہیے۔ سب سے پہلے شرک کی متفق علیہ تعریف کریں پھر اس کے بعد بدعت کی متفق علیہ تعریف کریں پھر ہم پر شرک و بدعت کا فتوی صادر کرنے والوں کی ڈیوٹی شروع ہو جائے گی۔ اس تعریف کے مطابق ہمارا شرک یا بدعت ثابت کرنا ان کا کام ہوگا اور اس سے رجوع کرنا ہمارا کام ہوگا اور یہ بھی میں آپ کو عرض کر دوں کہ دیوبندیوں میں معتدل علماء ہمیں مشرک نہیں کہتے۔ میری خود مشرف دور میں مولانا مفتی رفیع عثمانی صاحب سے بات ہوئی تھی جو کہ دارالعلوم کراچی کے صدر اور مفتی شفیع صاحب کے فرزند ہیں۔ میں نے یہی اتحاد امت کا فارمولا ان کے سامنے رکھا تو مجھے کہنے لگے ”آپ کے عقائد پر ہمیں اعتراض نہیں لیکن معمولات پر ضرور اعتراض ہے“۔ اہلسنت کا خادم ہونے کی حیثیت سے عرض کرتا ہوں کہ الحمدللہ! ہمارے معمولات بھی بالکل کتاب وسنت کے مطابق ہیں۔ جو چیز جائز ہے ہم اس کو جائز کے درجے میں رکھتے ہیں۔ ہمارے مخالفین ہمارے ساتھ بات کریں تو ان کو معلوم ہوگا کہ ہمارے اور ان کے درمیان زیادہ تر غلط فہمی پائی جاتی ہے لیکن یہ ہمارے ساتھ بیٹھنے سے ڈرتے ہیں۔ یہاں بھی کسی کو کہا جائے کہ چلو یار! شیخ کالونی چلتے ہیں تو وہ کہتا ہے تمہیں کوئی اور جگہ نہیں ملتی۔ ہم وہاں نہیں جائیں گے۔ آپ کو پتہ ہے کہ میں تو پھر ہر چیز کی ونڈ کر دیتا ہوں۔

گیارہویں شریف کے مسئلہ میں ایک غلط فہمی

ایک بار ملی یکجہتی کونسل بنی تھی۔ اس میں سارے مسالک کے نمائندے موجود تھے۔ قائد ملت اسلامیہ حضرت مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی رحمۃ اللہ علیہ اس کونسل کے صدر

تھے۔میں بھی اس کے مرکز کا رکن تھا۔ایک مرتبہ کوئٹہ میں میٹنگ تھی۔میں اور میرے داماد مولانا غلام مصطفیٰ شاکر (اللہ ان کی حفاظت فرمائے۔سلامت رکھے) ہم اس میٹنگ میں شرکت کے لیے کوئٹہ گئے۔ ہم ہوٹل کے اندر داخل ہو رہے تھے کہ سامنے سے مشہور دیوبندی عالم میاں اجمل قادری صاحب جو کہ اس دعوت کے میزبان تھے وہ آ گئے۔ان سے علیک سلیک ہوئی۔ میں نے ان سے پوچھا کہ ماشاءاللہ! میاں صاحب آج تو پھر خوب جیب ڈھیلی ہو گی۔ وہ فٹ کہنے لگے بس جی یہ لنگر قادریہ ہے۔ میں نے کہا: لنگر قادریہ؟ کہنے لگے بیشک لنگر قادریہ ہے۔ میں نے دل میں کہا کہ میاں صاحب پھنس گئے۔خیر وہ آگے چلے گئے۔ہم بھی آگے آ گئے۔میٹنگ شروع ہوئی۔ پہلا سیشن ختم ہوا۔ اب نماز اور کھانے کا وقفہ ہوا۔ہم کھانے کی میز پر بیٹھے ہوئے تھے۔میاں صاحب نے چونکہ بل دینا تھا اس لیے وہ ہر کسی کی میز پر جا کر پوچھ رہے تھے کہ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔ ہمارے پاس بھی آئے مجھے بھی پوچھنے لگے کہ پروفیسر صاحب! کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟ میں نے کہا: میاں صاحب! ایک بات تو بتائیں کہ جب میں نے آپ سے پوچھا تھا کہ آج آپ کا خرچہ بہت ہو گا تو آپ نے کہا یہ لنگر قادریہ ہے۔ میں اس کا مطلب یہ سمجھا ہوں کہ آج آپ کی منشاء یہ ہے کہ ہمیں کھانا کھلا کر جو آپ کو ثواب ملے گا وہ سارے کا سارا آپ حضور غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں نذرانہ پیش کریں گے۔ کہنے لگے بالکل یہی مطلب ہے۔ میں نے کہا: میاں صاحب! ہم اسی کو گیارھویں شریف کہتے ہیں۔آج ہم آپ کے ہاتھوں سے گیارھویں شریف کھا رہے ہیں۔ حیران ہو کر کہنے لگے خواہ چاند کی گیارہ نہ بھی ہو۔میں نے کہا بالکل خواہ چاند کی پہلی ہو، پانچویں ہو، ساتویں ہو،

دسویں ہو، گیارھویں ہو، سولویں ہو، پچیسویں ہو، انتیسویں ہو جب بھی گیارھویں والے پیر کی بارگاہ میں نذرانہ پیش کروگے ہم اسے گیارھویں شریف کہتے ہیں۔ مجھے کہنے لگے اگر یہ بات ہے تو ہم یہ گیارھویں ہر مہینے دلواتے ہیں۔

پتہ چلا کہ ہمارے درمیان زیادہ تر غلط فہمیاں ہیں۔ جس دن اکٹھے بیٹھ کر ہر مسئلے کو قرآن وسنت کی روشنی میں حل کریں گے تو ساری غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔ جھگڑے ان مولویوں نے پیدا کیے جن کی روزی روٹی کا مدار اسی بات پر ہے۔ میں کہتا ہوں جوڑنے والے بنو، توڑنے والے مت بنو۔ جب قرآن کہہ رہا ہے کہ حرام وہی چیز ہے جسے اللہ نے حرام کیا تو پھر آپ اپنی طرف سے چیزوں کو حرام کہنے کی جرأت نہ کریں۔

ایک دیوبندی عالم مولانا خلیل احمد سہارنپوری انبیٹھوی لکھتے ہیں:

(وَتَلَا) اَیُ اِبُنُ عَبَّاسٍ لِبَیَانِ انُ لَّا تَحُرِیُمَ اِلَّا بِالُوَحُیِ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ آیت قُلُ لَّآ اَجِدُ فِیُ مَآ اُوُحِیَ اس لیے تلاوت فرمائی تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ چیز صرف وحی ہی سے حرام ہوتی ہے۔[1]

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

از یں جا معلوم می شود کہ اصل در اشیاء اباحت است

یہاں سے معلوم ہوا کہ چیزوں میں اصل اباحت ہے۔[2]

نیز فرماتے ہیں:

---

[1] بذل المجھود فی حل سنن ابی داؤد، جلد: ۱۱، صفحہ: ۵۷۹

[2] اشعۃ اللمعات، جلد: ۳، صفحہ: ۴۷۹، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

غرض وی رضی اللہ عنہ از تلاوت ایں آیت آں بودہ است کہ بدانانند کہ تحریم نیست مگر بوحی وجائز نیست بھواء ووحی گاہے جلی است وگاہے خفی

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس آیت کریمہ کے تلاوت فرمانے سے غرض یہ تھی کہ آپ بتادیں کہ کسی چیز کی حرمت صرف وحی سے ہی ہوتی ہے اور کسی چیز کو اپنی خواہش سے حرام قرار دینا جائز نہیں اور وحی کبھی جلی ہوتی ہے کبھی خفی۔[1]

مشہور غیر مقلد عالم شمس الحق عظیم آبادی صاحب لکھتے ہیں:

(قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ) اَیْ فِی الْقُرْآنِ اَوْ فِیْ مَا اُوْحِیَ اِلَیَّ مُطْلَقًا وَفِیْهِ تَنْبِیْهٌ عَلٰی اَنَّ التَّحْرِیْمَ اِنَّمَا یُعْلَمُ بِالْوَحْیِ لَا بِالْهَوٰی (مُحَرَّمًا) اَیْ طَعَامًا مُحَرَّمًا وَالْحَدِیْثُ یَدُلُّ عَلٰی اَنَّ الْاَشْیَاءَ اَصْلُهَا عَلَی الْاِبَاحَةِ

(فرمادیجیے! جو میری طرف وحی کی گئی میں اس میں نہیں پاتا) یعنی قرآن میں یا اس میں جو مطلقا میری طرف وحی کی گئی اور اس میں اس بات کی طرف تنبیہ ہے کہ حرمت صرف وحی سے معلوم ہوتی ہے خواہش سے نہیں (محرما) یعنی حرام کھانا اور حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔[2]

ایک اور وہابی عالم احمد حسن دہلوی صاحب اسی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

---

[1] اشعۃ للمعات، جلد: ۳، صفحہ: ۴۷۹، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

[2] عون المعبود علی شرح سنن ابی داؤد، جلد: ۱۰، صفحہ: ۱۹۵، تحت الحدیث: ۳۸۰۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ

رِجَالُهٗ كُلُّهُمْ ثِقَاتٌ وَاَخْرَجَهٗ اَيْضًا اِبْنُ مَرْدُوْيَهٖ وَالْحَاكِمُ وَصَحَّحَهٗ وَفِي الْبَابِ عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ رَفَعَهٗ بِلَفْظِ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ فِي كِتَابِه فَهُوَ حَلَالٌ وَّمَا حَرَّمَ فَهُوَ حَرَامٌ وَمَا سَكَتَ عَنْه فَهُوَ عَفُوٌّ فَاقْبَلُوا مِنَ اللهِ عَافِيَتَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُنْ يَنْسٰى شَيْئًا وَتَلَا فَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا اَخْرَجَهُ الْبَزَّارُ وَقَالَ سَنَدُهٗ صَالِحٌ وَالْحَاكِمُ وَصَحَّحَهٗ (قَوْلُهٗ تَقَذُّرًا) اَيْ كَرَاهَةً وَاَحَادِيْثُ الْبَابِ تَدُلُّ عَلٰى اَنَّ الْاَصْلَ فِي الْاَعْيَانِ وَالْاَشْيَاءِ الْاِبَاحَةُ اِلٰى اَنْ يَّرِدَ مَنْعٌ

اس حدیث کے سارے راوی ثقہ ہیں اور اس حدیث کو ابن مردویہ اور حاکم نے بھی بیان کیا اور حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس مضمون کی ایک حدیث حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے بھی بیان کی کہ خود رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال ٹھہرایا وہ حلال ہے اور جس چیز کو حرام کر دیا وہ حرام ہے اور جس چیز سے سکوت فرمایا وہ معاف ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے عافیت کو قبول کرو۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ بھولتا نہیں ہے۔ اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ آپ کا رب بھولنے والا نہیں ہے۔ اس حدیث کو امام بزار نے بیان کیا اور کہا اس حدیث کی سند صالح ہے۔ اس حدیث کو امام حاکم نے بیان کیا اور اسے صحیح قرار دیا۔ اس حدیث میں لفظ تَقَذُّرًا کراہت کے معنی میں ہے اور اس مضمون کی سب حدیثیں اس بات کی دلیل ہیں کہ اعیان واشیاء میں اصل اباحت ہے جب تک ممانعت وارد نہ ہو جائے۔ [1]

---

[1] تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوۃ، جلد: ۳، صفحہ: ۲۰۱

۴: کچھ لوگوں نے کئی چیزوں کو حرام قرار دے دیا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ

فرما دیجیے! کون ہے وہ جس نے اللہ کی زینت کو حرام کر دیا جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی تھی۔[1]

آپ یوں سمجھ لیجیے کہ مکہ والے کچھ جانوروں کو بتوں کے نام پر نامزد کر کے ان کا کھانا حرام سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ تمہارے حرام کرنے سے یہ چیزیں حرام نہیں ہوتیں۔ چیزیں اللہ رسول کے حرام کرنے سے حرام ہوتی ہیں۔

۵: لوگوں نے کہا: بحیرہ، سائبہ اور وصیلہ جانوروں کو اللہ نے حرام کیا ہے۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا

محبوب ان کو چیلنج کرو کہ وہ گواہ لاؤ جن گواہوں کے سامنے اللہ نے ان چیزوں کو حرام کیا ہے۔[2]

تو حضرات مولوی صاحبان! آپ بھی سن لیجیے۔ آپ کہہ دیتے ہیں کہ جنازے کے بعد دعا حرام ہے تو ذرا وہ گواہ لائیے جو یہ گواہی دیں کہ اللہ نے جنازے کے بعد کی

---

[1] سورۃ اعراف: ۳۲ [2] سورۃ انعام: ۱۵۰

دعا کو حرام کیا ہے۔ آپ کہہ دیتے ہو کہ ایصال ثواب کرنا حرام ہے ذرا وہ گواہ تو لایئے، قرآن کی وہ آیت لایئے جس میں لکھا ہو کہ ایصال ثواب حرام ہے۔ پیارے بیٹے! یہ چیزیں اس طرح حرام نہیں ہوتیں۔ اللہ نے کسی بھی چیز کو حرام کرنے کی اتھارٹی اپنے پاس رکھی ہے اور اپنے فضل سے اپنے حبیب علیہ السلام کو عطا فرمائی ہے۔ جس چیز کو اللہ، رسول نے حرام کر دیا وہ حرام ہے اور جس چیز کو اللہ، رسول نے حرام نہیں کیا وہ حرام نہیں ہے۔

ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ: پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف استواء فرمایا (جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے) پھر اللہ تعالیٰ نے ٹھیک ٹھیک سات آسمان بنائے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے

آپ نے یہاں استواء کا ترجمہ نہیں کرنا۔ کئی حضرات نے اس جگہ ٹھوکر کھائی اور ترجمہ کر دیا کہ پھر اللہ آسمان پر کھڑا ہو گیا حالانکہ اللہ تعالیٰ کھڑے ہونے، بیٹھنے اور اترنے سے پاک ہے۔ اس طرح کے الفاظ متشابہات کہلاتے ہیں۔ الفاظ حق ہیں اور ان کا معنی اللہ یا اللہ کی عطا سے اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے ہیں۔

زمین پہلے بنی یا آسمان؟

سوال جب آپ قرآن شریف پڑھتے ہیں تو سورۃ نازعات میں ہے:

وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ؕ۳۰

آسمانوں کی تخلیق کے بعد اللہ نے زمین کو بچھا دیا۔[1]

---

[1] سورۃ النازعات: ۳۰

یہاں لوگ سوال کرتے ہیں کہ کبھی قرآن کہتا ہے کہ زمین پہلے بنی کبھی کہتا ہے آسمان پہلے بنا۔ہم کس بات کو مانیں اور کس بات کو نہ مانیں۔

جواب: اصل میں یہ چیزیں مرحلہ وار پیدا ہوئیں۔سب سے پہلے اللہ نے زمین کے مادے کو پیدا کیا پھر اللہ نے آسمان کی طرف قصد فرمایا اس وقت اس کی دخان والی حالت تھی پھر اس کے بعد اللہ نے زمین میں دحو کیا۔زمین کو پھیلایا۔دحو کا معنی پھیلانا ہے۔ اس میں پہاڑ گاڑے، دریا جاری کیے، سمندر بہائے۔مطلب یہ کہ سب سے پہلے زمین کا مادہ تیار ہوا لیکن اسے آسمان کے بننے کے بعد پھیلایا گیا۔

آیت نمبر: ۳۰

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۞۳۰

اور یاد کرو جب تیرے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ بیشک میں زمین میں نائب بنانے والا ہوں۔فرشتے بولے یا اللہ! تو زمین میں اس کو نائب بنائے گا جو زمین میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا اور ہم تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں اللہ نے فرمایا جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔

قرآن شریف میں جہاں بھی اسم ظرف اِذْ آئے تو اس سے پہلے لفظ اُذْكُرْ محذوف ہوتا ہے۔معنی یہ ہے کہ یاد کرو۔

خلیفہ بنانے کی وجوہات اور اللہ نے خلیفہ کیوں بنایا؟

سوال خلیفہ اور نائب تین وجہ سے بنایا جاتا ہے:

۱: کسی مجبوری کی وجہ سے کہ بندے نے کہیں آنا جانا ہو جیسے ملک کے صدر یا وزیر اعظم کو دیگر ممالک کے دورے پر جانا پڑتا ہے تو پھر ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ کسی کو ان کا نائب بنا دو تا کہ ان کی غیر موجودگی میں بھی ان کی ذمہ داری پوری ہوتی رہے۔

۲: نائب اس لیے بھی بنایا جاتا ہے کہ موت تو سب کو آنی ہے۔ اگر یہ صدر صاحب یا وزیر اعظم صاحب مر گئے تو پھر کون ان کی جگہ پر آئے گا۔

۳: نائب اس لیے بھی بنایا جاتا ہے کہ کام کا بوجھ بہت زیادہ ہے۔ اکیلا بندہ سارے کام نہیں کر سکتا جیسے کہ پرائم منسٹر صاحب خود سارے کام نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے پچاس کے قریب نائب بنائے ہوتے ہیں۔ کسی کو وزیر داخلہ، کسی کو وزیر خارجہ اور کسی کو وزیر مذہبی امور بنا دیا جاتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اللہ کو نائب بنانے کی کیا ضرورت تھی؟ اللہ کہیں آتا جاتا نہیں ہے بلکہ وہ تو ہر وقت، ہر جگہ، ہر کسی کے ساتھ ہے۔ ارشاد فرماتا ہے: **وَ هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ** وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔[۱]

اور اللہ رب العزت کو موت بھی نہیں آ سکتی کیونکہ وہ حی و قیوم خود زندہ اور دوسروں کا زندہ رکھنے والا ہے اور اللہ سارے کام خود کرنے پر قادر ہے، کسی کا محتاج نہیں تو پھر اللہ نے نائب اور خلیفہ کیوں بنایا؟

---

[۱] سورۃ الحدید: ۴

جواب: اللہ نے اپنی مجبوری کے لیے نائب نہیں بنایا بلکہ ہماری مجبوری کے لیے نائب بنایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ غایت تقدس یعنی پاکیزگی کے اعلیٰ ترین مراتب سے بھی بہت اونچا ہے اور ہم بہت گندے مندے ہیں۔ ہمارے اندر اتنی سکت ہی نہیں کہ ہم اس سے فیض لے سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں فیض عطا کرنے کے لیے ایک درمیانی شخصیت کو پیدا فرمایا۔ ایسی شخصیت جس کا تعلق خالق اور مخلوق دونوں سے ہو۔ خالق سے فیض لے اور مخلوق میں تقسیم کرے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری ضرورت کی وجہ سے نائب کا تعین فرمایا۔ خلیفۃ اللہ میں دو جہتیں جہت نورانیت وملکیت اور جہت بشریت کا ہونا ضروری ہے۔ جہت نورانیت و ملکیت کی وجہ سے اللہ سے فیض حاصل کرتا ہے جبکہ جہت بشریت کی وجہ سے مخلوق میں فیض تقسیم کرتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اس زمین پر اللہ کے سب سے پہلے خلیفہ ہیں۔ اللہ نے ہر خلیفہ کے بعد اپنے خلیفہ اعظم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا میں مبعوث فرمایا۔

۶ جنوری ۱۹۸۶ میں کمبوہ شریف میں میرا مناظرہ تھا۔ حضرت اشرف العلماء علامہ محمد اشرف سیالوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد شریف صاحب رضوی رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف فرما تھے اور دیوبندیوں کی طرف سے یوسف رحمانی صاحب، ماسٹر امین اوکاڑوی صاحب اور ڈاکٹر خالد محمود سیالکوٹی صاحب تھے۔ میں نے پہلی دلیل ہی یہ پیش کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے خلیفہ اعظم ہیں اور نبی ہوتا ہی وہ ہے جس میں دو جہتیں جہت نورانیت اور جہت بشریت ہوں تا کہ اللہ سے فیض لے اور مخلوق میں تقسیم کرے۔

جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے لگا ہوں تو فرشتوں نے کہا یا اللہ! کیا تو اس کو خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد اور خونریزی کرے گا؟ یا اللہ! اگر تو تُو نے خلیفہ اس لیے بنانا ہے تا کہ تیری عبادت و ریاضت اور تسبیح بیان ہو تو مالک! ہم تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں۔ یا اللہ! اس خلیفے نے ہمارے مقابلے میں تیری کیا تسبیح بیان کرنی ہے؟ ایک تو ان کی عمریں تھوڑی ہیں۔ دوسرا یہ کہ مثلاً کسی کی ساٹھ سال عمر ہے تو وہ ساٹھ سال لگاتار تیری تسبیح نہیں پڑھ سکتا۔ وہ سوتا بھی ہے۔ ایک آدمی اوسطاً آٹھ گھنٹے سوتا ہے تو ساٹھ سال عمر ہوئی تو بیس سال اس نے سوتے میں گزار دیئے اور باقی چالیس سال عمر رہ گئی اور باقی عمر میں بھی یہ نہیں کہ پیدا ہوتے ہی اس نے عبادت شروع کر دی۔ ہوش میں آتے آتے سات، آٹھ سال لگا دیئے تو پھر یا اللہ! وہ شادی بھی کرائے گا، دنیاداری بھی کرے گا۔ ہر وقت تیری تسبیح بیان نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فرشتو! جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ میں نے زمین، آسمان اپنے محبوب علیہ السلام کے لیے بنائے۔ جنت اپنے محبوب علیہ السلام کے وفاداروں کے لیے بنائی جبکہ دوزخ محبوب علیہ السلام کے دشمنوں کے لیے تیار کی۔ فرشتو! میرے محبوب علیہ السلام نے تم میں سے ہو کر نہیں آنا بلکہ ان کو اسی خلیفے کی نسل میں بھیجوں گا۔

آیت نمبر: ۳۱

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۱﴾

اور اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ہر چیز کے نام سکھا دیئے پھر اللہ تعالیٰ نے وہ چیزیں فرشتوں کے سامنے رکھیں فرمایا فرشتو! ان چیزوں کے نام تو بتاؤ اگر تم سچے ہو۔

اسماء جمع کا صیغہ ہے۔ اس پر الف، لام داخل ہے اور پھر اس کے بعد کلھا تاکید کے طور پر ہے۔ معنی یہ ہے کہ کوئی بھی چیز ایسی نہیں جس کا نام اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو نہ سکھایا ہو۔ ہر ہر چیز کا نام اور اس کے خصائص و خصائل جناب آدم علیہ السلام کو سکھا دیئے۔

آدم علیہ السلام کو ہر چیز کے نام سکھائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیا سکھایا۔ اللہ فرماتا ہے:

وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾

محبوب! تو جو بھی نہیں جانتا تھا اللہ نے سب کچھ سکھا دیا اور اللہ کا تجھ پر بڑا فضل ہے۔ [1]

حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے لیکن اس کے بعد یہ نہیں فرمایا کہ ہمارا جناب آدم علیہ السلام پر بڑا افضل ہے لیکن جب محبوب علیہ السلام کو علم سکھانے کی باری آئی تو فرمایا محبوب! تجھ پر ہمارا بہت بڑا افضل ہے۔ پتہ چلا سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت جناب آدم علیہ السلام کی عظمتوں سے کہیں زیادہ ہے پھر اللہ تعالیٰ نے وہ چیزیں فرشتوں کے سامنے رکھیں اور ارشاد فرمایا فرشتو! ذرا ان چیزوں کے نام تو بتاؤ اگر تم سچے ہو۔ تمہارا دعویٰ تھا کہ ہم اس سے بہتر خلافت کی صلاحیت رکھتے ہیں تو بتاؤ ان چیزوں کے نام کیا ہیں۔

---

[1] سورۃ النساء: ۱۱۳

آیت نمبر: ۳۲

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴿۳۲﴾

فرشتوں نے کہا یااللہ! تجھے پاکی ہے ہمیں تو ان چیزوں کا علم ہی نہیں ہے ہمیں تو صرف اتنا پتہ ہے جتنا تو نے سکھایا ہے بیشک تو علم والا اور حکمت والا ہے۔

قرآن سے پتہ چلا کہ فرشتوں نے ان چیزوں کے نام بتانے سے عذر یہ پیش کیا کہ یااللہ! ہمیں علم نہیں۔ خبر وہی دیتا ہے جس کے پاس علم ہو۔ ہمیں چونکہ علم نہیں اس لیے ہم خبر نہیں دے سکتے۔ جب فرشتوں نے چیزوں کے نام بتانے سے عجز کا اظہار کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

آیت نمبر: ۳۳

قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۚ فَلَمَّاۤ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۙ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾

اے آدم! ان کو ان چیزوں کے ناموں کی خبر دو جب آدم علیہ السلام نے ان چیزوں کے نام بتا دیئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا میں تمہیں نہیں کہا کرتا تھا کہ بیشک میں آسمانوں اور زمین کی ہر چھپی بات کو جانتا ہوں میں اس چیز کو بھی جانتا ہوں جو تم نے ظاہر کی تھی اور میں اس چیز کو بھی جانتا ہوں جسے تم نے ظاہر نہیں کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ یہاں اپنی توحید کی دلیل دے رہا ہے۔ اِلٰہ وہ ہوتا ہے جو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کی ہر وقت خبر رکھتا ہو۔ ارشاد فرمایا چونکہ ہر چیز کی ہر وقت میں ہی خبر رکھتا ہوں تو فرشتوں کی عبادت نہ کرو۔ کچھ لوگ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے۔ اس آیت میں ان کا رد ہے۔

کیا علم کے بغیر کسی چیز کی خبر دی جاسکتی ہے؟

میرا ایک مرتبہ ضلع چنیوٹ میں ایک جگہ مناظرہ تھا۔ مناظرے کا عنوان نبی کریم ﷺ کا علمِ غیب شریف تھا۔ میرے مدمقابل دیوبندی عالم یوسف رحمانی صاحب تھے۔ میں جو بھی دلیل پیش کروں وہ کہیں یہ غیب کی خبر ہے اسے غیب کا علم نہیں کہہ سکتے۔ میں نے ان کو بڑا سمجھایا کہ جب تم مانتے ہو کہ نبی کریم ﷺ نے غیب کی خبریں دی ہیں تو کسی چیز کی خبر وہی دے سکتا ہے جس کے پاس پہلے علم ہو۔ بغیر علم کے کوئی بھی خبر نہیں دے سکتا پھر میں نے تین سے چار مرتبہ زور دے کر پوچھا کہ مجھے خبر اور علم میں فرق بتاؤ تو وہ کہنے لگے کہ خبر اور علم میں فرق یہ ہے کہ خبر میں خ، ب، ر آتا ہے جبکہ علم میں ع، ل اور میم۔

قرآن کہہ رہا ہے کہ خبر وہ دے سکتا ہے جس کے پاس علم ہو چونکہ فرشتوں کے پاس علم نہیں تھا خبریں نہ دے سکے اور چونکہ آدم علیہ السلام کے پاس علم تھا اس لیے انہوں نے ان چیزوں کے ناموں کی خبریں ارشاد فرمائیں۔

صحیح بخاری میں کتاب العلم کے اندر ایک باب **اَلْعِلْمُ قَبْلَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ**[1] موجود ہے۔ یہ باب بتا رہا ہے کہ بولنے سے پہلے علم کا ہونا ضروری ہے۔ اگر علم

---

[1] صحیح بخاری، صفحہ:۲۹

نہیں تو بندہ بول نہیں سکتا۔اسی طرح عمل سے پہلے بھی علم کا ہونا ضروری ہے۔اگر علم نہیں تو بندہ عمل نہیں کر سکتا۔ وضو ایک عمل ہے لیکن جس کو وضو کا علم نہیں وہ وضو نہیں کر سکتا۔اسی طرح نماز ایک عمل ہے لیکن جس کو نماز کا علم نہیں وہ نماز نہیں پڑھ سکتا۔جب یہ مان لیا کہ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے غیب کی خبریں دی ہیں تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اللہ نے پہلے نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کو غیب کا علم دیا پھر آپ نے ان غیب کی چیزوں کی خبریں دیں۔

علم کا درجہ عمل سے زیادہ ہے

ان آیتوں میں دو شخصیتیں جناب آدم عَلَیْہِ السَّلَام اور فرشتوں کا ذکر ہے۔فرشتوں کے پاس جناب آدم عَلَیْہِ السَّلَام سے زیادہ عمل تھا کیونکہ آپ ابھی پیدا ہوئے تھے جبکہ فرشتے ہزاروں، لاکھوں سال سے اللہ کی عبادت و ریاضت میں مصروف تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے خلافت کا تاج اس کے سر پر رکھا جس کے پاس علم کی دولت تھی۔اسی لیے مفسرین فرماتے ہیں علم کی شان عمل سے بہت زیادہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾

اور جو اپنے گھر سے نکلا اللہ و رسول کی طرف ہجرت کرتا پھر اسے موت نے آلیا تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ پر ہو گیا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔[1]

حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

---

[1] سورۃ نساء:۱۰۰

جو حافظ یا طالب علم حفظ یا طلب علم کے دوران میں مرجائے وہ قیامت کے دن علماء وحفاظ کے زمرہ میں اٹھے گا۔[1]

علم معمولی چیز نہیں ہے۔ اہلسنت میں ایک مار پڑی ہے کہ علم سے دور ہو گئے ہیں۔ جو مولوی صاحب شعر سنائے اور انٹ شنٹ باتیں بیان کرے اس سے بڑے خوش ہوتے ہیں جبکہ جو مولوی صاحب محنت کر کے علم کی بات بیان کرے انہیں عالم ہی نہیں سمجھتے۔ سنا ہے کہ ایک مرتبہ امام اہلسنت حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ علیہ دس محرم کو جھنگ میں تقریر کرنے کے لیے تشریف لائے۔ آپ کی تقریر کے دوران ایک آدمی کھڑا ہو گیا کہنے لگا سید نے تقریر تو بہت سنائی لیکن واقعہ شہادت اس کو نہیں آتا یعنی علم کا معیار یہ ہے کہ واقعات شہادت سنائے جائیں تو آپ عالم ہیں لیکن اگر قرآن، حدیث سنایا جائے تو آپ عالم ہی نہیں۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه حالانکہ اصل علم کا خزانہ قرآن میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن سمجھنے اور سمجھانے کی توفیق عطا کرے۔ فرشتوں پر حضرت آدم علیہ السلام کی فوقیت ظاہر ہو گئی۔ اب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

آیت نمبر: ۳۴

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ٭ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾

اور جب ہم نے فرشتوں کو کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سوائے ابلیس کے سب نے سجدہ

---

[1] تفسیر نور العرفان، صفحہ: ۱۴۸

کیا اس نے انکار کیا اور وہ بڑا بنا (متکبر بنا) اور کافر ہو گیا۔
وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ کا دو طرح ترجمہ ہو سکتا ہے۔ ایک یہ کہ کان، صار کے معنی میں ہے۔ مطلب یہ کہ ابلیس کافر ہو گیا یا یہ کہ وہ پہلے سے ہی کافر تھا لیکن اس کا کفر اب ظاہر ہوا۔ اس کائنات میں سب سے پہلا کافر ابلیس بنا۔ دو گروہ ایمان والے اور کفار اس دن سے وجود میں آئے جس دن ابلیس نے اللہ کے بندے کی تعظیم سے انکار کیا۔ کبھی اللہ کے پیاروں کی تعظیم سے انکار نہ کرنا اور ان کی عزت و عظمت میں بحث مباحثہ نہ کرنا کیونکہ یہ ابلیسی فعل ہے۔ ایمان والے تو ہر اس چیز کا بھی ادب اور حیا کرتے ہیں جس کی نسبت اللہ کی طرف ہو جاتی ہے۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَا دعا جنت میں مانگی گئی

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَيْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ قَالَ اخْرُجْ

مِنۡهَا مَذۡءُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا ؕ لَمَنۡ تَبِعَكَ مِنۡهُمۡ لَاَمۡلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنۡكُمۡ
اَجۡمَعِيۡنَ﴿۱۸﴾ وَيٰۤاٰدَمُ اسۡكُنۡ اَنۡتَ وَ زَوۡجُكَ الۡجَـنَّةَ فَكُلَا مِنۡ حَيۡثُ شِئۡتُمَا
وَ لَا تَقۡرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوۡنَا مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ﴿۱۹﴾ فَوَسۡوَسَ لَهُمَا
الشَّيۡطٰنُ لِيُبۡدِىَ لَهُمَا مَاوٗرِىَ عَنۡهُمَا مِنۡ سَوۡاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا
رَبُّكُمَا عَنۡ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنۡ تَكُوۡنَا مَلَكَيۡنِ اَوۡ تَكُوۡنَا مِنَ
الۡخٰلِدِيۡنَ﴿۲۰﴾ وَقَاسَمَهُمَاۤ اِنِّىۡ لَـكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيۡنَ﴿۲۱﴾ۙ فَدَلّٰٮهُمَا بِغُرُوۡرٍۚ
فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتۡ لَهُمَا سَوۡاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا يَخۡصِفٰنِ عَلَيۡهِمَا مِنۡ
وَّرَقِ الۡجَـنَّةِ ؕ وَنَادٰٮهُمَا رَبُّهُمَاۤ اَلَمۡ اَنۡهَكُمَا عَنۡ تِلۡكُمَا الشَّجَرَةِ وَ اَقُلۡ
لَّـكُمَاۤ اِنَّ الشَّيۡطٰنَ لَـكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ﴿۲۲﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا ٚ وَاِنۡ لَّمۡ
تَغۡفِرۡ لَنَا وَ تَرۡحَمۡنَا لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ﴿۲۳﴾ قَالَ اهۡبِطُوۡا بَعۡضُكُمۡ
لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ مُسۡتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيۡنٍ﴿۲۴﴾

بیشک ہم نے تمہیں پیدا کیا پھر ہم نے تمہارے نین نقش بنائے پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سوائے ابلیس کے سب نے سجدہ کیا۔ وہ سجدہ کرنے والوں میں سے نہیں تھا۔ اللہ نے فرمایا: اے ابلیس! جب میں نے تجھے حکم دیا تھا تو پھر تو نے سجدہ کیوں نہیں کیا۔ ابلیس نے کہا: میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے بنایا۔ اللہ نے فرمایا: چل، یہاں سے دفع ہو جا۔ تیرا حق ہی نہیں ہے کہ تو یہاں رہ کر تکبر کرے۔ نکل جا، بیشک تو ذلیلوں میں سے ہے۔ ابلیس نے کہا: مجھے قیامت

کے دن تک مہلت دے۔ اللہ نے فرمایا: تجھے مہلت ہے۔ کہنے لگا: مجھے بھی قسم ہے تو نے مجھے گمراہ کیا یہ آدم کی اولاد سیدھے راستے پر چل رہی ہو گی تو میں ضرور ان کے راستے میں بیٹھوں گا۔ میں سامنے سے، پیچھے سے، دائیں سے اور بائیں سے ان کو پڑوں گا اور مالک تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔ ارشاد فرمایا: نکل جا یہاں سے اس حال میں کہ تو راندہ درگاہ اور ذلیل ہے۔ آدم کی اولاد میں سے جو بھی تیرے پیچھے لگے گا میں تم سب سے دوزخ کو بھر دوں گا۔ اے آدم! تو اور تیری بیوی جنت میں رہو اور دونوں کھاؤ جہاں سے چاہو اور اس درخت کے قریب نہیں جانا اگر تم اس کے قریب گئے تو تم دونوں ظالموں میں سے ہو جاؤ گے پھر ان کے دل میں شیطان نے وسوسہ ڈالا تا کہ ان کے لیے وہ چیز ظاہر کر دے جو ان کے لیے چھپی ہوئی تھی۔ شیطان نے کہا تمہیں تمہارے رب نے اس درخت سے اس لیے منع کیا کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ یا تم ہمیشہ اس میں رہنے والے نہ بن جاؤ۔ شیطان نے ان دونوں سے قسم کھائی کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں تو انہیں دھوکے سے اتار لایا پھر جب دونوں نے درخت کا دانہ چکھا تو ان پر ان کی شرم کی چیزیں کھل گئیں اور جنت کے پتے اتار اتار کر اپنی شرمگاہیں چھپانے لگے۔ ان کے رب نے انہیں پکارا فرمایا کیا میں نے تمہیں اس درخت سے منع نہیں کیا تھا؟ کیا میں نے تمہیں پہلے بتا نہیں دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے؟ دونوں نے عرض کی: یا اللہ! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اور اگر تو ہمیں نہیں بخشتا اور ہم پر رحم نہیں کرتا تو ہم گھاٹا پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ اللہ نے فرمایا: سارے اترو، تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہو گے اور تمہارے

لیے زمین میں ایک مدت تک ٹھکانا اور برتنا ہے۔ ؂۱

جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ میرے آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس نے تکبر کی وجہ سے جناب آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا۔ دلیل کے طور پر کہنے لگا میں چونکہ آگ سے پیدا کیا گیا ہوں آگ کا شعلہ پستی سے بلندی کی طرف جاتا ہے جبکہ آدم مٹی سے پیدا ہوئے اور مٹی بلندی سے پستی کی طرف جاتی ہے تو لہٰذا میں آدم سے بہتر ہوں اس لیے میں اس کو سجدہ نہیں کر سکتا۔ اللہ نے ابلیس کی منطقیانہ اور فلسفیانہ دلیل کے جواب میں فرمایا یہاں سے دفع ہو جا۔ تیرا حق نہیں بنتا کہ تو تکبر کرے۔ نکل جا، تو ذلیلوں میں سے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جناب آدم اور حضرت حوا علیہا السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: اے آدم! تو اور تیری بیوی جنت میں رہو۔ ابتداءً جناب آدم علیہ السلام تنہا تھے۔ ایک دن آپ سو رہے تھے تو اللہ نے بائیں پسلی سے ان کا جوڑا بنا دیا۔ حضرت حوا پیدا ہو گئیں تو چونکہ یہ جناب آدم علیہ السلام کے گوشت اور خون سے بنی تھیں تو آپ کے دل میں محبت پیدا ہو گئی۔ ہاتھ لگانا چاہا تو اللہ نے فرمایا: ذرا ٹھہر۔ پہلے حق مہر دے۔ انہوں نے عرض کی: یا اللہ! کیا حق مہر دوں؟ فرمایا: میرے حبیب علیہ السلام پر بیس مرتبہ درود و سلام کا نذرانہ پیش کر تیرا مہر ادا ہو جائے گا۔ ؂۲

؂۱ سورۃ اعراف: ۱۱۔ ۲۴

؂۲ دیوبندیوں کے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رقمطراز ہیں: ابن الجوزی نے اپنی کتاب سلوۃ الاحزان میں ذکر کیا ہے کہ آدم علیہ السلام نے جب حضرت حوا علیہا السلام سے قربت کرنا چاہا تو انہوں نے مہر طلب کیا۔ آدم علیہ السلام نے دعا کی: اے رب! میں ان کو (مہر میں) کیا چیز دوں؟ ارشاد ہوا: اے آدم! میرے حبیب محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بیس دفعہ درود بھیجو چنانچہ ایسا ہی کیا۔ (نشر الطیب، صفحہ: ۱۸)

نبیوں کو خطا وار کہنا کیسا؟

اللہ تعالیٰ نے جناب آدم وحوا علیہما السلام کو جنت کے ایک درخت کے قریب جانے سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر تم اس کے قریب گئے تو تم دونوں ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ کچھ لوگ اس طرح کی باتیں پڑھ کر یا سن کر ان پاکیزہ ہستیوں کو خطا وار اور ظالم کہنا شروع کر دیتے ہیں اور دلیل کے طور پر قرآن کی آیت پیش کرتے ہیں اور تاثر یہ دیتے ہیں کہ جب اللہ نے ان کے بارے میں یہ الفاظ ذکر کئے تو ہم ایسے الفاظ کیوں نہیں کہہ سکتے؟ حالانکہ اللہ خالق و مالک ہے جو چاہے اپنے بندے کو کہے کوئی وہاں دم نہیں مار سکتا۔ اسی طرح اگر کوئی نبی اپنے بارے میں ایسے کلمات کہے تو نبی خود اپنے بارے میں کہہ رہا ہے۔ مجھے اور تمہیں حق نہیں کہ ہم بھی ان کو ایسے لفظوں سے پکاریں۔ ایک بزرگ دعا کر رہے ہوں کہ یا اللہ! میں بڑا کمینہ اور کمزور ہوں تو مجھے معاف کر دے۔ اس دعا کو سن کر کوئی مرید، پیر صاحب کو کمینہ کہنا شروع کر دے اور دلیل یہ دے کہ وہ دعا میں خود اپنے آپ کو کمینہ کہہ رہے تھے تو ہر کوئی ایسے مرید کو بیوقوف ہی کہے گا اور کہے گا کہ وہ عاجزی کرتے ہوئے اپنے آپ کو جو مرضی کہیں لیکن کسی اور کو یہ اختیار نہیں کہ وہ بھی ان کو ایسے لفظ کے ساتھ پکارے۔ انبیاء علیہم السلام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔ اللہ انہیں جو مرضی کہے، وہ خود اپنے آپ کو جو مرضی کہیں لیکن کسی اور کو حق نہیں کہ وہ بھی ان کو ایسے الفاظ کے ساتھ پکارے۔

یہاں یہ بات بھی سمجھ لیجیے کہ جان بوجھ کر اللہ کی نافرمانی کرنا عصمت کہلاتا ہے۔ اللہ کے نبی یا اللہ کے فرشتے جان بوجھ کر اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے۔ بھول جائیں یا اللہ بھلا دے یہ الگ بات ہے۔

شیطان نے جناب آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کو دو طرح وسوسہ دیا۔ شیطان نے کہا کہ یہ شجرۃ الخلد ہمیشگی کا درخت ہے۔ جو بھی اس درخت سے کھائے گا وہ ہمیشہ جنت میں رہے گا۔ دوسرا وسوسہ یہ دیا کہ اللہ نے تمہیں اس درخت کے قریب جانے سے منع کیا ہے۔ تم اس کے قریب مت جاؤ بلکہ جو اس جیسا دوسرا درخت ہے اس میں سے دانہ کھالو۔ پھر کہنے لگا کہ اللہ نے تمہیں اس درخت کے قریب جانے سے اس لیے منع کیا ہے تا کہ تم ہمیشہ ہی جنت میں نہ رہ جاؤ کیونکہ اللہ کا تمہارے بارے میں کچھ اور ارادہ ہے۔ جناب آدم علیہ السلام نے فرمایا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ ہم سے ایسی بات کرے۔ شیطان نے اللہ کے نام کی قسم کھالی۔ کہنے لگا میں کوئی آپ کا دشمن تو نہیں۔ میں تو آپ کا خیر خواہ ہوں۔ شیطان کے دھوکے کی وجہ سے جناب آدم اور حوا علیہما السلام نے درخت کا دانہ چکھ لیا۔ دانہ چکھتے ہی ان پر ان کی شرم کی چیزیں کھل گئیں۔ فطری شرم کی وجہ سے جنت کے درختوں کے پتوں سے انہیں چھپانے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: کیا میں نے تمہیں اس درخت سے منع نہیں کیا تھا؟ کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے؟ اللہ تعالیٰ کے اس فرمانے پر جناب آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام نے کوئی بہانا نہیں بنایا کہ ہمارا ارادہ نافرمانی کا نہیں تھا۔ ہمیں تو شیطان نے دھوکہ دے دیا بلکہ دونوں نے عرض کی: یا اللہ! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ اگر تو ہمیں نہیں بخشتا اور ہم پر رحم نہیں کرتا تو ہم گھاٹا پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ یہ دعا حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام نے جنت میں مانگی تھی۔ اس دعا کے مانگنے کے بعد اللہ نے فرمایا: چلو بھئی سارے ہی اترو۔ یہ سارے کون تھے؟ حالانکہ

وہاں تو حضرت آدم اور حضرت حوا دو ہی تھے؟ ساروں سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی ساری اولاد تھی جن میں ایمان والے اور بے ایمان سب شامل تھے۔ یہ نہیں کہنا چاہیے کہ جناب آدم علیہ السلام نے ہمیں جنت سے نکالا بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ کافروں نے ہمیں جنت سے نکالا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر بھیجا تاکہ کافر زمین پر رہ جائیں اور اللہ کے پیارے نیک اعمال کر کے پھر جنت میں آجائیں۔

سورۃ اعراف کی اتنی زیادہ آیتیں اس لیے بیان کیں کیونکہ اس میں تفصیل بیان ہوئی ہے۔ دوسرا یہ بتانا مقصود ہے کہ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا یہ دعا جناب آدم علیہ السلام نے جنت میں مانگی تھی۔

آیت نمبر: ۳۵

وَ قُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۠ وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾

اور ہم نے فرمایا اے آدم! تو اور تیری بیوی جنت میں رہو اور تم دونوں جنت میں سے بغیر روک ٹوک کے جہاں سے جی چاہے کھاؤ اور اس درخت کے قریب نہیں جانا اگر تم اس درخت کے قریب گئے تو تم دونوں ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔

درخت کے بارے میں مختلف باتیں بیان کی جاتی ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ گندم کا درخت تھا جبکہ کوئی کہتا ہے انگور کا درخت تھا لیکن سچی بات یہ ہے کہ چونکہ اس بارے میں اللہ، رسول نے ہمیں نہیں بتایا اسی لیے ہم نہیں جانتے اور اس بارے میں خاموش ہیں۔ ہم صرف

اسی بات کے تابع ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمائی۔

آیت نمبر: ۳۶

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۪ وَ قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾

شیطان نے انہیں جنت سے پھسلا دیا اور جہاں وہ رہتے تھے وہاں سے نکلوا دیا اور ہم نے فرمایا تم سارے اترو تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہوں گے اور تمہارے لیے ایک مدت تک زمین میں رہنا اور نفع حاصل کرنا ہے۔

اهْبِطُوْا جمع کا صیغہ اس لیے بیان کیا کیونکہ جناب آدم علیہ السلام کی پشت میں مومن اور کافر سب ہی موجود تھے۔ سب کو فرمایا کہ تم سب جنت سے اترو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ اولاد آدم ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے یہ بھی بالکل ظاہر و باہر ہے۔ مومنین اور کفار ایک دوسرے کے دشمن ہیں اور بعض اوقات ضد بازی کی وجہ سے مومن اور مومن بھی ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے ہیں پھر ارشاد فرمایا کہ تمہارے لیے زمین میں ایک مدت تک رہنا اور برتنا ہے۔ مدت سے مراد سانس ہے جسے دنیاوی زندگی سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ جب تک سانس ہے دنیا کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہو گے جیسے ہی سانس اکھڑی دنیاوی نعمتیں ختم اب آخرت کے معاملات شروع ہو جائیں گے۔

آیت نمبر: ۳۷

فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۳۷﴾

پھر آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے چند کلمے سیکھ لیے تو اللہ تعالیٰ نے ان کلمات کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول کر لی بیشک وہ توبہ قبول کرنے والا بڑا ہی مہربان ہے

جناب آدم علیہ السلام کی توبہ کہاں قبول ہوئی؟

بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا کلمات کی وجہ سے اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی لیکن یہاں پر ایک اشکال ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان کلمات کی وجہ سے توبہ قبول ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ توبہ فوراً قبول ہوگئ۔ ادھر دانہ کھایا، ادھر اللہ نے پوچھا اور ادھر انہوں نے عرض کی رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا اور ساتھ ہی توبہ قبول ہوگئی لیکن کئی ایسی چیزیں ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ توبہ جنت میں قبول نہیں ہوئی بلکہ زمین پر قبول ہوئی تھی۔ ایک حدیث شریف سماعت کیجیے۔ اس حدیث کو نجدی حضرات کے امام حافظ ابن تیمیہ نے نقل کیا۔ دو سندوں کے ساتھ منقول ہے۔ پہلی حدیث کے راوی حضرت سیدنا میسرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ مَتٰى كُنْتَ نَبِيًّا؟ قَالَ لَمَّا خَلَقَ اللهُ الْأَرْضَ وَاسْتَوٰى إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ وَخَلَقَ الْعَرْشَ: كَتَبَ عَلٰى سَاقِ الْعَرْشِ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهِ خَاتَمُ الْأَنْبِيَاءِ وَخَلَقَ اللهُ الْجَنَّةَ الَّتِي أَسْكَنَهَا آدَمَ وَحَوَّاءَ فَكَتَبَ اسْمِي عَلَى الْأَبْوَابِ وَالْأَوْرَاقِ

وَالْقِبَابِ وَالْخِيَامِ وَآدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ فَلَمَّا أَحْيَاهُ اللهُ تَعَالَى: نَظَرَ إِلَى الْعَرْشِ فَرَأَى اسْمِي فَأَخْبَرَهُ اللهُ أَنَّهُ سَيِّدُ وَلَدِك فَلَمَّا غَرَّهُمَا الشَّيْطَانُ تَابَا وَاسْتَشْفَعَا بِاسْمِي إِلَيْهِ۔

میں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! آپ کب سے نبی ہیں؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا فرمایا اور آسمان کی طرف توجہ فرما کے سات آسمان بنائے اور عرش کو پیدا کیا اور عرش کے پائے پر میرا نام محمد رسول اللہ ﷺ، خاتم الانبیاء لکھا اور اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا کیا جس میں اس نے حضرت آدم اور حضرت حوا کو رکھا۔ میرا نام جنت کے دروازوں، پتوں، گنبدوں اور خیموں پر لکھا اس وقت حضرت آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسد کے درمیان تھے پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ انہوں نے عرش پر میرا نام دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بتایا یہ تیری اولاد کے سردار ہیں۔ جب شیطان نے انہیں دھوکہ دیا تو حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میرے نام کا وسیلہ پیش کر کے توبہ کی درخواست کی۔

دوسری حدیث کے راوی حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

لَمَّا أَصَابَ آدَمَ الْخَطِيئَةَ رَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ يَا رَبِّ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ إِلَّا غَفَرْتَ لِي فَأَوْحَى إِلَيْهِ وَمَا مُحَمَّدٌ؟ وَمَنْ مُحَمَّدٌ؟ فَقَالَ: يَا رَبِّ إِنَّك لَمَّا أَتْمَمْت خَلْقِي رَفَعْتُ رَأْسِي إِلَى عَرْشِك فَإِذَا عَلَيْهِ مَكْتُوبٌ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ فَعَلِمْتُ أَنَّهُ أَكْرَمُ خَلْقِك عَلَيْك؛ إِذْ قَرَنْتَ

اسْمَهُ مَعَ اسْمِكَ فَقَالَ: نَعَمْ قَدْ غَفَرْتُ لَكَ وَهُوَ آخِرُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ وَلَوْلَاهُ مَا خَلَقْتُكَ

جب آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہوئی تو انہوں نے اپنے سر کو اٹھا کر اللہ کی بارگاہ میں عرض کی: اے رب العالمین! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے سے مجھے معاف فرما تو اللہ تعالیٰ نے پوچھا: یہ محمد کون ہیں؟ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی: رب العالمین! جب تو نے مجھے پیدا فرمایا تو میں نے اپنے سر کو تیرے عرش کی طرف اٹھایا تو وہاں مجھے محمد رسول اللہ لکھا ہوا نظر آیا تو مجھے معلوم ہو گیا کہ یہی تیری ساری مخلوق میں تیرے نزدیک مکرم ہیں اس لیے کہ تو نے ان کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ہاں! میں نے تیری بخشش کر دی اور یہی تیری اولاد میں سے سب سے آخری نبی ہوں گے۔ اگر یہ نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا نہ کرتا۔

حافظ ابن تیمیہ نے ان دونوں حدیثوں کو نقل کرنے کے بعد لکھا:

فَهٰذَا الْحَدِيثُ يُؤَيِّدُ الَّذِي قَبْلَهُ وَهُمَا كَالتَّفْسِيرِ لِلْأَحَادِيثِ الصَّحِيحَةِ

یہ حدیث اپنے سے پہلی حدیث کی تائید کر رہی ہے اور یہ دونوں حدیثیں صحیح حدیثوں کی سی تفسیر کر رہی ہیں۔[1]

حافظ ابن تیمیہ کے قول سے ثابت ہوا کہ یہ حدیثیں من گھڑت نہیں ہیں کیونکہ

---

[1] فتاوی ابن تیمیہ، توحید الربوبیہ، فصل فی مقالۃ ابن عربی والرد علیہ، جلد: ۲، صفحہ: ۱۵۱

من گھڑت روایت کسی بھی روایت کی تائیداورصحیح احادیث کی طرح تفسیرنہیں کرسکتی۔

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ والی روایت مختلف سند کے ساتھ مستدرک حاکم میں بھی موجود ہے[1] اوراس کے متعلق امام حاکم فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔امام ابن جوزی نے ان دونوں حدیثوں حدیث میسرہ اور حدیث عمر رضی اللہ عنہما کو اپنی کتاب الوفا باحوال المصطفیٰ میں بیان کیا۔[2]

امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے ارشادفرمایا:

يَا آدَمُ" قَدْ قَبِلْنَا دُعَاءَكَ "لَوْ تَشَفَّعْتَ إِلَيْنَا بِمُحَمَّدٍ فِي أَهْلِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَشَفَّعْنَاكَ"

اے آدم ہم نے تیری دعا قبول کی اگرتو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے ہماری بارگاہ میں زمین وآسمان والوں کی سفارش کرتا تو ہم تیری سفارش کوقبول کرلیتے۔[3]

سوال حافظ ذہبی نے ان حدیثوں کومن گھڑت کہا ہے لہٰذا یہ قابل استدلال نہیں۔

جواب کسی بھی روایت کومن گھڑت کہنے کے لیے دلیل کی ضرورت ہے۔ راوی خود بیان کرے کہ میں نے اس حدیث کوگھڑا ہے یا کوئی اوروزنی شہادتیں ملیں کہ یہ حدیث گھڑی گئی ہے ورنہ من گھڑت کہنا سینہ زوری ہے۔ہم فتاوی ابن تیمیہ کے حوالے سے

---

[1] المستدرک علی الصحیحین، کتاب آیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم التی ھی دلائل النبوہ، جلد:۳،صفحہ:۲۱۵، ۲۱۶،رقم الحدیث:۴۲۸۱

[2] الوفا باحوال المصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابواب بدایۃ نبینا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، الباب الاول، فی ذکر التنویہ بذکر نبینا محمد من زمن آدم علیہ السلام،صفحہ:۲۶، رقم الحدیث:۳، ۴

[3] شرح الزرقانی علی المواھب، المقصد الاول، فی تشریف اللہ تعالی لہ، جلد اول،صفحہ:۱۱۹

بیان کر چکے ہیں کہ حافظ ابن تیمیہ کے نزدیک یہ حدیثیں من گھڑت نہیں ہیں۔ حافظ ذھبی کے من گھڑت کہنے سے اس کی نورانیت میں فرق نہیں آتا کیونکہ امام زرقانی فرماتے ہیں: میں نے اس حدیث کو امام بیہقی کی کتاب دلائل النبوہ سے نقل کیا ہے اور اس دلائل النبوہ کے بارے میں حافظ ذہبی کہتے ہیں: عَلَيْكَ بِهٖ فَاِنَّهٗ كُلَّهٗ هُدًى وَّنُوْرٌ اسے اپنے پاس رکھو کیونکہ امام بیہقی کی دلائل النبوہ شروع سے لے کر آخر تک ہدایت اور نور ہے۔ [1]

جہاں محدثین کا اختلاف آ جائے۔ کوئی محدث کہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور کوئی محدث کہے کہ من گھڑت ہے تو وہ حدیث صحت کے معیار پر نہیں رہتی، ضعیف ہو جاتی ہے لیکن اس کو موضوع کہنا بہت بڑی دھکے شاہی ہے۔ ہم اس بات کو بھی مانتے ہیں کہ سیدنا آدم علیہ السلام نے رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا کہا تھا کیونکہ یہ قطعی الثبوت ہے اس کا انکار کفر ہے جبکہ یہ حدیث ظنی ہے لیکن باب فضائل میں ظنیات بھی قبول کر لیے جاتے ہیں۔

آیت نمبر: ۳۸

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾

ہم نے فرمایا سارے نیچے اترو پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کی اتباع کرے گا تو ان پر کوئی ڈر نہیں ہوگا اور نہ ہی یہ غمگین ہوں گے۔

سب ارواح کو کہا جا رہا ہے کہ گا ہے گا ہے تمہارے پاس ہمارے نبی تشریف لاتے رہیں

---

[1] شرح الزرقانی علی المواھب، المقصد الاول، فی تشریف اللہ تعالی لہ، جلد اول، صفحہ: ۱۲۰

گے۔ جو بھی ان سے ہدایت حاصل کر کے اس کی پیروی کرے گا اس پر کوئی ڈر اور غم نہیں ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرنے والوں کو یہ مقام حاصل ہوگا۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾

سن لو! بیشک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے، نہ کچھ غم وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں۔[۱]

ہر دور میں کم از کم سات افراد ایسے موجود رہے ہیں جو اللہ کی توحید پر رہے۔[۲] اللہ کرے ہماری اولادوں میں بھی ایسے لوگ موجود رہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید پر رہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی پر رہیں۔

آیت نمبر: ۳۹

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾

---

۱ سورۃ یونس: ۶۲، ۶۳

۲ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ما خلت الارض من بعد نوح من سبعة يدفع الله بهم عن اهل الارض نوح علیہ السلام کے بعد ہمیشہ زمین پر سات افراد ایسے موجود رہے ہیں جن کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ زمین والوں سے مصیبتیں دور فرماتا رہا ہے۔ (الدر المنثور للسیوطی، جلد اول، صفحہ: ۷۶۵، ۷۶۶، تحت آیت سورۃ بقرہ: ۱۵۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت) امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

اور جنہوں نے انکار کیا اور ہماری نشانیوں کو جھٹلایا یہی لوگ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والدین کریمین جنتی ہیں

دوزخی وہ ہیں جن کے پاس کسی نبی کی دعوت وتبلیغ پہنچی، انہوں نے انکار کیا اور اللہ کی نشانیوں کو جھٹلایا لیکن جس بندے تک کسی نبی کا پیغام پہنچا ہی نہیں اور اس نے اللہ کی کسی نشانی کو بھی نہیں جھٹلایا تو وہ دوزخی نہیں ہے بشرطیکہ توحید کا اقرار کرے۔ یہ مانے کہ اللہ ہے۔ آج کئی مولوی صاحبان لمبی زبان نکالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نبی کے والدین معاذ اللہ کافر اور دوزخی تھے۔ توبہ توبہ العیاذ باللہ۔ قرآن آپ کے سامنے ہے۔ کسی کے جہنمی ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ اس کو کسی نبی کا پیغام پہنچا ہو۔ میں پوچھتا ہوں کہ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ اور سیدہ طیبہ طاہرہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا تک کس نبی کا پیغام پہنچا تھا؟ کیا کسی نبی کی دعوت پہنچی تھی؟ کیا انہوں نے کسی نشانی کو جھٹلایا تھا؟ جب ان تک کسی نبی کی دعوت نہیں پہنچی اور انہوں نے کسی نشانی کو نہیں جھٹلایا تو وہ جہنمی کیسے ہو سکتے ہیں۔

یہی مضمون قرآن شریف کی دیگر آیات سے ملاحظہ کیجیے:

۱: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾

جب تک ہم رسول بھیج نہ لیں اتنی دیر تک ہم کسی کو عذاب نہیں کرتے۔ [۱]

---

[۱] سورۃ بنی اسرائیل: ۱۵

کوئی بھی مستحق عذاب تب تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے رسول کے پیغام کا انکار نہ کرے۔اس آیت کی رو سے بتایئے کہ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ اور سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے کس نبی کا پیغام نہیں مانا؟ جب ان تک کسی نبی کا پیغام پہنچا ہی نہیں تو یہ آیت بھی پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والدین دوزخی نہیں ہیں۔

۲: اللہ ارشاد فرماتا ہے:

یٰسٓ ﴿۱﴾ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳﴾ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴﴾ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿۵﴾ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۶﴾

اے سید! (سوہنے شاہ جی) مجھے قسم ہے حکمت والے قرآن کی بیشک آپ رسولوں کی جماعت میں سے ہیں سیدھے راستے پر ہو یہ قرآن اللہ غالب رحم کرنے والے کا نازل فرمودہ ہے تاکہ تو اس قوم کو ڈرائے جس کے باپ دادا کو نہیں ڈرایا گیا۔[۱]

پتہ چلا محبوب اس قوم کو ڈرانے آئے ہیں جس کے باپ دادا کو بھی نہیں ڈرایا گیا۔ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والدین کے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا اور اللہ کا قانون ہے کہ اللہ جب تک رسول نہ بھیجے اس وقت تک کسی کو عذاب نہیں دیتا۔ میرے بھائی! بچ جا۔ بڑی بارگاہوں پر ہاتھ نہیں ڈالا کرتے۔ کیا تیرے لیے یہ کہنا ضروری ہے کہ معاذ اللہ نبی کے والدین ایمان والے نہیں تھے؟ توبہ کر ورنہ قانون یاد رکھ۔ قرآن ایک طرف ہو اور صحیحین

---

[۱] سورۃ یسین: ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶

کی متفق علیہ روایت دوسری طرف تو صحیحین کی متفق علیہ روایت بھی قرآن کے مقابلے پر آ جائے تو ہم ترجیح قرآن کو دیتے ہیں۔ ہم کہیں گے کہ یہاں کسی راوی سے گڑبڑ ہوئی ہے۔ ہم وہ نہیں کہ راوی کو سر پر بٹھالیں۔ راوی کو غلط کہنا آسان ہے جبکہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین پر طعنہ زنی کرنا توبہ توبہ بڑا مشکل کام ہے۔

ہمارے ابا جی قبلہ نے (اللہ ان کی قبر پر کروڑوں رحمتیں نازل کرے) باقاعدہ اس عنوان پر ایک کتاب ''فضائل سیدہ آمنہ طاہرہ رضی اللہ عنہا'' لکھی ہے۔

۳: اللہ ارشاد فرماتا ہے:

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾

محبوب! تا کہ تو اس قوم کو ڈرائے جن کو تجھ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا اس امید پر کہ نصیحت پکڑیں۔[۱]

مکہ مکرمہ میں جناب اسماعیل علیہ السلام کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کوئی نبی تشریف نہیں لایا۔ ایسے لوگ جن تک کسی نبی کی دعوت وتبلیغ نہیں پہنچی اصحاب فترت کہلاتے ہیں۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فَتْرَةٌ بَيْنَ عِيسَى وَمُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِمَا وَسَلَّمَ سِتُّ مِائَةَ سَنَةٍ

---

[۱] سورۃ قصص:۴۶

جناب عیسیٰ علیہ السلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان چھ سو سال زمانہ فترت ہے۔[1]

جب پورے چھ سو سال کسی نبی کی دعوت و تبلیغ نہیں تھی تو سیدنا عبداللہ اور سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے انکار کس کا کرنا تھا؟

۴: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ اِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَ اِسْمٰعِیْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَیْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ یُزَكِّیْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۲۹﴾

اور یاد کرو جب ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادوں کو اٹھا رہے تھے تو ساتھ ساتھ دعائیں مانگ رہے تھے کہ یا اللہ! ہماری محنت قبول فرما۔ بیشک تو سننے، جاننے والا ہے۔ یا اللہ! ہم دونوں کو مسلم رکھ اور ہم دونوں کی اولاد میں سے ایک گروہ مسلمان رہے اور ہمیں ہماری عبادت کے طریقے بتا اور ہم پر اپنی رحمت کے ساتھ رجوع فرما بیشک تو توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ یا اللہ! ان میں انہی (مسلم گروہ) میں سے ایک شان والا رسول بھیج جو ان پر تیری آیتیں تلاوت کرے اور انہیں کتاب کی تعلیم دے اور پختہ علم سکھائے اور انہیں پاک بھی کرے بیشک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔[2]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب اسلام سلمان الفارسی، صفحہ: ۱۰۷۳، رقم الحدیث: ۳۹۴۸

[2] سورۃ البقرۃ: ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹

یہاں **سمیع** کا لفظ قبول کرنے کے معنی میں ہے۔ مطلب یہ کہ یا اللہ! ہماری دعاؤں کو قبول فرما۔ پتہ چلا قرآن میں کہیں کہیں سماع قبول کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اس کی تفصیلی بحث سماع موتی کے ضمن میں آئے گی۔

کہا جاتا ہے کہ ہر دور میں سات آدمی مسلمان رہے ہیں [1] اس کی وجہ دعائے ابراہیم علیہ السلام ہے کہ آپ نے دعا مانگی تھی کہ یا اللہ! ہماری اولاد میں ایک گروہ مسلمان رہے

وَتُبْ عَلَيْنَا میں توبہ کی نسبت اللہ کی طرف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مالک! تو غضب سے رحمت کی طرف متوجہ ہو لیکن اگر توبہ کی نسبت بندے کی طرف ہو تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ بندہ گناہوں کو چھوڑ کر نیکی کی طرف رجوع کرے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی کہ یا اللہ! وہ شان والا رسول ہماری اولاد کے مسلم گروہ میں سے بھیج۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی برکت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسلمان گروہ میں سے بھیجا۔

سوال آپ کے پاس کیا دلیل ہے کہ جناب ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا قبول ہو چکی ہے؟

جواب اس کے دو جواب ہیں۔

---

[1] ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ما خلت الارض من بعد نوح من سبعة يدفع الله بهم عن اهل الارض نوح علیہ السلام کے بعد ہمیشہ زمین پر سات افراد ایسے موجود رہے ہیں جن کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ زمین والوں سے مصیبتیں دور فرماتا رہا ہے۔ (الدر المنثور للسیوطی، جلد اول، صفحہ: ۷۶۵، ۷۶۶، تحت آیت سورۃ بقرہ: ۱۵۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت) امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ اس دعائے ابراہیم علیہ السلام کا ذکر آپ کی عظمت بیان کرتے ہوئے کررہا ہے۔ عظمت تب بھی بنتی ہے جبکہ یہ دعا قبول ہوچکی ہو۔

دوسرا یہ کہ حدیث شریف میں بھی اس کا ثبوت موجود ہے۔ حضرت سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

إِنِّي عَبْدُ اللهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ وَأَبِي مُنْجَدِلٌ فِي طِينَتِهِ وَسَأُخْبِرُكُمْ عَنْ ذٰلِكَ أَنَا دَعْوَةُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ وَبَشَارَةُ عِيسَى وَرُؤْيَا أُمِّي آمِنَةَ الَّتِي رَأَتْ وَكَذٰلِكَ أُمَّهَاتُ النَّبِيِّينَ يَرَيْنَ وَأَنَّ أُمَّ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَتْ حِينَ وَضَعَتْهُ لَهُ نُورًا أَضَاءَتْ لَهَا قُصُورُ الشَّامِ ثم تلا يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّدَاعِيًا اِلَى اللهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا

میں اللہ کا بندہ ہوں اور اس وقت بھی اللہ کی بارگاہ میں خاتم النبیین تھا جبکہ میرے باپ جناب آدم علیہ السلام کا خمیر تیار ہورہا تھا۔ میں تمہیں اپنے متعلق بتاتا ہوں کہ میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی ماں کا وہ نظارہ ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا جو کہ سب نبیوں کی مائیں دیکھتی ہیں۔ حضرت عرباض فرماتے ہیں بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے آپ کی ولادت باسعادت کے وقت ایک نور دیکھا جس کی وجہ سے ان کے لیے شام کے محلات روشن ہو گئے۔ (حضرت عرباض رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر یہ مسئلہ قرآن میں دیکھنا ہو تو آؤ میں تمہیں قرآن کی

آیت پڑھ کے سناتا ہوں) پھر آپ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت کی: يَآيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيۡرًا ۙ‏ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذۡنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيۡرًا [1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اپنا میلاد بیان کر رہے ہیں کہ میں اپنے ابا جان ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں یعنی دعا قبول ہوئی ہے تو میں آیا ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی ماں کا نظارہ ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا کہ ایک نور چمکا جس کی وجہ سے ان کے لیے شام کے محلات روشن ہو گئے۔

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو بیان کر کے فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور حافظ ذھبی بھی اس پر صحیح کی مہر ثبت کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا قبول ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن لوگوں میں سے ہو کر جلوہ فرما ہوئے وہ کافر گروہ نہیں تھا بلکہ ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی اولاد میں سے مسلمان گروہ تھا۔

۵: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

بُعِثْتُ مِنْ خَيْرِ قُرُونِ بَنِي آدَمَ قَرْنًا فَقَرْنًا

میں ہر زمانہ میں بنی آدم کے بہترین لوگوں میں مبعوث ہوا ہوں۔ [2]

---

[1] المستدرک علی الصحیحین، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ الاحزاب، جلد دوم، صفحہ: ۴۵۳، رقم الحدیث: ۳۵۶۶

[2] صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صفحہ: ۸۷۷، رقم الحدیث: ۳۵۵۷

نبی کریم ﷺ حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں جلوہ فرما تھے تو جناب آدم علیہ السلام اپنے زمانے کے لوگوں میں بہترین تھے پھر حضرت نوح علیہ السلام کی پشت میں تشریف لائے تو حضرت نوح علیہ السلام بھی اپنے زمانے کے لوگوں میں بہترین تھے پھر جناب ابراہیم علیہ السلام کی پشت میں آئے تو آپ بھی اپنے زمانے کے لوگوں میں بہترین تھے۔ نبی کریم ﷺ بہترین لوگوں میں ہوتے ہوئے حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ اور سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا میں تشریف فرما ہوئے۔ حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا بھی اپنے زمانے کے بہترین لوگ تھے۔ سوال یہ ہے کہ کیا کافر اور مشرک بہتر ہو سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ

مومن بھلے غلام ہی کیوں نہ ہو وہ اس مشرک سے کہیں بہتر ہے جو مشرک تمہیں بھلا لگتا ہے۔[1]

پتہ چلا نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین جنتی ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ ان کو بہترین فرما رہے ہیں۔ کوئی بھی کافر یا مشرک بہتر یا بہترین نہیں ہو سکتا۔

مخالفین کے دلائل پر ایک نظر

اس مسئلہ میں نجدی حضرات کے پاس کل دو دلیلیں ہیں۔ قرآن شریف سے ایک بھی دلیل ایسی نہیں جس سے ثابت ہو کہ سرکار ﷺ کے والدین کریمین جہنمی ہیں۔ وہ دو

---

[1] سورۃ البقرہ: ۲۲۱

حدیثیں بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔

پہلی حدیث ایک آدمی نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ میرا باپ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا: تیرا باپ جہنمی ہے۔ جب وہ واپس جانے لگا تو نبی کریم ﷺ نے بلا کر فرمایا: إِنَّ أَبِي وَأَبَاكَ فِي النَّارِ میرا اور تیرا باپ دونوں جہنمی ہیں۔

جواب سوال یہ تھا کہ میرا باپ کدھر ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جہنم میں۔ اب وہ جانے لگا تو نبی کریم ﷺ نے بلا کر فرمایا: میرا باپ بھی جہنم میں ہے۔ ٹھنڈے دل سے سوچیے! کیا اس طرح جواب دیا جا سکتا ہے؟ کیا یہ جواب بنتا ہے؟ یہ حدیث اس طرح نہیں ہے۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر بڑی بحث فرمائی۔ فرماتے ہیں اوپر سے حدیث ایک ہی آ رہی تھی۔ اس حدیث کو حماد اور معمر نے بیان کیا۔ حماد کا آخر میں حافظہ خراب ہو گیا تھا اور کئی مرتبہ منکر حدیثیں بیان کر دیتا تھا۔ یہ الفاظ کہ میرا اور تیرا باپ جہنمی ہیں حماد کی روایت میں ہیں جبکہ معمر کی روایت میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ معمر کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم جب بھی کسی کافر کی قبر کے پاس سے گزرو تو اسے جہنم کی بشارت دو۔[1]

یہ حدیث ابن ماجہ اور سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ میں موجود ہے۔

ابن ماجہ شریف میں ہے:

---

[1] التعظیم والمنۃ فی ان ابوی الرسول فی الجنۃ، صفحہ: ۴۶، ۴۷، ۴۹، ناشر دار جوامع الکلم

جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ إِنَّ أَبِيْ كَانَ يَصِلُ الرَّحِمَ وَكَانَ وَكَانَ فَأَيْنَ هُوَ؟ قَالَ فِي النَّارِ قَالَ فَكَأَنَّهُ وَجَدَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَأَيْنَ اَبُوْكَ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَيْثُمَا مَرَرْتَ بِقَبْرِ مُشْرِكٍ فَبَشِّرْهُ بِالنَّارِ۔

ایک دیہاتی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا۔عرض کی میرے والد صلہ رحمی کیا کرتے تھے اور اس اس طرح کے اچھے کام کیا کرتے تھے تو اب وہ کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا: جہنم میں۔ راوی کہتے ہیں گویا کہ وہ اس بات سے رنجیدہ ہوا پھر اس نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! آپ کے والد کہاں ہیں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تو کسی مشرک کی قبر کے پاس سے گزرے تو اسے جہنم کی خوشخبری دے۔[۱]

وہابی عالم ناصر الدین البانی نے بھی سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ میں اس حدیث کے متعدد طرق بیان کیے۔[۲] بالفرض اگر اس حدیث کی سند میں کوئی خرابی نہ بھی ہو پھر بھی ایک طرف اللہ کا قرآن ہے اور مدمقابل حدیث ہے۔قرآن کہہ رہا ہے کہ ہم اس وقت تک کسی کو عذاب نہیں دیتے جب تک رسول نہ بھیج لیں اور یہ بات ہم تفصیل سے عرض کر چکے ہیں کہ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ اور سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا تک کسی نبی کی دعوت، تبلیغ نہیں پہنچی تھی تو جب ان کو ڈرایا ہی نہیں گیا تو پھر عذاب کس بات کا؟ چونکہ یہ حدیث قرآن شریف کی آیت سے ٹکرا رہی ہے اسی لیے ہم اہلسنت و جماعت اس حدیث کو چھوڑ کر قرآن پر عمل کرتے ہیں۔

---

[۱] ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی زیارۃ قبور المشرکین، صفحہ:۵۰۱،رقم الحدیث:۱۵۷۳

[۲] ملاحظہ کیجیے سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ، جلداول، صفحہ:۵۵،رقم الحدیث:۱۸

دوسری حدیث

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کے لیے بخشش کی دعا کی اجازت مانگی تو اس نے مجھے اجازت نہیں دی اور میں نے اپنے رب سے ان کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو اس نے اجازت دے دی۔

نجدی حضرات اس حدیث کو پڑھ کر یہ تاثر دیتے ہیں کہ چونکہ معاذ اللہ آپ کی والدہ مشرکہ تھیں اس لیے دعائے استغفار کی اجازت نہیں ملی۔

جواب بے ایمان کی قبر پر جانا بھی منع ہے۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَ لَا تُصَلِّ عَلٰۤی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ

بے ایمان مرجائے تو اس کے جنازے میں نہیں جانا اور نہ ہی بے ایمان کی قبر پر جانا ہے۔[1]

اگر معاذ اللہ! نبی کریم ﷺ کی والدہ سیدہ طیبہ طاہرہ آمنہ رضی اللہ عنہا بے ایمان تھیں تو اللہ نے ان کی قبر کی زیارت کی اجازت کیوں دی؟ رہی یہ بات کہ بخشش کی دعا مانگنے سے کیوں منع کیا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ تو پہلے ہی بخشی ہوئی تھیں۔ نبی کریم ﷺ کی دعائے بخشش سے کوئی یہ نتیجہ نہ نکال لے کہ پہلے عذاب ہو رہا تھا اب دعا کی برکت سے بخشش ہوئی۔ ہمارے رواج میں بخشے ہوئے کے لیے دعائے بخشش نہیں کی جاتی جیسا کہ

---

[1] سورۃ توبہ: ۸۴

نبی کریم ﷺ کے لیے کوئی یہ دعا نہیں مانگتا کہ یا اللہ! ہمارے نبی کریم ﷺ کو بخش دے۔

ایمان والدین کریمین پر اعلیٰ حضرت کی جانب سے دلیل

اعلیٰ حضرت، امام اہلسنت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلی رحمۃ اللہ علیہ نے ایمانِ والدین کریمین پر بڑی عجیب دلیل بیان کی۔ آپ فرماتے ہیں:

صحیح حدیث میں حضور سید عالم ﷺ نے ابو طالب کی نسبت فرمایا:

وَجَدْتُهُ فِي غَمَرَاتٍ مِنَ النَّارِ، فَأَخْرَجْتُهُ إِلَى ضَحْضَاحٍ

میں نے اسے سراپا آگ میں ڈوبا ہوا پایا تو کھینچ کر ٹخنوں تک کی آگ میں کر دیا۔ ۱

دوسری روایت صحیح میں فرمایا:

وَلَوْلَا أَنَا لَكَانَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ

اگر میں نہ ہوتا تو ابو طالب جہنم کے سب سے نیچے طبقے میں ہوتا۔ ۲

دوسری حدیث صحیح میں فرماتے ہیں:

أَهْوَنُ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا

دوزخیوں میں سب سے ہلکا عذاب ابو طالب پر ہے۔ ۳

اور یہ ظاہر ہے کہ حضور اقدس ﷺ سے جو قرب والدین کریمین کو ہے ابو طالب کو اس سے کیا نسبت؟ پھر ان کا عذر بھی واضح کہ نہ انہیں دعوت پہنچی، نہ انہوں نے زمانہ اسلام پایا تو اگر معاذ اللہ وہ اہل جنت نہ ہوتے تو ضرور تھا کہ ان پر ابو طالب سے بھی کم

---

۱ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب شفاعۃ النبی ﷺ لابی طالب، صفحہ:۱۱۶ رقم الحدیث:۵۱۱

۲ صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب قصۃ ابی طالب، صفحہ:۹۵۰، رقم الحدیث:۳۸۸۳

۳ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب اھون اھل النار عذابا، صفحہ:۱۱۷، رقم الحدیث:۵۱۵

عذاب ہوتا اور وہی سب سے ہلکے عذاب میں ہوتے۔ یہ حدیث صحیح کے خلاف ہے تو واجب ہوا کہ والدین کریمین اہل جنت ہیں۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔[1]

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا موحدہ تھیں

٦: سیدہ طیبہ طاہرہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر نامدار، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ابا جان کی قبر انور کی زیارت کے بعد مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف واپس جا رہی تھیں۔ میرے لجپال آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عمر مبارک چھ سال ہے۔ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے اپنے لخت جگر کو اپنے سینے پر لٹالیا اور نصیحت کی:

فَأَنْتَ مَبْعُوثٌ إِلَى الْأَنَامِ تُبْعَثُ فِي الْحِلِّ وَفِي الْحَرَامِ
تُبْعَثُ فِي التَّحْقِيقِ وَالْإِسْلَامِ دِيْنِ أَبِيْكَ الْبَرِّ إِبْرَاهَامَ
فَاللّٰهُ اَنْهَاكَ عَنِ الْاَصْنَامِ اَنْ لَّا تُوَالِيَهَا مَعَ الْاَقْوَامِ

پیارے بیٹے! تو اللہ کی ساری مخلوق کی طرف نبی بنا کر بھیجا جائے گا۔ تو حلت والی زمین اور حرمت والی زمین یعنی پوری روئے زمین کی طرف نبی بنا کر بھیجا جائے گا۔ پیارے بیٹے! تو سچائی اور اسلام کے ساتھ بھیجا جائے گا۔ اسلام تیرے نیک دادا ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے۔ بیٹے! یاد رکھنا اللہ نے تجھے ان بتوں کے ساتھ پیار کرنے سے روکا ہے۔ اپنی قوم کے ساتھ مل کر کہیں ان بتوں کی تعظیم نہ کرنے لگ جانا۔

پھر فرمایا: ہر زندہ، مرنے والا ہے۔ ہر نیا پرانا ہوگا۔ ہر بوڑھا فنا ہونے والا ہے۔ مجھے بھی موت آنی ہے لیکن میرا ذکر فنا نہیں ہوگا۔ میرا ذکر باقی رہے گا اس لیے کہ میں ایک خیر کو

---

[1] شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام، صفحہ: ٦، ٧

چھوڑ کر جا رہی ہوں۔ میں نے ایک انتہائی طاہر، مطہر کو جنم دیا ہے پھر سیدہ طیبہ طاہرہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کا وصال مقدس ہو گیا۔ [1]

امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ ان اشعار کے بعد فرماتے ہیں:

وَهٰذَا الْقَوْلُ مِنْهَا صَرِيْحٌ فِيْ أَنَّهَا مُوَحِّدَةٌ

یہ باتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ سیدہ طیبہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا مشرکہ نہیں تھیں بلکہ ایک اللہ کو ماننے والی تھیں۔ [2]

اگر ان دلائل کے ہوتے ہوئے بھی تیرا دل نہیں مانتا تو پھر بات کو اپنے دل میں رکھ۔ زبان سے مت نکال۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ فرمائے کہ یہ تیرے دل کا وسوسہ تھا۔ اپنی زبان گندی نہ کر۔ جب کسی کو یا اس کے باپ یا ماں کو جہنمی کہا جائے تو اسے غصہ آتا ہے۔ قیامت کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں شفاعت کا بھی تو عرض کرنا ہے۔ اگر آپ نے کہہ دیا کہ تو وہی ہے جو میرے ماں، باپ کو جہنمی جہنمی کہتا تھا تو سوچ کہ اس وقت تیرا کیا حال ہوگا؟

---

[1] الخصائص الکبری للسیوطی، باب ما وقع عند وفاۃ امہ من الآیات، جلد اول، صفحہ: ۱۳۵ / المواھب اللدنیہ، المقصد الاول، ذکر رضاعہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جلد اول، صفحہ: ۸۹ / سبل الھدی والرشاد، جماع ابواب بعض الامور الکائنۃ بعد مولدہ وقبل بعثتہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، الباب الاول، فی وفاۃ امہ، جلد دوم، صفحہ: ۱۲۱ / تاریخ الخمیس، الرکن الاول، الباب الاول، النوع الرابع، وفاۃ آمنہ، جلد اول، صفحہ: ۴۲۰، ۴۲۱

[2] زرقانی علی المواھب، جلد: ۱، صفحہ: ۳۱۱، ۳۱۲، دار الکتب العلمیۃ بیروت

سوال امام زرقانی نے یہ بھی تو کہا ہے: رَوَاهُ اَبُوْنُعَيْمٍ فِيْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ بِسَنَدٍ ضَعِيْفٍ حضرت آمنہ کے نصیحت والے اشعار کو امام ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں ضعیف سند کے ساتھ درج کیا ہے۔

جواب ضعیف حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کی ایک سند ہے اور ایک متن ہے۔ متن تو ٹھیک ہے لیکن سند میں ایک راوی ایسا ہے جس کا حافظہ کمزور ہو گیا تھا یا جس کو شبہ پڑ جاتا تھا۔ سوال یہ ہے کہ ان اشعار کو ماننے میں نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم اور سیدہ آمنہ رضی اللّٰہ عنہا کی عظمت اور فضیلت ہے کہ نہیں؟ اور یہ بھی پکا مسئلہ ہے کہ ضعیف حدیث باب فضائل میں معتبر ہوتی ہے۔ [1] ہاں! اگر قرآن میں ہوتا کہ عبداللہ اور آمنہ جنتی نہیں ہیں تو پھر ہم کسی

---

[1] الاذکار من کلام سید الابرار، فصل فی الامر بالاخلاص وحسن النیات، صفحہ:۱۲، ۱۳ / الاربعون النوویۃ، مقدمۃ المؤلف، صفحہ:۳۸، ۴۲ / شرح علل الترمذی لابن رجب حنبلی، جواز الروایۃ عن الضعفاء فی الرقائق، جلد اول، صفحہ:۳۷۱ / الامتاع بالاربعین المتباینۃ السماع، الحدیث الخامس والاربعون، صفحہ:۷۱ / فتح القدیر لابن ہمام، کتاب الصلوۃ، باب الامامۃ، جلد اول، صفحہ:۳۴۹ / مرقاۃ المفاتیح، جلد:۵، صفحہ: ۱۷۶۳، تحت الحدیث:۲۵۵۲۔ جلد:۲، صفحہ:۸۰۶، تحت الحدیث:۱۰۱۹۔ جلد:۴، صفحہ:۱۴۷۴، تحت الحدیث:۲۱۳۸

مخالفین کے چند حوالہ جات ملاحظہ کیجیے:

۱۔ وہابی عالم مولانا محمد نذیر حسین دہلوی لکھتے ہیں: حدیث ضعیف فضائل میں مقبول ہے اور اس کو موضوع نہیں کہنا چاہیے۔ (فتاوی نذیریہ، کتاب العلم (حاشیہ)، جلد اول، صفحہ:۳۰۳، مطبوعہ مکتبہ اصحاب الحدیث لاہور)

۲۔ وہابی حضرات کے مجتہد العصر حافظ عبداللہ روپڑی نے ایک سوال کے جواب میں لکھا: شبرات کا روزہ رکھنا افضل ہے چنانچہ مشکوۃ وغیرہ میں حدیث موجود ہے۔ اگرچہ حدیث ضعیف ہے لیکن فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل درست ہے۔ (فتاوی اہلحدیث، جلد دوم، صفحہ:۲۱۸، مطبوعہ ادارہ احیاء السنہ ڈی بلاک سرگودھا)

۳۔ دیوبندی عالم مفتی عزیز الرحمان عثمانی لکھتے ہیں: غایت یہ کہ ضعیف حدیث پر بھی فضائل اعمال میں عمل کرنا درست ہے۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند، جلد دوم، صفحہ:۱۰۷، مطبوعہ مکتبہ حقانیہ ملتان

۴۔ سابق مہتمم دار العلوم دیوبند قاری محمد طیب لکھتے ہیں: فضائل میں خالص ضعیف حدیث بھی معتبر ہے۔ (کلمہ طیبہ، صفحہ:۵۰، مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور)

حدیث کی طرف نہ جاتے لیکن جب قرآن فرمارہا ہے کہ جناب ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ یا اللہ! کعبہ بسانے والا، شان والا رسول ہماری اولاد کے مسلم گروہ میں سے بھیج تو یہ حدیث اس دعائے ابراہیم علیہ السلام کی تقویت اور تائید میں ہے۔ یہ دعا بتا رہی ہے کہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے یہ فضائل بالکل ٹھیک بیان ہو رہے ہیں۔ان کے اندر ذرہ بھی شک وشبہ نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے پیاروں کا ادب کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

آیت نمبر: ۴۰

يٰبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾

اے اسرائیل کے بیٹو! میرا احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کیا تھا تم میرے ساتھ کیا ہوا وعدہ پورا کرو میں تمہارے ساتھ کیا ہوا وعدہ پورا کروں گا اور صرف مجھ ہی سے ڈرو۔

اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام ہے۔ ہر نبی کا ایک ایک نام ہے لیکن یعقوب علیہ السلام کے دو نام ہیں اور ہمارے آقا علیہ السلام کے تو سبحان اللہ کتنے ہی نام ہیں۔ اسرائیل کا معنی عبداللہ ہے۔اللہ تعالیٰ يٰبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ کہہ کر فرمارہا ہے کہ اے اللہ کے بندے کے بیٹو۔اللہ یہاں بھی دعوت توحید دے رہا ہے کہ دیکھو تم جس کی اولاد ہو وہ بھی میری ہی عبادت کرتے تھے۔کسی اور کی پوجا نہیں کرتے تھے۔انہوں نے کبھی نہ بت کی پوجا کی، نہ کسی فرشتے کی پوجا کی اور نہ ہی کسی نبی کی پوجا کی اس لیے جب تمہارا باپ میری عبادت کرتا تھا تو تم پر بھی لازم ہے کہ میری ہی عبادت کرو۔

میلاد شریف منانے پر ایک دلیل

اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے اے بنی اسرائیل! میرے احسان اور میرے کرم کو یاد کرو۔ پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ میرے بندے میرے احسان کو یاد رکھیں اور میری نعمت کو بیان کریں۔ جو لوگ ہمیں میلاد شریف منانے پر طعنہ دیتے ہیں ان سے گزارش ہے کہ ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ بنی اسرائیل پر ہونے والی ساری نعمتیں، ہم پر ہونے والی ایک نعمت کہ اللہ نے ہمیں اپنا حبیب عطا کر دیا کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ اللہ نے بیشمار نعمتیں عطا کی ہیں لیکن صرف ایک نعمت پر مَنَّ کہہ کر احسان جتایا ہے۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ

بیشک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا۔[1]

جب اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے بارے میں چاہتا ہے کہ وہ اللہ کے احسان یاد کریں تو جب ہم اس کے سب سے بڑے احسان کا ذکر اور چرچا کریں گے اور اس احسان کو یاد کرنے کے لیے محفلیں سجائیں گے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے بھی راضی ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے بنی اسرائیل! تم میرے ساتھ کیا ہوا وعدہ پورا کرو میں تمہارے ساتھ کیا ہوا وعدہ پورا کروں گا۔ اللہ تعالیٰ وعدہ یاد کرواتے ہوئے چھٹے پارے میں ارشاد فرماتا ہے:

---

[1] سورۃ آل عمران: ۱۶۴

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ
عَشَرَ نَقِيْبًا ؕ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ ؕ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ
وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ
عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ
كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۲﴾

اور بیشک اللہ نے بنی اسرائیل سے پکا وعدہ لیا تھا اور ہم نے ان پر بارہ سردار مقرر کیے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا بیشک میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز قائم کرو اور زکوۃ دیتے رہو اور میرے رسولوں کو مانتے رہو اور میرے رسولوں کی تعظیم کرتے رہو اور تم اللہ کو قرض حسن دیتے رہو تو میں تمہارے گناہ ختم کردوں گا اور ضرور بالضرور تمہیں ایسے باغوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں اور اس کے بعد تم میں سے جو کفر کرے گا وہ ضرور سیدھی راہ سے بہک جائے گا۔[۱]

یہ وہ وعدہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ساتھ کیا تھا کہ تم نے یہ یہ کام کرنے ہیں، نماز قائم کرنی ہے، زکوۃ ادا کرنی ہے، میرے رسولوں کو مانتے رہنا ہے اور ان کی تعظیم بھی کرنی ہے، اللہ کو قرض حسن بھی دیتے رہنا ہے۔ اگر تم یہ سب کچھ کرو گے تو ہم تمہارے گناہ مٹا دیں گے، تمہیں جنت کے اندر لے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

---

[۱] سورۃ مائدہ: ۱۲

صرف مجھ ہی سے ڈرو۔ آخرت کے اندر میں جسے چاہوں گا سزا دوں گا اور جسے چاہوں گا بخش دوں گا۔ آخرت کا ڈر صرف میرا ہی رکھو کیونکہ میں ہی قیامت کے دن کا مالک ہوں۔

آیت نمبر: ۴۱

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾

اور اس پر ایمان لاؤ جو میں نے اتارا اس حال میں کہ وہ اس چیز کی جو تمہارے پاس ہے تصدیق کرنے والا ہے اور سب سے پہلے کافر نہ بنو اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑی سی قیمت نہ خریدو اور صرف اور صرف مجھ ہی سے ڈرو۔

اللہ نے قرآن اتارا اور قرآن توراۃ و انجیل کا مصدق ہے۔ انجیل اور توراۃ نے کہا تھا کہ مصطفیٰ ﷺ آئیں گے۔ اگر مصطفیٰ ﷺ نہ آتے تو کیا توراۃ و انجیل نے سچا ہو جانا تھا؟ بالکل بھی نہیں۔ قرآن اور مصطفیٰ ﷺ نے آ کر توراۃ اور انجیل کی تصدیق فرمائی ہے۔ توجہ طلب بات ہے کہ قرآن پہلی کتابوں کا مصدق ہے لیکن کسی بھی نبی کا مبشر نہیں ہے۔ تصدیق پہلی کتابوں کی ہوتی ہے۔ اگر مبشر ہوتا تو مطلب یہ ہوتا کہ قرآن ایک اور کتاب کے آنے کی خوشخبری دے رہا ہے۔ یہ جملہ بھی میرے مصطفیٰ ﷺ کی ختم نبوت کی دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے: یہودیو! پہلے کافر نہ بنو۔ تمہیں تو چاہیے تھا کہ چھلانگ لگا کر، سب سے آگے بڑھ کر، سب سے پہلے میرے حبیب علیہ السلام کا کلمہ پڑھتے لیکن تم پہلے کافر بن گئے۔

سوال پہلے کافر تو مکے والے تھے۔ یہودیوں نے تو بعد میں کفر اختیار کیا تھا پھر اللہ تعالیٰ کیوں فرما رہا ہے کہ یہودیو! پہلے کافر نہ بنو؟

جواب ہر قبیلے کا سردار اور حکمران پہلے نمبر پر ہوتا ہے۔ باقی کے لوگوں کا نمبر بعد میں آتا ہے۔ چاہیے یہ تھا کہ یہودی اپنی برادری میں سب سے پہلے کلمہ پڑھتے جو کہ اپنی برادری کے سردار اور احبار و رہبان تھے لیکن انہوں نے سب سے پہلے انکار کر دیا اور کہا ہم ان کو نہیں مانتے اور ان کا کلمہ نہیں پڑھتے اور ان کے نہ ماننے کی وجہ سے بہت سے لوگ ایمان کی دولت سے محروم رہے۔ ان کا گناہ بھی ان کے سرداروں اور حکمرانوں کے سر پر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا میری آیتوں کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت نہ خریدو۔ پیسوں کے حصول کی خاطر لوگوں کو غلط مسئلے نہ بتاؤ۔ ساری دنیا بھی لے لو وہ بھی تھوڑی ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: قُلۡ مَتَاعُ الدُّنۡيَا قَلِيۡلٌ پیارے حبیب! فرما دیجیے کہ دنیا کا ساز و سامان تھوڑا ہے۔[1]

ایک آدمی کھرب پتی ہو، آنکھ بند ہو جائے اور وہ مر جائے تو وہ کھرب پتی صاحب

---

[1] سورۃ نساء: ۷۷

کہاں گیا؟ چار پیسے لینے کے لیے توراۃ اور انجیل میں ہیرا پھیری کرتے ہو۔ تم کہتے ہو کہ نبی کریم ﷺ کی شان ہی کوئی نہیں ہے۔ ایسے مت کرو۔

قرآن کی تعلیم کے بدلے تنخواہ لینا

بعض لوگ یہاں ایک مسئلہ بیان کرتے ہیں کہ قرآن پڑھانے کے بدلے میں تنخواہ لینا جائز نہیں کیونکہ اللہ فرما رہا ہے کہ میری آیتوں کے بدلے تھوڑی سی قیمت نہ خریدو لیکن درست بات یہ ہے کہ قرآن کی تعلیم دینے کے بدلے میں تنخواہ لی جاسکتی ہے۔ تین امام: امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ قرآن کی تعلیم کے بدلے میں تنخواہ لی جاسکتی ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تنخواہ نہ لو[1] کیونکہ اس کی وجہ سے خلوص میں فرق آجاتا ہے لیکن بعد کے فقہاء نے سوچا کہ اگر تنخواہ کا سلسلہ بند ہوجائے تو مسجد میں اذان کون دے گا؟ یہ تو مولوی صاحبان کی ہمت ہے کہ تھوڑی سی تنخواہ کے بدلے مسجد میں اذان بھی دیتے ہیں، صفیں بھی بچھاتے ہیں، جمعہ بھی پڑھاتے ہیں، نماز بھی پڑھاتے ہیں، جنازے بھی پڑھاتے ہیں، کان میں اذان بھی دیتے ہیں لہذا یہ جائز ہے کیونکہ اس میں دین کی بقاء ہے۔

آیت نمبر: ۴۲

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۴۲﴾

اور حق کو باطل کے ساتھ مت ملاؤ اور حق کو مت چھپاؤ اس حال میں کہ تم جانتے ہو

---

[1] شرح المسلم للنووی، جلد: ۱۴، صفحہ: ۱۵۵، تحت الحدیث: ۲۲۰۱ / اس مسئلہ کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں: ردالمحتار علی الدرالمختار، باب الامامۃ، جلد اول، صفحہ: ۵۶۲، ۵۶۳، مطلب فی الامام والمؤذن اذا مات فی اثنا السنۃ، جلد: ۴، صفحہ: ۴۱۷، مطبوعہ دارالفکر بیروت لبنان

یعنی کھرا کھرا مسئلہ بیان کرو۔ غلطی لگ جانا اور بات ہے۔ غلطی لگ جاتی ہے لیکن جانتے بوجھتے حق بات کو چھپا لینا یہودیوں کے مولویوں کی سنت ہے۔

آیت نمبر: ۴۳

وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ ارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِیْنَ۝۴۳

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ بھی دیتے رہو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرتے رہو۔

سوال: قیام بھی نماز ہے، تشہد بھی نماز ہے، سجدہ بھی نماز ہے لیکن اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ قیام کرنے والوں کے ساتھ قیام کرو یا تشہد میں بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھو یا سجدہ کرنے والوں کے ساتھ سجدہ کرو بلکہ فرمایا رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ رکوع کا ہی ذکر کیوں فرمایا۔

جواب: اس لیے کہ پہلی امتوں کی نماز میں رکوع نہیں تھا۔ رکوع صرف امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کا خاصہ ہے۔[1]

آیت نمبر: ۴۴

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۝۴۴

---

[1] تفسیر قرطبی، جلد اول، صفحہ: ۳۴۵، تحت آیت سورۃ بقرہ: ۴۳

تم لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو کیا تمہیں عقل نہیں۔

یہودی کبھی کبھی کہہ دیا کرتے تھے کہ محمد سچے ہیں۔ سچی بات منہ سے نکل جاتی تھی اس لیے اللہ فرما رہا ہے کہ تم لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔

اس آیت سے ایک مسئلہ یہ بھی پتہ چلا کہ جو بندہ قرآن کا طالب علم ہے، قرآن پڑھتا، پڑھاتا ہے اس کو چاہیے کہ خود بھی نیکی کرے اور دوسروں کو بھی نیکی کا حکم کرے لیکن یہاں ایک فرق ہے وہ ضرور ذہن میں رہے۔ اس بات کا یہ مطلب نہیں کہ جو بندہ خود نیکی نہیں کرتا وہ کسی کو سمجھا بھی نہیں سکتا کہ اگر کوئی نماز نہیں پڑھتا تو وہ کسی کو نماز پڑھنے کا کہہ بھی نہیں سکتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو نماز کا وعظ کرتا ہے اس کو نماز چھوڑنی نہیں چاہیے۔ کئی بزرگوں کا طریقہ دیکھا ہے کہ جب وہ اپنے اندر کوئی عیب محسوس کرتے تو اسی کے بارے میں وعظ شروع کر دیتے۔ نتیجہ یہ نکلتا کہ ان کے دل پر بھی اثر ہوتا اور ان کا وہ عیب دور ہو جاتا۔

آیت نمبر: ۴۵

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾

اللہ سے صبر اور نماز کے وسیلے سے مدد مانگو۔ یہ نماز بڑی بھاری لگتی ہے لیکن جن کے دلوں میں خشوع ہے ان کے لیے بھاری نہیں ہے۔

ہر حال میں صبر اختیار کرو۔ روزہ بھی صبر ہے اسی لیے رمضان شریف کو شہر الصبر کہا گیا۔[1] روزہ رکھو اور اگر تکلیف آ جائے تو برداشت کرو۔ ایک تو صبر کے ذریعے مدد چاہو اور دوسرا نماز کے ذریعے مدد چاہو۔ مصیبت آ جائے تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کھڑے ہو جاؤ۔ قرآن تمہاری مصیبتیں ٹلنے کا گر بتا رہا ہے۔ نبی کریم ﷺ کو جب کوئی پریشانی لاحق ہوتی تو آپ نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے۔[2]

قابل توجہ بات ہے کہ نماز بھی مخلوق ہے، صبر بھی اور نبی کریم ﷺ بھی۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَ مَا تَعْمَلُوْنَ﴿۹۶﴾

اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو۔[3]

یہاں اللہ تعالیٰ نماز اور صبر کے وسیلے سے استعانت کا حکم دے رہا ہے۔ جب چھوٹی مخلوق کے وسیلے سے استعانت جائز ہے تو پھر عظمت والی مخلوق نبی کریم ﷺ کے وسیلے سے استعانت ناجائز کیوں؟

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ہمیں نماز اور صبر کی مقبولیت کا یقینی علم نہیں۔ پتہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری نماز اور صبر کو قبول فرماتا ہے یا نہیں لیکن نبی کریم ﷺ کی مقبولیت یقینی

---

[1] سنن نسائی، کتاب الصیام، باب صوم ثلاثۃ ایام من الشهر، صفحہ: ۴۶۷، رقم الحدیث: ۲۴۱۰

[2] سنن ابی داؤد، ابواب قیام اللیل، باب وقت قیام النبی من اللیل، صفحہ: ۲۷۲، رقم الحدیث: ۱۳۱۹ / شرح السنہ للبغوی، ابواب النوافل، باب صلاۃ الاستخارۃ، جلد: ۴، صفحہ: ۱۵۵، رقم الحدیث: ۱۰۱۶

[3] سورۃ الصافات: ۹۶

ہے۔ اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں۔ جن کی مقبولیت یقینی نہیں ان کے وسیلے سے استعانت جائز ہے تو جن کی مقبولیت میں ذرہ برابر شک نہیں ان کے وسیلے سے استعانت منع کیوں؟

بندے کے اندر دو عیب، مال کی محبت اور شہرت کی محبت ہوتے ہیں۔ ان دونوں محبتوں کو دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ صبر کرو اور نماز پڑھو۔ کوئی چیز کھانے کو دل کر رہا ہے تو صبر کرو۔ صبر کرنے سے مال کی محبت کم ہوتی ہے اور اللہ اور آخرت کی محبت بڑھتی ہے جبکہ نماز کے اندر عاجزی، انکساری اور خشوع خضوع ہوتا ہے۔ یہ چیزیں شہرت کی محبت کو کم کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں بیماریوں کا علاج بھی بیان کر رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ نماز خاشعین پر بھاری نہیں ہے۔ جن کے دلوں میں خشوع ہوتا ہے وہ نماز میں بڑی راحت محسوس کرتے ہیں۔

آیت نمبر: ۴۶

الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ اَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾

خاشعین وہ لوگ ہیں جنہیں یقین ہے کہ انہوں نے اپنے رب سے ملنا ہے اور اسی کی طرف رجوع کرنا ہے۔

ظن کا معنی گمان بھی ہے اور یقین بھی۔ یہاں یقین کے معنی میں ہے۔ جس کو یہ یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ سے ملنا ہے اور اسی کی طرف رجوع کرنا ہے اس کے دل میں خشوع کی دولت پیدا ہو جاتی ہے۔ ان آیتوں سے پتہ چلا کہ نماز خشوع کے ساتھ پڑھنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ① الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ②

بیشک مومن کامیاب ہو گئے وہ جو اپنی نمازوں کے اندر گڑگڑاتے اور خشوع اختیار کرتے ہیں۔[1]

خشوع کے ساتھ نماز پڑھنے کا مطلب

خشوع کے ساتھ نماز پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ دل میں بس اسی چیز کا تصور ہو جو پڑھ رہے ہو۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ پڑھا تو دل میں تصور ہو کہ ساری تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ الرَّحْمٰنِ پڑھا تو تصور ہو کہ اللہ رحم کر رہا ہے۔ الرَّحِيْمِ اس کی رحمت ٹھنڈی نہیں پڑ جاتی بلکہ چلتی رہتی ہے۔ اسی طرح پوری نماز میں اللہ کے ساتھ لو لگا کر تار جوڑ کر نماز پڑھو۔ جب نماز ٹھیک ہو جائے گی تو سارے کام آسان ہو جائیں گے۔

ہمارے بڑے حضرت صاحب آزاد کشمیر سے کچھ طلباء کو بھیجتے کہ جاؤ مفتی صاحب کے ادارے میں دین پڑھ کر آؤ۔ جب وہ طلباء واپس جاتے تو آپ ایک ہی بات پوچھتے کہ مفتی صاحب کی طرح نماز پڑھنی سیکھی ہے یا نہیں؟ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر قبلہ مفتی صاحب کی طرح نماز پڑھنا سیکھ لیتے تو یہ بھی بہت بڑی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اللہ والوں جیسی نماز پڑھنا سکھائے۔

آیت نمبر: ۴۷

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾

---

[1] سورۃ مومنون: ۱، ۲

اے یعقوب کے بیٹو! یاد کرو میرے احسان کو جو کہ میں نے تم پر کیا تھا اور میں نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت بخشی تھی۔

سوال: اگر تمام جہانوں پر بنی اسرائیل کو فضیلت بخشی تھی تو ہم کس طرح افضل ہوئے؟

جواب: اَلْقُرْآنُ یُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا قرآن اپنے بعض حصے کی تفسیر خود بیان کرتا ہے۔[1] یہاں معنی یہ ہے کہ اللہ نے بنی اسرائیل کو اس زمانے کے تمام لوگوں پر فضیلت بخشی تھی لیکن جب ہماری باری آئی تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ امتیں بڑی آئی ہیں لیکن سب سے افضل اور سب سے اعلیٰ امت اے امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! تم ہو۔[2]

آیت نمبر: ۴۸

وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْــًٔـا وَّ لَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور ڈرو اس دن سے جس دن کوئی کافر جان کسی کافر جان کا کوئی بدلہ نہ دے سکے گی اور نہ کافر کے لیے شفاعت قبول کی جائے گی اور نہ ہی کافروں سے کوئی فدیہ لیا جائے گا اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی۔

یہ حکم کافروں کے لیے ہے۔ مسلمانوں کے لیے شفاعت ہوگی۔

شفاعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

شفاعت دو طرح کی ہوتی ہے۔

---

[1] تفسیر روح المعانی، تحت آیت سورۃ بقرہ: ۷، جلد: ۱، صفحہ: ۱۳۸۔ جلد: ۴، صفحہ: ۱۷۶، ۲۶۰۔ جلد: ۶، صفحہ: ۱۲۷، ۲۸۶، ۳۰۹، ۳۵۸۔ جلد: ۸، صفحہ: ۱۶۰، ۵۰۴، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان

[2] سورۃ آل عمران: ۱۱۰

۱: شفاعت بالاذن، شفاعت بالمحبة

۲: شفاعت بالقھر

شفاعت بالاذن اور شفاعت بالمحبة سے مراد یہ ہے کہ کسی سے محبت ہے یا کسی کو اجازت مل گئی تو وہ اللہ کی اجازت کی وجہ سے شفاعت کرے گا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ کون ہے جو اللہ کی بارگاہ میں شفاعت کرے مگر اس کے اذن کے ساتھ۔[۱]

جبکہ شفاعت بالقھر سے مراد یہ ہے کہ بندہ اپنے رعب اور دبدبے کی وجہ سے سفارش کرے جیسا کہ آج کل ہمارے حکمران کہ کسی چھوٹے افسر کے پاس کوئی بڑا آدمی چلا جائے اور اسے کسی کام کے کرنے کا کہے تو وہ چھوٹا افسر اس بڑے کے رعب اور دبدبے کی وجہ سے کام کرتا ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں شفاعت قہری نہیں چلے گی۔ جو بھی شفاعت کرے گا وہ شفاعت بالاذن کرے گا۔ سب سے پہلے شفاعت کا دروازہ ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھولیں گے پھر دوسرے انبیاء علیہم السلام شفاعت فرمائیں گے پھر اہل علم جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نائب ہیں وہ سفارش کریں گے پھر عام نیک آدمی بھی سفارش کریں گے۔

بخاری اور مسلم کی متفق علیہ روایت ہے:

---

۱ سورۃ البقرہ:۲۵۵

وَعَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:يُحْبَسُ الْمُؤْمِنُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُهَمُّوا بِذٰلِكَ فَيَقُولُونَ:لَوِ اسْتَشْفَعْنَا إِلٰى رَبِّنَا فَيُرِيحُنَا مِنْ مَكَانِنَا فَيَأْتُونَ آدَمَ عليه السلام فَيَقُولُونَ:أَنْتَ آدَمُ أَبُو النَّاسِ خَلَقَكَ اللهُ بِيَدِهٖ وَأَسْكَنَكَ جَنَّتَهٗ وَأَسْجَدَ لَكَ مَلَائِكَتَهٗ وَعَلَّمَكَ أَسْمَاءَ كُلِّ شَيْءٍ اِشْفَعْ لَنَا عِنْدَ رَبِّكَ حَتّٰى يُرِيحَنَا مِنْ مَكَانِنَا هٰذَا فَيَقُولُ: لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ خَطِيئَتَهُ الَّتِي أَصَابَ أَكْلَهُ مِنَ الشَّجَرَةِ وَقَدْ نُهِيَ عَنْهَا وَلٰكِنِ ائْتُوا نُوحًا أَوَّلَ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللهُ إِلٰى أَهْلِ الْأَرْضِ فَيَأْتُونَ نُوحًا فَيَقُولُ: لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ خَطِيئَتَهُ الَّتِي أَصَابَ:سُؤَالَهُ رَبَّهُ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلٰكِنِ ائْتُوا إِبْرَاهِيمَ خَلِيلَ الرَّحْمٰنِ قَالَ:فَيَأْتُونَ إِبْرَاهِيمَ فَيَقُولُ: إِنِّي لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ ثَلَاثَ كِذْبَاتٍ كَذَبَهُنَّ وَلٰكِنِ ائْتُوا مُوسٰى عَبْدًا آتَاهُ اللهُ التَّوْرَاةَ وَكَلَّمَهُ وَقَرَّبَهُ نَجِيًّا قَالَ: فَيَأْتُونَ مُوسٰى فَيَقُولُ: إِنِّي لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ خَطِيئَتَهُ الَّتِي أَصَابَ قَتْلَهُ النَّفْسَ وَلٰكِنِ ائْتُوا عِيسٰى عَبْدَ اللهِ وَرَسُولَهُ وَرُوحَ اللهِ وَكَلِمَتَهُ قَالَ:فَيَأْتُونَ عِيسٰى فَيَقُولُ: لَسْتُ هُنَاكُمْ وَلٰكِنِ ائْتُوا مُحَمَّدًا عَبْداً غَفَرَ اللهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَأَخَّرَ قَالَ: فَيَأْتُونِي فَأَسْتَأْذِنُ عَلٰى رَبِّي فِي دَارِهٖ فَيُؤْذَنُ لِي عَلَيْهِ فَإِذَا رَأَيْتُهُ وَقَعْتُ سَاجِدًا فَيَدَعُنِي مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَدَعَنِي فَيَقُولُ:اِرْفَعْ

مُحَمَّدُ ﷺ وَقُلْ تُسْمَعْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ وَسَلْ تُعْطَهْ قَالَ: فَأَرْفَعُ رَأْسِي فَأُثْنِي عَلٰى رَبِّي بِثَنَاءٍ تَحْمِيدٍ يُعَلِّمُنِيهِ ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا فَأَخْرُجُ فَأُخْرِجُهُمْ مِنَ النَّارِ وَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ ثُمَّ أَعُودُ الثَّانِيَةَ فَأَسْتَأْذِنُ عَلٰى رَبِّي فِي دَارِهٖ فَيُؤْذَنُ لِي عَلَيْهِ فَإِذَا رَأَيْتُهٗ وَقَعْتُ سَاجِدًا فَيَدَعُنِي مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَدَعَنِي ثُمَّ يَقُولُ: اِرْفَعْ مُحَمَّدُ ﷺ وَقُلْ تُسْمَعْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ وَسَلْ تُعْطَهْ قَالَ: فَأَرْفَعُ رَأْسِي فَأُثْنِي عَلٰى رَبِّي بِثَنَاءٍ وَتَحْمِيدٍ يُعَلِّمُنِيهِ ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا فَأَخْرُجُ فَأُخْرِجُهُمْ مِنَ النَّارِ وَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ ثُمَّ أَعُودُ الثَّالِثَةَ فَأَسْتَأْذِنُ عَلٰى رَبِّي فِي دَارِهٖ فَيُؤْذَنُ لِي عَلَيْهِ فَإِذَا رَأَيْتُهٗ وَقَعْتُ سَاجِدًا فَيَدَعُنِي مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَدَعَنِي ثُمَّ يَقُولُ: اِرْفَعْ مُحَمَّدُ ﷺ وَقُلْ تُسْمَعْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ وَسَلْ تُعْطَهْ قَالَ: فَأَرْفَعُ رَأْسِي فَأُثْنِي عَلٰى رَبِّي بِثَنَاءٍ وَّتَحْمِيدٍ يُعَلِّمُنِيهِ ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا فَأَخْرُجُ فَأُخْرِجُهُمْ مِنَ النَّارِ وَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ حَتّٰى مَا يَبْقٰى فِي النَّارِ إِلَّا مَنْ قَدْ حَبَسَهُ الْقُرْآنُ أَيْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْخُلُودُ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ (عَسٰى أَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُودًا) قَالَ: ''وَهٰذَا الْمَقَامُ الْمَحْمُودُ الَّذِيْ وُعِدَهٗ نَبِيُّكُمْ'' مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مومنوں کو روز قیامت

روک رکھا جائے گا حتی کہ اس وجہ سے وہ غمگین ہو جائیں گے، وہ کہیں گے: کاش کہ ہم اپنے رب کے حضور کوئی سفارشی تلاش کریں تا کہ وہ ہمیں ہماری اس جگہ سے نجات دے دے، وہ آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے، اور کہیں گے: آپ آدم، تمام انسانوں کے باپ ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے تخلیق فرمایا، آپ کو جنت میں بسایا، اپنے فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا اور آپ کو تمام چیزوں کے نام سکھائے، اپنے رب کے حضور ہماری سفارش کریں حتی کہ وہ ہمیں ہماری اس جگہ سے نجات دے دے، وہ کہیں گے: میں وہاں تمہاری سفارش نہیں کرسکتا، وہ اپنی اس خطا کو یاد کریں گے جس کا ارتکاب اس درخت کے کھانے سے ہوا تھا حالانکہ انہیں اس سے منع کیا گیا تھا بلکہ تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ پہلے نبی ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کی طرف مبعوث فرمایا تھا، وہ نوح علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے تو وہ بھی یہی کہیں گے، میں وہاں تمہاری سفارش نہیں کرسکتا اور وہ اپنی اس خطا کو یاد کریں گے جو ان سے لاعلمی میں اپنے رب سے سوال کرنے سے سرزد ہوئی تھی بلکہ تم رحمن کے خلیل ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ فرمایا: وہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے تو وہ بھی یہی کہیں گے: میں وہاں تمہاری سفارش نہیں کرسکتا اور وہ اپنے تین جھوٹوں کو یاد کریں گے جو انہوں نے بولے تھے [1] بلکہ تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جو اللہ کے ایسے بندے ہیں جنہیں اللہ نے تورات عطا کی، ان سے کلام فرمایا اور سرگوشی کے لیے

---

[1] اس میں نظر ہے۔ اس کی تفصیل سورۃ مریم کی آیت نمبر ۴۱: وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا (۴۱) کے تحت بیان ہوگی۔

انہیں قریب کیا۔فرمایا: وہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے تو وہ بھی کہیں گے کہ میں وہاں تمہاری سفارش نہیں کرسکتا اور وہ اپنی اس غلطی کا تذکرہ کریں گے کہ انہوں نے اس (قبطی) آدمی کو قتل کیا تھا بلکہ تم اللہ کے بندے عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جو کہ اس کے رسول ہیں، اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں۔فرمایا: وہ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے تو وہ بھی یہی کہیں گے، میں وہاں تمہاری سفارش نہیں کرسکتا بلکہ تم اللہ کے بندے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاؤ، اللہ نے جن کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے ہیں۔فرمایا: چنانچہ وہ میرے پاس آئیں گے میں اپنے رب سے اس کے حضور آنے کی اجازت طلب کروں گا تو مجھے اجازت دی جائے گی، جب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھوں گا تو سجدہ ریز ہو جاؤں گا پھر جتنی دیر اللہ چاہے گا وہ مجھے اسی حالت میں رہنے دے گا، پھر فرمائے گا: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اٹھو، بات کرو، تمہاری بات سنی جائے گی، سفارش کرو، تمہاری سفارش قبول کی جائے گی، آپ سوال کریں آپ کو عطا کیا جائے گا۔فرمایا: چنانچہ میں اپنا سر اٹھاؤں گا تو میں اپنے رب کی وہ حمد وثنا بیان کروں گا جو وہ مجھے سکھائے گا پھر میں سفارش کروں گا تو میرے لیے تعداد کا تعین کر دیا جائے گا، میں (دربار الٰہی سے) باہر آؤں گا اور میں انہیں جہنم کی آگ سے نکال کر جنت میں داخل کر دوں گا پھر میں دوسری مرتبہ جاؤں گا اور اپنے رب کے حضور پیش ہونے کی اجازت طلب کروں گا، مجھے اس کے پاس جانے کی اجازت مل جائے گی جب میں اسے دیکھوں گا تو سجدہ ریز ہو جاؤں گا جس قدر اللہ چاہے گا وہ مجھے اسی حالت میں رہنے دے گا پھر فرمائے گا: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! سر اٹھاؤ، بات کرو، تمہیں سنا جائے گا، سفارش

کرو تمہاری سفارش قبول کی جائے گی، سوال کرو آپ کو عطا کیا جائے گا۔ فرمایا: میں اپنا سر اٹھاؤں گا۔ میں اپنے رب کی حمد وثنا بیان کروں گا جو وہ مجھے سکھائے گا پھر میں سفارش کروں گا تو میرے لیے حد متعین کر دی جائے گی۔ میں (بارگاہ رب العزت سے) باہر آؤں گا تو میں انہیں جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دوں گا پھر میں تیسری مرتبہ جاؤں گا، اپنے رب کے پاس جانے کی اجازت طلب کروں گا تو مجھے اس کے پاس جانے کی اجازت مل جائے گی، جب میں اسے دیکھوں گا تو میں سجدے میں گر جاؤں گا۔ اللہ جب تک چاہے گا مجھے اسی حالت میں چھوڑ دے گا پھر فرمائے گا: محمد ﷺ! سر اٹھائیں، بات کریں، تمہیں سنا جائے گا، سفارش کریں تمہاری سفارش قبول کی جائے گی اور سوال کریں آپ کو عطا کیا جائے گا۔ فرمایا: میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اپنے رب کی حمد وثنا بیان کروں گا جو وہ مجھے سکھائے گا پھر میں سفارش کروں گا تو میرے لیے حد کا تعین کر دیا جائے گا۔ میں (بارگاہ رب العزت سے) باہر آؤں گا، انہیں میں آگ سے نکال کر جنت میں داخل کروں گا حتی کہ جہنم میں صرف وہی رہ جائے گا جسے قرآن نے روک رکھا ہو یعنی جس پر دائمی جہنمی ہونا واجب ہو چکا ہو پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: **عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا** قریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر مبعوث فرمائے۔ فرمایا: اور یہ وہ مقام محمود ہے جس کا اس نے تمہارے نبی سے وعدہ فرمایا ہے۔[۱]

۱؎ مشکوۃ شریف، کتاب احوال القیامۃ وبدء الخلق، باب الحوض والشفاعۃ، صفحہ:۱۵۴۶، رقم الحدیث:۵۵۷۲/ مشکوۃ المصابیح، جلد:۳، صفحہ:۳۱۲، ترجمہ از ابوانس محمد سرور گوھر، مکتبہ اسلامیہ/ صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ: وجوہ یومئذ ناضرہ، صفحہ:۱۲۸۱، ۱۲۸۲، رقم الحدیث:۷۴۴۰

صحیح مسلم کے لفظ ہیں: فَيُلْهَمُونَ لِذٰلِكَ کسی سفارشی کو ڈھونڈنا اللہ کی طرف سے ان کے دل میں ڈالا جائے گا۔[1]

پتہ چلا کہ قیامت کے دن مومن اللہ تعالیٰ کی رحمت لینے کے لیے اللہ کے حکم سے غیر اللہ، جناب آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور اللہ کے نبی آدم علیہ السلام غیر اللہ، جناب نوح علیہ السلام کی طرف بھیجیں گے۔ کبھی ذہن میں نہ لانا کہ اللہ کی رحمت لینے کے لیے غیر اللہ کی بارگاہ میں نہیں جانا چاہیے۔ اللہ کے بندے کے پاس جانا ہے تو اسے اللہ کا بندہ سمجھ کے جانا ہے۔ معبود، ہر کسی کا حاجت روا، مشکل کشا اور ذرے ذرے کو جاننے والا سمجھ کر صرف اور صرف اللہ کی بارگاہ میں جانا ہے کیونکہ ہر وقت، ہر جگہ، ہر کسی کی مشکل آسان کرنے والا، ہر وقت، ہر جگہ، ہر شے کی پوری حقیقت جاننے والا صرف اور صرف اللہ رب العالمین ہے۔

حدیث میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے لفظ خطا کی نسبت اپنی طرف کی۔ اس بات سے دھوکہ نہ کھانا اور کبھی ان پاک باز حضرات کی طرف خطا کی نسبت نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ مالک ہے اپنے بندوں کو جو چاہے کہے یا انبیاء کرام اپنے بارے میں جو چاہیں کہیں لیکن ہمیں حق نہیں کہ ہم چھوٹے، بڑوں کے بارے میں بات کریں۔ گھر میں ماں باپ کی لڑائی ہو تو وہ ایک دوسرے کو جو مرضی کہیں لیکن اولاد کو حق نہیں کہ وہ بھی انہی الفاظ کے ساتھ ماں باپ کو پکارے۔ انبیاء کرام علیہم السلام تو وہ ہیں کہ ساری دنیا کے ماں باپ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے قدموں پر قربان۔ انبیاء علیہم السلام کی شانیں اور عظمتیں بہت بلند ہیں۔

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب ادنی اهل الجنة منزلة فيها، صفحہ: ۱۰۷، رقم الحدیث: ۴۷۵

حدیث میں بیان ہوا کہ جناب آدم علیہ السلام فرمائیں گے کہ نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ وہ اہل زمین کی طرف اللہ کے پہلے نبی ہیں۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ پہلے نبی تو جناب آدم علیہ السلام ہیں تو آپ جناب نوح علیہ السلام کو پہلا نبی کیوں کہیں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اہل زمین کے پیدا ہونے سے پہلے نبوت مل گئی تھی اس لیے حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر فرمایا۔

حدیث میں بیان ہوا کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے کہ تم اللہ کے بندے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاؤ، اللہ نے جن کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گناہوں سے معصوم ہیں تو جناب عیسیٰ علیہ السلام گناہ کے معاف ہونے کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کیوں کر رہے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ واقعی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی گناہ نہیں ہوا۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ اللہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے اعزاز کے طور پر ہے جیسے کہ بادشاہ کا دربار لگا ہوا اور وہ کسی سے خوش ہو کر کہے کہ جا! تجھے سات قتل معاف ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس شخص نے سات قتل کیے ہیں۔ بلاتشبیہ یہ کہنا کہ محبوب تیرے اگلے پچھلے گناہ معاف بطور اعزاز ہے وگرنہ یہ بات یقینی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گناہ کا صدور نہیں ہوا۔

حدیث مبارک کے مطالعہ سے یوں لگتا ہے کہ اولین و آخرین میدان محشر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کریں گے:

یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اُنْظُرْ حَالَنَا   یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ اِسْمَعْ قَالَنَا

اے اللہ کے رسول ﷺ! ہمارے حال پر نظر کیجیے۔ اے اللہ کے حبیب ﷺ! ہماری گزارش سنیے۔

حدیث شریف میں بیان ہوا کہ نبی کریم ﷺ قیامت کے دن ان الفاظ کے ساتھ اللہ کی حمد بیان کریں گے جو اس وقت اللہ اپنے حبیب علیہ السلام کو سکھائے گا۔ پتہ یہ چلا نبی کریم ﷺ کے علم پاک کو ماپنے والو! کہ اللہ تعالیٰ ہر آن ہر گھڑی اپنے محبوب علیہ السلام کے علم میں اضافہ کیے جا رہا ہے۔

حدیث میں بیان ہوا کہ اللہ تعالیٰ حد مقرر فرمائے گا کہ پیارے حبیب ﷺ اتنے لوگوں کی شفاعت کریں۔ یہ جاننے کے لیے کہ حد کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کتنے لوگوں کی شفاعت کا اذن دے گا ایک حدیث شریف کا مطالعہ کریں۔

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

فَأَسْتَأْذِنُ عَلٰی رَبِّي فَيُؤْذَنُ لِي وَيُلْهِمُنِي مَحَامِدَ أَحْمَدُهُ بِهَا لَا تَحْضُرُنِي الْآنَ فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ وَأَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَقُولُ يَارَبِّ أُمَّتِي أُمَّتِي فَيُقَالُ انْطَلِقْ فَأَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ شَعِيرَةٍ مِنْ إِيمَانٍ فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ ثُمَّ أَعُودُ فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ وَأَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَقُولُ يَارَبِّ أُمَّتِي أُمَّتِي فَيُقَالُ انْطَلِقْ

فَأَخْرِجُ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ أَوْ خَرْدَلَةٍ مِنْ إِيمَانٍ فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ ثُمَّ أَعُودُ فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ وَأَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَقُولُ يَارَبِّ أُمَّتِي أُمَّتِي فَيُقَالُ انْطَلِقْ فَأَخْرِجُ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ أَدْنَى أَدْنَى أَدْنَى مِثْقَالِ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلَةٍ مِنْ إِيمَانٍ فَأَخْرِجُهُ مِنَ النَّارِ فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ ثُمَّ أَعُودُ الرَّابِعَةَ فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ وَأَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَقُولُ يَارَبِّ ائْذَنْ لِي فِيمَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ قَالَ لَيْسَ ذٰلِكَ لَكَ وَلٰكِنْ وَعِزَّتِي وَجَلَالِي وَكِبْرِيَائِي وَعَظَمَتِي لَأُخْرِجَنَّ مِنْهَا مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

میں اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا تو مجھے اجازت دے دی جائے گی۔ وہ مجھے حمد کے الفاظ الہام فرمائے گا تو میں ان (کلمات والفاظ) کے ذریعے اس کی حمد بیان کروں گا۔ ان کلمات کا اس وقت مجھے علم نہیں۔ میں ان حمد یہ الفاظ کے ساتھ اس کی حمد بیان کروں گا اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔ مجھے کہا جائے گا سوال کریں آپ کو عطا کیا جائے گا اور سفارش کریں آپ کی سفارش قبول کی جائے گی۔ میں کہوں گا: رب جی! میری امت، میری امت۔ چنانچہ کہا جائے گا جاؤ اور جس کے دل میں جو کے برابر ایمان ہے اسے (دوزخ سے) نکال لو، میں جاؤں گا اور ایسے ہی کروں گا پھر میں دوبارہ

(رب کے حضور) جاؤں گا اور انہی حمد یہ کلمات کے ذریعے اس کی حمد بیان کروں گا تو کہا جائے گا: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اپنا سر اٹھاؤ، بات کرو، سنی جائے گی، سوال کرو اسے پورا کیا جائے گا اور سفارش کرو قبول کی جائے گی۔ میں کہوں گا: رب جی! میری امت، میری امت۔ کہا جائے گا: جاؤ! جس کے دل میں ذرہ یا رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہے اسے (جہنم سے) نکال لو، میں جاؤں گا اور ایسے ہی کروں گا پھر میں (تیسری مرتبہ) لوٹوں گا اور ان حمد یہ کلمات کے ذریعے اس کی حمد کروں گا پھر اس کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤں گا تو کہا جائے گا: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اپنا سر اٹھائیں، بات کریں سنی جائے گی، سوال کریں اسے پورا کیا جائے گا اور سفارش کریں اسے قبول کیا جائے گا۔ میں کہوں گا: رب جی! میری امت، میری امت۔ کہا جائے گا: جاؤ اور جس کے دل میں رائی کے دانے سے بھی ادنی ترین ایمان ہے اسے بھی جہنم کی آگ سے نکال لو۔ میں جاؤں گا اور ایسے ہی کروں گا پھر میں چوتھی مرتبہ لوٹوں گا اور ان حمد یہ کلمات کے ذریعے اس کی حمد بیان کروں گا پھر اس کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤں گا تو کہا جائے گا: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اپنا سر اٹھائیں، بات کریں سنی جائے گی، مانگیں عطا کیا جائے گا اور سفارش کریں قبول کی جائے گی۔ میں کہوں گا: رب جی! مجھے اس شخص کے بارے میں اجازت دے دیں کہ جس نے لا الہ الا اللہ کہا ہو اور میں اسے جہنم سے نکال لاؤں۔ فرمایا: اس کا آپ کو حق حاصل نہیں لیکن میرے جلال، میری کبریائی اور میری عزت کی قسم! جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہا ہو گا میں اسے اس (جہنم) سے

ضرور نکالوں گا۔ ؎۱

کسی حدیث یا شرح میں تو نہیں پڑھا لیکن مجھے یوں لگتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے امتیوں کو جہنم کے کنارے پر کھڑے ہو کر دیکھ رہے ہوں گے اور بس اشارہ ہی کریں گے تو وہ فوراً جہنم سے باہر آ جائیں گے۔ ہمارے مخالفین بڑا زور لگاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو منافقوں کا پتہ نہیں تھا اور آیت بھی پڑھتے ہیں: لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ تم انہیں نہیں جانتے، ہم جانتے ہیں۔ ؎۲ جب ہم اس مقام پر پہنچیں گے تو اس آیت کا صحیح مطلب بھی بیان کریں گے۔ یہاں یہ عرض کیے دیتے ہیں کہ میرے دل کے اندر ایمان ہے اور آپ کے دل کے اندر بھی ایمان ہے لیکن مجھے نہیں معلوم کہ آپ کے دل کے اندر کتنا ایمان ہے اور آپ کو بھی معلوم نہیں کہ میرے دل کے اندر کتنا ایمان ہے لیکن جب نبی کریم ﷺ اللہ کے اذن سے ایمان والوں کو جہنم سے نکالیں گے تو کیا آپ اندازے سے نکالیں گے یا آپ کو یقین کے ساتھ معلوم ہو گا کہ فلاں ایمان والا ہے اور فلاں منافق ہے؟ ضرور یقین کے ساتھ معلوم ہو گا۔ نبی کریم ﷺ کے بارے میں یہ کبھی نہ کہنا کہ آپ کو منافقوں کا پتہ نہیں تھا۔ نبی کریم ﷺ کو پتہ ہے کہ ایمان کا کتنا حصہ کس بندے کے دل کے اندر ہے۔

؎۱ مشکوۃ شریف، کتاب احوال القیامۃ وبدء الخلق، باب الحوض والشفاعۃ، صفحہ: ۱۵۴۸، رقم الحدیث: ۵۵۷۳ / مشکوۃ المصابیح، جلد: ۳، صفحہ: ۳۱۴، ۳۱۵، ترجمہ از ابو انس محمد سرور گوھر، مکتبہ اسلامیہ / صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب کلام الرب تعالی یوم القیامۃ، صفحہ: ۱۲۳۹، رقم الحدیث: ۷۵۱۰

؎۲ سورۃ توبہ: ۱۰۱

اس حدیث میں ایک لفظ تُسْمَعْ محبوب! آپ کہیے آپ کی بات مانی جائے گی بیان ہوا۔ پتہ چلا کہ کئی جگہ سماع کا لفظ ماننے کے معنی میں آتا ہے۔ شفاعت کا مطلقاً انکار درحقیقت قرآن کا انکار ہے۔ شفاعت کا مطلقا انکار نہیں کرنا چاہیے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ شفاعت قہری اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نہیں چلے گی۔ شفاعت بالاذن چلے گی۔

سرکار اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ حدیث شفاعت بیان کر کے ایک بڑی شاندار بات لکھتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

مسلمان اسی قدر کو بنگاہ ایمان دیکھے اور اولاً حق جل وعلا کی یہ حکمت جلیلہ خیال کرے کہ کیونکر اہل محشر کے دلوں میں ترتیب وار انبیائے عظام علیہم السلام کی خدمت میں جانا الہام فرمائے گا اور دفعۃً بارگاہ اقدس سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر نہ لائے گا کہ حضور تو یقینا شفیع مشفع ہیں۔ ابتداءً یہیں آتے تو شفاعت پاتے مگر اولین و آخرین وموافقین ومخالفین خلق اللہ اجمعین پر کیونکر کھلتا کہ یہ منصب افخم اسی سید اکرم مولائے اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حصہ خاصہ ہے جس کا دامن رفیع جلیل ومنیع تمام انبیاء ومرسلین کے دست ہمت سے بلند و بالا ہے پھر خیال کیجیے کہ دنیا میں لاکھوں کروڑوں کان اس حدیث سے آشنا اور بیشمار بندے اس حال کے شناسا۔ عرصات محشر میں صحابہ وتابعین وائمہ محدثین واولیائے کاملین وعلمائے عاملین سبھی موجود ہوں گے پھر کیونکر یہ جانی پہچانی بات دلوں سے ایسی بھلا دی جائے گی کہ اتنی کثیر جماعتوں میں ان طویل مدتوں تک کسی کو اصلا یاد نہ آئے گی پھر نوبت بنوبت حضرات

انبیاء سے جواب سنتے جائیں گے جب بھی مطلق دھیان نہ آئے گا کہ یہ وہی واقعہ ہے جو سچے مخبر نے پہلے ہی بتا دیا ہے پھر حضرات انبیاء علیہم السلام کو دیکھیے وہ بھی یکے بعد دیگرے انبیائے مابعد کے پاس بھیجتے جائیں گے۔ یہ کوئی نہ فرمائے گا کہ کیوں بیکار ہلاک ہوتے ہو۔ تمہارا مطلوب اس پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہے۔ یہ سارے سامان اسی اظہار عظمت و اشتہار وجاہت محبوب باشوکت کی خاطر ہیں۔ لِّيَقۡضِيَ اللّٰهُ اَمۡرًا كَانَ مَفۡعُوۡلًا (تاکہ اللہ پورا کرے جو کام ہونا ہے اور درود وسلام نازل فرمائے اپنے محبوب پر)۱

خلیل ونجی، مسیح وصفی سبھی سے کہی کہیں بھی بنی

یہ بے خبری کہ خلق پھری کہاں سے کہاں تمہارے لیے ۲

آیت نمبر: ۴۹

وَاِذۡ نَجَّيۡنٰكُمۡ مِّنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ يَسُوۡمُوۡنَكُمۡ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ يُذَبِّحُوۡنَ اَبۡنَآءَكُمۡ وَيَسۡتَحۡيُوۡنَ نِسَآءَكُمۡ‌ؕ وَفِىۡ ذٰلِكُمۡ بَلَآءٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ عَظِيۡمٌ ﴿۴۹﴾

اور یاد کرو جب ہم نے تمہیں فرعون کی آل سے بچایا تھا وہ مسلسل تمہیں بڑا سخت عذاب پہنچاتے تھے تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ رکھتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی سخت آزمائش تھی۔

---

۱ تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین، صفحہ: ۹۷ ۲ حدائق بخشش، حصہ دوم، صفحہ: ۳۵۱

بلا کے دو معنی ہیں۔ ایک آزمائش اور دوسرا انعام۔ معنی یہ ہوگا کہ وہ جو تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اس میں تمہارے لیے بڑی آزمائش تھی یا یہ معنی ہوگا کہ اللہ نے بچا کر تم پر بہت بڑا انعام کیا۔

فرعون نے ایک خواب دیکھا۔ جس کا مطلب درباری نجومیوں نے یہ بتایا کہ نوکروں کی برادری میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تیرے تخت کا تختہ کر دے گا۔[1] اس نے کہا اگر یہ بات ہے تو پھر ہم نے کسی لڑکے کو زندہ ہی نہیں رہنے دینا۔ اس نے سپاہیوں کو مقرر کیا۔ اس کے سپاہی پھرتے رہتے تھے۔ جہاں لڑکا پیدا ہوتا اس کو قتل کر دیتے تھے۔ لڑکی پیدا ہوتی اسے چھوڑ دیتے تھے پھر انہیں خیال آیا کہ اس طرح تو سارے نوکر ختم ہو جائیں گے تو پھر ہمارے کام کاج کون کرے گا تو پھر فرعون نے حکم دیا کہ ایک سال جو جو لڑکا پیدا ہو اسے قتل کر دو جبکہ دوسرے سال میں جو جو لڑکا پیدا ہو اسے زندہ رکھو۔ اللہ کی شان کہ جس سال بچے زندہ رکھے جانے تھے اس سال جناب ہارون علیہ السلام پیدا ہوئے اور جس سال بچوں کو قتل کیا جانا تھا اس سال جناب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔

آل کے معانی

اس آیت میں لفظ آل فرعون بیان ہوا ہے۔ آل کے دو معنی ہیں۔ ایک نوکر، فوج یا پارٹی جبکہ دوسرا معنی خون ہے۔ یہاں آل فرعون میں آل سے مراد نوکر، فوج یا پارٹی ہے کیونکہ فرعون کے ہاں اولاد نہیں تھی۔

---

[1] تفسیر قرطبی، جلد اول، صفحہ: ۳۸۶، تحت آیت سورۃ البقرہ: ۴۹

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرمایا یاد کرو جب ہم نے تمہیں فرعون کی پارٹی سے بچایا تھا حالانکہ بچایا تو ان کے باپ دادا کو تھا۔ پتہ چلا کہ باپ دادا پر احسان، اولاد پر بھی احسان ہوتا ہے۔

ہمارے ہاں ایک لفظ آل رسول بولا جاتا ہے۔ اگر تو آل سے مراد خون ہو تو پھر اس کا اطلاق ہر اس پر ہوگا جو کہ سید ہے۔ غیر سید کو آل رسول نہیں کہہ سکتے لیکن اگر آل سے مراد نوکر، غلام یا پارٹی ہو تو پھر الحمدللہ! میں بھی آل رسول ہوں، تم بھی آل رسول ہو کیونکہ میں بھی مصطفیٰ ﷺ کا غلام ہوں اور تم بھی مصطفیٰ ﷺ کے غلام ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا اسی غلامی پر خاتمہ کرے۔

آیت نمبر: ۵۰

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَیْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۝۵۰

اور یاد کرو جب ہم نے تمہارے لیے سمندر کو پھاڑ دیا تھا پھر ہم نے تمہیں نجات بخشی اور ہم نے فرعون کی آل کو غرق کر دیا تھا اور تم سب اس وقت ان کو اپنی آنکھوں سے ڈوبتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

قرآن مجید فرقان حمید یہودیوں کے باپ داداؤں پر اپنے احسانات بیان فرما کر انہیں دعوت اسلام دے رہا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر مصر سے روانہ ہوئے۔ پیچھے فرعون بھی اپنے لشکر کے ساتھ پہنچ گیا۔ آگے سمندر اور پیچھے فرعون کا لشکر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے

حکم دیا کہ پیارے موسیٰ! سمندر پر اپنا عصا مارو۔ جب عصا مارا تو سمندر پھٹ گیا اور اس میں بارہ راستے بن گئے۔ بنی اسرائیل کے قبیلے بھی بارہ تھے۔ ہر قبیلے نے اپنا راستہ پکڑا اور سمندر کو پار کر لیا۔ فرعون اور اس کے لشکر نے سمندر میں راستے دیکھے تو وہ بھی ان راستوں پر چڑھ دوڑے۔ بنی اسرائیل نے سمندر عبور کر لیا۔ جبکہ فرعون اور اس کے لشکر کو اللہ نے سمندر میں غرق کر دیا۔ اس آیت میں بھی آل فرعون میں آل سے مراد فرعون کا لشکر، سپاہی اور پارٹی ہے۔

آیت نمبر: ۵۱

وَ اِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ۝۵۱

اور یاد کرو جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے چالیس راتوں کا وعدہ فرمایا پھر اس کے بعد تم نے بچھڑے کو معبود بنا لیا اور تم ظالم تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں کے غرق ہونے کے بعد جناب موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ تیس راتوں کے لیے ہمارے پاس طور پہاڑ پر تشریف لائیے۔ جب آپ پہنچے تو پھر اللہ تعالیٰ نے دس راتوں کا اضافہ فرما دیا اور چالیس راتیں کر دیں۔ آپ کی غیر موجودگی میں آپ کی قوم نے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی اور بہت بڑا ظلم کیا۔ اس سے بڑا ظلم کیا ہوگا کہ وہ اللہ جس نے زمین بنائی، آسمان بنایا، جس نے زمین کے اندر پانی جاری کیا، زمین سے اناج اور پھل پیدا کیے اور طرح طرح کی آرام کی چیزیں پیدا کیں اس سچے خدا

کے مقابلے میں اپنے ہاتھوں سے گھڑ کر بچھڑے کو معبود بنا لیا۔ اس کے باوجود اللہ کا رحم وکرم دیکھیے۔

آیت نمبر: ۵۲

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾

پھر ہم نے اس کے بعد بھی تمہیں معاف فرما دیا تھا تاکہ تم شکر کرو۔

اس میں ہمارے لیے بھی سبق ہے کہ اگر گناہ ہو جائے تو فوراً اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جھک جانا چاہیے اور توبہ کرنی چاہیے۔ وہ بڑا کریم، غفور ورحیم ہے اس نے بڑے بڑے گناہ معاف کر دیئے ہیں وہ ہمیں بھی معاف کر دے گا۔

آیت نمبر: ۵۳

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾

اور وہ وقت بھی یاد کرو جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب اور حق و باطل میں فرق کر دینے والی چیز عطا کی تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

کتاب سے مراد تورات ہے جبکہ فرقان سے دو چیزیں مراد ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ کتاب کو بھی فرقان کہا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ﴿۱﴾

برکت والی ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل فرمایا تاکہ وہ ساری کائنات کے لیے ڈر سنانے والا ہو۔ [1]

اگر یہاں فرقان سے مراد کتاب ہو تو واؤ تفسیری مانی جائے گی۔ دوسرا یہ کہ فرقان سے مراد وہ معجزات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے جناب موسیٰ علیہ السلام کو حق و باطل میں فرق کرنے کے لیے عطا کیے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ یہ کتاب اور فرقان ہم نے جناب موسیٰ علیہ السلام کو اس لیے عطا کیے تا کہ تم کتاب پر عمل کر کے اور فرقان کو دیکھ کے ہدایت پا جاؤ۔

آیت نمبر: ۵۴

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْۤا اِلٰی بَارِىٕكُمْ فَاقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىٕكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَیْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۵۴﴾

اور یاد کرو جب جناب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! بیشک تم نے بچھڑے کو (معبود) بنانے کی وجہ سے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو۔ اپنوں کو قتل کر ڈالو۔ یہی بات تمہارے لیے تمہارے پروردگار کے نزدیک بہتر ہے پھر اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرما لی بیشک وہ توبہ قبول فرمانے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

---

[1] سورۃ فرقان: ۱

بنی اسرائیل نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی معافی کی صورت یہ بیان کی کہ اللہ کی طرف رجوع کرو اور تم میں سے جنہوں نے بچھڑے کی پوجا کی وہ اپنے آپ کو قتل ہونے کے لیے پیش کریں جبکہ جنہوں نے بچھڑے کی پوجا نہیں کی وہ انہیں قتل کریں۔ یہی بات تمہارے رب کے نزدیک بہتر ہے۔

سوال: کیا واقعی بنی اسرائیل نے اپنوں کو قتل کیا تھا؟

جواب: تفاسیر میں تو یہی لکھا ہے کہ انہوں نے واقعی اپنوں کو قتل کیا تھا۔ ستر ہزار کے قریب بندے قتل ہوئے تھے لیکن میرا ذہن اس قتل کے وقوع پر مطمئن نہیں ہے۔ حکم الٰہی ضرور تھا کہ اپنوں کو قتل کرو لیکن مجھے نہیں لگتا کہ وہ قتل ہوئے ہوں گے۔ اس کی دو وجہیں ہیں: ایک تو یہ کہ آیت نمبر ۵۱ میں اللہ تعالیٰ ان کے کرتوت بیان کر رہا ہے:

وَاِذۡ وٰعَدۡنَا مُوۡسٰۤى اَرۡبَعِيۡنَ لَيۡلَةً ثُمَّ اتَّخَذۡتُمُ الۡعِجۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ وَاَنۡتُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ﴿۵۱﴾

اور یاد کرو جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے چالیس راتوں کا وعدہ فرمایا پھر اس کے بعد تم نے بچھڑے کو معبود بنا لیا اور تم ظالم تھے۔

پھر ساتھ ہی آیت نمبر ۵۲ میں فرمایا:

ثُمَّ عَفَوۡنَا عَنۡكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۵۲﴾

پھر ہم نے اس کے بعد بھی تمہیں معاف فرما دیا تھا تاکہ تم شکر کرو۔

یہ لوگ روئے ہوں گے اور معافی مانگی ہوگی جس کی وجہ سے اللہ فرما رہا ہے کہ ہم نے اس کے بعد بھی تمہیں معاف کر دیا۔ پھر آگے آیت نمبر: ۵۴ میں فرمایا:

فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىِٕكُمْ

اپنوں کو قتل کرو یہ تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک تمہارے لیے بہتر ہے۔

پھر ارشاد فرمایا: فَتَابَ عَلَيْكُمْ پھر اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمالی۔ اس کا مطلب یہ بنا کہ قتل کا وقوع نہیں ہوا۔ پھر یہ کہ قرآن اس بات کو بیان نہیں کرتا کہ قتل کا وقوع ہوا تھا کہ نہیں ہوا تھا۔ سید عالم ﷺ کی طرف سے بھی کوئی نص موجود نہیں۔ ہماری تفاسیر میں اسرائیلی روایات بھی آجاتی ہیں کیونکہ یہودی علماء بھی مسلمان ہوئے تھے اور اسرائیلی روایات بیان کرنے پر پابندی بھی نہیں تھی اور ان کو ماننا ضروری بھی نہیں تھا۔ لگتا ہے کہ یہ بات اسرائیلی روایات میں سے ہے جو کہ مسلمانوں کے اندر گھس گئیں۔ ابن جریر نے اگرچہ اس بات کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے [1] لیکن اس بارے میں کوئی مرفوع حدیث نہیں ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جب سے بنی اسرائیل کا ذکر شروع ہوا ہے ان کی شرارتیں ہی بیان ہو رہی ہیں۔ اگر انہوں نے چپ چاپ اپنے آپ کو قتل کروا لیا تھا تو اس کا مطلب ہے کہ یہ تو بڑے عظیم لوگ تھے۔ ادھر اللہ کا حکم آیا کہ اپنوں کو قتل کرو اور ادھر انہوں نے سر جھکا دیئے کہ ٹھیک ہے ہمیں قتل کردو۔ یہ ایسا کس طرح کر سکتے تھے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے

---

[1] تفسیر الطبری، جلد دوم، صفحہ: ۷۳، تحت آیت سورۃ بقرہ: ۵۲

مقدس جماعت دنیا میں نہیں آئی جن کے بارے میں اللہ فرماتا ہے کہ سب امتوں میں سے اے میرے محبوب کے صحابہ! تم بہتر امت ہو۔صحابہ کرام کو بھی جب نبی کریم ﷺ جہاد پر لے کر جاتے تو اللہ فرماتا ہے:

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ

اے نبی! ان مومنوں کو قتال پر ابھارو۔[1]

نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کو جہاد کی ترغیب دیتے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے انعامات کا یقین دلاتے تھے۔اگر یہ کہا جائے کہ بنی اسرائیل بڑے اچھے لوگ تھے۔اللہ کے حکم پر چپ چاپ ستر ہزار نے موت کو قبول کر لیا پھر تو ان کی شان زیادہ ہو جائے گی۔قرآن کا سیاق وسباق اس بات کی تائید نہیں کرتا۔یہودیوں کی شرارتیں اسی پر بس نہیں تھیں۔انہوں نے ایک شرارت اور کی۔

آیت نمبر:۵۵

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۝۵۵

اور جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم ہرگز تیرا اعتبار نہیں کریں گے یہاں تک کہ ہم اعلانیہ خدا کو نہ دیکھ لیں تو تمہیں کڑک نے پکڑ لیا اور تم دیکھ رہے تھے۔

جناب موسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے کہ اللہ نے یہ فرمایا، اللہ نے یہ حکم دیا یا اللہ یہ چاہتا

[1] سورۃ الانفال:۶۵

ہے تو یہودی کہنے لگے ہم آپ کی بات کا اس وقت تک یقین نہیں کریں گے جب تک اعلانیہ، سامنے اللہ کو نہ دیکھ لیں جیسے ہی انہوں نے یہ جرأت کی تو بجلی کی کڑک آئی۔ آواز میں اتنی دہشت تھی کہ سب کے سب مر گئے اور وہ سب ایک دوسرے کو مرتا ہوا دیکھ رہے تھے اس طور پر کہ پہلے ایک مرا پھر دوسرا پھر تیسرا پھر چوتھا۔ باقی سب دیکھ رہے تھے کہ باری باری سب مر رہے ہیں۔ جناب موسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھا کہ یہ مر گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فریاد کی کہ رب العالمین! تیری مہربانی ان کو زندہ کر دے۔ اگر یہ میرے ساتھ زندہ واپس نہ گئے تو باقی کی قوم شور مچائے گی کہ پتہ نہیں موسیٰ علیہ السلام نے کس طرح ان کو مار دیا ہے۔

آیت نمبر:۵۶

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

پھر ہم نے تمہارے مرنے کے بعد تمہیں زندہ کیا تا کہ تم شکرادا کرو۔

یہاں سے پتہ چلا کہ یہ کہنا غلط ہے کہ جو بندہ ایک بار مر جائے دوبارہ پھر زندہ نہیں ہو سکتا۔ میرے اللہ کے پاس بڑی طاقتیں ہیں۔ دیکھو! یہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہوئے کہ نہیں ہوئے؟ پہلے بیان ہوا اور ابھی آگے بھی بیان ہوگا کہ گائے کا ٹکڑا مقتول کے جسم کے ساتھ مارا تھا وہ زندہ ہوا تھا کہ نہیں ہوا تھا؟ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ فرما سکتا ہے۔

اللہ نے بنی اسرائیل کو ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے میدان تیہ میں قید کر دیا۔ ہمارے ہاں قید خانوں میں دیواریں ہوتی ہیں۔کوئی دیواروں کو پار کر کے باہر نہیں جا سکتا لیکن اللہ جب کسی کو قید کرنا چاہے تو اسے کسی بلڈنگ کی ضرورت نہیں۔ اللہ جو چاہے سو کرے۔ میدان تیہ ایک بہت بڑا صحرا تھا۔ وہ اس صحرا میں صبح کو چلتے، سفر کر کر کے شام کو دیکھتے تو وہیں کے وہیں ہوتے۔ چالیس سال کا عرصہ اسی طرح گزرا۔ یہاں بنی اسرائیل کو کھانے پینے اور دھوپ کی پریشانی تھی۔ اللہ نے ان کی پریشانی کو دور کر دیا۔

آیت نمبر: ۵۷

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾

اور ہم نے تم پر بادل کا سایہ کر دیا اور تم پر من اور سلوی اتارا ہماری دی ہوئی پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور انہوں نے ہم پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔

دھوپ کی پریشانی یوں دور کی کہ بادل کو بطور سائبان کھڑا کر دیا تا کہ دھوپ کی تمازت نہ پہنچے۔کھانے پینے کی پریشانی کا حل یہ کیا کہ من اور سلویٰ اتارا۔لوگوں کو دنیا کے اندر محنت کرنی پڑتی ہے۔کسی کو دوکان پر جانا پڑتا ہے، کوئی ہل چلاتا ہے اور کوئی جوتے سلائی کرتا ہے لیکن ان کو بغیر محنت کے من اور سلویٰ عطا کر دیا۔ یہ رات کو سوئے تو جو شبنم پڑی وہ بڑی میٹھی چیز تھی اس کا نام من (احسان) رکھا۔ جب دھوپ زیادہ ہو جاتی تو وہ پگھل جاتی تھی۔ یہ اسے سنبھال لیتے تھے اور بٹیرے جیسے جانور غول کے غول ان کے

خیموں کے پاس آجاتے تھے اور یہ انہیں پکڑ کر ذبح کر کے کھا جاتے تھے ان کا نام سلویٰ رکھا۔ اللہ تعالیٰ پاکیزہ چیزیں کھانے کا حکم دے رہا ہے۔ یہ من اور سلوی بھی پاک ہے لہٰذا اسے بھی کھاؤ۔ انسان چونکہ فطرتاً لالچی ہے انہوں نے من وسلویٰ کو جمع کرنا شروع کر دیا تا کہ مشکل وقت میں کام آ سکے حالانکہ اللہ تو روز ہی عطا کر رہا تھا۔ جمع کیے ہوئے من و سلویٰ میں بدبو پڑ جاتی اور وہ خراب ہو جاتا تھا۔ چالیس سال میدان تیہ میں رہے۔ اب انہوں نے اللہ کی بارگاہ میں منت کی کہ رب العالمین! ہماری یہاں سے جان چھڑوا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

آیت نمبر: ۵۸

وَ اِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾

اور یاد کرو جب ہم نے فرمایا اس بستی میں داخل ہو جاؤ اور جہاں سے چاہتے ہو بغیر روک ٹوک، فراوانی کے ساتھ کھاؤ اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو اور کہو ہماری درخواست معافی کی ہے ہم تمہاری ساری غلطیاں معاف کر دیں گے اور قریب ہے کہ ہم احسان کرنے والوں کو زیادہ عطا کریں۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو میدان تیہ سے نجات عطا کی اور فرمایا اس بستی میں داخل ہو جاؤ اور بغیر روک ٹوک جہاں سے جی چاہتا ہے کھاؤ لیکن شہر کے دروازے میں

سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو۔ بعض نے یہ ترجمہ کیا کہ شہر کے دروازے میں عاجزی کے ساتھ جھکتے ہوئے داخل ہو، اکڑ کر داخل نہیں ہونا اور زبان سے حِطَّةٌ بھی کہنا ہے۔ حِطَّةٌ خبر ہے اور اس کا مبتداء محذوف ہے۔ مکمل جملہ مَسْئَلَتُنَا حِطَّةٌ ہے یعنی ہمارا مسئلہ یا ہماری درخواست معافی کی ہے۔ شہر کے دروازے میں جھکتے ہوئے داخل ہو اور زبان سے کہو کہ یا اللہ! ہمیں معاف فرما۔

پتہ چلا کچھ شہر اور دروازے ایسے ہوتے ہیں جہاں بندہ ادب کے ساتھ جھک کر داخل ہو جائے تو اللہ گناہ معاف کر دیتا ہے۔ یہ نہیں کہنا چاہیے کہ اللہ نے ایسا دروازہ بنایا ہی کوئی نہیں۔ ارشاد فرمایا جب تم اس دروازے سے عاجزی کے ساتھ، زبان سے معافی مانگتے ہوئے داخل ہو گے تو ہم تمہارے سارے گناہ معاف کر دیں گے اور تمہیں بہشتی بنا دیں گے اور جس کے دل میں خلوص ہے جو محسنین ہیں ان کو ہم زیادہ عطا کریں گے۔

احسان کا معنیٰ

احسان کی دولت بہت بڑی دولت ہے۔ ہر کسی کو عطا نہیں ہوتی۔ حضرت جبریل امین علیہ السلام نے عرض کی: مَا الْإِحْسَانُ ؟ اے اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! احسان کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: أَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے گویا کہ تو اللہ کو دیکھ رہا ہے، اگر تو اسے نہ دیکھ سکے تو وہ تو تجھے دیکھ رہا ہے۔[1] محبوب سامنے ہو اور محبوب بھی ایسا کہ جس کو

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب سوال جبریل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عن الایمان والاسلام والاحسان، صفحہ: ۲۳، رقم الحدیث: ۵۰ / صحیح مسلم، کتاب الایمان، الایمان ماھو؟ وبیان خصالہ، صفحہ: ۲۵، رقم الحدیث: ۹۷

مصطفیٰ ﷺ کی نگاہ کے علاوہ کسی نے دیکھا ہی نہیں تو کیا توجہ کسی اور طرف جائے گی؟ لیکن اگر بندہ اس مقام تک نہ پہنچا ہو کہ تصور کر سکے کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے تو کم از کم اتنا تصور جمائے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ جب تک بندے کے دل میں رہے گا کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے تو اس کے دل کے اندر خشوع کی کیفیت پیدا ہوتی رہے گی۔

یہودی بھی بڑے فراڈیے تھے۔ ان سے کہا گیا تھا کہ تم نے حِطَّةٌ یا اللہ! معاف کر دے کہنا ہے لیکن ایک تو وہ دروازے سے گزرے بھی اکڑ کر تھے اور دوسرا یہ کہ حِطَّةٌ کہنے کی بجائے حِنْطَةٌ، حِنْطَةٌ کہتے ہوئے گزرے کہ یا اللہ! گندم دے۔ یا اللہ! گندم دے یعنی اتنے خبیث فطرت لوگ تھے کہ مذاق کر رہے تھے۔

آیت نمبر: ۵۹

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾

ظالموں نے اس کے علاوہ کسی اور بات سے بات کو بدل ڈالا جو ان سے کہی گئی تھی تو ہم نے ان کی نافرمانی کی وجہ سے ان پر آسمان سے عذاب نازل کیا۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ نے طاعون کو بطور عذاب ان پر مسلط کیا تھا۔[1]

---

[1] تفسیر الطبری، جلد دوم، صفحہ: ۱۱۶، ۱۱۷، تحت آیت سورۃ بقرہ: ۵۹ / تفسیر بیضاوی، جلد اول، صفحہ: ۸۳، تحت آیت سورۃ بقرہ: ۵۹ / تفسیر ابن کثیر، جلد اول، صفحہ: ۱۷۷

آیت نمبر: ۶۰

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۶۰﴾

اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے پانی طلب کیا تو ہم نے کہا اپنے عصا کو اس پتھر پر مار تو بارہ چشمے پھوٹ پڑے ہر گروہ نے اپنا گھاٹ جان لیا اللہ کے رزق میں سے کھاؤ اور پیو اور زمین میں فسادی بن کر نہ پھرو۔

قرآن شریف ایک اور واقعہ بیان کر رہا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ قرآن شریف ترتیب وار واقعات کو بیان نہیں کر رہا کہ پہلے یہ واقعہ ہوا پھر یہ واقعہ ہوا بلکہ قرآن کا مقصد صرف اصلاح ہے۔

بنی اسرائیل کے بارہ گروہ تھے۔ چشمے بھی بارہ ہی پھوٹے۔ ہر گروہ نے اپنی اپنی پانی لینے کی جگہ کو پہچان لیا۔

یہ بات یاد رہے کہ رزق دینے والا اللہ ہے۔ مخلوق صرف وسیلہ بنتی ہے۔ میں نے کئی ساتھیوں کو کہتے ہوئے سنا کہ میرے لجپال نے مجھے بہت کچھ دیا ہے۔ اللہ کا نام ہی نہیں لیتے حالانکہ لجپال نے تو صرف دعا کی ہوگی لیکن دینے والا اللہ ہے۔ خالق و رازق اللہ ہے۔ ہم یہ ضرور کہتے ہیں کہ ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے سے ملتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ عطا کرتا ہے جبکہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقسیم فرماتے ہیں۔ ہر آن، ہر

گھڑی مسلمان کے لاشعور میں بھی یہی بات رہنی چاہیے کہ اصل میں دینے والا اللہ ہے۔

یہودیوں کی فطرت میں شرارت اور فساد تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کو تنبیہ کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ زمین میں فسادی بن کر مت پھرو۔ دیکھو! تمہاری اور تمہارے باپ داداؤں کی وجہ سے تم پر کتنی پھٹکار پڑی۔ ہم نے کتنی نعمتیں عطا کیں لیکن تم اور تمہارے باپ دادوں نے کیا کیا۔

پھر یہ کہ جناب موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر عصا مارا تو اس میں سے پانی پھوٹ پڑا۔ یاد رکھیے! پانی پتھروں سے نکلتا ہے، انگلیوں سے پانی نہیں نکلتا۔ پتھر سے پانی جاری کرنا جناب موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے جبکہ انگلیوں سے پانی جاری کرنا میرے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ ہے۔ (ملخصا) [1]

انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنج آبِ رحمت کی ہیں جاری واہ واہ [2]

یہودیوں کو روز ہی من وسلویٰ اور پینے کا شاندار پانی ملتا تھا۔

آیت نمبر: ٦١

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، صفحہ:٨٨٠، رقم الحدیث:٣٥٧٦ / مسند احمد، مسند جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، جلد:٢٢، صفحہ:٣٩٨، رقم الحدیث:١٤٥٢٢

[2] حدائق بخشش، صفحہ:٦٧، مطبوعہ پروگریسو بکس اردو بازار لاہور

يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَ قِثَّآىِٕهَا وَ فُوْمِهَا وَ عَدَسِهَا
وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا
مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۗ
وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَیَقْتُلُوْنَ
النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا یَعْتَدُوْنَ۠ ﴿۶۱﴾

اور جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم ہرگز ایک ہی کھانے پر صبر نہیں کریں گے۔ ہمارے لیے اپنے رب سے دعا فرمائیے کہ ہمارے لیے نکالے جو کچھ زمین اگاتی ہے کچھ ساگ اور ککڑی اور گندم اور مسور اور پیاز۔ فرمایا: تم اعلیٰ چیز کے بدلے ادنیٰ چیز لینا چاہتے ہو؟ شہر میں اترو۔ بیشک تمہارے لیے وہ ہے جو تم نے مانگا ہے۔ ان پر ذلت اور غربت مسلط کردی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں لوٹے اس لیے کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے اور نبیوں کو ناحق قتل کردیتے تھے۔ یہ ان کی نافرمانیوں اور حد سے بڑھنے کا بدلہ تھا۔

اسرائیل کی حکومت بننے کی وجہ سے قرآن پر ایک سوال

سوال جب سے اسرائیل کی حکومت بنی ہے تب سے قرآن پر اعتراض ہو رہا ہے کہ قرآن تو فرما رہا ہے کہ یہودیوں پر ذلت اور غربت مسلط کر دی گئی ہے حالانکہ ان کی تو حکومت قائم ہوگئی ہے۔ اگر ان پر ذلت اور غربت مسلط کی گئی ہے تو پھر ان کی حکومت کیسے بنی؟

جواب موجودہ مفسرین نے اس کا جواب یہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی بچت کی ایک صورت بیان کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ

ان پر ذلت مسلط کر دی گئی ہے جہاں بھی رہیں ہاں ایک صورت میں رسوائی سے بچ سکتے ہیں وہ یہ کہ اللہ کی رسی کو تھام لیں یا لوگوں کی رسی کو تھام لیں۔[1]

یعنی یا تو اللہ کی چھتری کے نیچے آ جائیں یا لوگوں کی چھتری کے نیچے آ جائیں۔ آج بھی اسرائیل کی حکومت خود مختار نہیں ہے بلکہ امریکہ، روس اور برطانیہ کی سرپرستی میں قائم ہے۔ لوگوں کی چھتری کی وجہ سے ان کی حکومت قائم ہے۔ ان کی اپنی اتنی حیثیت نہیں کہ ان کو پرے کر کے اپنی حکومت بنا سکیں لیکن میرا خیال ہے کہ اس سوال کا جواب دینے کے لیے اتنے تکلف کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہاں مطلقاً یہودیوں کا ذکر نہیں ہو رہا بلکہ ان یہودیوں کی بات ہو رہی ہے جنہوں نے کہا تھا کہ ہم ایک ہی کھانے پر صبر نہیں کر سکتے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کے یہودیوں کی بات ہو رہی ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان یہودیوں میں کچھ نیک لوگ بھی ہوں گے جو کہ اپنی کتاب پر عمل کرتے ہوں گے تو کیا وہ بھی اللہ کے غضب میں لوٹے؟ کیا ان سے بھی اللہ ناراض ہوا؟

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

---

[1] سورۃ آل عمران: ۱۱۲

آیت نمبر: ٦٢

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِیۡنَ هَادُوۡا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِـِٕیۡنَ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ۚ وَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿٦٢﴾

جو لوگ اس وقت پکا ایمان لائے تھے اور جو اس وقت سچے یہودی تھے اور جو اس وقت سچے عیسائی تھے اور جو اس وقت صابی تھے جو بھی ان میں سے اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لایا اور اچھے کام کیے تو ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے، نہ ان پر خوف ہے اور نہ ہی ان پر کوئی غم ہوگا۔

صابی ایک فرقہ تھا جو کہ اللہ کو مانتا تھا پھر ان کے عقائد خراب ہو گئے اور یہ ستارہ پرست اور آتش پرست بن گئے۔ اس آیت کی اس تفسیر کو ذہن نشین کر لیں۔ اس پر کسی قسم کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا اور نہ لوگ اس مقام پر سوال کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار کفر ہے

مجھے یاد ہے کہ میں چھوٹا سا تھا۔ بس میں سفر کر رہا تھا۔ بھکی سے منڈی بہاؤالدین کی طرف جا رہا تھا۔ راستے میں ایک آدمی نے میرے ساتھ باتیں شروع کر دیں۔ وہ کہنے لگا مولوی میری کسی بات کا جواب دے ہی نہیں سکتے۔ پھر کہنے لگا نبی پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے۔ اس نے یہی آیت پڑھی: ایماندار ہو خواہ یہودی ہو خواہ عیسائی ہو خواہ صابی ہو بس اللہ کو اور قیامت کے دن کو مانے اور اچھے کام کرے تو وہ جنتی ہے۔ رسول اللہ کو ماننا کہاں ضروری ہوا؟ اللہ تعالیٰ نے مہربانی کی۔ میری عمر اس وقت پندرہ یا سولہ سال تھی۔

ابھی شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔ اٹھارہ سال کی عمر میں شادی ہوئی تھی۔ میں نے اس کو کہا: ذرا پھر پڑھنا، اللہ نے کیا فرمایا ہے؟ کہنے لگا: یہودی ہو یا عیسائی ہو بس اللہ کو مانے۔ میں نے کہا ٹھہر جا، یہ بتا وہ اللہ کو کیا مانے؟ کہنے لگا: اللہ کو اللہ مانے۔ میں نے کہا نہیں، یہ بتا کہ اللہ کو کیا مانے؟ پھر میں نے سورۃ اخلاص کی تلاوت کی:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ ﴿۱﴾ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ ﴿۲﴾ لَمْ يَلِدْ وَ لَمْ يُوْلَدْ ﴿۳﴾ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴿۴﴾

پیارے حبیب! آپ فرمادیں کہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس کی بیٹی ہے، نہ اس کا بیٹا ہے اور نہ اس کی والدہ ہے، نہ اس کا والد ہے اور اس کے برابر کا کوئی نہیں [1]

میں نے کہا: اللہ کو ماننے کا مطلب یہ ہے کہ یہ مانے کہ اللہ کا بیٹا کوئی نہیں ہے لیکن یہودیوں کا دعوی ہے: وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۨ ابْنُ اللّٰهِ عزیر اللہ کا بیٹا ہے۔ [2] جب اس نے اللہ کو لَمْ يَلِدْ مانا تو اس نے اپنا عقیدہ چھوڑ دیا پھر وہ یہودی تھوڑی رہا۔ اسی طرح عیسائیوں کا دعوی تھا: وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ [3] تو جب انہوں نے اللہ کو لَمْ يَلِدْ مان لیا کہ اللہ کا کوئی بیٹا نہیں تو پھر وہ عیسائی نہ رہے۔ پھر میں نے سورۃ نساء کی آیت تلاوت کی۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

---

[1] سورۃ اخلاص [2] سورۃ توبہ: ۳۰ [3] سورۃ توبہ: ۳۰

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡفُرُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ وَ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یُّفَرِّقُوۡا بَیۡنَ اللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ وَ یَقُوۡلُوۡنَ نُؤۡمِنُ بِبَعۡضٍ وَّ نَکۡفُرُ بِبَعۡضٍ ۙ وَّ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَّخِذُوۡا بَیۡنَ ذٰلِکَ سَبِیۡلًا ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ حَقًّا ۚ وَ اَعۡتَدۡنَا لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابًا مُّہِیۡنًا ﴿۱۵۱﴾

بیشک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان جدائی کر دیں اور کہتے ہیں ہم ایک کو مانیں گے اور دوسروں کو نہیں مانیں گے وہ درمیانی راستہ نکالنا چاہتے ہیں یہ پکے ٹھکے کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے ذلیل کر دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ؎۱

پروردگار! یہ تو پتہ چل گیا کہ جو رسول اللہ کو نہ مانے وہ جہنمی ہے اور تو نے اس کے لیے ذلیل کر دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے اور یا اللہ! جو سب کو مانیں ان کے لیے کیا حکم ہے؟

فرمایا: وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَلَمۡ یُفَرِّقُوۡا بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡہُمۡ اُولٰٓئِکَ سَوۡفَ یُؤۡتِیۡہِمۡ اُجُوۡرَہُمۡ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ﴿۱۵۲﴾

اور جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسولوں کو مانا اور ایمان لانے میں کسی کے درمیان فرق نہیں کیا ان کو عنقریب اللہ بہت بڑا اجر دے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا، مہربان ہے۔ ؎۲

قرآن اپنے بعض حصے کی تفسیر خود بیان کرتا ہے۔ ایک جگہ اجمال ہوتا ہے تو دوسری

؎۱ سورۃ نساء: ۱۵۰، ۱۵۱ ؎۲ سورۃ نساء: ۱۵۲

جگہ اس کی تفصیل آ جاتی ہے۔ پتہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ کو مانے بغیر جنت جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مجھے ایک مرتبہ انگلینڈ میں ایک لڑکے نے سوال کیا کہ مولوی صاحب! ہمارے ساتھ یہودی اور عیسائی بھی پڑھتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ جنت میں صرف ہم جائیں گے جبکہ یہودی اور عیسائی کہتے ہیں کہ جنت میں ہم جائیں گے۔ ہمیں سمجھائیں کہ صرف ہم ہی کیوں جنت میں جائیں گے؟ یہودی اور عیسائی کیوں جنت میں نہیں جائیں گے؟ دلیل میں قرآن نہ پڑھیں بلکہ کوئی ایسی بات بیان کریں جو ہماری عقل میں آئے۔

ہم نے ساری زندگی قرآن، حدیث ہی پڑھا لیکن اللہ نے مہربانی کر دی۔ میں نے اس سے پوچھا: بیٹے! یہ بتاؤ کیا میں تمہاری پارلیمنٹ کا ممبر بن سکتا ہوں؟ وہ کہنے لگا: نہیں۔ میں نے پوچھا: کیوں؟ میرے اندر کیا کمی ہے؟ کونسا گھاٹا ہے؟ کہنے لگا: مولوی صاحب! آپ کے پاس نیشنیلٹی نہیں ہے اس لیے آپ یہاں پارلیمنٹ کے ممبر نہیں بن سکتے۔ برٹش پارلیمنٹ کا ممبر بننے کے لیے برٹش نیشنیلٹی ضروری ہے۔ میں نے کہا: بالکل جس طرح اس پارلیمنٹ میں جانے کے لیے نیشنیلٹی ضروری ہے اسی طرح جنت میں جانے کے لیے بھی نیشنیلٹی ضروری ہے اور وہاں کی نیشنیلٹی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے۔ لڑکا بھی خوش ہو گیا اور جو لوگ سن رہے تھے وہ بھی بڑے خوش ہوئے کہنے لگے سوال بڑا شاندار تھا لیکن جواب اس سے بھی زیادہ شاندار ہے۔

آیت نمبر: ۶۳

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾

اور جب ہم نے تم سے پکا وعدہ لیا اور تم پر طور پہاڑ کو بلند کر دیا جو ہم نے تمہیں دیا ہے اسے پوری مضبوطی کے ساتھ لو اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد کرو تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

اللہ نے بنی اسرائیل سے پکا وعدہ لیا کہ یہ کتاب توراۃ ہے اس پر عمل کرو۔ انہوں نے برملا کہہ دیا: آسان کام کرلیں گے، مشکل کام نہیں ہوتے۔ اللہ نے ان سے اس طرح منوایا کہ طور پہاڑ کو اکھیڑ کر ان کے اوپر کھڑا کر دیا۔ فرمایا: مانو نہیں تو یہ پہاڑ تمہارے اوپر گر جائے گا۔ وہ لوگ فوراً سجدے میں گر گئے۔ چاہیے یہ تھا کہ صحیح طریقے سے سجدہ کرتے، آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے، رو رو کر کہتے کہ یا اللہ! معاف کر دے لیکن انہوں نے سجدہ اس طرح کیا کہ کانی آنکھ سے پہاڑ کو بھی اوپر دیکھ رہے تھے کہ کہیں ہم پر گر تو نہیں رہا۔ اللہ نے فرمایا: جو ہم نے تمہیں کتاب دی ہے اسے مضبوطی کے ساتھ تھام لو اور جو کچھ اس کتاب کے اندر ہے اسے یاد کرلو تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

آیت نمبر: ۶۴

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۴﴾

پھر تم اس کے بعد پھر گئے اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم گھاٹا پانے والوں میں سے ہو جاتے۔

یہودیوں کی شرارتیں

ان آیتوں میں اللہ یہودیوں کی شرارتیں بیان کر رہا ہے۔ ہمیں بھی سبق یہ ملا کہ ہم بھی ہر آن، ہر گھڑی یہودیوں سے ہوشیار رہیں۔ یہودیوں کی سازشوں کے آلہ کار مت بنیں۔ یہودیوں کی سازش ہے کہ مسلمان آپس میں لڑتے رہیں تاکہ اکٹھے ہو کر ہم سے لڑنے کی بجائے اپنی توانائیاں آپس میں ہی ضائع کرتے رہیں۔ انہوں نے باقاعدہ پلان بنا کر اسلام قبول کیا تھا۔ اوپر سے مسلمان جبکہ اندر سے یہودی تھے۔ انہوں نے لوگوں کو صحابہ کرام سے متنفر کرنے کے لیے باقاعدہ کام شروع کیا۔ جھوٹ بولا، جھوٹ گھڑا اور پھر اسے لوگوں میں پھیلایا۔ آہستہ آہستہ لوگوں کے ذہنوں کے اندر زہر گھولنا شروع کر دیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایسے لوگوں کے سرغنہ عبداللہ بن سبا اور اس کے چند ساتھیوں کو پکڑا اور فرمایا توبہ کرو۔ انہوں نے کہا: نہیں جی! بس آپ اللہ ہیں۔ باقی سب جھوٹے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آگ جلوا کر ان کو آگ کے اندر جلا دیا۔[1] مولا علی رضی اللہ عنہ نے اگرچہ انہیں ختم کر دیا تھا لیکن وہ صحابہ کرام کی دشمنی کا بیج بو چکے تھے۔ بیج یہ تھا کہ صحابہ کے خلاف خوب نفرت پھیلاؤ۔ جب نفرت پھیلے گی تو صحابہ کرام بے اعتبار ہو جائیں گے۔ جب صحابہ پر اعتبار نہیں رہے گا تو مسلمانوں کے مرکز قرآن پر سے بھی اعتبار اٹھ جائے گا کیونکہ لوگوں تک یہ قرآن صحابہ کرام کے ذریعے پہنچا ہے۔

---

[1] رجال الکشی، صفحہ: ۸۴، ۸۵، رقم الترجمہ: ۴۸، مطبوعہ بیروت لبنان

پھر یہودیوں نے ایک وار اور کیا۔ ہم کہتے ہیں کہ ہمارے نبی جیسا کوئی دیانتدار بندہ دنیا میں آیا ہی نہیں۔ ہمارے نبی دیانت و امانت میں بے مثال تھے۔ دوسرے سیاستدان یا حکمران ان کو جب بھی اقتدار ملتا ہے تو یہ گھپلا کرتے ہیں۔ پتہ بھی نہیں چلنے دیتے کہ مال اڑا کر اپنی جیب میں ڈال دیتے ہیں۔ یہودیوں نے سوچا اب مسلمانوں کے نبی کو داغدار کرو۔ اس کا دامن اجلا نہ رہنے دو۔ فتوحات ہو رہی تھیں، مال بھی آ رہا تھا۔ کچھ مال جنگوں کے ذریعے آتا تھا جسے مال غنیمت کہتے ہیں اور کچھ رعب اور دبدبے سے آ جاتا تھا جسے مال فئے کہتے ہیں۔ اب ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیے۔ اللہ کرے کشمیر آزاد ہو جائے۔ فتح بھی ایسے ہو جائے کہ انڈیا کی فوجیں ڈر کے بھاگ جائیں۔ ہمارا پرائم منسٹر عمران خان ہے۔ کشمیر کے اندر باغات بڑے خوبصورت ہیں۔ سارا کشمیر مسلمانوں کو مل جائے اور عمران خان ایک خوبصورت اور اچھا باغ اپنے نام رجسٹری کروا لے تو کیا کہو گے؟ کیا یہ کہو گے کہ پرائم منسٹر دیانتدار ہے؟ نہیں بلکہ کہو گے کہ اس نے تو فراڈ کیا ہے۔ قوم کے مال کو اپنے نام رجسٹرڈ کروا لیا ہے۔ عمران خان کے دو بیٹے ہیں۔ اپنا یہ مال یا باغ وہ اپنے کسی بیٹے کے نام لگوا دے تو کیا کہو گے کہ اس نے اچھا کیا ہے؟ بالکل بھی نہیں۔ ہر ذہن سوچتا ہے کہ قوم کے مال کو اپنا مال قرار دینا یا اپنے بیٹے کے نام لگوا دینا دیانت نہیں ہے۔ ان یہودیوں نے نبی کریم ﷺ کی دیانتداری پر وار کیا۔ کبھی یہ بولی بولی کہ نبی کریم ﷺ نے ایک بہت اچھا اور شاندار باغ اپنے نام کروا لیا۔ کبھی یہ بولی بولی کہ نبی کریم ﷺ نے وہ باغ اپنی صاحبزادی سیدہ طیبہ طاہرہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نام ہبہ

کر دیا تھا اور باقاعدہ لکھ بھی دیا تھا تاکہ یہ تاثر قائم ہو کہ یہ بھی عام دنیادار بادشاہ ہی تھا حالانکہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کا مزاج یہ تھا کہ ازواج مطہرات نے راشن کا مطالبہ کر دیا۔ باقی گھروں میں چولہے جلنے لگے لیکن ازواج کے گھروں میں چولہے نہیں جلتے تھے۔ عرض کی: آقا! تھوڑا سا راشن بڑھ جائے [1]۔ مطالبہ غلط نہیں تھا لیکن نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کو پسند نہیں آیا۔ جو نبی اپنی بیویوں کو راشن نہیں دیتا کیونکہ جب تک ایک ایک غریب بچی کو راشن نہیں مل جائے گا، میں اپنے گھر راشن نہیں آنے دوں گا۔ یہ میرے مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کا عدل و انصاف تھا۔ وہ نبی کس طرح گوارا کر سکتا ہے کہ ایک بڑا اچھا اور سوہنا باغ اپنی بیٹی کے نام ہبہ کر دے اور بدمعاش حکمرانوں کے لیے سند جواز پیش کر دے کہ باغ ہتھیانہ اور مال اڑانا سنت ہے۔ پھر وہ سیدہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا جن کی تربیت اس طرح ہوئی کہ لونڈی لینے گئیں تو نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے لونڈی کی بجائے ایک وظیفہ بتا دیا کہ یہ وظیفہ پڑھا کرو۔ [2] جن کی تربیت ہی اس طرح ہوئی تھی کہ کبھی گھر میں مال نہیں رکھتی تھیں۔ کوئی مانگنے والی آجاتی تو نیا سوٹ اس کو دے دیتیں اور پرانا خود پہن لیتیں۔ مال کی طلب ہی نہیں تھی۔ ان کے بارے میں کہانی گھڑ لی کہ وہ باغ کا مطالبہ کرنے چلی گئیں تاکہ تاثر یہ پیش ہو کہ یہ بھی دنیا کی طلب رکھتی تھیں۔ یہ یہودیوں کے وار ہیں اور جب وار چلتا ہے تو کئی سچے بندے بھی

---

[1] مشکوۃ شریف، کتاب النکاح، باب عشرۃ النساء وما لکل واحد من الحقوق، جلد: ۲، صفحہ: ۹۶۹، رقم الحدیث: ۳۲۴۹/ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب بیان ان تخییرہ امراتہ لا یکون طلاقا الا بالنیہ، صفحہ: ۶۳۳، رقم الحدیث: ۳۶۹۰

[2] صحیح بخاری، کتاب النفقات، باب عمل المرأۃ فی بیت زوجھا، صفحہ: ۱۳۶۶، رقم الحدیث: ۵۳۶۱ / صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب التسبیح اول النہار وعند النوم، صفحہ: ۱۱۸۳، رقم الحدیث: ۶۹۱۵

یقین کر لیتے ہیں حالانکہ انہیں یقین کرنا نہیں چاہیے۔ پھر کہانی بنا دی کہ سیدہ زاہرہ رضی اللہ عنہا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس باغ مانگنے چلی گئیں اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حدیث سنا دی کہ نبیوں کی وراثت مال میں جاری نہیں ہوتی۔ [1] جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بی بی! جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان باغوں کے ساتھ سلوک کرتے تھے میں بھی ویسے ہی کروں گا۔ بات صرف اتنی سی تھی۔ حضرت سیدہ زاہرہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: واقعی سچ کہتے ہو؟ آپ نے فرمایا: بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔ میں ایسا ہی کروں گا۔ سیدہ فاطمہ راضی ہوگئیں۔ بات ختم ہو گئی لیکن یہودیوں نے کہانی یہ گھڑی کہ سیدہ فاطمہ ناراض ہوگئیں پھر انہوں نے کبھی مرتے دم تک جناب صدیق اکبر سے کلام نہیں کیا۔ سوال یہ ہے کہ سیدہ فاطمہ کس بات پر ناراض ہوئیں؟ جناب صدیق اکبر نے تو فرمان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی پیش کیا تھا۔ آپ کا ذہن یہ تسلیم کرتا ہے کہ میرے سامنے فرمان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیش کیا جائے اور میں ناراض ہو جاؤں؟ میں فرمان سن کر ناراض ہونے کو اپنے لیے خسارہ سمجھتا ہوں تو جو جنتی عورتوں کی سردار اور جنت کی مالکن ہیں وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان سن کر بھلا کیسے ناراض ہوسکتی ہیں؟

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿٦٥﴾

محبوب تیرے رب کی قسم! یہ مومن نہیں ہوسکتے جب تک تجھے اپنا حاکم نہ مان لیں

---

[1] سنن ترمذی، ابواب السیر، باب ماجاء فی ترکۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صفحہ: ۵۰۹، ۵۱۰، رقم الحدیث: ۱۶۱۰، ۱۶۰۸

اپنے ان معاملات میں جہاں یہ آپس میں الجھ پڑتے ہیں پھر محبوب جو تو نے فیصلہ کیا ہے اس فیصلے کے بارے میں اپنے دل میں ذرا بھی تنگی محسوس نہ کریں اور اس طرح مان لیں جس طرح مان لینے کا حق ہے۔[1]

میں نے آپ حضرات کے سامنے صحابہ کرام کی عظمت پر اٹھارہ آیات بیان کی تھیں۔ قرآن کھول کھول کر صحابہ کی سچائی اور صحابہ کے دلوں میں نقش ایمان کو بیان کر رہا ہے۔ اگر کوئی ذاکر یا کوئی مشٹنڈہ صحابہ کرام کو گالیاں دے تو ہم جواب میں گالیاں نہیں دے سکتے۔ ہم تو قرآن ہی پڑھیں گے۔ گالیاں دینا تیرا کام ہے جبکہ قرآن پڑھ کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عظمت بیان کرنا ہمارا کام ہے۔ جو لوگ دین سمجھنا چاہتے ہیں میری ان سے گزارش ہے اور جو گالم گلوچ سننا چاہتے ہیں ان کی مرضی جو چاہیں کریں۔ ان کا کام ان کے ساتھ جبکہ ہمارا کام ہمارے ساتھ۔ ہم تو دلائل سے بات کرنا جانتے ہیں۔ اگر تم قرآن جیسی سچی کتاب کو نہیں مانتے تو تمہارا اللہ ہی حافظ ہے۔ میرا روئے سخن ان لوگوں کی طرف ہے جو قرآن کو اللہ کی کتاب مانتے ہیں۔ وہ قرآن کھول کر دیکھ لیں کہ جو آیتیں ہم نے تلاوت کیں اگر ابوبکر صدیق کی عظمت سورج کی طرح چمکتی دمکتی نظر نہ آئے تو سعید اسعد کا گریبان پکڑ لینا۔ قرآن بیان کرتا ہے کہ ابوبکر سچا ہے، عمر سچا ہے **اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا**[2] یہ پکے سچے مومن ہیں۔ **لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ**[3] ان کی بخشش کر دی گئی ہے۔ **وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ**[4] اور ان کے لیے عزت والی روٹی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن کا خادم بن کے رہنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

---

[1] سورۃ نساء:٦٥ [2] سورۃ الانفال:٧٤ [3] سورۃ الانفال:٧٤ [4] سورۃ الانفال:٧٤

شیر کے منہ کو خون نہ لگاؤ

میں اپنے ساتھیوں سے گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ لڑائی جس کے ساتھ مرضی ہو اپنی زبان پر کنٹرول رکھو۔ زبان پر کنٹرول نہ رہنے کی وجہ سے بہت نقصان ہوا ہے اور ہو رہا ہے۔ جب یہ گالیاں دینے کا سلسلہ نیا نیا شروع ہوا تھا اور پھر گالیاں دینے کو قرآن وسنت کا راستہ قرار دیا جانے لگا تھا تو میں نے اس وقت جمعہ کے خطبے میں کہا تھا کہ خدا کے لیے شیر کے منہ کو خون نہ لگاؤ۔ گالیاں دے کر اپنے لڑکوں کی تربیت نہ کرو۔ یہی گالیاں تمہیں بھی پڑیں گی۔ اب بھی وقت ہے شائستگی سے اختلاف کرو اور دل میں نیت یہ رکھو کہ مد مقابل سمجھ جائے اور ہدایت پا جائے۔ جس طرح نبی کریم ﷺ بڑی دردمندی کے ساتھ فرماتے تھے کہ میں تمہیں تمہاری کمر سے پکڑ پکڑ کر جہنم کے کناروں سے ہٹا رہا ہوں۔[1] ذلیل کرنے کی نیت کبھی نہ رکھو۔ جو مسئلہ حق اور سچ ہے اسے دلائل کی قوت کے ساتھ بیان کرو۔ کچھ لوگوں نے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو گالیاں دینی شروع کی ہیں۔ مجھے کئی لوگوں نے کہا کہ آپ جواب کیوں نہیں دے رہے؟ تو میں نے کہا میں قرآن پڑھ کر بہت پہلے ہی اس کا جواب دے چکا ہوں۔ اب بھی قرآن ہی پڑھ رہا ہوں۔ قرآن کے ساتھ جواب دو۔ جن کا مذہب ہی گالیاں دینا ہے وہ گالیاں دیتے رہیں۔ اگر یہ لوگ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو گالیاں دینے سے باز نہ آئے تو میرے پاس شیعہ حضرات کی وہ اصل کتابیں موجود ہیں جن کتابوں میں توبہ! توبہ! زبان کہنے کی اجازت نہیں دیتی۔ میں وہ لفظ بیان نہیں کرسکتا۔

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب شفقتہ ﷺ علی امتہ، صفحہ: ۱۰۸۴، رقم الحدیث: ۵۹۵۷

سیدہ طیبہ طاہرہ سیدہ زاہرہ رضی اللہ عنہا کی زبان سے مولا مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ننگی گالیاں دلوائی گئی ہیں۔ ان کی کتابوں میں موجود ہے کہ سیدہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا نے مولا مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یہ گالیاں دیں تو کہیں ہمیں مجبوراوہ بیان نہ کرنی پڑ جائیں۔ابوبکر تو اعلی اور افضل تھے۔تمہارا کیا خیال ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اتنا بھی نہیں پتہ تھا کہ میں کس کو اپنا نائب بنا کر جا رہا ہوں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا مصلیٰ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو عطا کر کے گئے تھے۔آپ میں کمال تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو اپنے مصلے کا وارث بنا کر گئے تھے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مصلیٰ رسول کے وارث ہیں۔آپ کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا اس مصلے پر کھڑا نہیں ہوسکتا۔

حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَمَّا اسْتُعِزَّ بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا عِنْدَهُ فِي نَفَرٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، دَعَاهُ بِلَالٌ إِلَى الصَّلَاةِ، فَقَالَ: مُرُوا مَنْ يُصَلِّي لِلنَّاسِ، فَخَرَجَ عَبْدُ اللهِ بْنُ زَمْعَةَ فَإِذَا عُمَرُ فِي النَّاسِ وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ غَائِبًا، فَقُلْتُ: يَا عُمَرُ قُمْ فَصَلِّ بِالنَّاسِ فَتَقَدَّمَ فَكَبَّرَ، فَلَمَّا سَمِعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَوْتَهُ وَكَانَ عُمَرُ رَجُلًا مُجْهِرًا، قَالَ: فَأَيْنَ أَبُو بَكْرٍ؟ يَأْبَى اللهُ ذَلِكَ وَالْمُسْلِمُونَ يَأْبَى اللهُ ذَلِكَ وَالْمُسْلِمُونَ، فَبَعَثَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَجَاءَ بَعْدَ أَنْ صَلَّى عُمَرُ تِلْكَ الصَّلَاةَ، فَصَلَّى بِالنَّاسِ

جب رسول اللہ ﷺ کی بیماری سخت ہوئی اور میں آپ ہی کے پاس مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ تھا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آپ کو نماز کے لیے بلایا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: کسی سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔ حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ نکلے تو دیکھا کہ لوگوں میں حضرت فاروق رضی اللہ عنہ ہیں جبکہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ موجود نہیں ہیں۔ جناب ابن زمعہ فرماتے ہیں میں نے کہا: اے عمر! اٹھیے اور لوگوں کو نماز پڑھائیے۔ حضرت عمر آگے بڑھے اور انہوں نے تکبیر کہی۔ حضرت عمر بلند آواز شخص تھے۔ نبی کریم ﷺ نے جب ان کی آواز سنی تو فرمایا: ابوبکر کہاں ہیں؟ اللہ اور مسلمانوں کو یہ بات پسند نہیں۔ اللہ اور مسلمانوں کو یہ بات پسند نہیں تو آپ نے جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ وہ جناب عمر کے نماز پڑھا چکنے کے بعد پہنچے اور پھر لوگوں کو نماز پڑھائی۔[1]

میرے بیٹے! پتہ نہیں کب موت کا فرشتہ آ جائے اور مہلت ختم ہو جائے۔ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو گالیاں دے کر اپنی قبر اور آخرت خراب نہ کر۔

آیت نمبر: ٦٥

وَلَقَدۡ عَلِمۡتُمُ الَّذِيۡنَ اعۡتَدَوۡا مِنۡكُمۡ فِى السَّبۡتِ فَقُلۡنَا لَهُمۡ كُوۡنُوۡا قِرَدَةً خٰسِـِٕيۡنَ ۚ﴿۶۵﴾

اور بیشک تم ان لوگوں کو جانتے ہو جنہوں نے تم میں سے ہفتے کے دن کے بارے

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، باب فی استخلاف ابی بکر رضی اللہ عنہ، صفحہ: ۹۲۳، رقم الحدیث: ۴۶۶۰ / البانی صاحب نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے/ المعجم لابن الاعرابی، جلد سوم، صفحہ: ۱۰۷۳، رقم الحدیث: ۲۳۰۸

میں سرکشی کی تھی پھر ہم نے انہیں فرمایا کہ ذلیل بندر بن جاؤ۔

ہفتہ کے دن کی سرکشی

ہفتہ کا دن یہودیوں کے نزدیک بڑا مقدس اور متبرک دن تھا۔ جس طرح جمعہ ہمارے لیے باعث برکت ہے اور عیسائی اتوار کو مقدس سمجھتے ہیں۔ یہودیوں کے لیے حکم یہ تھا کہ تم نے ہفتے کے دن کوئی شکار نہیں کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے انداز نرالے ہیں۔ کبھی اللہ تعالیٰ دے کر آزماتا ہے کہ میرا بندہ ان حالات میں کیسے میرا شکر ادا کرتا ہے اور بعض اوقات اللہ تعالیٰ کچھ لے کر اپنے بندے کو آزماتا ہے کہ میرا بندہ کیسے اس مشکل گھڑی میں صبر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان یہودیوں کا امتحان لیا۔ یہ ساحل سمندر پر رہتے تھے۔ ایلا بستی بتائی گئی ہے۔ ہفتہ کے دن مچھلیاں بھی خوامخواہ پانی کے اوپر سے سر اٹھا اٹھا کر باہر دیکھتیں، لوگوں کو نظر آتیں کہ یہاں بہت مچھلیاں ہیں۔ اب ان کا دل للچاتا کہ ہائے شکار ہمیں مل جاتا تو کتنی موج لگ جاتی ۔ یہاں کتنا شکار اور کتنی مچھلیاں ہیں۔ سوچ سوچ کر انہوں نے ایک حیلہ تیار کیا۔ دریا کے کنارے چھپڑ بنا دیئے پھر دریا سے چھپڑوں تک نالیاں تیار کیں اور دریا کے کنارے پر ڈھکن رکھ دیا۔ اب جیسے ہی جمعہ کا دن ختم ہوتا اور ہفتے کے دن کی آمد آمد ہوتی وہ جاتے اور ڈھکن کو اٹھا دیتے۔ نتیجتاً پانی ان نالیوں کے ذریعے چھپڑوں میں چلا جاتا اور پانی کے ساتھ ہی مچھلیاں بھی آجاتیں پھر جیسے ہی ہفتہ کا دن ختم ہوتا تو یہ دوبارہ دریا کے کنارے ڈھکن رکھ دیتے اور مچھلیوں کا شکار کر لیتے تھے۔ ان کو بڑا سمجھایا گیا کہ اللہ کے حکم کے ساتھ مخول، مذاق نہ کرو لیکن یہ نہ مانے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے پھر ہم نے انہیں فرمایا کہ ذلیل بندر بن جاؤ۔

آیت نمبر: ٦٦

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٦﴾

پس ہم نے اس واقعہ کو عبرت بنا دیا ان کے لیے جو وہاں موجود تھے اور ان کے لیے بھی جو بعد میں آئے اور ڈر والوں کے لیے اس واقعہ کو نصیحت بنایا۔

سامنے والوں کے لیے اس طرح عبرت بنایا کہ وہ سمجھ گئے کہ اللہ کی نافرمانی کرنے کا یہ انجام ہوتا ہے۔ تین دن تک وہ بندر بنے رہے۔ منہ اٹھا اٹھا کے دیکھتے تھے۔ یہ لوگ ان بندر بننے والوں سے کہتے تھے کہ کیا ہم تمہیں سمجھاتے نہیں تھے کہ اللہ کی نافرمانی مت کرو۔ اب تم پر اللہ کا عذاب آ گیا ہے۔ تین دن کے بعد وہ جن کو بندر بنایا گیا تھا مر گئے اور ڈر والوں کو نصیحت ملتی ہے کہ جو بندہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتا وہ ان تکلیفوں سے بچ جاتا ہے۔

آیت نمبر: ٦٧

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۭ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٦٧﴾

اور اس وقت کو یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ گائے ذبح کرو۔ وہ بولے آپ ہم سے مذاق کرتے ہو؟ فرمایا: اللہ کی پناہ کہ میں جاہلوں میں سے بن جاؤں۔

گائے والا واقعہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ ایک بندہ قتل ہوا۔ بھتیجے نے چچا کو مار دیا پھر شور مچا دیا کہ میرے چچا کا قاتل کون ہے؟ بھتیجا نادار تھا جبکہ چچا مالدار تھا۔ اس نے

جائیداد کے حصول کے لیے قتل کیا۔ یہ بات جناب موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی۔ آپ نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کی: رب العالمین! اس کا کیا فیصلہ کروں؟ اللہ نے فرمایا: ایک گائے ذبح کر کے اس کا کچھ حصہ مقتول کے جسم کے ساتھ مارو۔ جب ایسا کرو گے تو مردہ زندہ ہو کر اپنے قاتل کا نام بتا دے گا۔ بنی اسرائیل نے جب یہ بات سنی تو انہوں نے کہا: موسیٰ! کیا تو ہمارے ساتھ مذاق کرتا ہے؟ قاتل کا پتہ کرنے کے لیے گائے ذبح کریں پھر اس کا ٹکڑا مقتول کے جسم کے ساتھ ماریں اس میں کیا حکمت ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ کی پناہ! میں جاہل تو نہیں کہ مذاق کروں۔ شرعی مسائل میں مذاق کرنا دیانت نہیں بلکہ جہالت ہے اور اللہ کا نبی جہالت والے کام نہیں کرتا۔

آیت نمبر: ٦٨

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ۚ عَوَانٌ بَيْنَ ذَٰلِكَ ۚ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ﴿٦٨﴾

کہنے لگے: اے موسیٰ! اپنے رب سے دعا کیجیے کہ ہمیں کھول کر بتا دے کہ اس گائے کی خاص نشانی کیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اللہ ارشاد فرماتا ہے: یہ ایک گائے ہے، نہ بوڑھی، نہ ہی بالکل بچھیا۔ دونوں کے درمیانی عمر کی ہے۔ جس چیز کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے کرو۔

آیت نمبر: ٦٩

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِينَ ﴿٦٩﴾

انہوں نے کہا اے موسیٰ! اپنے رب سے دعا کیجیے کہ وہ ہمیں بتائے کہ اس کا رنگ کیا ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے بیشک یہ گائے پیلے رنگ کی ہے۔ بڑا شاندار اس کا رنگ ہے۔ دیکھنے والوں کو خوش کر دیتی ہے

بار بار آ رہا ہے کہ انہوں نے کہا اے موسیٰ! اپنے رب سے دعا کیجیے۔ پتہ چلا کہ بڑوں سے دعا کروانا اللہ کو پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی باتوں کا جواب دے رہا ہے۔ اگر دعا کروانا گناہ ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام فرماتے رب تو تمہاری شہ رگ سے بھی قریب ہے خود دعا کرو لیکن آپ نے یہ نہیں فرمایا بلکہ آپ دعا کرتے رہے۔

انہوں نے بذریعہ موسیٰ علیہ السلام گائے کا رنگ پوچھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بیشک وہ گولڈن کلر کی، پیلے رنگ کی گائے ہے۔ بڑا شاندار اس کا رنگ ہے۔ دیکھنے والوں کو خوش کر دیتی ہے۔ بندہ اچھی چیز کو دیکھے تو طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔ دور کیا جائیں اللہ کی قسم! ہم جب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ انور کو دیکھتے ہیں تو ٹھنڈ پڑ جاتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لینے سے ہی دل کو ٹھنڈ پڑ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم آپ کا نام سنتے ہی انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگا لیتے ہیں۔

آیت نمبر: ۷۰

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ إِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَإِنَّآ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾

بولے اے موسیٰ! ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کیجیے کہ ذرا کھول کر بتا دے کہ اس گائے کے اوصاف کیا ہیں۔ بیشک ہمیں گائے میں شبہ پڑ گیا ہے اور بیشک اگر اللہ نے چاہا تو ہم ہدایت پا جائیں گے۔

اب انہوں نے پہلی بار ان شاء اللہ کہا۔ اگر پہلے ہی ان شاء اللہ کہہ دیتے تو کام بن جاتا۔ ہمیں بھی چاہیے کہ جب بھی کوئی کام کریں تو ان شاء اللہ ضرور کہا کریں۔

آیت نمبر: ۷۱

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِى الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧١﴾

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ بیشک اللہ فرماتا ہے کہ وہ گائے ایسی ہے جس سے کوئی خدمت نہیں لی گئی۔ نہ اس نے کبھی زمین میں ہل چلایا اور نہ ہی کبھی کھیت کو پانی لگایا، بے عیب ہے۔ اس میں داغ بھی کوئی نہیں ہے۔ بولے اب تو نے ٹھیک بات کی ہے۔ انہوں نے اس کو ذبح کر دیا اور وہ ذبح کرنے کے قریب نہ تھے۔

اللہ تعالیٰ نے گائے کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس گائے سے کبھی کوئی خدمت نہیں لی گئی۔ گائے سے دو طرح کی خدمت لی جاتی ہے۔ ایک تو یہ کہ اس کے ذریعے کھیت میں ہل چلایا جاتا ہے اور دوسرا یہ کہ اس کے ذریعے کھیت میں پانی لگایا جاتا ہے۔ کسی حوض یا کنویں کے گرد بیل کے چکر لگوائے جاتے ہیں جس کے نتیجے میں پانی نالی

سے ہوتا ہوا کھیت میں پہنچ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اس گائے سے نہ تو کبھی ہل چلوایا گیا اور نہ ہی اس کے ذریعے کھیت کو پانی لگایا گیا اور وہ گائے بالکل بے عیب ہے۔ اس کا ناک، کان، آنکھیں، سارا جسم صحیح سلامت ہے۔

اگلے رکوع میں پھر اللہ تعالیٰ اسی بات کو بیان کر رہا ہے۔

آیت نمبر: ۷۲

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۚ﴿۷۲﴾

اور وہ وقت بھی یاد کرو جب تم نے ایک جان کو قتل کیا پھر اس قتل کے مسئلے میں ایک دوسرے پر تہمت لگانے لگے اور اللہ تعالیٰ ظاہر فرمانے والا ہے جو تم چھپاتے تھے۔

آیت نمبر: ۷۳

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾

پھر ہم نے کہا کہ اس مقتول کے جسم پر گائے کا ایک حصہ مارو۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم عقل کرو۔

بعث بعد الموت اور عذاب وثواب

گائے کی دم یا گائے کی زبان اس مقتول کے جسم پر ماری گئی تو وہ زندہ ہو گیا اور اس نے اپنے قاتل کا نام بتا دیا اور پھر مر گیا۔ اللہ فرماتا ہے میں ایسے ہی مردوں کو زندہ کرتا ہوں اور کروں گا۔ تم جو قیامت کے دن کے منکر بنے بیٹھے ہو جس طرح میں نے اس کو زندہ

کیا،تم سب جب مر چکے ہوگے تم سب کو بھی زندہ کروں گا۔ واقعی یہ کافروں کے لیے بڑی عجیب بات تھی کہ جب ہم مر جائیں گے، ہڈیاں گل جائیں گی، ریزہ ریزہ ہو جائیں گی پھر اللہ ہمیں کس طرح زندہ کرے گا۔ یہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑی عجیب بات کرتے ہیں۔ سیرت میں ایک بڑی پیاری بات لکھی ہے:

حلیمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر رضاعت کی نسبت سے جان دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رضاعی باپ ہوتے ہیں۔ ان کا نام حارث تھا اور کنیت ابوذویب۔ جان دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منصب نبوت پر فائز ہونے کے کچھ عرصہ بعد مکہ مکرمہ آئے تو قریش نے ان سے گلہ کرنے کے انداز میں پوچھا:

اَلَا تَسۡمَعُ یَا حَارِ ! مَا یَقُوۡلُ اِبۡنُکَ؟

حارث! کیا تم نے وہ باتیں نہیں سنیں جو تمہارا بیٹا کہتا ہے؟

مَا یَقُوۡلُ؟ (کیا کہتا ہے؟) حارث نے حیرت سے سوال کیا؟

کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو دوبارہ زندہ کرے گا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے دو گھر بنا رکھے ہیں: جنت اور جہنم۔ اطاعت کرنے والوں کو جنت میں اعزاز واکرام سے نوازے گا اور نافرمانی کرنے والوں کو جہنم میں عذاب دے گا۔ اس کی ان باتوں سے ہمارے اندر پھوٹ پڑ گئی ہے اور اجتماعیت کا شیرازہ بکھر کر رہ گیا ہے۔ قریش کی شکوہ سنجی سے متاثر ہو کر حارث جان دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئے اور ان سے پوچھا:

بیٹے! کیا بات ہے۔ تیری قوم تجھ سے شاکی ہے؟ وہ لوگ کہتے ہیں کہ تم بعث بعد

الموت اور عذاب وثواب کی باتیں کرتے ہو۔ کیا یہ درست ہے؟

''جی ہاں!'' جانِ دوعالم ﷺ نے جواب دیا۔ میں واقعی یہ حقائق بیان کرتا ہوں اور جب وہ دن آئے گا تو میں آپ کا ہاتھ تھام کر آپ کو آج کی گفتگو یاد دلا دوں گا۔ بعد میں جب حارث مشرف بِاسلام ہوئے تو فخر یہ کہا کرتے تھے میرے ساتھ میرے بیٹے کا وعدہ ہے کہ وہ روزِ محشر میرا ہاتھ پکڑ کر ان باتوں کی یاددہانی کرائے گا جو اسے نبوت ملنے کے بعد پہلی مرتبہ میرے اور اس کے درمیان ہوئی تھیں اور مجھے یقین ہے کہ اگر اس نے ایک دفعہ میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا تو پھر اس وقت تک نہیں چھوڑے گا جب تک مجھے جنت میں داخل نہ کرا دے۔[1]

یہودیو! تمہیں تو مردہ زندہ ہوتے دیکھ کر اللہ کی قدرتوں اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آنا چاہیے تھا لیکن:

آیت نمبر: ۷۴

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِیَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا یَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا یَشَّقَّقُ فَیَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا یَهْبِطُ مِنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

---

[1] حاشیہ سید الوری، جلد:۱، صفحہ:۱۱۰، ۱۱۱ / السیرۃ النبویہ لابن اسحاق، قصۃ النبی لما عرض نفسہ علی العرب، صفحہ: ۲۳۴، ۲۳۵ / الروض الانف للسھیلی، ولادۃ رسول اللہ ﷺ ورضاعتہ، جلد دوم، صفحہ:۱۰۰ / شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیہ، جلد:۴، صفحہ:۵۰۲

پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے پس یہ جو تمہارے دل ہیں پتھروں کی طرح ہو گئے بلکہ پتھروں سے زیادہ سخت ہو گئے۔ بیشک کئی پتھر ایسے ہیں جن سے نہریں پھوٹ پڑتی ہیں اور کئی پتھر ایسے ہیں کہ وہ پھٹ جاتے ہیں تو ان سے تھوڑا تھوڑا پانی نکلتا ہے اور بیشک پتھروں میں کئی ایسے بھی ہیں جو اللہ کے خوف سے نیچے گر جاتے ہیں اور اللہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں۔

اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً میں اَوْ، بل کے معنی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ یہودیوں کے دلوں کو پتھروں سے بھی سخت فرما رہا ہے کیونکہ پتھر تو پھر بھی کچھ نہ کچھ فائدہ دیتے ہیں۔ کچھ پتھروں سے نہریں پھوٹ پڑتی ہیں۔ اگر آپ پہاڑی علاقوں میں جائیں تو آپ دیکھیں گے کہ پہاڑوں سے پانی پھوٹ رہا ہوتا ہے اور کئی پتھر ایسے ہوتے ہیں کہ وہ پھٹ جاتے ہیں، پھٹنے سے نہر تو نہیں نکلتی لیکن تھوڑا تھوڑا پانی نکلتا ہے اور کچھ پتھر ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ کے خوف سے نیچے گر جاتے ہیں۔ کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ پہاڑ کے اوپر سے یکدم کوئی پتھر لڑھکنا شروع کر دیتا ہے کیونکہ اللہ کا خوف طاری ہو گیا۔ پتھروں کے اندر بھی کچھ نہ کچھ شعور اور ادراک ہے جس کی وجہ سے وہ اللہ اللہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ

کائنات کی ہر شے اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے ہاں تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے[1]

لیکن یہودیوں کے دل تو ان پتھروں سے بھی گئے گزرے ہیں۔

---

[1] سورۃ بنی اسرائیل: ۴۴

آیت نمبر:۷۵

اَفَتَطۡمَعُوۡنَ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡا لَکُمۡ وَقَدۡ کَانَ فَرِیۡقٌ مِّنۡهُمۡ یَسۡمَعُوۡنَ کَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوۡنَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوۡهُ وَهُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۵﴾

مسلمانو! کیا تمہیں طمع ہے کہ یہ لوگ تمہارا یقین کر لیں گے۔ یہودی تو ایسے بد بخت لوگ ہیں کہ ان میں سے ایسے لوگ تھے جو اللہ کا کلام سنتے تھے پھر سمجھ کر، جان بوجھ کراس میں گڑ بڑ کر دیتے تھے۔

جب ان کی فطرت کلام الہی میں ردو بدل کرنا ہے تو یہ ایمان لانے والے نہیں۔

آیت نمبر:۷۶

وَاِذَا لَقُوا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَا بَعۡضُهُمۡ اِلٰی بَعۡضٍ قَالُوۡۤا اَتُحَدِّثُوۡنَهُمۡ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَیۡکُمۡ لِیُحَآجُّوۡکُمۡ بِهٖ عِنۡدَ رَبِّکُمۡ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۷۶﴾

اور جب یہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب یہ آپس میں اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ وہ علم جو اللہ نے تم پر کھولا مسلمانوں سے بیان کرتے ہو کہ وہ اس کے ذریعے اللہ کی بارگاہ میں تمہارے خلاف حجت پیش کریں۔ کیا تمہیں عقل نہیں؟

یہاں یہودیوں کے ایک گروہ کی شرارت بیان ہو رہی ہے۔ یہودیوں کا ایک گروہ ایسا تھا کہ جب ایمان والوں سے ملتا تو کہہ دیتے کہ واقعی ہماری کتابوں کے اندر

آخرالزمان نبی کی یہ شان بیان ہوئی ہے۔ان کے منہ سے نکل جاتا تھا لیکن جب وہ اپنے بڑوں سے ملتے تو ان کے بڑے کہتے تمہارا بیڑا غرق تم راز کی بات بھی مسلمانوں کو بتا دیتے ہو؟ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ تمہارے رب کی بارگاہ میں تمہارے خلاف حجت پیش کریں گے کہ یا اللہ! یہ لوگ ہیں جنہوں نے ہم سے کہا تھا کہ نبی آخرالزماں یہی ہیں لیکن پھر بھی ایمان نہیں لائے۔ یہ مسلمان ہمارے خلاف گواہ بن جائیں گے۔کیا تمہیں عقل نہیں؟ کہ تم راز کی بات بھی انہیں بتا دیتے ہو؟

آیت نمبر:۷۷

اَوَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ اَنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ مَا یُسِرُّوۡنَ وَ مَا یُعۡلِنُوۡنَ ﴿۷۷﴾

کیا ان کو نہیں پتہ کہ اللہ تو ہر بات کو جانتا ہے جو چھپی بات ہے اس کو بھی جانتا ہے اور جو کھلی بات ہے اس کو بھی جانتا ہے۔

آیت نمبر:۷۸

وَ مِنۡهُمۡ اُمِّیُّوۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ الۡکِتٰبَ اِلَّاۤ اَمَانِیَّ وَ اِنۡ هُمۡ اِلَّا یَظُنُّوۡنَ ﴿۷۸﴾

اور ان میں کچھ ان پڑھ ہیں کہ کتاب کو نہیں جانتے مگر انہوں نے دل کے اندر کچھ آرزوئیں پال رکھی ہیں اور وہ نرے گمان کے اندر ہیں۔

جنت اللہ کے فضل سے حاصل ہوگی

کچھ یہودی ان کے مولوی تھے جو کہ جان بوجھ کر آیتوں میں گڑبڑ کر دیتے تھے اور ان میں کچھ ایسے بھی ہوتے تھے جو کہ ان پڑھ تھے۔ کتاب کو نہیں جانتے تھے لیکن

من گھڑت خواہشات کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ جس طرح ہمارے ہاں بھی رواج ہے کہ کئی لوگ کہہ دیتے ہیں کہ بس جی! ہم نے اپنے لجپال کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا ہے۔ اب لجپال جانے اور اللہ جانے۔ ہمارے لجپال نے ہمیں بازو سے پکڑ کر جنت لے جانا ہے۔ یہ خواہشات درست نہیں۔ وہاں ایمان، عمل صالح اور اللہ کا فضل کام آئے گا۔

ایک مرتبہ ایک پیر صاحب سے میری ملاقات ہوئی تو وہ بڑے ذوق شوق سے بیان کرنے لگے کہ جناب رات حضرت مفتی صاحب نے کمال کر دیا۔ انہوں نے بیان کیا کہ جو فقیر لوگ ہیں انہوں نے ستر، ستر ہزار لوگوں کو بازو سے پکڑ کر جنت لے جانا ہے۔ پھر اپنے بارے میں کہنے لگے کہ ہم نے تو پھر لے ہی جانا ہے۔ میں نے ان سے کہا: حضور! ان لوگوں میں سے آپ نہیں ہیں کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنا من مارا ہوا ہے۔ مطلب یہ کہ خوامخواہ ہی مریدوں کو جھوٹی تسلیاں دیتے ہیں کہ چونکہ تم ہمارے دامن کے ساتھ وابستہ ہو گئے ہو تو بس اب ہم جانیں اور رب جانے۔ پتہ نہیں وہاں مار کتنی پڑے گی۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔

یہ یاد رکھنا کہ کوئی بھی اپنے عمل کی وجہ سے جنت نہیں جائے گا۔ جو بھی جنت میں جائے گا اللہ کے فضل سے جنت میں جائے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَنْ يُدْخِلَ أَحَدًا عَمَلُهُ الْجَنَّةَ. قَالُوا: وَلَا أَنْتَ يَا رَسُولَ اللهِ؟، قَالَ: لَا وَلَا أَنَا، إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِي اللهُ بِفَضْلٍ وَرَحْمَةٍ۔

کسی شخص کا عمل اسے جنت میں داخل نہیں کر سکے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کا بھی نہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں، میرا بھی نہیں سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے فضل اور رحمت سے نواز دے۔[1]

اللہ کو وحدہ لاشریک مانو اور یہ مانو کہ اللہ تعالیٰ ہی عطا کرتا ہے لیکن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے عطا کرتا ہے وگرنہ یہ جھوٹی خواہشات ہیں کہ بس ایک بار محفل میلاد کروالی تو بات ختم ہوگئی۔ اب نمازوں کی کیا ضرورت ہے؟ محفل میلاد کرانا نفل ہے جبکہ نماز فرض ہے۔ فرائض کو چھوڑنا اور نوافل پر زور دینا کسی سمجھدار کا کام نہیں۔

آیت نمبر: ۷۹

فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ يَكۡتُبُوۡنَ الۡكِتٰبَ بِاَيۡدِيۡهِمۡ ثُمَّ يَقُوۡلُوۡنَ هٰذَا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ لِيَشۡتَرُوۡا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ فَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا كَتَبَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ وَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا يَكۡسِبُوۡنَ ﴿۷۹﴾

خرابی ہے ان لوگوں کے لیے جو کہ کتاب کو اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں پھر کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے ذریعے لوگوں سے تھوڑا مال حاصل کرسکیں تو خرابی ہے ان کے لیے ان کے ہاتھوں کے لکھے سے اور ویل ہے ان کے لیے جو اس طرح کی کمائی کھاتے ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المرضی، باب تمنی المریض الموت، صفحہ: ۱۴۳۹، رقم الحدیث: ۵۶۷۳

ویل جہنم کا خطرناک گھڑا ہے۔لوگوں کو دھوکہ دے کر، کلام الٰہی میں تحریف کر کے مال بٹورنے والے ویل کے حقدار ہیں۔

آیت نمبر:۸۰

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۸۰

اور کہتے ہیں کہ ہمیں تو ہرگز آگ نہ چھوئے گی مگر گنتی کے دن۔محبوب! ان سے کہہ تم نے اللہ کے ساتھ کوئی معاہدہ کیا ہے؟ تو اللہ معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کرے گا یا تم اللہ کے ذمہ وہ بات لگاتے ہو جس کا تمہیں خود بھی پتہ نہیں ہے۔

یہودیوں نے کہا ہمیں ہرگز آگ نہیں چھوئے گی۔ہم نے جہنم میں نہیں جانا۔اگر گئے بھی تو دو چار دن کے لیے جائیں گے اور سیر کر کے واپس آجائیں گے۔اللہ فرماتا ہے: محبوب! ان سے کہہ تم نے اللہ کے ساتھ کوئی معاہدہ کیا ہے کہ تم نے جہنم میں نہیں جانا۔اللہ کا قانون یہ ہے کہ جو بھی نافرمان ہے، کسی نبی کا انکار کرتا ہے اور اللہ کی نشانیوں کو جھٹلاتا ہے وہ جہنمی ہے۔تم لوگ اس قانون کی خلاف ورزی بھی کرو اور پھر کہو کہ ہم نے جہنم میں نہیں جانا۔کیا تم نے اللہ سے کوئی معاہدہ کیا ہوا ہے؟ اگر ایسی بات ہے تو پھر اللہ معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کرے گا یا تم اللہ کے ذمہ ایسی بات لگا رہے ہو جس کا تمہیں خود بھی علم نہیں۔خوامخواہ ہی جھوٹ گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کر دیتے ہو۔

ہمارے اندر بھی کچھ ایسے لوگ ہیں جو کہہ دیتے ہیں کہ مسئلہ ہی کوئی نہیں۔ ہم پہنچے ہوئے ہیں۔ میں ہاتھ باندھ کر سادات سے کہنا چاہتا ہوں کیونکہ وہ نبی کریم ﷺ کی اولاد ہیں۔ ہمارے دل میں ان کا بڑا احترام ہے لیکن ان پر بھی عاجزی وانکساری اختیار کرنا لازم ہے۔ یہ نہیں کہ ہم تو سید ہیں اور تم امتی ہو اور خود جنت کے وارث بن جائیں۔ ہم پر لازم ہے کہ ہم اولاد رسول ﷺ کا حیا اور ادب کریں۔

جھوٹ موٹ کے سید کا ادب

سوال کچھ لوگ کسی اور برادری سے تعلق رکھتے ہیں لیکن جھوٹ موٹ اپنے آپ کو سید کہنا اور کہلوانا شروع کر دیتے ہیں۔ ہمارے سامنے دیکھتے ہی دیکھتے کتنے لوگ سید بن گئے۔ کیا ہم ان کا بھی ادب واحترام کریں؟

جواب ایک مرتبہ میں نے اباجی قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی کہ فلاں، فلاں سید نہیں ہے لیکن آپ نے پھر بھی ان کے وظیفے لگائے ہوئے ہیں اور ان کا ادب کرتے ہیں اور ہم سے بھی کرواتے ہیں۔ فرمانے لگے ایک مرتبہ ایک میراثی بھوکا مرنے لگا۔ اس نے سوچا کہ روٹی کا کوئی سبب نہیں بن رہا کیا کروں؟ پھر اس کے دل میں خیال آیا کہ حضرت میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ سادات کی بڑی عزت اور خدمت کرتے ہیں۔ کیوں نہ سید بن کر ان کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں۔ اس ارادے سے وہ گھر سے چلا۔ کبھی سوچے کہ مجھے سید بن جانا چاہیے۔ کبھی سوچے کہ نہیں کیونکہ میاں صاحب تو دل کی بات بھی جان لیتے ہیں۔ کہیں کوئی مصیبت نہ پڑ جائے لیکن ایک نالے کے پاس پہنچ کر اس نے اپنے دل کو پکا کر لیا کہ

سید بنا ہی پڑے گا پھر وہ شرقپور شریف پہنچ گیا۔میاں صاحب سرکار کو ملا۔آپ نے فرمایا: آؤ جی! شاہ صاحب آ گئے ہو۔پھر فرمایا شاہ صاحب کے لیے روٹی اور کپڑے لاؤ اور بھی بہت سا انعام دیا پھر فرمایا چلو شاہ جی میں آپ کو رخصت کر آؤں۔ واپسی پر جب اس نالے کے پاس پہنچے جہاں سے وہ سید بنا تھا۔فرمایا: ٹھیک ہے شاہ جی! یہیں سے آپ پکے بنے تھے السلام وعلیکم۔

ابا جی قبلہ فرمانے لگے کہ ہم تو بس اسی پر عمل کرتے ہیں یعنی ہم پر لازم ہے جو اپنے آپ کو سید کہے اس کا احترام کریں لیکن سادات پر بھی لازم ہے کہ اپنے نانا جان کے دین کی پاسداری اور نوکری کریں کیونکہ اصل فرض ان کا ہے۔ہم تو نوکر اور امتی ہیں۔ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نسبت رکھنے والی ہر چیز کا ادب کرتے ہیں۔ہم آل کا ادب کرتے ہیں کیونکہ یہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل ہے اور صحابہ کا بھی حیا کرتے ہیں کیونکہ یہ میرے آقا کے صحابہ ہیں۔رضی اللہ عنہم اجمعین۔

اہل سنت کا ہے بیڑا پار اصحاب حضور

نجم ہیں اور ناؤ ہے عترت رسول اللہ کی [1]

آیت نمبر:۸۱

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾

---

[1] حدائق بخشش، صفحہ:۷۶، مطبوعہ پروگریسو بکس اردو بازار لاہور

ہاں کیوں نہیں جس نے گناہ کمایا اور اس کے گناہوں نے اس کا احاطہ کر لیا یہی لوگ دوزخی ہیں اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

گناہوں کا احاطہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ گناہ کر کر کے ان کا دل سیاہ ہو چکا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا أَخْطَأَ خَطِيئَةً نُكِتَتْ فِي قَلْبِهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ، فَإِذَا هُوَ نَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ وَتَابَ سُقِلَ قَلْبُهُ، وَإِنْ عَادَ زِيدَ فِيهَا حَتَّى تَعْلُوَ قَلْبَهُ

بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نکتہ پڑ جاتا ہے پھر جب وہ گناہ کو چھوڑ دیتا ہے اور استغفار اور توبہ کرتا ہے تو وہ سیاہ نکتہ ختم ہو جاتا ہے اور اگر وہ دوبارہ گناہ کرے تو سیاہ نکتہ مزید پھیل جاتا ہے یہاں تک کہ پورے دل پر چھا جاتا ہے۔[1]

قرآن شریف کا ہر ہر لفظ غور سے سننے والا ہے۔ بنی اسرائیلیو! تم نبی کی اولاد ہو جس کی وجہ سے کہتے ہو کہ ہم جہنم میں نہیں جائیں گے۔ سن لو! کیوں نہیں جس نے گناہ کمایا اور اس کی خطاؤں نے اسے گھیر لیا یہی لوگ جہنمی ہیں۔ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اس آیت میں أُولَٰئِكَ پر فاء داخل ہے۔ یہ فاء علت بیان کر رہی ہے۔ ان کے جہنمی ہونے کی علت یہ ہے کہ ان کے گناہوں نے ان کو گھیر لیا ہے۔

---

[1] جامع ترمذی، ابواب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ ویل للمطففین، رقم الحدیث: ۳۳۳۴ / امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے جبکہ سنن ترمذی بتحقیق ناصر الدین البانی، صفحہ: ۷۵۶ پر البانی صاحب اس حدیث کو حسن قرار دیتے ہیں/ سنن ابن ماجہ، ابواب الزھد، باب ذکر الذنوب، صفحہ: ۷۷۷، رقم الحدیث: ۴۲۴۴

آیت نمبر: ۸۲

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾

اور جولوگ ایمان لائے اوراچھے کام کیے یہی جنتی ہیں اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

اس آیت میں اُولٰٓئِكَ پر فاء داخل نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے عملوں کی وجہ سے جنتی نہیں ہیں بلکہ اللہ کے فضل وکرم کی وجہ سے جنتی ہیں۔

آیت نمبر: ۸۳

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۫ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾

اور یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا کہ صرف اللہ کی عبادت کرنی ہے اوراپنے ماں باپ، رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ہے اور لوگوں کے ساتھ اچھی بات کرنی ہے اور نماز کو بھی قائم رکھنا ہے اور تم نے زکوۃ بھی دینی ہے پھر تم پھر گئے مگر چند ایک تھے جنہوں نے وعدہ پورا کیا اور تم ہو ہی منہ پھیر کے بھاگنے والے۔

پہلے بیان ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بنی اسرائیل! تم میرے ساتھ کیا ہوا وعدہ پورا کرو تو میں تمہارے ساتھ کیا ہوا وعدہ پورا کروں گا۔ یہ وعدے کئی جگہ پر مذکور ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے وعدہ لیا کہ عبادت صرف اللہ کی کرنی ہے۔ اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہیں کرنی۔ اللہ کے جتنے نبی تشریف لائے سب نے توحید کی دعوت دی۔ کچھ لوگوں نے پتھروں کو لائق عبادت مانا۔ کچھ لوگوں نے جانوروں کو لائق عبادت مانا۔ کسی نے درختوں کو لائق عبادت مانا جیسا کہ ہندو تلسی وغیرہ کی پوجا کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو گویا کہ فرمایا تم پتھروں کی عبادت کرتے ہو۔ میں تو وہ ہوں کہ جس کے ہاتھ میں پتھر بھی کلمہ پڑھ لیتے ہیں۔ ۱؎ میں تو وہ ہوں کہ میرے اشارے پر درخت بھی چلتے آتے ہیں۔ ۲؎ میں تو وہ ہوں کہ درخت کی طرف اشارہ کروں

۱؎ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: یمن سے ایک وفد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور کہا: اے ابوالقاسم، ہم نے آزمائش کے طور پر آپ سے ایک چیز چھپا رکھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: سبحان اللہ، ایسا تو کاہنوں سے کیا جاتا ہے۔ اور کاہن (اٹکل سے آئندہ کی باتیں بتانے والا) اور متکہن (اپنے آپ کو کاہن ظاہر کرنے والا) اور کہانت جہنم میں ہوں گے۔ اُن میں سے کسی نے کہا: اس بات کی کون گواہی دیتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں؟ راوی بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے تھوڑی سی کنکریوں کی طرف ہاتھ بڑھایا اور انہیں مٹھی میں لے کر فرمایا: یہ گواہی دیں گی کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ کنکریوں نے تسبیح پڑھی اور پکار اٹھیں کہ ہم گواہی دیتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم بلاشبہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے رسول ہیں۔ (نوادر الاصول، جلد: ۲، صفحہ: ۲۱۶، ۲۱۷، الاصل الخامس والخمسون والمائۃ) (جواھر البحار، جلد اول، صفحہ: ۹۸)

۲؎ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے کہ اچانک ایک اعرابی آیا، اسے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایمان کی دعوت دی تو اس نے کہا آپ کے رسول ہونے پر کیا دلیل ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ درخت جو نظر آرہا ہے اگر یہ آکر گواہی دے تو ایمان لائے گا؟ اس نے کہا: کیوں نہیں؟ تو باعث ایجاد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس درخت کو بلایا تو سب نے دیکھا کہ وہ درخت زمین کو چیرتا ہوا حاضر ہو گیا۔ آپ نے اس سے تین بار گواہی طلب کی۔ اس نے تینوں بار با آواز گواہی دی پھر وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے واپس اپنی جگہ گیا۔

(مشکوۃ المصابیح، کتاب الفضائل والشمائل، باب فی المعجزات، جلد: ۴، صفحہ: ۱۴۱، رقم الحدیث: ۵۹۲۵ / سنن دارمی، باب ما اکرم اللہ تعالی بہ نبیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صفحہ: ۱۶۶، ۱۶۷، رقم الحدیث: ۱۶) البانی صاحب کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔

تو کھجوروں کا خوشہ ٹپک کر نیچے آ جاتا ہے۔[1] تم ان چیزوں کو معبود بناتے ہو؟ حالانکہ میں ان سب چیزوں سے زیادہ شان والا ہوں تو جب میں مصطفیٰ ﷺ یہ کہتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں تو پھر تمہیں بھی کہنا اور ماننا ہوگا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں لیکن تم نے پکا وعدہ ہو جانے کے بعد بھی گائے کو پوجنا شروع کر دیا۔

ماں کی دعا ستر ولیوں سے زیادہ اثر رکھتی ہے

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے پکا وعدہ لیا یعنی حکم دیا کہ ماں، باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ہے۔ جن کے ماں، باپ زندہ ہیں وہ غنیمت سمجھیں اور ان کی قدر کریں۔ ستر ولیوں کی دعا ایک طرف اور ماں، باپ کی دعا ایک طرف ہوتی ہے۔

ہمارے بڑے حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک آدمی دعا کروانے آیا۔ آپ نے فرمایا: اپنی ماں سے دعا کرواؤ۔ وہ کہنے لگا میں تو آپ کے پاس آیا تھا۔ آپ نے فرمایا: ستر ولیوں کی دعا ایک طرف اور ماں کی دعا ایک طرف ہوتی ہے۔

مفلسی اور تنگدستی سے نجات کا وظیفہ

ہمارے ابا جی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کئی نوجوان آتے اور مفلسی اور تنگدستی کی شکایت کرتے۔ آپ فرماتے وظیفہ میں بتا دیتا ہوں، عمل تم کرو۔ رات کو سونے سے پہلے ماں، باپ کی ٹانگیں دبا کر، قدم چوم کر سویا کرو اللہ کی رحمتیں نازل ہوں گی۔ ایسا کرنے کے بعد

---

[1] سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک اعرابی حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی مجھے کیسے معلوم ہوگا کہ آپ اللہ کے نبی ہیں۔ فرمایا اگر میں کھجور کے اس درخت کے خوشہ کو بلاؤں تو تو اس بات کی گواہی دے گا کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ پس آپ نے اس خوشہ کو بلایا تو اس نے درخت سے اترنا شروع کیا یہاں تک کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے سامنے آ گرا پھر آپ نے فرمایا واپس جا تو وہ واپس لوٹ گیا۔ یہ دیکھ کر اعرابی مسلمان ہو گیا۔ (ترمذی شریف، ابواب المناقب، باب فی حنین الجذع، صفحہ: ۸۲۷، رقم الحدیث: ۳۶۲۸) امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن، غریب، صحیح ہے جبکہ البانی صاحب کہتے ہیں کہ اس حدیث کے الفاظ کہ وہ اعرابی مسلمان ہو گیا کے علاوہ یہ حدیث صحیح ہے۔

بھی مفلسی یا تنگدستی رہ جائے تو مجھے آ کر پکڑ لینا۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا۔ رشتہ داریاں نبھانا بڑا مشکل اور بڑی عزیمت کا کام ہے کیونکہ غیروں کو کچھ نہیں ہوتا، زیادہ تکلیف اپنوں کو ہوتی ہے۔ عربی کا مقولہ ہے: اَلْاَقْرَبُ هُوَ الْعَقْرَبُ رشتہ دار ہی بچھو ہوتے ہیں لیکن پھر بھی تم پر لازم ہے کہ رشتہ داروں کے ساتھ بھلا سلوک کرو۔ مزہ تو تب ہے کہ ایک طرف سے تیر برسیں اور وار ہوں اور دوسری طرف بندہ کہے میرے اللہ کا حکم ہے اس لیے میں رشتہ داروں کے ساتھ برا سلوک نہیں کروں گا۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ یتیموں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

كَافِلُ الْيَتِيمِ لَهُ أَوْ لِغَيْرِهِ أَنَا وَهُوَ كَهَاتَيْنِ فِي الْجَنَّةِ وَأَشَارَ مَالِكٌ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى

یتیم کی پرورش کرنے والا اس کا اپنا ہو یا غیر ہو، میں اور وہ جنت میں اس طرح ہوں گے پھر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی (کو ملا کر اس) کے ساتھ اشارہ کیا۔[1]

جس طرح دو انگلیوں کے درمیان کسی چیز کا فاصلہ نہیں اسی طرح میں اور یتیم کی

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الزھد والرقائق، باب الاحسان الی الارملة والمسكين واليتيم، صفحہ: ۱۳۶۰، رقم الحدیث: ۷۴۶۹ / مسند احمد بن حنبل، مسند ابی ھریرہ، جلد: ۱۴، صفحہ: ۴۶۵، رقم الحدیث: ۸۸۸۱

کفالت کرنے والا بھی جنت میں اکٹھے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو مساکین کے ساتھ بھلا سلوک کرنے اور لوگوں کے ساتھ اچھی بات کرنے کا حکم دیا۔ یہ عادت نہ ہو کہ کوئی امیر آئے تو اسے اٹھ کر ملو جبکہ غریب کی پرواہ ہی نہ کرو اور کوئی ملاقات کے لیے آئے تو یوں نہ کہو کہ کدھر آئے ہو بلکہ آرام سے، پیار سے، اچھے طریقے سے بات چیت کرو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب پہلی وحی نازل ہوئی تو چونکہ پہلی بار آپ کے جسم اطہر پر وحی کا بوجھ آیا تھا تو آپ گھر تشریف لائے۔ آپ کے جسم پر لرزہ طاری تھا۔ فرمایا: مجھے کمبل دو۔ حضرت سیدہ طیبہ طاہرہ سیدہ خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کمبل دے دیا۔ جب کچھ افاقہ ہوا تو ہماری اماں جان سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے معاملہ دریافت کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساری بات بتائی اور فرمایا: **لَقَدْ خَشِيتُ عَلٰى نَفْسِي** مجھے تو ڈر پیدا ہو گیا کہ کہیں جان نہ نکل جائے۔ سیدہ خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

وَاللّٰهِ مَا يُخْزِيكَ اللّٰهُ أَبَدًا ، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ

اللہ کی قسم! اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ رشتہ داری نبھانا جانتے ہیں اور جس کا کوئی نہیں آپ اس کا بوجھ اٹھا لیتے ہیں۔[1]

اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہے کہ اس کے بندے اس طرح کے بن کر رہیں۔ یہ نہ سمجھنا

---

[1] صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صفحہ:۸، رقم الحدیث:۳/ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صفحہ:۸۰، رقم الحدیث:۴۰۳

کہ یہ عہد صرف بنی اسرائیل کے ساتھ تھا بلکہ یہ عہد ہمارے ساتھ بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ پوری شرائط اور پابندی کے ساتھ نماز ادا کرو اور زکوۃ بھی دیتے رہو لیکن بنی اسرائیل میں سے چند ایک تھے جنہوں نے وعدہ نبھایا۔ باقی سب نے وعدہ خلافی کی۔

بنی اسرائیل کی عہد شکنی

اللہ تعالیٰ نے جناب موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے بنو اسرائیل کو حکم دیا کہ تم نے اپنوں کا خیال کرنا ہے۔ خبردار! تم نے نہ تو اپنوں کا خون بہانا ہے اور نہ ہی اپنوں کو بستی سے نکالنا ہے۔ بنی اسرائیل نے اس بات پر اقرار کیا کہ ہم ایسا ہی کریں گے۔ یہ عہد معاہدہ چلتا رہا۔ خلاف ورزیاں بھی ہوتی رہیں۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ آیا۔ آپ کے زمانے میں مدینہ منورہ میں یہودیوں کی بستیاں بنوقریظہ، بنوقینقاع اور بنونضیر تھیں جبکہ مشرکین کے دو بڑے قبیلے اوس اور خزرج تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لانے پر مشرکین کی یہ بستیاں مسلمان ہوگئیں، انصار کہلائے۔ یہودیوں کی ایک برادری نے اوس کے ساتھ اور دوسری برادری نے خزرج کے ساتھ معاہدہ کیا۔ اوس اور خزرج آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ معاہدے کی وجہ سے یہودی بھی لڑائی میں شمولیت اختیار کرتے پھر اپنے ہاتھوں یہودیوں کو مارتے اور گرفتار کرتے۔ یہ ان کے کرتوت تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو بیان کر رہا ہے:

آیت نمبر: ۸۴

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾

اور یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ تم اپنوں کو قتل نہیں کرو گے اور نہ ہی اپنوں کو اپنے گھروں (بستیوں) سے نکالو گے پھر تم نے اقرار کیا اور تم اس بات کے گواہ ہو۔

لیکن یہودیوں کا کردار یہ تھا:

آیت نمبر: ۸۵

ثُمَّ اَنۡتُمۡ هٰۤؤُلَآءِ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ وَتُخۡرِجُوۡنَ فَرِيۡقًا مِّنۡكُمۡ مِّنۡ دِيَارِهِمۡ تَظٰهَرُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ بِالۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ ؕ وَاِنۡ يَّاۡتُوۡكُمۡ اُسٰرٰى تُفٰدُوۡهُمۡ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيۡكُمۡ اِخۡرَاجُهُمۡ ؕ اَفَتُؤۡمِنُوۡنَ بِبَعۡضِ الۡكِتٰبِ وَتَكۡفُرُوۡنَ بِبَعۡضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنۡ يَّفۡعَلُ ذٰلِكَ مِنۡكُمۡ اِلَّا خِزۡىٌ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يُرَدُّوۡنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الۡعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸۵﴾

پھر بھی تم وہ لوگ ہو جو اپنوں کو قتل کرتے ہو اور تم اپنے ہی میں سے ایک گروہ کو ان کی بستیوں سے نکال دیتے ہو تم گناہ اور زیادتی سے ان کی مخالفت میں مدد کرتے ہو اور جب یہ دوسری برادری والے تمہارے پاس قیدی بن کر آتے ہیں تو تم ان کا فدیہ دیتے ہو حالانکہ ان کو بستیوں سے نکالنا تم پر پہلے ہی حرام تھا تو کیا تم کتاب کے کچھ حصے پر عمل کرتے ہو اور کچھ حصے کا انکار کرتے ہو؟ تم میں سے جو ایسا کام کرے اس کی سزا دنیا کی زندگی میں ذلت و رسوائی اور آخرت میں ان کو بڑا سخت عذاب دیا جائے گا اور جو تم کرتے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے منع کیا تھا کہ تم نے اپنوں کو قتل نہیں کرنا اور ان کو بستیوں سے نہیں نکالنا لیکن تم اپنوں کو قتل کرتے ہو اور انہیں بستیوں سے بھی نکالتے ہو اور ان کے خلاف مدد بھی کرتے ہو۔ جب تم اپنوں کے نہیں بنتے تو کسی اور کے کیا بنو گے؟ پھر تم نیک نام بھی بہت بنتے ہو۔ تم کہتے ہو کہ ہم بڑے اچھے لوگ ہیں۔ ہم اپنی برادری سے بڑا اچھا سلوک کرتے ہیں۔ جب وہ ہمارے پاس قیدی بن کر آتے ہیں تو ہم فدیہ دے کر ان کو چھڑوا لیتے ہیں حالانکہ تم نے ہی ان کو بستیوں سے نکالا اور قیدی بنایا۔ تمہارا ان کو قیدی بنانا اور بستیوں سے نکالنا تم پر پہلے ہی حرام تھا۔ کیا تم کچھ کتاب پر عمل کرتے ہو اور کچھ کتاب کا انکار کرتے ہو؟ جو بندہ یہ کام کرے کہ کچھ کتاب کو مانے اور کچھ کتاب کو نہ مانے اس کی سزا دنیا میں ذلت و رسوائی اور آخرت میں بڑا سخت عذاب ہے۔ قرآن کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔ بنو نضیر کو جلاوطن کیا گیا جبکہ بنو قریظہ کو قتل کر دیا گیا۔

یہ بات ہمارے بھی یاد رکھنے والی اور دل کی تختی پر لکھنے والی ہے کہ جو تورات کو کچھ مانے اور کچھ نہ مانے اس کی یہ سزا ہے تو جو قرآن کی جس چیز پر چاہے عمل کرے اور جس چیز کا چاہے انکار کر دے اس کی سزا کیا ہوگی؟ قیامت کے دن بڑا سخت عذاب ہوگا۔

آیت نمبر: ۸۶

أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۫ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿۸۶﴾

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلے میں دنیا کی زندگی کو خریدا، ان پر نہ

تو عذاب کی تخفیف ہوگی اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی۔

عذاب ختم ہونا تو در کنار ان کے عذاب میں تخفیف تک نہ ہوگی۔اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافر کے عذاب میں تخفیف نہیں ہوتی۔

میلاد شریف کے موقع پر کیا جانے والا ایک اعتراض

ہمارے مخالفین نے اس آیت کو بڑا یاد کیا ہوا ہے۔میلاد شریف کے موقع پر جب ہم بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت کی خوشخبری سن کر ابولہب نے اپنی لونڈی ثویبہ کو آزاد کر دیا تھا جس کا صلہ اسے یہ ملا کہ ہر پیر کی رات اس کی انگلیوں میں سے ایک سفید رنگ کی رطوبت نکلتی ہے جس کی وجہ سے اس کو عذاب کی شدت محسوس نہیں ہوتی اور سکون ملتا ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ عروہ بیان کرتے ہیں:

وَثُوَيْبَةُ مَوْلَاةٌ لِأَبِي لَهَبٍ، كَانَ أَبُو لَهَبٍ أَعْتَقَهَا، فَأَرْضَعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا مَاتَ أَبُو لَهَبٍ أُرِيَهُ بَعْضُ أَهْلِهِ بِشَرِّ حِيبَةٍ قَالَ لَهُ: مَاذَا لَقِيتَ؟ قَالَ أَبُو لَهَبٍ: لَمْ أَلْقَ بَعْدَكُمْ غَيْرَ أَنِّي سُقِيتُ فِي هَذِهِ بِعَتَاقَتِي ثُوَيْبَةَ

ثویبہ ابولہب کی باندی تھی اور ابولہب نے اس کو آزاد کر دیا تھا پھر اس نے نبی ﷺ کو دودھ پلایا پس جب ابولہب مر گیا تو اس کے بعض رشتہ داروں کو اس کی بری حالت دکھائی گئی، انہوں نے اس سے پوچھا تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوا۔ابولہب نے کہا: مجھے

تمہارے بعد کوئی خیر نہیں ملی، البتہ میں نے اپنی اس انگلی سے اشارہ کر کے ثویبہ کو آزاد کیا تھا تو مجھے اس انگلی سے پلایا جاتا ہے۔[1]

امام ابوالخیر ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو بیان کر کے فرماتے ہیں:

فَإِذَا كَانَ أبو لهب الْكَافِرُ الَّذِي نَزَلَ الْقُرْآنُ بِذَمِّهِ جُوزِيَ فِي النَّارِ بِفَرَحِهِ لَيْلَةَ مَوْلِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهِ، فَمَا حَالُ الْمُسْلِمِ الْمُوَحِّدِ مِنْ أُمَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَرُّ بِمَوْلِدِهِ وَيَبْذُلُ مَا تَصِلُ إِلَيْهِ قُدْرَتُهُ فِي مَحَبَّتِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؛ لَعَمْرِي إِنَّمَا يَكُونُ جَزَاؤُهُ مِنَ اللهِ الْكَرِيمِ أَنْ يُدْخِلَهُ بِفَضْلِهِ جَنَّاتِ النَّعِيمِ

جب یہ کافر ابولہب جس کی مذمت میں قرآن نازل ہوا اس کو حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت پاک کی خوشی کی وجہ سے دوزخ میں یہ انعام ملا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس امتی مسلمان کا کیا حال ہوگا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت پاک کی خوشی میں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت میں اپنی استطاعت کے مطابق مال کو خرچ کرتا ہے۔ مجھے جان کی قسم! ایسے مسلمان کی جزاء اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اسے نعمتوں والی جنت میں داخل کرے گا۔[2]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ، صفحہ:۱۳۰۱، رقم الحدیث:۵۱۰۱ / شرح السنۃ للبغوی، کتاب النکاح، باب المحرمات بالرضاع، جلد:۹ صفحہ:۷۵، رقم الحدیث:۲۲۸۲

[2] عرف التعریف بالمولد الشریف للجزری، ارھاصات مولدہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، صفحہ:۲۲ / مختصر سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، صفحہ:۱۳، مؤلف عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدی/ المواھب اللدنیہ، المقصد الاول، ذکر رضاعہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، جلد اول، صفحہ:۸۷ / زرقانی علی المواھب، جلد اول، صفحہ:۲۶۱ / ماثبت من السنۃ، صفحہ:۶۰ / حسن المقصد فی عمل المولد للسیوطی، قول الحافظ شمس الدین الجزری، صفحہ:۶۵ / تاریخ الخمیس للدیار البکری، الرکن الاول، الطلیعۃ الثالثۃ، النوع الرابع، مااختص بہ من الکرامات والفضائل، ذکر ارضاع الاظار، جلد اول، صفحہ:۴۰۹ / حجۃ اللہ علی العالمین، القسم الثانی، الباب الثانی فصل فی اجتماع الناس لقراءۃ قصۃ المولد النبی، صفحہ:۱۷۷

ہمارے مخالفین جب یہ دلیل سنتے ہیں تو کہتے ہیں تمہاری یہ دلیل اگرچہ بخاری میں ہے لیکن اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابولہب کے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے کہ چھ دن زیادہ عذاب جبکہ ساتویں دن کم عذاب ہوتا ہے حالانکہ قرآن بیان کر رہا ہے کہ کافروں کے عذاب میں تخفیف نہیں ہوتی۔

جواب تخفیف کا مطلب ہے کہ پہلے سزا مقرر ہوئی کہ تمہیں روز سو جوتے پڑیں گے پھر بعد میں حاکم موج میں آیا اور اس نے کہا کہ چھ دن تو سو جوتے ہی پڑیں گے لیکن ساتویں دن نوے جوتے پڑیں گے۔ دس جوتے معاف ہیں لیکن اگر پہلے سے ہی یہ مقرر ہو جائے کہ چھ دن سو جوتے پڑیں گے جبکہ ساتویں دن فلاں وجہ سے اسی جوتے پڑیں گے تو اسے تخفیف نہیں کہہ سکتے کیونکہ شروع ہی سے یہ سزا مقرر ہے۔ ابولہب کے عذاب میں تخفیف نہیں ہوتی بلکہ شروع سے ہی اس کی اتنی سزا مقرر ہے۔ اس دلیل سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حیا کرے، سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جلوہ گری پر خوشی کرے تو اس کا فیض بے ایمان کو بھی مل جاتا ہے۔ کسی بھی مسلمان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری پر کڑھنا نہیں چاہیے کیونکہ اگر نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف نہ لاتے اور پیدا نہ ہوتے تو کیا قرآن والی نعمت ہمیں ملتی؟ ہمیں قرآن، اسلام اور دین کی نعمت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ سے ملی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوئی پھر اللہ تعالیٰ نے انعام میں یہ چیزیں عطا کیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ مالک! تو نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا کیا اور ہمیں یہ قرآن ملا۔

آیت نمبر: ۸۷

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ قَفَّیْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ٘ وَ اٰتَیْنَا عِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَ اَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْۚ فَفَرِیْقًا كَذَّبْتُمْ٘ وَ فَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ﴿۸۷﴾

اور بیشک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی اور ہم نے ان کے پیچھے پے در پے کئی رسول بھیجے اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کو کھلی نشانیاں عطا فرمائیں اور ہم نے جناب عیسیٰ علیہ السلام کی روح القدس (حضرت جبریل علیہ السلام) کے ساتھ مدد کی۔ کیا جب کبھی تمہارے پاس رسول ایسی چیز لے کے آیا جس کو تمہارے دل نہیں چاہتے تھے تو تم نے تکبر کیا۔ تم نے رسولوں کے ایک گروہ کو جھٹلایا اور تم ایک گروہ کو قتل کرتے تھے۔

بنی اسرائیل کے پہلے نبی حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں۔ اگرچہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے والد حضرت اسحاق علیہ السلام بھی اللہ کے نبی ہیں اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اللہ کے نبی ہیں لیکن یہ بنی اسرائیل کے نبی نہیں ہیں کیونکہ بنی اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کو کہتے ہیں۔ بنی اسرائیل کے پہلے نبی حضرت یعقوب علیہ السلام جبکہ بنی اسرائیل کے آخری نبی جناب عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

جناب عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے

یہاں جناب عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ان کی والدہ کی طرف منسوب کر کے کیا اور فرمایا عیسیٰ جو کہ مریم کا بیٹا ہے۔ سارا قرآن پڑھ لیجیے۔ کسی نبی کا ذکر اس کے باپ کے حوالے

سے نہیں ملتا کہ یہ فلاں کا بیٹا ہے حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نبی، ان کے بیٹے اسحاق علیہ السلام نبی، ان کے بیٹے یعقوب علیہ السلام نبی اور ان کے بیٹے یوسف علیہ السلام بھی نبی ہیں لیکن قرآن میں کسی بھی جگہ یوں ذکر نہیں ملتا کہ یوسف بیٹا یعقوب کا، یعقوب بیٹا اسحاق کا اور اسحاق بیٹا ابراہیم کا۔ ایک جناب عیسیٰ علیہ السلام ہیں کہ جب ان کی ابنیت بیان کی جاتی ہے تو ان کے نام کے ساتھ ان کی والدہ کا نام ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انبیاء علیھم الصلاۃ والسلام میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہ واحد شخصیت ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بغیر باپ کے صرف ماں کے پیٹ سے نفخ جبریل علیہ السلام کی وجہ سے پیدا فرمایا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے والد نہیں تھے صرف والدہ تھیں اور جو آدمی جناب عیسیٰ علیہ السلام کے لیے والد کا اثبات کرے جیسا کہ مرزا قادیانی نے کیا وہ در پردہ اس آیت کا انکار کرتا ہے۔

جناب عیسیٰ علیہ السلام مشکل کشا ہیں

اللہ تعالیٰ نے جناب عیسیٰ علیہ السلام کو کھلی کھلی نشانیاں دیں۔ نشانیوں کا ذکر کرتے ہوئے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَھَیْـَٔۃِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْہِ فَیَکُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰہِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَکْمَہَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ ۚ وَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا تَاْکُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِیْ بُیُوْتِکُمْ

میں تمہارے لیے مٹی سے پرندے کی مورت بناتا ہوں پھر میں اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے سچ مچ کا پرندہ بن کے اڑنے لگتا ہے۔ میں مادر زاد اندھے کو

ٹھیک کرتا ہوں اور کوڑھی کو ٹھیک کر دیتا ہوں اور میں اللہ کی دی ہوئی طاقت سے مردوں کو زندہ کرتا ہوں۔ تم اپنے گھروں میں جاتے ہو جو جی چاہتا ہے کھا کے آ جاتے ہو، میں تمہیں یہاں بیٹھے بیٹھے غیب کی خبریں دوں گا۔[1]

پتہ چلا جناب عیسیٰ علیہ السلام بھی کچھ حاجت مندوں کی حاجتیں پوری کرتے تھے۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام مشکل کشائی فرماتے تھے۔

جناب عیسیٰ علیہ السلام چند لوگوں کے مشکل کشا تھے جبکہ اللہ نے جناب عیسیٰ علیہ السلام کا مددگار حضرت جبریل علیہ السلام کو بنایا تھا۔ بعض لوگوں کو تفسیر لکھنے اور بیان کرنے کا بہت شوق ہوتا ہے اور وہ ذہن میں نظریہ بنا لیتے ہیں کہ ہم نے اہلسنت کو رگڑا دینا ہی دینا ہے۔ ایک صاحب نے اس مقام پر لکھ دیا کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام تو خود حضرت جبریل کی مدد کے محتاج تھے۔ جو خود محتاج ہو وہ کسی دوسرے کی مدد کیسے کر سکتا ہے؟ حالانکہ یہ روند (داؤ) ہے۔ جو بندہ جس کا محتاج ہوتا ہے اس کی مدد نہیں کرتا بلکہ اس کی مدد کرتا ہے جو اس کا محتاج ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہنا چاہیے کہ کوئی مخلوق کسی کی مددگار نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جسے چاہتا ہے کسی کا مددگار بنا دیتا ہے۔ ہم اہلسنت کسی مخلوق کے لیے یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ وہی ہر آن، ہر گھڑی، ہر کسی کے لیے مددگار رہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ صفت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اللہ تعالیٰ بعض اوقات اپنے پیاروں کو طاقت دیتا ہے کہ وہ اپنے بعض بندوں کی مدد کرتے ہیں۔ تکلیف کو دور کرتے ہیں۔ اصل جھگڑا یہ نہیں کہ نبی کچھ کر سکتے

---

[1] سورۃ آل عمران: ۴۹

ہیں یا نہیں بلکہ اصل جھگڑا یہ ہے کہ اللہ سخی ہے یا کنجوس؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ کسی کو کچھ نہیں دیتا لیکن ہم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ جوّاد اور کریم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دست کرم کھلے ہیں جیسے چاہے عطا فرماتا ہے۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے لئے دعا

یہ بات بھی یاد رکھیے کہ ایک صحابی حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حسان! یہ لوگ ہمارے خلاف شعر لکھ کر ہماری ہجو اور ہماری بدخوئی کرتے ہیں تو ایسے کر کہ ہماری تعریف کر، ان کے خلاف ہجو کر اور ان کو جواب دے۔ جب تک تو ہمارا دفاع کرتا رہے گا، جبریل تیری مدد کرتے رہیں گے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی: اَللّٰھُمَّ اَیِّدْہُ بِرُوحِ الْقُدُسِ پروردگار! میرے حسان کی مدد روح القدس (حضرت جبریل علیہ السلام) کے ذریعے فرما۔[1]

اللہ تعالیٰ حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے عمدہ عمدہ مضامین جناب حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ذہن میں ڈال دیتا تھا۔

میری بات یاد رکھنا! تم میں سے کچھ لوگ خطیب اور مناظر ہیں۔ ان شاءاللہ مستقبل میں بنو گے۔ کبھی کسی بات کا جواب فوراً ذہن میں آئے تو یہ نہ سمجھنا کہ یہ تمہارا کمال ہے بلکہ سمجھ جانا کہ اللہ تعالیٰ حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے تمہاری مدد فرما رہا ہے۔ جب تک تمہاری نیت درِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گدائی کرنا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نسبت رکھنے

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب الشعر فی المسجد، صفحہ:۱۲۲، رقم الحدیث:۴۵۳ / صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب فضائل حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، صفحہ:۱۰۹۴، رقم الحدیث:۶۳۸۴

والوں کی غلامی کرنا ہوگی تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے: یہودیو! تمہارا کیا ہے؟ جب کبھی رسول تمہاری مرضی کے خلاف کوئی حکم لائے تو تم تکبر کرتے ہو اور تم وہ لوگ ہو جنہوں نے رسولوں کے ایک گروہ کو جھٹلایا اور تم ایک گروہ کو قتل کرتے تھے۔

وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ کا دو طرح ترجمہ ہوسکتا ہے۔ ایک تو یہ کہ تم رسولوں کے ایک گروہ کو قتل کرتے تھے جبکہ دوسرا یہ کہ تم وہ لوگ ہو جو رسولوں کے ایک گروہ کے ساتھ لڑائی کرتے تھے کیونکہ قتال لڑائی کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ: اے نبی! مومنوں کو لڑائی پر برانگیختہ کرو۔[1]

کوئی رسول قتل نہیں ہوا

یہاں دو باتیں قابل توجہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ نبی اور رسول کا اطلاق ایک دوسرے کی جگہ ہو جاتا ہے۔ کسی جگہ نبی کو رسول کہہ دیا جاتا ہے اور کسی جگہ رسول کو نبی کہہ دیا جاتا ہے لیکن ایک فرق بھی کیا گیا ہے کہ نبی وہ ہوتا ہے جس پر اللہ کا پیغام آئے اور رسول وہ ہوتا ہے جو لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچائے اور اس پر کتاب بھی اترے۔ جب یہ فرق ذہن میں رکھو گے تو قرآن شریف کی متعدد آیات سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی رسول قتل نہیں ہوا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِىْ

---

[1] سورۃ الانفال: ٦٥

اللہ تعالیٰ لکھ چکا ہے کہ میں غالب آؤں گا اور میرے رسول غالب آئیں گے۔ ۱

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّا لَنَنۡصُرُ رُسُلَنَا

بیشک ہم ضرور اپنے رسولوں کی مدد کریں گے۔ ۲

تو جب اللہ مددگار ہو تو پھر قتل کیسے ہو سکتے ہیں؟

دوسری بات یہ کہ تَقۡتُلُوۡنَ فعل مضارع کا صیغہ ہے۔ فعل مضارع حال اور استقبال کے معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ قادیانی اس بات کو لے کر ایک دلیل پیش کرتے ہیں۔ قادیانی کہتے ہیں دیکھو اللہ ارشاد فرما رہا ہے: اَللّٰہُ یَصۡطَفِیۡ مِنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ: اللہ فرشتوں اور انسانوں میں سے رسول چنتا ہے اور چنتا رہے گا ۳ اللہ کا وعدہ ہو گیا ہے کہ اللہ چنتا ہے اور چنتا رہے گا۔ اگر اللہ نے مرزا قادیانی کو اپنا رسول چن لیا ہے تو تمہیں کیا تکلیف ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ فعل مضارع کبھی کبھی ماضی کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہاں تَقۡتُلُوۡنَ فعل مضارع ہے تو کیا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اب بھی رسولوں کو قتل کرتے ہیں؟ نہیں بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ رسولوں کو قتل کرتے تھے۔

آیت نمبر: ۸۸

وَقَالُوۡا قُلُوۡبُنَا غُلۡفٌ ؕ بَلۡ لَّعَنَہُمُ اللّٰہُ بِکُفۡرِہِمۡ فَقَلِیۡلًا مَّا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۸۸﴾

---

۱ سورۃ المجادلہ: ۲۱ ۲ سورۃ مومن: ۵۱ ۳ سورۃ الحج: ۷۵

اور یہودی بولے ہمارے دل غلاف میں لپٹے ہوئے ہیں بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کی ان میں بہت تھوڑے ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہودیوں کو وعظ کہتے تھے۔ مسلمان بھی یہودیوں کو مسلمان ہونے کی دعوت دیتے تھے لیکن یہودی جواب میں کہہ دیتے تھے کہ ہمارے دل غلاف کے اندر لپٹے ہوئے ہیں۔ تمہاری باتیں ہم پر اثر نہیں کرتیں۔ اللہ فرماتا ہے تم ٹھیک کہتے ہو کیونکہ تمہارے دلوں پر باتیں اس لیے اثر نہیں کرتیں کیونکہ اللہ نے تم پر لعنت کی ہے اور اللہ بلا وجہ کسی پر لعنت نہیں کرتا۔ اللہ نے تمہارے کفر کی وجہ سے تم پر لعنت کی ہے۔ آج کل مدارس میں سزا کا اتنا رجحان نہیں ہے لیکن پہلے بہت ہوتا تھا۔ استاد کبھی کبھی طالب علم کو سزا دیتا ہے۔ استاد خوامخواہ سزا نہیں دیتا، کوئی کرتوت ہوتا ہے تو سزا ملتی ہے۔ جب کوئی مسلسل سبق یاد نہ کرے تب استاد سزا دیتا ہے۔ بلاتشبیہ اللہ تعالیٰ بھی خوامخواہ کسی پر لعنت نہیں کرتا۔ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کی۔ یہودیوں میں بہت تھوڑے لوگ ایمان لائے۔ باقی اکثر بے ایمان کے بے ایمان رہے۔

آیت نمبر: ۸۹

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾

اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے کتاب آئی جو کہ اس کو سچا کرنے والی ہے جو ان کے پاس ہے اور یہ اس سے پہلے کافروں کے مقابلہ میں فتح مانگا کرتے تھے پھر جب وہ ان کے پاس آ گیا جس کو پہچانتے تھے تو منکر ہو گئے۔ اللہ کی لعنت ہو ان کافروں پر

قرآن تورات اور انجیل کو سچا کرنے والا ہے۔ تورات اور انجیل نے کہا تھا کہ ایک نبی آئے گا۔ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف نہ لاتے تو کیا ان کتابوں نے سچا ہو جانا تھا؟ قرآن نے بتایا کہ تورات اور انجیل اللہ کی کتابیں ہیں۔ اگر قرآن نہ بتاتا تو کیسے پتہ چلتا کہ یہ بھی اللہ کی کتابیں ہیں؟ جن نبیوں کا نام قرآن میں آیا ان کے علاوہ کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی دنیا میں تشریف لائے۔ آج کون ان کو جانتا ہے؟ آج کے سبق میں ہی آئے گا کہ لوگ حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبوت کو نہیں مانتے تھے۔ لوگ کہتے تھے کہ یہ تو جادوگر ہیں۔ یہ قرآن کا فیض ہے کہ قرآن نے آن کر لوگوں سے سیدنا سلیمان علیہ السلام کی نبوت کو منوایا۔ یہودیو! تمہیں تو چاہیے تھا کہ قرآن اور صاحب قرآن پر ایمان لاتے لیکن تم نے انکار کر دیا۔

یہودیوں کی مشرکین کے ساتھ جنگیں ہوتی تھیں اور انہیں ہر جنگ میں شکست ہو جاتی۔ جب بار بار جنگ ہارے تو یہ اپنے علماء کے پاس گئے اور ان سے کہنے لگے کیا جنگ جیتنے کا کوئی طریقہ ہے؟ انہوں نے کہا: بالکل ہے۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے اللہ سے دعا مانگو کہ یا اللہ! ہمیں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وسیلے سے فتح عطا فرما[1]۔ جب انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وسیلہ جلیلہ سے دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ

---

[1] تفسیر البغوی، جلد اول، صفحہ: ۱۴۱، ۱۴۲، تحت آیت سورۃ بقرہ: ۸۹ / تفسیر القرطبی، جلد دوم، صفحہ: ۲۷، تحت آیت سورۃ بقرہ: ۸۹

اسی بات کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ تم اس سے پہلے انہی کے وسیلے سے فتح مانگا کرتے تھے اور جب وہ نبی جن کو تم پہچانتے ہو تشریف لائے تو تم نے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے مصطفیٰ کریم ﷺ کا منکر بننے کی وجہ سے ان پر لعنت فرمائی۔ ۱

مسئلہ توسل

وسیلے کا مسئلہ پہلے بھی بیان ہوا، آگے بھی موقع کی مناسبت سے بیان ہوتا رہے گا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ صبر اور نماز کے وسیلے سے دعا مانگنا جائز ہے اور حدیث غار سناتے ہیں کہ کچھ لوگ غار کے اندر پھنس گئے۔ بارش بہت تیز تھی اچانک ایک چٹان آئی اور غار کے دہانے ٹھہر گئی اور غار کا منہ بند کر دیا۔ ان لوگوں نے سوچا کہ آج تک جو بھی عمل خالص اللہ کی رضا کے لیے کیا ہے آج اللہ کی بارگاہ میں اس کا وسیلہ پیش کرو۔ جب انہوں نے ایسا کیا تو اللہ نے ان کو اس مصیبت سے نجات دے دی۔ ۲

اس حدیث کو بھی پڑھ کر کہیں گے کہ اعمال کا وسیلہ جائز ہے جبکہ نبی کریم ﷺ کی ذات کا وسیلہ شرک ہے۔ بڑے عجیب لوگ ہیں کہ شرک سے نیچے کی بات ہی نہیں کرتے۔ خدا کے بندو! یہ تو سوچو کہ جب ہم کہتے ہیں کہ یا اللہ! نبی کریم علیہ السلام کے وسیلے سے ہماری توبہ قبول فرما، یہ ذات کا وسیلہ نہیں ہے بلکہ یہ بھی ایک عمل کا وسیلہ ہے۔ مثلاً کیا کبھی کسی ہندو، کسی عیسائی یا کسی یہودی نے کہا کہ یا اللہ! تجھے مصطفیٰ کریم ﷺ کا وسیلہ،

---

۱ تفسیر الطبری، جلد دوم، صفحہ:۲۳۹، تحت آیت سورۃ بقرہ:۸۹

۲ صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب اذا اشتری شیئاً لغیرہ بغیر اذنہ، صفحہ:۵۲۷، رقم الحدیث:۲۲۱۵

مجھے شفاعطا فرما؟نہیں کیونکہ وہ تو نبی کریم ﷺ کو مانتا ہی نہیں۔کبھی کوئی یہودی،کبھی کوئی عیسائی اورکبھی کوئی ہندو نبی کریم ﷺ کا وسیلہ پیش نہیں کرے گا۔ہمیشہ وسیلہ مصطفیٰ ﷺ ایمان والا ہی پیش کرتا ہے۔ایمان والا جب کہتا ہے کہ یااللہ! تجھے تیرے محبوب کا واسطہ یہ کام کردے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یااللہ! تیرا محبوب تجھے ساری کائنات میں سب سے زیادہ پیارا ہے۔مالک! میرا بھی تو ان کے ساتھ غلامی کا تعلق ہے۔میں بھی تو ان کا امتی ہوں۔نبی کریم ﷺ کے ساتھ غلامی کا تعلق ہونا ایک عمل ہے۔اصل میں یہ اُس عمل کا واسطہ ہے جو عمل اللہ کو سب عملوں سے زیادہ پیارا ہے۔بندہ لاکھ نمازیں پڑھے، روزے رکھے،عبادت کرے،مصطفیٰ ﷺ پر ایمان نہ ہوتو اس کے اعمال کی ذرہ برابر بھی حیثیت نہیں۔وسیلے کا انکار نہیں کرنا چاہیے۔یہ وسیلہ سب سے اعلی وسیلہ ہے۔ہم نماز پڑھتے ہیں پتہ نہیں قبول بھی ہے یا نہیں،روزہ رکھتے ہیں،حج کرتے ہیں،صدقہ خیرات کرتے ہیں پتہ نہیں قبول بھی ہیں یا نہیں کیونکہ ہماری نیتیں بھی تو گڑبڑ ہو جاتی ہیں لیکن مصطفیٰ ﷺ کے اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہونے میں ذرہ برابر بھی شک نہیں۔نبی کریم ﷺ کی محبت کا واسطہ پیش کرو اور عرض کرو کہ یااللہ! ہم ان کے امتی اور ان کے مطیع ہیں۔اسی اطاعت کا واسطہ ہم پر نظر رحمت فرما۔

مسئلہ توسل پر چند دلائل

۱: نبی کریم ﷺ غریب مہاجرین کے وسیلہ سے اللہ کی بارگاہ میں دعا کیا کرتے تھے۔

حضرت امیہ بن خالد، نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

أَنَّهُ كَانَ يَسْتَفْتِحُ بِصَعَالِيكِ الْمُهَاجِرِينَ

نبی ﷺ غریب مہاجرین کے وسیلہ سے فتح طلب کرتے تھے۔[1]

۲: اللہ تعالیٰ ضعیف لوگوں کے وسیلے سے مدد اور رزق عطا فرماتا ہے۔

حضرت مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

رَأَى سَعْدٌ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ لَهُ فَضْلًا عَلَى مَنْ دُونَهُ. فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَلْ تُنْصَرُونَ وَتُرْزَقُونَ إِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ انہیں دوسرے بہت سے صحابہ پر (اپنی مالداری) کی وجہ سے فضیلت حاصل ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم لوگ صرف اپنے ضعفاء کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد اور رزق پہنچائے جاتے ہو۔[2]

۳: خود نبی کریم ﷺ نے ایک نابینا صحابی کو اپنے وسیلے سے دعا مانگنے کی تلقین فرمائی۔

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أَنَّ رَجُلًا ضَرِيرَ الْبَصَرِ، أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ:

---

[1] مشکوۃ شریف، کتاب الرقاق، باب فضل الفقراء، الفصل الثانی، جلد:۳، صفحہ:۱۴۴۴، رقم الحدیث:۵۲۴۷/ المعجم الکبیر للطبرانی، جلد اول، صفحہ:۲۹۲، رقم الحدیث:۸۵۷/ شرح السنة للبغوی، کتاب الرقاق، باب فضل الفقراء، جلد:۱۴، صفحہ:۲۶۴، رقم الحدیث:۴۰۶۲/ شرح السنہ کے محقق شعیب الارناؤط اس حدیث کے بارے میں کہتے ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں لیکن یہ مرسل حدیث ہے/ الاحادیث المختارۃ للضیاء المقدسی، جلد:۴، صفحہ:۳۳۷، رقم الحدیث:۱۵۰۷

[2] صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب من استعان بالضعفاء والصالحین فی الحرب، صفحہ:۷۱۵، رقم الحدیث:۲۸۹۶/ المصنف لعبدالرزاق، کتاب الجہاد، باب لمن الغیمۃ، جلد:۵، صفحہ:۳۰۳، رقم الحدیث:۹۶۹۱/ مسند احمد بن حنبل، مسند ابی اسحاق سعد بن ابی وقاص، جلد سوم، صفحہ:۸۶

ادْعُ اللّٰهَ لِي أَنْ يُعَافِيَنِي، فَقَالَ: إِنْ شِئْتَ أَخَّرْتُ لَكَ وَهُوَ خَيْرٌ، وَإِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ، فَقَالَ: ادْعُهُ، فَأَمَرَهُ أَنْ يَتَوَضَّأَ فَيُحْسِنَ وُضُوءَهُ، وَيُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ، وَيَدْعُوَ بِهٰذَا الدُّعَاءِ: اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِمُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ، يَا مُحَمَّدُ، إِنِّي قَدْ تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلٰى رَبِّي فِي حَاجَتِي هٰذِهٖ لِتُقْضٰى اللّٰهُمَّ شَفِّعْهُ فِيَّ

ایک نابینا شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور دعا کے لیے درخواست پیش کی کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! دعا کیجیے، اللہ تعالیٰ مجھے عافیت (بینائی) عطا کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر تو چاہے تو میں تیرے لیے آخرت کی بھلائی چاہوں جو کہ بہتر ہے اور اگر تو چاہے تو میں دعا کر دیتا ہوں اس نے عرض کیا: حضور! دعا فرما دیں۔ ارشاد فرمایا: جا کر اچھے طریقے سے وضو کر پھر دو رکعت نماز ادا کر پھر یہ دعا مانگ: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف تیرے رحمت والے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے سے متوجہ ہوتا ہوں۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں آپ کے وسیلے سے اپنی اس حاجت میں اپنے رب کریم کی طرف متوجہ ہوا ہوں تا کہ میری یہ حاجت پوری ہو جائے، یا اللہ! میرے حق میں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت قبول فرما۔[1]

---

[1] ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلوۃ والسنۃ فیھا، باب ماجاء فی صلاۃ الحاجہ، صفحہ: ۲۴۵، رقم الحدیث: ۱۳۸۵ / البانی صاحب اس حدیث کو صحیح قرار دیتے ہیں/ سنن ترمذی، کتاب الدعوات، صفحہ: ۸۱۳، رقم الحدیث: ۳۵۷۸ / امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن، صحیح، غریب ہے/ مسند احمد، حدیث عثمان بن حنیف، جلد: ۲۸، صفحہ: ۴۷۸، رقم الحدیث: ۱۷۲۴۰ / مسند عبد بن حمید، عثمان بن حنیف، صفحہ: ۱۴۷، رقم الحدیث: ۳۷۹ / صحیح ابن خزیمہ، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الترغیب والترھیب، جلد: ۲، صفحہ ۲۲۵، رقم الحدیث: ۱۲۱۹

بعداز وصال توسل

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بعداز وصال بھی توسل جائز ہے۔ دلائل ملاحظہ کیجیے۔

١: حَدَّثَنَا طَاهِرُ بْنُ عِيسَى بْنِ قَيْرَسَ الْمُقْرِي الْمِصْرِيُّ التَّمِيمِيُّ، حَدَّثَنَا أَصْبَغُ بْنُ الْفَرَجِ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ، عَنْ شَبِيبِ بْنِ سَعِيدٍ الْمَكِّيِّ، عَنْ رَوْحِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ الْخَطْمِيِّ الْمَدَنِيِّ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ، عَنْ عَمِّهِ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ " أَنَّ رَجُلًا كَانَ يَخْتَلِفُ إِلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِي حَاجَةٍ لَهُ فَكَانَ عُثْمَانُ لَا يَلْتَفِتُ إِلَيْهِ , وَلَا يَنْظُرُ فِي حَاجَتِهِ فَلَقِيَ عُثْمَانَ بْنَ حُنَيْفٍ , فَشَكَا ذَلِكَ إِلَيْهِ , فَقَالَ لَهُ عُثْمَانُ بْنُ حُنَيْفٍ: ائْتِ الْمِيضَأَةَ فَتَوَضَّأْ , ثُمَّ ائْتِ الْمَسْجِدَ فَصَلِّ فِيهِ رَكْعَتَيْنِ , ثُمَّ قُلْ: اللّٰهُمَّ , إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ إِنِّي أَتَوَجَّهُ بِكَ إِلَى رَبِّكَ عَزَّوَجَلَّ فَيَقْضِي لِي حَاجَتِي , وَتَذْكُرُ حَاجَتَكَ , وَرُحْ إِلَيَّ حَتَّى أَرُوحَ مَعَكَ، فَانْطَلَقَ الرَّجُلُ، فَصَنَعَ مَا قَالَ لَهُ عُثْمَانُ , ثُمَّ أَتَى بَابَ عُثْمَانَ , فَجَاءَ الْبَوَّابُ حَتَّى أَخَذَ بِيَدِهِ , فَأَدْخَلَهُ عَلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ , فَأَجْلَسَهُ مَعَهُ عَلَى الطِّنْفِسَةِ، وَقَالَ: حَاجَتُكَ؟ فَذَكَرَ حَاجَتَهُ , فَقَضَاهَا لَهُ , ثُمَّ قَالَ لَهُ: مَا ذَكَرْتَ حَاجَتَكَ حَتَّى كَانَتْ هَذِهِ

السَّاعَةُ، وَقَالَ: مَا كَانَتْ لَكَ مِنْ حَاجَةٍ، فَأْتِنَا، ثُمَّ إِنَّ الرَّجُلَ خَرَجَ مِنْ عِنْدِهِ، فَلَقِيَ عُثْمَانَ بْنَ حُنَيْفٍ، فَقَالَ: لَهُ جَزَاكَ اللهُ خَيْرًا، مَا كَانَ يَنْظُرُ فِي حَاجَتِي، وَلَا يَلْتَفِتُ إِلَيَّ حَتَّى كَلَّمْتَهُ فِيَّ، فَقَالَ عُثْمَانُ بْنُ حُنَيْفٍ: وَاللهِ مَا كَلَّمْتُهُ وَلَكِنْ شَهِدْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَأَتَاهُ ضَرِيرٌ، فَشَكَا عَلَيْهِ ذَهَابَ بَصَرِهِ, فَقَالَ: لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ: ''أَفَتَصْبِرُ؟''. فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّهُ لَيْسَ لِي قَائِدٌ، وَقَدْ شَقَّ عَلَيَّ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ: ''ائْتِ الْمِيضَأَةَ، فَتَوَضَّأْ، ثُمَّ صَلِّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ ادْعُ بِهَذِهِ الدَّعَوَاتِ'' قَالَ عُثْمَانُ بْنُ حُنَيْفٍ: فَوَاللهِ، مَا تَفَرَّقْنَا وَطَالَ بِنَا الْحَدِيثُ حَتَّى دَخَلَ عَلَيْنَا الرَّجُلُ كَأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ بِهِ ضَرَرٌ قَطُّ "

ایک آدمی اپنی کسی غرض وحاجت سے بار بار حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس جاتا تھا۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اس کی طرف التفات کرتے اور نہ اس کی حاجت میں غور فرماتے۔ وہ آدمی حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کو ملا اوران سے شکوہ کیا۔ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوٹا لاؤ اور وضو کرو پھر مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھ کر یہ دعا کرو: ”اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف ہمارے رحمت والے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے سے متوجہ ہوتا ہوں۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں آپ کے وسیلے سے اپنی اس حاجت میں اپنے رب کریم کی طرف متوجہ ہوا ہوں تا کہ میری یہ حاجت پوری ہو جائے“ اور اپنی

حاجت کو ذکر کرو۔ وہ آدمی چلا گیا اور جو اس کو کہا گیا تھا اس نے وہ ہی کیا۔ اس کے بعد جب وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر آیا تو دربان نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے ساتھ چٹائی پر بٹھایا اور فرمایا تمہاری کیا حاجت ہے؟ اس نے اپنی حاجت بیان کی تو حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے اس کی حاجت کو پورا کر دیا اور فرمایا تم نے اب تک اپنی حاجت بیان کیوں نہ کی تھی؟ اور فرمایا آئندہ جو بھی ضرورت ہو ہمارے پاس چلے آنا۔ وہ آدمی جب ان کے ہاں سے رخصت ہوا تو حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے عرض کی: اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا کرے۔ وہ تو میری حاجت کے بارے میں نہ تو غور کرتے تھے اور نہ میری طرف التفات کرتے تھے حتی کہ آپ نے ان سے میری سفارش کی تو حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں نے کوئی سفارش نہیں کی بلکہ ایک مرتبہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ کے پاس ایک نابینا شخص آیا اور آپ سے اپنی بینائی ختم ہونے کی شکایت کرنے لگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو صبر کر۔ وہ کہنے لگا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرا کوئی خادم نہیں ہے اور مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لوٹا لے کر آؤ اور وضو کرو پھر دو رکعت پڑھ کر انہی دعائیہ کلمات کے ساتھ دعا کرو۔ حضرت عثمان بن حنیف فرماتے ہیں اللہ کی قسم! ہم لوگ نہ تو مجلس سے دور ہوئے اور نہ ہمارے درمیان طویل گفتگو ہوئی حتی کہ وہ آدمی ہمارے پاس آیا گویا کہ وہ نابینا تھا ہی نہیں۔ [1]

---

[1] المعجم الکبیر للطبرانی، ما اسند عثمان بن حنیف، جلد:۹، صفحہ:۳۰، رقم الحدیث:۸۳۱۱ / المعجم الصغیر للطبرانی، باب الطاء، من اسمہ طاھر، جلد اول، صفحہ:۳۰۶، رقم الحدیث:۵۰۸ / امام طبرانی نے اس حدیث کے متعدد طرق بیان کیے اور فرمایا یہ حدیث صحیح ہے/ مجمع الزوائد، ابواب العیدین، باب الاستخارۃ، جلد دوم، صفحہ:۲۷۹، رقم الحدیث:۳۶۶۸

۲: حضرت مالک دار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أَصَابَ النَّاسَ قَحْطٌ فِي زَمَنِ عُمَرَ، فَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، اسْتَسْقِ لِأُمَّتِكَ فَإِنَّهُمْ قَدْ هَلَكُوا، فَأَتَى الرَّجُلَ فِي الْمَنَامِ فَقِيلَ لَهُ: "اِئْتِ عُمَرَ فَأَقْرِئْهُ السَّلَامَ، وَأَخْبِرْهُ أَنَّكُمْ مُسْقِيُّونَ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگ قحط میں مبتلا ہوگئے۔ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر اطہر پر آیا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ اپنی امت کے لیے پانی مانگیں کہ وہ ہلاک ہوا چاہتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواب میں تشریف لائے اور فرمایا: عمر کو میرا سلام کہو اور اسے بتاؤ کہ تمہیں پانی عطا کیا جائے گا۔[1]

۳: حضرت اوس بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قُحِطَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ قَحْطًا شَدِيدًا، فَشَكَوْا إِلَى عَائِشَةَ فَقَالَتْ: انْظُرُوا قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاجْعَلُوا مِنْهُ كُوًى إِلَى السَّمَاءِ حَتّٰى لَا يَكُونَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ السَّمَاءِ سَقْفٌ قَالَ: فَفَعَلُوا، فَمُطِرْنَا مَطَرًا

---

[1] المصنف لابن ابی شیبہ، کتاب الفضائل، ما ذکر فی فضل عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، جلد:۶، صفحہ:۳۵۶، رقم الحدیث:۳۲۰۰۲/ البدایہ والنہایہ لابن کثیر، ثم دخلت سنۃ ثمانیۃ عشر، جلد:۷، صفحہ:۹۱، مطبوعہ دارالفکر بیروت/ مسند الفاروق لابن کثیر، کتاب الصلوۃ، جلد اول، صفحہ:۲۲۳، مطبوعہ دارالوفا/ فتح الباری شرح صحیح بخاری، جلد:۲، صفحہ:۴۹۵، تحت حدیث:۱۰۰۶، مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت/ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: رَوَى ابْنُ اَبِي شَيْبَةَ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ امام ابن ابی شیبہ نے اس حدیث کو صحیح سند کے ساتھ بیان کیا (فتح الباری شرح صحیح بخاری، جلد:۲، صفحہ:۴۹۵)

حَتّٰى نَبَتَ الْعُشْبُ وَسَمِنَتِ الْإِبِلُ، حَتّٰى تَفَتَّقَتْ مِنَ الشَّحْمِ ، فَسُمِّيَ عَامَ الْفَتْقِ

مدینہ شریف کے لوگ سخت قحط میں مبتلا ہو گئے تو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شکایت کی۔ آپ نے فرمایا: روضہ انور کی چھت کھول دو کہ قبر انور اور آسمان کے درمیان چھت حائل نہ رہے۔ راوی کہتے ہیں لوگوں نے ایسا ہی کیا، پس بہت زیادہ بارش ہوئی حتی کہ خوب سبزہ اگا اور اونٹ اتنے موٹے ہو گئے کہ (محسوس ہوتا تھا) جیسے وہ چربی سے پھٹ پڑیں گے لہٰذا اس سال کا نام ہی عام الفتق (سبزہ و کشادگی کا سال) رکھ دیا گیا[1]

۴: حضرت سعید بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَمَّا كَانَ أَيَّامَ الْحَرَّةِ لَمْ يُؤَذَّنْ فِي مَسْجِدِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثَلَاثًا وَلَمْ يُقَمْ، وَلَمْ يَبْرَحْ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ مِنَ الْمَسْجِدِ، وَكَانَ لَا يَعْرِفُ وَقْتَ الصَّلَاةِ إِلَّا بِهَمْهَمَةٍ يَسْمَعُهَا مِنْ قَبْرِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جب حرہ کے دن آئے تو مسجد نبوی میں تین دن تک اذان نہیں دی گئی اور نہ ہی اقامت کہی گئی۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ مسجد شریف میں ہی ٹھہرے رہے، انہیں نماز کے وقت کا علم اس آواز سے ہوتا تھا جو انہیں روضہ انور سے آتی تھی۔[2]

---

[1] سنن دارمی، باب ما اکرم اللہ تعالی نبیہ بعد موتہ، جلد اول، صفحہ: ۲۲۷، رقم الحدیث: ۹۳/ سنن دارمی کے محقق حسین سلیم اسد نے اس حدیث کے بارے میں کہا کہ اس کے رجال ثقہ ہیں۔

[2] سنن دارمی، باب ما اکرم اللہ تعالی نبیہ بعد موتہ، صفحہ: ۲۲۸، رقم الحدیث: ۹۴/ حسین سلیم اسد نے کہا: اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں لیکن اس حادثہ کے وقت سعید بن عبد العزیز بہت چھوٹے تھے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ

سوال حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب کبھی قحط پڑتا تو حضرت فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے دعا کرتے تھے اور فرماتے:

اللّٰھُمَّ إِنَّا کُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَیْكَ بِنَبِیِّنَا فَتَسْقِینَا، وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَیْكَ بِعَمِّ نَبِیِّنَا فَاسْقِنَا

اے اللہ! ہم تیری طرف اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ پیش کرتے تھے تو تُو ہمیں سیراب کر دیتا تھا اور اب ہم تیری طرف اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کا وسیلہ پیش کرتے ہیں، ہمیں سیراب فرما۔[1]

اگر بعد از وصال نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ جائز تھا تو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ کیوں پیش کرتے تھے؟

جواب اس کے دو جواب ہیں: ایک یہ کہ حدیث کے کس لفظ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بعد از وصال توسل ناجائز ہے؟ حدیث کا معنی یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ بھی جائز ہے اور جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت ہو جائے، اس کا وسیلہ بھی جائز ہے ورنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے افضل حضرات بھی موجود تھے۔ جناب مولا مرتضی رضی اللہ عنہ موجود تھے اور خود سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی تشریف فرما تھے۔

دوسرا یہ کہ جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس کے

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الاستسقاء، باب سؤال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا، صفحہ: ۲۴۵، رقم الحدیث: ۱۰۱۰

وسیلے سے دعا مانگی۔ اگر وفات یافتہ بزرگوں کا وسیلہ جائز نہیں تو ہمیں بتایا جائے کہ آج ہم کس کے وسیلے سے دعا مانگیں۔

آیت نمبر: ۹۰

بِئۡسَمَا اشۡتَرَوۡا بِهٖۤ اَنۡفُسَهُمۡ اَنۡ يَّكۡفُرُوۡا بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ بَغۡيًا اَنۡ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ‌ۚ فَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ‌ؕ وَلِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ﴿۹۰﴾

بہت بری ہے وہ چیز جس کے لیے انہوں نے اپنی جانوں کو بیچا یہ کہ کفر کرنا اس چیز کے ساتھ جس کو اللہ نے اتارا حسد کی وجہ سے کہ اتارے اللہ تعالیٰ اپنے فضل (وحی) میں سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے تو یہ غضب پر غضب لے کر واپس پلٹے اور کافروں کے لیے ذلیل کر دینے والا عذاب ہے۔

اپنی جان بیچ کر جو چیز انہوں نے خریدی وہ بہت بری چیز ہے۔ اللہ کے اتارے ہوئے سے کفر کرنا بہت بری چیز ہے۔ یہ حسد، جلن اور دل کے کوڑھ کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں کہ ہائے نبوت بنی اسرائیل سے بنی اسماعیل میں چلی گئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے منصب نبوت عطا فرما دیتا ہے۔ تم کون ہوتے ہو اللہ کے کاموں میں دخل دینے والے۔

یہاں یہ مسئلہ پھر نوٹ کر لو کہ لوگ ہمیں کہتے ہیں کہ تم نبی کو خدا مانتے ہو۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معبود نہیں بلکہ اللہ کا عبد مانتے ہیں۔ قرآن صاف

صاف فرما رہا ہے مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے فضل میں سے عطا کر دیتا ہے۔

یہ غضب پر غضب لے کر واپس پلٹے۔ ایک حسد کا غضب اور دوسرا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انکار کا غضب اور کافروں کے لیے ذلیل کر دینے والا عذاب ہے۔

آیت نمبر: ۹۱

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۚ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۱﴾

اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ اس چیز پر ایمان لاؤ جس کو اللہ نے اتارا تو وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائیں گے جو ہم پر اتارا گیا اور اس کے ماسوا کا انکار کرتے ہیں اور وہ حق ہے اس حال میں کہ جو ان کے ساتھ ہے یہ اس کی تصدیق فرمانے والا ہے فرما دیجیے تم اس سے پہلے نبیوں کو قتل کیوں کرتے تھے اگر تم مومن ہو۔

جب ان یہودیوں سے کہا جاتا کہ اللہ کی نازل کی ہوئی چیز پر ایمان لاؤ تو یہ کہہ دیتے تھے کہ ہم تو اس چیز پر ایمان لائیں گے جو بنی اسرائیل پر نازل ہوا تھا۔ ماسوا کے انکار سے مراد یہ کہ یہ قرآن کا انکار کرتے ہیں حالانکہ قرآن حق ہے۔ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی طرف سے گھڑ کر پیش نہیں فرماتے۔

اللہ فرماتا ہے اگر تم مومن ہو تو نبیوں سے کیوں جھگڑتے تھے؟ تم نے جناب زکریا

اور جناب یحییٰ علیہ السلام کو قتل بھی کیا ہے۔ یہاں بھی تَقْتُلُوْنَ فعل مضارع کا صیغہ ہے جبکہ استعمال ماضی کے معنی میں ہوا ہے۔

آیت نمبر: ۹۲

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾

(تمہارے کرتوت تو یہ ہیں) تمہارے پاس موسیٰ علیہ السلام کھلی نشانیاں لے کر تشریف لائے پھران کے بعد تم نے بچھڑے کو (معبود) بنالیا اور تم ظالم ہو۔

آیت نمبر: ۹۳

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۗ وَاُشْرِبُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾

اور یاد کرو جب ہم نے تم سے پکا وعدہ لیا اور ہم نے تمہارے اوپر طور پہاڑ کو اٹھا دیا (اور کہا) جو ہم نے تمہیں دیا ہے اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ و اور سنو۔ انہوں نے کہا ہم نے سنا اور نہ مانا اور ان کے دلوں میں ان کے کفر کی وجہ سے بچھڑے کی محبت پلائی گئی۔ فرما دیجیے کتنی بری ہے وہ چیز جس کا حکم تمہیں تمہارا ایمان دیتا ہے اگر تم مومن ہو۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے پکا وعدہ لیا تھا کہ توراۃ پر عمل کرو۔ انہوں نے کہا آسان باتوں پر عمل کرلیں گے لیکن جو مشکل باتیں ہیں ان پر عمل نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ

نے طور پہاڑ ان کے اوپر کھڑا کر دیا اور فرمایا جو ہم نے تمہیں دیا ہے اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑو اور سنو۔ یہاں سننے سے مراد ماننا اور قبول کرنا ہے۔ سن تو آپ بھی رہے ہو۔ میں کسی کو کہوں پانی کا گلاس لاؤ وہ کہے ٹھیک ہے میں نے سن لیا ہے، مانے نہ تو سننے کا کیا فائدہ؟ یہ بحث سماع موتی کے ضمن میں آئے گی۔ ہمارے مخالفین سماع موتی کے موضوع پر جتنی آیتیں پڑھتے ہیں وہاں سننے کی نفی نہیں ہے بلکہ وہاں اسماع کی نفی ہے۔ اسماع کا معنی قبول کرانا ہے۔ مطلب یہ کہ جس طرح مردے کسی بات کو قبول نہیں کر سکتے اسی طرح یہ کافر بھی حق بات کو نہیں مانیں گے۔

جب اللہ تعالیٰ نے طور پہاڑ ان کے اوپر کھڑا کر کے ان سے کہا جو ہم نے تمہیں دیا ہے اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑو اور مانو تو انہوں نے کہا ہم نے مانا لیکن دل میں کہا نہیں مانا۔ یہ ایسے لوگ تھے کہ ان کے کفر کے سبب ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت پلائی گئی تھی۔ آج بھی دنیا میں کروڑوں لوگ ایسے ملیں گے جو گائے کو اپنا معبود مانتے ہیں۔ ہمارے پڑوس انڈیا میں ہندو گائے کو خدا مانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اگر تم ایمان والے ہو تو تمہارا ایمان تمہیں کتنی بری چیز کا حکم دے رہا ہے کہ تم سچے معبود کو چھوڑ کر بچھڑے کو معبود بنا رہے ہو۔

آیت نمبر: ۹۴

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾

فرما دیجیے اگر اللہ کے ہاں آخرت کا گھر اور لوگوں کے علاوہ خالصتا تمہارے لیے ہے تو بھلا موت کی تمنا تو کرو اگر تم سچے ہو۔

یہودی کہتے تھے کہ جنت میں صرف ہم نے جانا ہے۔ کسی اور نے جنت میں نہیں جانا۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اگر تمہارا یہی دعوی ہے کہ آخرت کا گھر خالصتاً تمہارے ہی لیے ہے تو موت کی تمنا کرو۔ یہاں مباہلہ کا چیلنج دیا جا رہا ہے کہ آؤ ہم بھی دعا کرتے ہیں اور تم بھی دعا کرو کہ جو جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں مر جائے۔

مباہلہ کسے کہتے ہیں؟

ایک مسئلہ ذہن نشین کرلیں کہ آج کل ایک عادت بن گئی ہے کہ ذرا بھی مسئلہ بنا تو فورا مباہلہ کا چیلنج کر دیا۔ چیلنج بھی بڑے عجیب وغریب طریقے سے کیا جاتا ہے۔ مباہلہ کا چیلنج کہ آگ جلاتے ہیں اور اس میں چھلانگ لگاتے ہیں یہ شرعی نہیں ہے۔ آپ کو بھی اگر کوئی مباہلہ کا چیلنج دے تو اس کو کہو تم مینار پاکستان سے چھلانگ لگاؤ، اگر ہڈی پسلی ایک نہ ہوئی تو تم سچے اور اگر ہڈی پسلی ایک ہوگئی تو خس کم جہاں پاک۔ اصل میں مباہلہ دعا کو کہتے ہیں۔ فریقین رو رو کر اللہ کی بارگاہ میں دعا کریں کہ یا اللہ! جو جھوٹا ہے اس پر لعنت فرما۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عیسائیوں کے ساتھ مباہلہ ہونا تھا تو وہاں بھی جھوٹوں پر لعنت ہی ڈالی جانی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: محبوب! ان یہودیوں کو چیلنج کر کہ موت کی تمنا کریں۔

اب اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے:

آیت نمبر: ۹۵

وَ لَنْ یَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ۝۹۵

یہ کبھی بھی ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے (جو انہوں نے کمایا ہے) اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔

آیت نمبر:۹۶

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾

اورتم ان یہودیوں کوسب لوگوں سے اور مشرکوں سے زیادہ حیات پر حریص پاؤ گے،ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ کاش اسے ہزار سال کی عمر مل جائے،اتنی عمر کا مل جانا بھی ان سے عذاب کو دور نہیں کرسکتا اور جو یہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے سب کرتوت دیکھ رہا ہے۔

ہر بندہ چاہتا ہے کہ وہ زندہ رہے۔کوئی نہیں چاہتا کہ وہ مرجائے۔ پریشان اتنا ہو جائے کہ خودکشی کرلے، یہ الگ بات ہے لیکن دل کے اندر زندہ رہنے کی تمنا موجود ہوتی ہے۔ اللہ فرما رہا ہے کہ یہ یہودی سب لوگوں سے زیادہ حیات پر حریص ہیں۔ یہ اپنے زندہ رہنے کی بڑی کوشش کرتے ہیں۔مسلمان جن کے اندر جہاد کا جذبہ موجود ہوتا ہے وہ زندگی کی پرواہ نہیں کرتے کیونکہ ان کو پتہ ہے جیسے ہی آنکھیں بند ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ نے جنت میں اعلیٰ مقام دے دینا ہے۔ یہ یہودی قیامت پر ایمان کا دعوی کرتے تھے جبکہ مشرک قیامت کے دن اور جزاوسزا کو نہیں مانتے لیکن اس کے باوجود یہ مشرکوں سے بھی

زیادہ دنیا کی زندگی کے حریص ہیں۔ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ کاش اسے ہزار سال زندگی مل جائے۔ یہ ہزار سال بھی زندہ رہ لیں، انہوں نے کونسا کوئی نیک کام کرنا ہے۔ انہوں نے اللہ کے محبوبوں کی دشمنی ہی کرنی ہے تو ان کا ہزار سال زندہ رہنا بھی ان سے عذاب کو دور نہیں کرسکتا۔

سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کہتے تھے کہ ایمان لاؤ، اللہ نے مجھ پر قرآن نازل کیا ہے۔ یہ ایک دن کہنے لگے آپ یہ بتائیں کہ آپ پر قرآن کونسا فرشتہ لے کر آتا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: جبریل علیہ السلام۔ کہنے لگے جبریل تو ہمارا دشمن ہے۔ ہم جبریل کی لائی ہوئی بات پر ایمان نہیں لاسکتے۔ اگر میکائیل وحی لاتا تو پھر ہم سوچ سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

آیت نمبر: ۹۷

قُلۡ مَنۡ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبۡرِيۡلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلۡبِكَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ وَهُدًى وَّبُشۡرٰى لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۹۷﴾

فرما دیجیے جو جبریل کا دشمن ہو تو جبریل نے اللہ کے حکم سے آپ کے دل پر قرآن نازل کیا ہے جو کہ اس چیز کی تصدیق فرمانے والا ہے جو ان کے پاس ہے اور ہدایت اور مومنوں کے لیے بشارت ہے۔

جبریل علیہ السلام اپنی طرف سے گھڑ کر قرآن لے کر نہیں آئے بلکہ اللہ کے حکم سے لے کر آئے ہیں اور انہوں نے یہ قرآن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دل پر اتارا ہے۔ میں نے يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَيۡبِ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے غیب کا معنی بیان کیا تھا کہ غیب وہ ہوتا

ہے جو حواس خمسہ آنکھ، ناک، کان وغیرہ سے معلوم نہ ہو سکے۔ یہ قرآن نبی کریم ﷺ کے دل پر نازل ہوا ہے اور دل حواس خمسہ میں سے نہیں ہے۔ تم سرکار ﷺ کے غیب کی باتیں کرتے ہو قرآن کی رو سے بسم اللہ کی باء سے لے کر والناس کی سین تک سارے کا سارا قرآن غیب ہے۔ نبی کریم ﷺ اس غیب کو جانتے ہیں۔ کبھی یہ نہ کہنا کہ نبی کریم ﷺ غیب نہیں جانتے۔ یہ قرآن سارے کا سارا غیب ہے۔

آیت نمبر: ۹۸

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾

جو کوئی اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور جبریل کا اور میکائیل کا دشمن بنے تو بیشک اللہ دشمن ہے کافروں کا۔

تخصیص بعد التعمیم کا قاعدہ

اس آیت میں وَمَلٰٓئِكَتِهٖ کا لفظ بیان ہوا ہے جو کہ عام ہے اور ہر فرشتے کو شامل ہے پھر اس کے بعد حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہما السلام کا الگ سے ذکر ہوا حالانکہ ملائکہ میں وہ بھی شامل تھے۔ اسے **تخصیص بعد التعمیم** (عام کو ذکر کرنے کے بعد خاص کو ذکر کرنا) کہتے ہیں۔ یہ ہمیشہ کسی نہ کسی مقصد اور فائدے کے لیے ہوتا ہے۔ اس کی ایک اور مثال قرآن شریف سے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا اس (شب قدر) میں فرشتے اور حضرت جبریل اترتے ہیں [۱] فرشتوں میں

---

[۱] سورۃ القدر: ۴

حضرت جبریل بھی داخل ہیں لیکن بعد میں الگ سے بھی ان کا ذکر کیا گیا۔ یہاں بھی **تخصیص بعد التعمیم** یعنی عام کو ذکر کرنے کے بعد خاص کو ذکر کیا گیا ہے۔اس کا فائدہ یہ ہے کہ فرشتے تو بہت سارے ہیں لیکن سب فرشتوں میں عظمت والے حضرت جبریل علیہ السلام اور پھر حضرت میکائیل علیہ السلام ہیں۔ تخصیص بعد التعمیم کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے جس کا ذکر بعد میں کیا جائے اس کی فضیلت پہلوں پر ہوتی ہے۔

سوال: تم لوگ نعرے لگاتے ہو اور تمہارے نعروں کی ترتیب یہ ہوتی ہے کہ پہلے نعرہ تکبیر، اللہ اکبر پھر نعرہ رسالت، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر نعرہ تحقیق، حق چار یار اور پھر نعرہ حیدری، یاعلی۔ ان نعروں میں بھی **تخصیص بعد التعمیم** ہے۔نعرہ تحقیق کے جواب میں چاروں صحابہ حضرت صدیق اکبر، حضرت فاروق اعظم، حضرت عثمان غنی اور حضرت مولا مرتضی رضی اللہ عنہم شامل ہیں لیکن پھر اس کے بعد خاص طور پر حضرت علی کا ذکر کرتے ہو تو نعروں کی اس ترتیب کا مطلب یہ ہوا کہ ان چاروں میں حضرت علی سب سے افضل ہیں حالانکہ تمہارا نظریہ اس کے خلاف ہے۔

جواب: یہ درست ہے کہ **تخصیص بعد التعمیم** واقعی کسی نہ کسی فائدے کے لیے ہوتی ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ یہ افضلیت کا ہی فائدہ دے بلکہ کوئی اور فائدہ بھی ہوسکتا ہے۔ہم جو نعرہ تحقیق کے بعد نعرہ حیدری لگاتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سوہنا سوہنا، پیارا پیارا نعرہ، نعرہ تحقیق مومن بھی لگاتا ہے اور منافق بھی بلکہ آج کل تو منافق

بڑے زور سے یہ نعرہ لگاتا ہے۔ پتہ نہیں چلتا کہ یہ نعرہ لگانے والا مومن ہے کہ منافق ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

إِنَّا كُنَّا لَنَعْرِفُ الْمُنَافِقِينَ نَحْنُ مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ بِبُغْضِهِمْ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ

ہم انصار کا گروہ منافقوں کو حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے بغض کی وجہ سے خوب پہچانتے تھے۔[1]

پتہ چلا کہ مومن اور منافق کی پہچان کا تھرمامیٹر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ہم نعرہ تحقیق کے بعد نعرہ حیدری لگاتے ہیں تا کہ پتہ چل جائے کہ منافق کون ہے اور مومن کون ہے۔ اگر تو جناب علی مرتضی رضی اللہ عنہ کا نام سن کر چہرہ خوشی سے کھل جائے تو مومن ہے لیکن اگر چہرہ بگڑ جائے اور منہ بن جائے تو سمجھ جاؤ کہ منافق ہے۔

اللہ کے پیاروں کا دشمن اللہ کا دشمن ہے

اس آیت میں اللہ نے پانچ کا نام لیا اپنا، فرشتوں کا، رسولوں کا، جبریل اور میکائیل کا کہ جو کوئی ان میں سے کسی سے بھی دشمنی کرے تو اللہ کافروں کا دشمن ہے۔ ان میں سے ایک معبود ہے جبکہ باقی سب اللہ کے محبوب ہیں۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو کوئی اللہ کے کسی پیارے کا دشمن بنے تو اللہ دشمن ہے کافروں کا۔ حدیث قدسی میں ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

مَنْ عَادٰى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ

---

[1] جامع ترمذی، کتاب المناقب، باب قول الانصار کنا لنعرف المنافقین ببغضهم علی ابن ابی طالب، صفحہ:۸۴۶، رقم الحدیث:۳۷۱۷/حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء لابی نعیم الاصبھانی، جلد:۶، صفحہ:۲۹۴

جو میرے کسی ولی سے دشمنی کرتا ہے میں اسے جنگ کا چیلنج کرتا ہوں۔[1] جو کسی ولی سے دشمنی کرے، اللہ کی طرف سے اسے جنگ کا چیلنج ہے تو جس گھرانے سے سارے ولیوں کو ولایت ملتی ہے سیدہ طیبہ طاہرہ زاہرہ رضی اللہ عنہا کا گھرانہ تو جو ان کے ساتھ دشمنی کرے اس کا ایمان کس طرح محفوظ رہ سکتا ہے۔ توبہ کرنی چاہیے۔ خبردار! کبھی ایسی جرأت نہ کرنا۔ یہ بہت اونچا گھرانہ ہے۔ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ بھی ہمارے سر کا تاج ہیں اور آپ کا خون بھی ہمارے سر کا تاج ہے۔ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گھرانے کو دوہرا اعزاز حاصل ہے وہ صحابی بھی ہیں اور خون رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی ہیں۔

ایک مولوی صاحب سید محمد ابوبکر غزنوی جو کہ بہاولپور اسلامک یونیورسٹی کے وائس چانسلر بھی رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے والد مولانا سید داؤد غزنوی کی شان میں کتاب لکھی ہے، وہ اپنے دادا یا پردادا مولانا عبدالجبار غزنوی کا ذکر کرتے ہیں۔ ان کی جامعہ اشرفیہ لاہور کے بانی مفتی محمد حسن صاحب جو کہ مولانا اشرف علی تھانوی کے خلیفہ تھے کے ساتھ بڑی گہری دوستی تھی۔ سید محمد ابوبکر غزنوی بیان کرتے ہیں:

مفتی محمد حسن نے ایک بار مولانا عبدالجبار غزنوی کی ولایت کا ایک واقعہ سنایا۔ وہ واقعہ یوں تھا کہ امرتسر میں ایک محلہ تیلیاں تھا، جس میں اہلحدیث حضرات کی اکثریت تھی۔ اس محلے کی مسجد اسی نسبت سے مسجد تیلیاں والی کہلاتی تھی۔ وہاں عبدالعلی نامی ایک

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع، صفحہ ۱۶۱۷، رقم الحدیث: ۶۵۰۲ / صحیح ابن حبان، کتاب البر والاحسان، باب ماجاء فی الطاعات وثوابها، ذکر الاخبار عما یجب علی المرء، جلد: ۲، صفحہ: ۵۸، رقم الحدیث: ۳۴۷

مولوی امامت و خطابت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ وہ مدرسہ غزنویہ میں مولانا عبدالجبار غزنوی سے پڑھا کرتے تھے۔ایک بار مولوی عبدالعلی نے کہا کہ ابوحنیفہ سے تو میں اچھا اور بڑا ہوں کیونکہ انہیں صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں اور مجھے ان سے کہیں زیادہ یاد ہیں۔اس بات کی اطلاع مولانا عبدالجبار غزنوی کو پہنچی۔ وہ بزرگوں کا نہایت ادب و احترام کیا کرتے تھے۔انہوں نے یہ بات سنی تو ان کا چہرہ مبارک غصے سے سرخ ہو گیا۔ انہوں نے حکم دیا کہ اس نالائق (عبدالعلی) کو مدرسے سے نکال دو۔ وہ طالب علم جب مدرسے سے نکالا گیا تو مولانا عبدالجبار غزنوی نے فرمایا: مجھے ایسا لگتا ہے کہ یہ شخص عنقریب مرتد ہوجائے گا۔مفتی محمد حسن راوی ہیں کہ ایک ہفتہ نہ گزرا تھا کہ وہ شخص مرزائی ہو گیا اور لوگوں نے اسے ذلیل کر کے مسجد سے نکال دیا۔اس واقعہ کے بعد کسی نے امام صاحب مولانا عبدالجبار غزنوی سے سوال کیا: حضرت آپ کو یہ کیسے علم ہو گیا تھا کہ وہ عنقریب کافر ہوجائے گا۔فرمانے لگے کہ جس وقت مجھے اس کی گستاخی کی اطلاع ملی، اسی وقت بخاری شریف کی یہ حدیث میرے سامنے آ گئی کہ: مَنْ عَادٰی لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ جس شخص نے میرے کسی دوست سے دشمنی کی تو میں اس کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہوں (حدیث قدسی)۔ میری نظر میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ولی اللہ تھے۔ جب اللہ کی طرف سے اعلان جنگ ہو گیا تو جنگ میں ہر فریق دوسرے کی اعلیٰ چیز کو چھینتا ہے۔اللہ کی نظر میں ایمان سے اعلیٰ کوئی چیز نہیں۔اس لیے اس شخص کے پاس ایمان کیسے رہ سکتا تھا۔[1]

---

[1] داؤد غزنوی، ترتیب وتحریر: سید ابوبکر غزنوی، صفحہ: ۱۹۱، ۱۹۲

آیت نمبر:۹۹

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾

اور بیشک ہم نے آپ کی طرف روشن آیتیں اتاری ہیں اوران کے منکر نہیں ہوں گے مگر فاسق لوگ۔

یہودی قرآن مجید کی آیتوں کا انکار کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ انہیں فاسق اور گمراہ کہہ رہا ہے۔

آیت نمبر:۱۰۰

اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُھُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

اور کیا جب بھی یہ کوئی معاہدہ کرتے ہیں تو ان (یہودیوں) کا ایک گروہ اس معاہدے کو دور پھینک دیتا ہے بلکہ ان میں سے اکثر تو اندر سے مانتے تک نہیں۔

ان کا حال یہ ہے کہ خود معاہدہ کرتے ہیں پھر خود ہی اس کو دور پھینک دیتے ہیں بلکہ دل سے مانتے تک نہیں۔ چند لوگ ہیں جو کہ دل سے مانتے ہیں۔

آیت نمبر:۱۰۱

وَلَمَّا جَاۗءَھُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَھُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِھِمْ كَاَنَّھُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

اور جب وہ شان والا رسول، اللہ کی طرف سے ان کے پاس تشریف لے آیا جو کہ ان کی کتابوں کی تصدیق فرماتا ہے تو جن کو کتاب دی گئی تھی ان کا ایک گروہ، اللہ کی کتاب کو پیٹھ کے پیچھے پھینک دیتا ہے گویا کہ یہ جانتے ہی نہیں۔

یہودی اللہ کی کتاب کو پیٹھ کے پیچھے پھینک دیتے تھے۔ یہاں سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ ادب کا تقاضہ یہ ہے کہ قرآن حکیم کی طرف پشت نہیں کرنی چاہیے۔قرآن سامنے رکھنے والی چیز ہے، پیٹھ پیچھے رکھنے والی چیز نہیں۔ بحمد اللہ یہ ادب پاکستان، ہندوستان، ترکی، ملائیشیا اور انڈونیشیا کے مسلمانوں میں پایا جاتا ہے۔آپ حرمین شریفین چلے جائیں وہاں آپ کو یہ ادب نہیں ملے گا۔وہاں تو لوگ قرآن شریف کو سرہانہ بنا کر سوجاتے ہیں اور ٹانگیں بھی ادھر کر کے سوجاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے یہ ادب ان خطوں کو دیا ہے۔

آیت نمبر: ۱۰۲

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّیٰطِیْنُ عَلٰی مُلْكِ سُلَیْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَیْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّیٰطِیْنَ كَفَرُوْا یُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَی الْمَلَكَیْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ وَمَا یُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰی یَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ فَیَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا یُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَیْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ وَمَا هُمْ بِضَآرِّیْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَیَتَعَلَّمُوْنَ مَا یَضُرُّهُمْ وَلَا یَنْفَعُهُمْ ؕ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

یہودی اس چیز کے پیروکار بنے جس کو شیاطین سلیمان علیہ السلام کی سلطنت میں پڑھتے تھے اور سلیمان نے کفر نہ کیا لیکن شیطانوں نے کفر کیا تھا جو کہ لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے اور وہ جو دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر بابل شہر میں اتارا گیا اور یہ کسی کو بھی اس وقت تک نہیں سکھاتے تھے جب تک کہہ نہ لیں کہ بیشک ہم آزمائش ہیں، کفر نہ کرو۔ لوگ ان سے وہ چیز سیکھتے تھے جو مرد اور بیوی کے درمیان جدائی ڈالے اور اس (جادو) سے وہ اللہ کے حکم کے بغیر کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے اور وہ ایسی چیز سیکھتے ہیں جو انہیں نقصان دے گی، نفع نہ دے گی اور بیشک ضرور انہیں معلوم ہے کہ جس نے بھی اس کو خریدا، آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے اور بڑی بری چیز ہے جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانیں بیچیں، کسی طرح انہیں علم ہوتا۔

یہودیوں کا جناب سلیمان علیہ السلام کے متعلق نظریہ

یہودی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ کیسا نبی ہے کہ ایک جادوگر کو نبی بنائے بیٹھا ہے۔ قرآن اللہ کی کتاب نہیں ہے کیونکہ سلیمان جادوگر تھا۔ جادو کے زور پر اس نے حکومت سنبھالی ہوئی تھی، نبی نہیں تھا لیکن قرآن اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو نبیوں کی فہرست میں شمار کرتے ہیں۔

کتاب مقدس بائبل میں ہے:

اور خداوند سلیمان سے ناراض ہوا کیونکہ اس کا دل خداوند اسرائیل کے خدا سے پھر گیا تھا جس نے اسے دو بار دکھائی دے کر اس بات کا حکم کیا تھا کہ وہ غیر معبودوں کی پیروی نہ کرے پر اس نے وہ بات نہ مانی جس کا حکم خداوند نے دیا تھا۔ اس سبب سے

خداوند نے سلیمان کو کہا چونکہ تجھ سے یہ فعل سرزد ہوا اور تو نے میرے عہد اور میرے آئین کو جن کا میں نے تجھے حکم دیا نہیں مانا اس لیے میں سلطنت کو ضرور تجھ سے چھین کر تیرے خادم کو دوں گا۔ [1]

یہودیوں کا دعوی یہ تھا کہ سلیمان علیہ السلام جادوگر تھے اور آج بھی جو بائبل موجود ہے اس میں سلیمان علیہ السلام کو مرتد اور دین سے پھرنے والا کہا گیا۔ یہودیوں، عیسائیوں، لبرلز اور ملحدین کا یہ اعتراض دور ہو گیا کہ قرآن توراۃ، زبور اور انجیل کا چربہ ہے۔ خود تو نبی کو آتا جاتا کچھ نہیں تھا۔ بس وہی پرانی کتابوں سے مواد چوری کر کے قرآن کے نام سے پیش کر دیتے تھے کیونکہ اگر یہ قرآن پرانی کتابوں کا چربہ ہوتا تو پہلی کتابوں کی نقالی کرتا اور کہتا کہ سلیمان جادوگر اور مرتد تھا لیکن قرآن نے یہ نہیں کہا بلکہ قرآن نے ان کی تردید کی۔

وَ اتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ اور ان یہودیوں نے اسی چیز کی اتباع کی جس کو شیاطین حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد حکومت میں پڑھا کرتے تھے۔ کبھی کبھی عَلٰى ، فِیْ کے معنی میں بھی آتا ہے۔

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تو جادو نہیں کیا تھا بلکہ انہوں نے شیاطین کے جادو کو ختم کرنے کے لیے پوری محنت فرمائی تھی۔

وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ لیکن یہ شیاطین تھے جو کہ جادو کرتے تھے۔ وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔

---

[1] سلاطین اول 11: 9-13

وَمَآ اُنۡزِلَ عَلَی الۡمَلَكَیۡنِ بِبَابِلَ هَارُوۡتَ وَمَارُوۡتَ چونکہ اس وقت جادو بہت عام ہو چکا تھا تو اللہ تعالیٰ نے شہر بابل میں دو فرشتے ہاروت اور ماروت اتارے۔

اصل ماجرا یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں جادوگر جادو کرتے تھے۔ جن اور انسان ملے جلے رہتے تھے۔ جن کبھی اوپر جا کر آدھی، پوری بات سن لیتے اور لوگوں کو بتا دیتے اور جادو بھی سکھاتے تھے۔ جناب سلیمان علیہ السلام نے ان سب کی جادو کی کتابوں کو پکڑا اور اپنے تخت کے نیچے دفن کر دیا۔ جب آپ کا انتقال ہوا تو شیطان بھیس بدل کر آیا اور جنوں اور انسانوں کو کہنے لگا کہ یہ سلیمان بہت بڑا جادوگر تھا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس کے تخت کے نیچے سے کھودو۔ جب کھودا گیا تو وہاں سے جادو کی کتابیں برآمد ہوئیں جو کہ جناب سلیمان علیہ السلام نے لوگوں کو جادو سے بچانے کے لیے دفن کروائیں تھیں۔ شیطان کہنے لگا یہ کتابیں دیکھو۔ ان کتابوں سے پڑھ پڑھ کے، ٹونے کر کر کے سلیمان نے تم پر حکومت کی ہے۔ لوگوں نے ان کتابوں سے جادو کے کلمات یاد کر لیے، جادو سکھانے لگے اور مال کمانے لگے۔ جس کو بھی وہ جادو سکھاتے وہ جادو کو بڑا مقدس سمجھتا تھا۔ ہم لوگ کہتے ہیں یا اللہ! مدد فرما اور ہم پر کرم کر دے اور اللہ کے نام کا تعویذ لکھ کر دیتے ہیں لیکن وہ لوگ جادو میں شرکیہ کلمات ادا کرتے اور کہتے تھے فلاں جادوگر! تیرے پاس بڑی طاقتیں ہیں، ہماری مدد کر۔

مومن اور کافر میں فرق

مومن اور کافر میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ مومن کسی بندے میں جتنی بھی طاقت مانتا ہے وہ اس کی ذاتی طاقت نہیں مانتا بلکہ اللہ کی دی ہوئی طاقت سمجھتا ہے جبکہ کافر ان چیزوں

کو بالذات مؤثر سمجھتا ہے۔ درس نظامی میں ایک علم، علم معانی پڑھایا جاتا ہے۔ اس میں حقیقت اور مجاز کی بحث سمجھانے کے لیے پڑھایا جاتا ہے کہ فعل کی نسبت اگر اصل فاعل کی طرف ہو تو یہ حقیقت ہے اور اگر کسی سبب کی طرف ہو تو مجاز ہے۔ پھر ایک مثال دی جاتی ہے: اَنْبَتَ الرَّبِیْعُ الْبَقْلَ موسم بہار نے سبزی کو اگایا۔ اگر مومن یہ جملہ کہے تو یہ مجاز ہو گا کیونکہ مومن کا عقیدہ یہ ہے کہ اصل میں پیدا کرنے والا اللہ ہے۔ موسم، پانی وغیرہ اسباب ہیں لیکن اگر یہی جملہ کوئی کافر کہے تو حقیقت ہے کیونکہ کافر اگانے کی نسبت موسم کی طرف کر رہا ہے اور وہ موسم کو مؤثر حقیقی سمجھتا ہے۔ اسی طرح جادوگر جو جادو کرتے ہیں وہ غیر اللہ بتوں وغیرہ کو مؤثر حقیقی مانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کی تردید کر رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا بلکہ شیطانوں نے کفر کیا تھا۔ شیطان انسانوں اور جنوں دونوں میں ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ

اور ایسے ہی ہم نے ہر نبی کے دشمن بنائے ہیں انسانوں اور جنوں میں کے شیطان [1]

شیطان لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جادو نہیں سکھاتے تھے بلکہ آپ تو لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچاتے تھے۔ ہاروت اور ماروت دو فرشتے بھی لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔

---

[1] سورۃ الانعام: ۱۱۲

معجزہ اور جادو میں فرق

ایک ہوتا ہے جادو اور ایک ہوتا ہے معجزہ۔ معجزے کے ذریعے اللہ تعالیٰ عقل کو حیران کر دینے والی چیزیں ظاہر فرماتا ہے۔ عقل حیران ہو جاتی ہے کہ یہ کیسے ہو گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بیٹھے یہاں ہیں لیکن ہاتھ سے اشارہ کیا تو چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔[1] درخت کی طرف اشارہ کیا تو وہ چلتا ہوا آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا[2]۔ کھجور کے درخت کی طرف اشارہ کیا تو کھجوروں کا خوشہ انسانوں کی طرح چلتا چلتا آپ کے حضور پیش ہو گیا[3]۔ اسی طرح جادو بھی عقل کو حیران کر دینے والی چیزوں کا نام ہے۔ جادو اور معجزے کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیا جاتا تھا۔ فرق اتنا تھا کہ جادو کے اندر شرکیہ کلمات ہوتے تھے

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب سؤال المشرکین ان یریھم النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آیۃ، فاراھم انشقاق القمر، صفحہ: ۸۹۴، رقم الحدیث: ۳۶۳۶ / صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین واحکامھم، باب انشقاق القمر، صفحہ: ۱۲۲۰، رقم الحدیث: ۷۰۷۱

[2] سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے کہ اچانک ایک اعرابی آیا، اسے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایمان کی دعوت دی تو اس نے کہا آپ کے رسول ہونے پر کیا دلیل ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: یہ درخت جو نظر آ رہا ہے اگر یہ آ کر گواہی دے تو ایمان لائے گا؟ اس نے کہا: کیوں نہیں؟ تو باعث ایجاد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس درخت کو بلایا تو سب نے دیکھا کہ وہ درخت زمین کو چیرتا ہوا حاضر ہو گیا۔ آپ نے اس سے تین بار گواہی طلب کی۔ اس نے تینوں بار باآواز گواہی دی پھر وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اجازت سے واپس اپنی جگہ گیا۔

(مشکوۃ المصابیح، کتاب الفضائل والشمائل، باب فی المعجزات، جلد: ۴، صفحہ: ۱۴۴۱، رقم الحدیث: ۵۹۲۵ / سنن دارمی، باب ما اکرم اللہ تعالی بہ نبیہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، صفحہ: ۱۶۶، ۱۶۷، رقم الحدیث: ۱۶) البانی صاحب کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔

[3] سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک اعرابی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی مجھے کیسے معلوم ہو گا کہ آپ اللہ کے نبی ہیں۔ فرمایا اگر میں کھجور کے اس درخت کے خوشہ کو بلاؤں تو تو اس بات کی گواہی دے گا کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ پس آپ نے اس خوشہ کو بلایا تو اس نے درخت سے اترنا شروع کیا یہاں تک کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے آ گرا پھر آپ نے فرمایا واپس جا تو وہ واپس لوٹ گیا۔ یہ دیکھ کر اعرابی مسلمان ہو گیا۔ (ترمذی شریف، ابواب المناقب، باب فی حنین الجذع، صفحہ: ۸۲۷، رقم الحدیث: ۳۶۲۸) امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن، غریب، صحیح ہے جبکہ البانی صاحب کہتے ہیں کہ اس حدیث کے الفاظ کہ وہ اعرابی مسلمان ہو گیا کے علاوہ یہ حدیث صحیح ہے۔

جبکہ معجزے کے اندر اللہ کی قوت جلوہ فرما ہوتی تھی۔اس فرق کو دکھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے عراق کے ایک شہر بابل میں دو فرشتے نازل فرمائے۔لوگ ان سے جادو سیکھنے جاتے تو وہ پہلے سمجھاتے تھے کہ ہم تو نری آزمائش ہیں۔کافر نہ بنو، جادو نہ سیکھو۔تم اپنے ایمان کا بیڑا غرق کر بیٹھو گے۔دنیا چند دن کی ہے جبکہ آخرت کی زندگی ہمیشہ کی زندگی ہے۔اگر کبھی جادو کا توڑ کرنا پڑ جائے تو اس کے لیے مقدس الفاظ استعمال کرنا، یہ پلید الفاظ استعمال نہ کرنا۔وہ صرف یہ سکھاتے تھے۔اکثر لوگ ان سے میاں بیوی کے درمیان تفریق ڈالنے والی چیز سیکھتے تھے کہ ان کے درمیان ناچاقی کس طرح پیدا کی جائے۔یہ بڑی لعنت والی بات ہے۔آج بھی لوگ جادوگروں کے پاس جاتے ہیں۔کوئی بنگالی جادوگر ہے تو کوئی فلانا جادوگر ہے۔فیس بک پر بھی ان کے اشتہار آتے رہتے ہیں کہ ایک ٹیلیفون پر سارے بگڑے کام سنور جائیں گے اور حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ خود چار پیسے کمانے کے لیے بیٹھا ہوا ہے۔اسے چاہیے کہ پہلے اپنے کام سنوارے۔یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو میاں بیوی کے درمیان صلح کروائے تو وہ اللہ کو بہت پیارا ہے۔ایک بات یہ بھی یاد رکھنے والی ہے کہ اس جادو سے وہ اللہ کے حکم کے بغیر کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔اللہ کے حکم سے ہی فائدہ اور نقصان ہوتا ہے۔یہ چیزیں محض اسباب ہیں۔اگر اللہ چاہے تو نفع دینے والی یا نقصان دینے والی چیز میں سے تاثیر کو ختم کر دے۔اللہ کو کون روک سکتا ہے۔آگ کا کام جلانا اور نقصان دینا ہے لیکن اللہ کا حکم تھا جناب ابراہیم علیہ السلام کے لیے یہی آگ ٹھنڈی ہو گئی۔اللہ تعالیٰ نے اس آگ کا یہ کمال اور خاصہ چھین لیا۔ یہ سب چیزیں اسباب ہیں۔

یہی توحید ہے کہ فاعل حقیقی اللہ کی ذات کو مانو اور ان چیزوں کو اسباب مانو۔

یہ بات ان جادو سیکھنے والوں کو بھی معلوم تھی کہ جو انہوں نے سیکھا ہے اس کا فائدہ نہیں بلکہ نقصان ہے۔ بس چار پیسے کمانے کے لیے انہوں نے ایسا کیا۔

ہاروت و ماروت کا قصہ

اس آیت کی تفسیر میں ایک دیوبندی عالم مولانا محمد ادریس کاندھلوی ہاروت اور ماروت کا قصہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تفسیر ابن جریر اور ابن کثیر اور درمنثور میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور مجاہد اور قتادہ وغیرہم سے منقول ہے کہ جب ادریس علیہ السلام کے زمانہ میں اولاد آدم کے برے اعمال کے دفتر آسمان پر جانے لگے تو فرشتوں نے بنی آدم کے حق میں تحقیر اور طعن آمیز کلمات کہے کہ یہ کیسے بندے ہیں کہ اپنے مالک حقیقی کی نافرمانی کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا: میں نے بنی آدم کے خمیر میں غصہ اور شہوت رکھا ہے اس لیے ان سے گناہ ہوتے ہیں۔ اگر تم میں یہی قوت شہویہ اور قوت غضبیہ رکھ دوں اور زمین پر اتار دوں تو تم بھی ایسے ہی گناہوں میں مبتلا ہوؤ گے۔ فرشتوں نے عرض کیا کہ اے پروردگار! ہم ہرگز تیرے گناہ کے پاس بھی نہ جائیں گے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اچھا تم اپنے میں سے دو شخصوں کو منتخب کرلو۔ فرشتوں نے ہاروت اور ماروت کو جو فرشتوں میں کمال عبادت میں مشہور اور ممتاز تھے منتخب کیا۔ حق تعالیٰ نے قوت شہویہ اور غضبیہ کو ان میں پیدا کر کے حکم دیا کہ زمین پر جاؤ اور لوگوں کے مقدمات کا عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کیا کرو اور شرک اور خون ناحق اور زنا اور شراب سے پرہیز کرنا۔ حسب ارشاد خداوندی دونوں فرشتے

آسمان سے زمین پر اترے۔ صبح سے لے کر شام تک قضا کے کام میں مصروف رہتے اور جب شام ہوتی تو اسم اعظم پڑھ کر آسمان پر چلے جاتے۔ ایک مہینہ اسی حالت میں گزرا۔ یکا یک امتحان خداوندی پیش آیا کہ ایک عورت مسماۃ زہرہ جو کہ حسن و جمال میں شہرہ آفاق تھی اس کا مقدمہ ان کے اجلاس میں پیش ہوا۔ یہ دونوں فرشتے اس عورت کے حسن و جمال کو دیکھتے ہی اس پر فریفتہ ہو گئے اور اس کو پھسلانا شروع کیا۔ اس عورت نے انکار کیا اور کہا کہ جب تک تم بت پرستی اختیار نہ کرو اور میرے خاوند کو قتل نہ کرو اور شراب نہ پیو۔ میں تمہارے پاس نہیں آسکتی۔ آپس میں دونوں نے مشورہ کیا کہ شرک اور قتل ناحق تو بہت بڑے گناہ ہیں اور شراب پینا اس درجہ کی معصیت نہیں اس لیے اس کو اختیار کر لینا چاہیے۔ غرض یہ کہ اس عورت نے پہلے ان کو شراب پلائی اور پھر بت کو سجدہ کرایا اور پھر شوہر کو قتل کرایا اور ان سے اسم اعظم سیکھا اور پھر ان کے ساتھ ہمبستر ہوئی۔ بعد ازاں وہ عورت اسم اعظم پڑھ کر آسمان پر چلی گئی اور اس کی روح زہرہ ستارہ کی روح کے ساتھ جا ملی اور اس کی صورت زہرہ کی صورت ہو گئی اور وہ فرشتے اسم اعظم بھول گئے اس لیے آسمان پر نہ جا سکے۔ جب ہوش میں آئے نہایت نادم ہوئے اور ادریس علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا اور استغفار کی درخواست کی اور بارگاہ خداوندی میں شفاعت کے خواستگار ہوئے۔ بارگاہ الٰہی سے یہ حکم آیا کہ عذاب تو تم کو ضرور ہوگا لیکن اس قدر تخفیف کی جاتی ہے کہ تم کو یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ دنیوی اور اخروی عذاب سے جس کو چاہو اختیار کر لو۔ فرشتوں نے دنیاوی عذاب کو سہل اور آسان سمجھا کہ یہاں کا عذاب تو عنقریب منقطع ہو جائے گا اس

لیے اس کو اختیار کر لیا چنانچہ وہ اللہ کے حکم سے بابل کے کنویں میں الٹے لٹکا دیئے گئے اور وہیں ان کو آگ میں عذاب دیا جا رہا ہے پھر جو کوئی ان کے پاس جادو سیکھنے جاتا ہے وہ اول تو اس کو سمجھا دیتے ہیں اور جب اصرار کرتا ہے تو اس کو سکھا دیتے ہیں۔[1]

ادریس کاندھلوی بیان کرتے ہیں کہ بعض علماء نے کثرۃ طرق اور کثرۃ اسانید کی بنا پر اس قصہ کا بالکلیہ انکار مناسب نہیں سمجھا۔ بیس سندوں سے زیادہ اس قصہ کا مروی ہونا اس کی خبر دیتا ہے کہ اس قصہ کی اصل ضرور ہے بالکل بے اصل نہیں۔[2]

ایک وہابی عالم احمد حسن دہلوی نے بھی یہ واقعہ بیان کیا اور لکھا: حافظ ابن حجر نے اس قصہ کی روایتیں ایک رسالہ میں جمع کی ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس قصہ کی روایت درجہ صحت تک پہنچتی ہے اور اس قصہ کی اصل ہے۔[3]

ہمارے بعض علماء جیسا کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ ،[4] ہمارے حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری رحمۃ اللہ علیہ [5] اور امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ کا انکار کیا اور فرمایا یہ نہیں ہو سکتا کیونکہ فرشتوں کا خاصہ ہے: لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ فرشتے اللہ کے حکم کی نافرمانی کر ہی نہیں سکتے[6]۔ فرشتہ ہو، نافرمانی کرے، شراب پیے اور بندہ مار دے یہ کیسے

---

[1] تفسیر معارف القرآن از ادریس کاندھلوی صاحب، جلد اول، صفحہ: ۲۴۹، ۲۵۰

[2] تفسیر معارف القرآن، مولانا ادریس کاندھلوی، جلد اول، صفحہ: ۲۵۲

[3] احسن التفاسیر، جلد اول، صفحہ: ۱۰۹، تحت آیت سورۃ بقرہ: ۱۰۲

[4] التفسیر الکبیر، جلد سوم، صفحہ: ۶۳۱، تحت آیت سورۃ بقرہ: ۱۰۲

[5] تفسیر ضیاء القرآن، جلد اول، صفحہ: ۸۲، تحت آیت سورۃ بقرہ: ۱۰۲

[6] سورۃ تحریم: ۶

ہوسکتا ہے؟ انہوں نے اس قسم کے اعتراضات کیے ہیں۔ ان کو جواب بھی دیا گیا کہ جب تک وہ فرشتے تھے، اتنی دیر تک انہوں نے کچھ نہیں کیا۔ اب اللہ نے ان کو غصہ اور شہوت دیا ہی اس لیے تھا تاکہ ان کا امتحان ہو جائے۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب نور، بشر بن کے آتا ہے تو کھا بھی سکتا ہے، پی بھی سکتا ہے، کچھ اور بھی کر سکتا ہے۔ یہ نہ کہنا کہ جب نور، بشر بن کر آئے تو کچھ ہو نہیں سکتا۔ بعض لوگوں نے اس درایت کی وجہ سے انکار کیا لیکن بعض نے کہا اس کی توجیہ ہو سکتی ہے۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے قصہ ہاروت و ماروت کو بیان کر کے لکھا: یہ قصہ سنن بیہقی، مسند احمد اور دیگر کتب احادیث میں باسناد صحیح مروی ہے۔[1]

وہ حدیث قابلِ قبول ہے جو مخالفِ قرآن نہ ہو

یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کتاب میں بیس سندوں کے ساتھ حدیث آجائے، تمہاری عقل کہے کہ یہ حدیث من گھڑت ہے، ایسا نہیں ہو سکتا تو تم انکار کر دیتے ہو تو پتہ چلا کہ اصل چیز سند نہیں بلکہ اصل چیز قرآن ہے۔ حدیث کو سب سے پہلے قرآن پر پرکھیں گے۔ اگر قرآن اس کی تائید نہ کرے، سندیں خواہ جتنی مرضی ہوں، خواہ بخاری کی کتاب ہو، خواہ مسلم کی کتاب ہو، جس کی تائید قرآن نہ کرے ہم اس کو نہیں مان سکتے۔ یہ اصول ہم اپنی طرف سے بیان نہیں کر رہے بلکہ ہماری اصول فقہ کی کتابوں میں بھی درج ہے۔ ملاحظہ کیجیے۔

۱: اصول فقہ کی مشہور کتاب اصول السرخسی میں ہے:

اِنَّ کُلَّ حَدِیْثٍ هُوَ مُخَالِفٌ لِکِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰی فَهُوَ مَرْدُوْدٌ وَقَالَ

---

[1] تفسیر نعیمی، جلد اول، صفحہ: ۵۲۵، تحت آیت سورۃ بقرہ: ۱۰۲

عَلَيْهِ السَّلَامِ تَكْثُرُ الْأَحَادِيْثُ لَكُمْ بَعْدِي فَإِذَا رُوِيَ لَكُمْ عَنِّي حَدِيْثٌ فَاعْرِضُوْهُ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَمَا وَافَقَهٗ فَاقْبَلُوْهُ وَاعْلَمُوْا أَنَّهٗ مِنِّي وَمَا خَالَفَهٗ فَرُدُّوْهُ وَاعْلَمُوا أَنِّي مِنْهُ بَرِيْءٌ

ہر وہ حدیث جو کتاب اللہ کے مخالف ہو وہ مردود ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد تمہارے پاس بہت سی احادیث پہنچیں گی۔ جب بھی کوئی حدیث تمہارے سامنے آئے تو اسے کتاب اللہ پر پیش کرنا۔ جو کتاب اللہ کے موافق ہو اسے قبول کر لینا۔ یقیناً وہ میری طرف سے ہے اور جو کتاب اللہ کے خلاف ہو اسے رد کر دینا۔ بیشک میں اس سے بری ہوں۔[1]

۲: درس نظامی میں پڑھائی جانے والی کتاب توضیح تلویح میں مذکورہ بالا حدیث بیان کرنے کے بعد لکھا:

فَدَلَّ هٰذَا الْحَدِيْثُ عَلٰى أَنَّ كُلَّ حَدِيْثٍ يُخَالِفُ كِتَابَ اللّٰهِ فَإِنَّهٗ لَيْسَ بِحَدِيْثِ الرَّسُوْلِ عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَإِنَّمَا هُوَ مُفْتَرًى

یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ ہر وہ حدیث جو کتاب اللہ کے خلاف ہے وہ رسول علیہ السلام کا فرمان نہیں ہے بلکہ وہ ایک خودساختہ اور مصنوعی چیز ہے۔[2]

۳: علامہ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اسی مضمون کی ایک حدیث بیان کرتے ہیں:

---

[1] اصول السرخسی، فصل فی بیان وجوہ الانقطاع، نوع ثانی، جلد اول، صفحہ: ۳۶۵

[2] توضیح تلویح، الرکن الثانی فی السنۃ، فصل فی انقطاع الحدیث، جلد دوم، صفحہ: ۱۸

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: ''سَيَأْتِيكُمْ عَنِّي أَحَادِيثُ مُخْتَلِفَةٌ، فَمَا جَاءَكُمْ مُوَافِقًا لِكِتَابِ اللهِ تَعَالَى وَلِسُنَّتِي فَهُوَ مِنِّي وَمَا جَاءَكُمْ مُخَالِفًا لِكِتَابِ اللهِ تَعَالَى وَلِسُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي''

جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عنقریب تمہیں میری طرف سے مختلف احادیث پہنچیں گی۔ جو حدیث کتاب اللہ اور میری سنت کے موافق ہو وہ میری طرف سے ہے اور جو کتاب اللہ اور میری سنت کے مخالف ہو وہ میری طرف سے نہیں۔[1]

آیت نمبر: ۱۰۳

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

اور اگر یہ یہودی ایمان لے آتے اور پرہیزگاری کرتے تو اللہ کے پاس بہتر ثواب ہے کاش یہ جانتے۔

آیت نمبر: ۱۰۴

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾

---

[1] الکفایۃ فی علم الروایۃ، باب فی وجوب اطراح المنکر والمستحیل من الاحادیث، صفحہ: ۴۳۰

اے ایمان والو! راعنا نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ ہم پر نظر رحمت کیجیے اور پہلے ہی دھیان سے سنو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

بارگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب

یہودی شرارتیں کرتے رہتے تھے۔ ہر وقت تاک میں رہتے تھے کہ کب موقع ملے اور مسلمانوں کو چٹکی بھری جائے۔ میں سبق پڑھا رہا ہوں اور آپ پڑھ رہے ہو۔ آپ میں سے کئی لوگ ایسے ہیں میں جونہی کوئی آیت زبان پر لاتا ہوں تو وہ فوراً سمجھ جاتے ہیں کہ میں نے کیا کہنا ہے۔ آپ میں سے کئی لوگ ایسے ہیں جن کو ایسے تو پتہ نہیں چلتا لیکن جوں جوں میں کہتا جاتا ہوں توں توں وہ بات سمجھتے جاتے ہیں۔ کچھ ایسے بھی ہیں جن کو ابھی میری پوری بات سمجھ نہیں آ رہی۔ ان کو سمجھنے کے لیے دوبارہ سننا پڑے گا کیونکہ مختلف قسم کے اذہان ہوتے ہیں اور کئی حضرات ایسے بھی ہوتے ہیں میں کہتا کچھ ہوں، وہ سمجھتے کچھ ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کوئی مسئلہ بیان فرماتے تو کچھ صحابہ کرام ایسے تھے جن کو بات پوری سمجھ نہ آتی تو وہ عرض کرتے رَاعِنَا یَارَسُوْلَ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ آقا! یہ بات دوہرا دیجیے، ہماری رعایت فرمائیے۔ یہودیوں نے یہ لفظ صحابہ کرام کی زبان سے سنا تو ان کو شرارت کا موقع مل گیا کیونکہ رَاعِنَا ان کی زبان میں ایک قسم کی گالی تھی۔ کئی یہودی رَاعِنَا کی عین کے زیر کو زور دے کر رَاعِیْنَا کہنا شروع ہو گئے۔ رَاعِنَا لفظ بالکل ٹھیک ہے لیکن دشمن اس سے فائدہ اٹھا رہے تھے۔ کچھ اس لفظ کو گالی دینے کے لیے استعمال کر رہے تھے اور کچھ رَاعِیْنَا (ہمارا چرواہا) کہہ رہے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ مسلمانوں کو پتہ بھی نہیں چلتا اور ہم برا بھلا بھی کہے جا رہے ہیں۔

میں اکثر ایک بات کہا کرتا ہوں کہ عمران خان کے ادب آداب سکھانے کے لیے قانون اس کی پارلیمنٹ بناتی ہے۔ پہلے مسلم لیگ ن کی حکومت تھی اس کے پرائم منسٹر کا پروٹوکول اس کی پارلیمنٹ بناتی تھی۔ پیچھے پیپلز پارٹی کی حکومت رہی ہے ان کے پرائم منسٹر اور پریزیڈنٹ کا پروٹوکول ان کی پارلیمنٹ بناتی تھی لیکن قربان جائیں ہمارے آقا پر کہ آپ کا پروٹوکول کسی پارلیمنٹ نے نہیں بلکہ میرے اللہ نے بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ایمان والو! آج کے بعد رَاعِنَا نہیں کہنا کیونکہ لفظ اگرچہ ٹھیک ہے لیکن اس سچے لفظ کی آڑ میں دشمن توہین کرتا ہے تو اب یہ لفظ بھی تم پر حرام کر دیا گیا ہے۔ یا اللہ! اگر ضرورت پیش آجائے تو پھر کونسا لفظ عرض کریں؟ فرمایا: تم ''اُنْظُرْنَا یَارَسُوْلَ اللّٰہ ﷺ کہ یارسول اللہ ﷺ! ہم پر نظر رحمت کیجیے کہو اور دیکھو یہ کوئی سعید اسعد کا لیکچر تو نہیں کہ کبھی توجہ کی اور کبھی توجہ ہٹالی۔ یہ میرے محبوب کی بارگاہ ہے۔ پہلے ہی دھیان سے سنو کہ تمہیں یہ لفظ کہنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔ جو کوئی ایسا لفظ بولے جس کی وجہ سے دشمن ہمارے حبیب ﷺ کی شان میں گستاخی کرے تو ایسا لفظ بولنا ایمان نہیں بلکہ کفر ہے اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

تقویۃ الایمان کی متنازعہ عبارات

سو سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے۔ برصغیر میں فرقہ واریت کی لعنت پھیلتی جا رہی ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے بارگاہ رسالت میں ایسے لفظ بیان کیے جن کا معنی ٹھیک نہیں۔ یہ تو وہ بارگاہ ہے جہاں ایسا لفظ بولنا بھی حرام ہے جس کا معنی ٹھیک ہو لیکن اس کی آڑ میں کوئی دشمن گستاخی کرے تو جس لفظ کا معنی ہی درست نہیں وہ لفظ نبی کریم ﷺ

کی بارگاہ میں استعمال کرنا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟

اسماعیل دہلوی نے ایک کتاب تقویۃ الایمان لکھی۔ یہ کتاب فساد اور فرقہ واریت کی بنیاد بنی۔ اس کی چند متنازعہ عبارات ملاحظہ کیجیے۔

۱: اس کے اندر لکھا ہے: ''جتنے پیغمبر آئے ہیں سو وہ اللہ کی طرف سے یہی حکم لائے ہیں کہ اللہ کو مانے اور اس کے سوا کسی کو نہ مانے'' ۱۔ ایک جگہ لکھا: ''اللہ کے سوا کسی کو نہ مان'' ۲۔ ایک جگہ لکھا: ''اوروں کو ماننا محض خبط ہے'' ۔ ۳

قرآن وسنت کی روشنی میں ملاحظہ کیجیے کہ صرف اللہ کو ہی ماننا ہے؟ یا کسی اور کو بھی ماننا ہے؟

۱: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ

اصل نیکی یہ نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق اور مغرب کی طرف کرو بلکہ اس بندے کی نیکی اصل ہے جو اللہ کو، قیامت کے دن کو، فرشتوں کو، کتاب کو اور سب نبیوں کو مانے۔ ۴

اس آیت کریمہ میں صراحت کے ساتھ بتا دیا گیا کہ صرف اللہ کو ماننا کافی نہیں

---

۱ تقویۃ الایمان، صفحہ: ۲۱، مطبوعہ شمع بک ایجنسی اردو بازار لاہور

۲ تقویۃ الایمان، صفحہ: ۲۴، مطبوعہ شمع بک ایجنسی اردو بازار لاہور

۳ تقویۃ الایمان، صفحہ: ۱۱، مطبوعہ شمع بک ایجنسی اردو بازار لاہور

۴ سورۃ البقرہ: ۱۷۷

بلکہ یوم قیامت، ملائکہ اور جملہ انبیاء کرام کو بھی ماننا ضروری ہے۔

۲: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ

یہ رسول اور ایمان والے اپنے رب کی اتاری ہوئی باتوں کو مان گئے۔سب نے اللہ کو مانا اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو مانا۔ ۱

۳: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ﴿۱۳۶﴾

اے ایمان والو! اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کی اور ہر اس کتاب پر جو وہ اس سے پہلے نازل کر چکا ہے۔جس نے اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور روز آخرت سے کفر کیا وہ گمراہی میں بھٹک کر بہت دور نکل گیا۔ ۲

۴: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

---

۱ سورۃ البقرہ:۲۸۵ ۲ سورۃ النساء:۱۳۶

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَن يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَن يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ﴿١٥٠﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿١٥١﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٥٢﴾

جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں سے کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم کسی کو مانیں گے اور کسی کو نہ مانیں گے اور کفر و ایمان کے درمیان میں ایک راہ نکالنا چاہتے ہیں وہ سب پکے کافر ہیں اور ایسے کافروں کے لیے ہم نے وہ سزا مہیا کر رکھی ہے جو انہیں ذلیل و خوار کر دینے والی ہو گی بخلاف اس کے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے تمام رسولوں کو مانیں اور ان کے درمیان تفریق نہ کریں ان کو ہم ضرور اجر عطا کریں گے اور اللہ بڑا درگزر فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے[1]

۵: حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: **مَا الْإِيمَانُ؟** ایمان کیا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **الْإِيمَانُ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَبِلِقَائِهِ وَرُسُلِهِ وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ** ایمان یہ ہے کہ تو اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس سے ملاقات کو اور اس کے رسولوں کو اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کو مانے۔[2]

---

[1] سورۃ النساء: ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲

[2] صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب سؤال جبریل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عن الایمان والاسلام والاحسان، صفحہ: ۲۳، رقم الحدیث: ۵۰ / صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الایمان ماھو؟ وبیان خصالہ، صفحہ: ۲۵، رقم الحدیث: ۹

قرآن حکیم کی آیات اور حدیث مبارک اس بات کا اعلان کر رہی ہیں کہ صرف اللہ کو ماننے سے کام نہیں بنے گا بلکہ انبیاء کرام، فرشتوں، آسمانی کتابوں اور یوم آخرت کو بھی ماننا پڑے گا اور جو شخص ان میں سے کسی ایک کو بھی نہ مانے وہ جہنم کا ایندھن بنے گا۔

۲: اسماعیل دہلوی نے ایک جگہ لکھا:

''اور یہ یقین جان لینا چاہیے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے''۔ ۱؎

یعنی چمار کی پھر بھی کچھ نہ کچھ حیثیت ہے لیکن انبیاء و اولیاء۔ استغفر اللہ العظیم۔۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اسی بات کو ایک اور جگہ یوں لکھا:

''اللہ کی شان بہت بڑی ہے کہ سب انبیاء اولیاء اس کے روبرو ذرہ ناچیز سے بھی کم تر ہیں''۔ ۲؎

یعنی ذرہ ناچیز کا تو پھر بھی کوئی نہ کوئی مقام ہے لیکن انبیاء و اولیاء اس ذرہ ناچیز سے بھی گئے گزرے ہیں۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم

قرآن حکیم کی روشنی میں محبوبان خدا کی عزت و عظمت ملاحظہ کیجیے۔

۱: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

۱؎ تقویۃ الایمان، صفحہ: ۱۹، ۲۰، مطبوعہ شمع بک ایجنسی اردو بازار لاہور

۲؎ تقویۃ الایمان، صفحہ: ۴۷، شمع بک ایجنسی اردو بازار لاہور

وَتُعِزُّ مَنۡ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنۡ تَشَآءُ

اور جس کو چاہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہے ذلیل کرتا ہے۔ ١؎

معلوم ہوا کہ ہر مخلوق ذلیل نہیں ہے بلکہ کچھ وہ شخصیات بھی ہیں جو بارگاہ خداوندی میں عزت والے ہیں۔

۲: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِهٖ وَعَزَّرُوۡهُ وَنَصَرُوۡهُ وَاتَّبَعُوا النُّوۡرَ الَّذِىۡۤ اُنۡزِلَ مَعَهٗ ۙ اُولٰۤٮِٕكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۵۷﴾

پس جو لوگ اس پر ایمان لائے اور اس کی عزت اور توقیر کی اور اس کی مدد کی اور جو نور اس کے ساتھ اترا ہوگا اس کی تابعداری کیے ہوں گے وہی لوگ کامیاب ہوں گے۔ ۲؎

غور فرمایئے کہ محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت بارگاہ خداوندی میں کتنی ہے۔ اعلان خداوندی یہی ہے کہ کامیابی اسی کے قدم چومے گی جو محبوب کریم علیہ السلام کی عزت وتوقیر بجالائے گا۔

۳: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيۡرًا ۙ﴿۸﴾ لِّتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَتُعَزِّرُوۡهُ وَتُوَقِّرُوۡهُ

اے رسول! ہم نے تجھ کو گواہ اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے

١؎ سورۃ آل عمران: ۲۶ / ترجمہ تفسیر ثنائی، جلد اول، صفحہ: ۱۹۰ سے لیا گیا ہے

۲؎ سورۃ اعراف: ۱۵۷ / ترجمہ تفسیر ثنائی، جلد اول، صفحہ: ۴۸۶ سے لیا گیا ہے

تا کہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کی عظمت کرو۔[1]

اس آیت کریمہ میں خداوند قدوس نے صاف صاف ہمیں یہی حکم دیا ہے کہ اس کے محبوب کی تعظیم وتوقیر بجالائیں اور ظاہر ہے کہ تعظیم اس کی کی جاتی ہے جو عزت والا ہو۔ ذلیل کی عزت نہیں کی جاتی۔

۴: رسول اللہ ﷺ کو ایک بار رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے بھی (معاذ اللہ) ذلیل کہا تھا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یَقُوْلُوْنَ لَىِٕنْ رَّجَعْنَاۤ اِلَى الْمَدِیْنَةِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّؕ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ۠ ﴿۸﴾

یہی لوگ کہتے تھے اگر ہم شہر میں گئے تو معزز لوگ ان ذلیل لوگوں کو شہر سے نکال دیں گے۔ اصل عزت اللہ کی ہے اور رسول کی اور ایمانداروں کی ہے مگر منافق لوگ جانتے نہیں۔[2]

۵: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہوا:

اسْمُهُ الْمَسِیْحُ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَۙ ﴿۴۵﴾

اس کا نام مسیح بن مریم ہوگا دنیا اور آخرت میں بڑی عزت والا اور مقرب بندوں سے ہوگا۔[3]

---

[1] سورۃ الفتح: ۸،۹ / ترجمہ تفسیر ثنائی، جلد سوم، صفحہ: ۲۶۵ سے لیا گیا ہے

[2] سورۃ المنافقون: ۸ / ترجمہ تفسیر ثنائی جلد سوم، صفحہ: ۳۸۱ سے لیا گیا ہے

[3] سورۃ آل عمران: ۴۵ / ترجمہ تفسیر ثنائی، جلد اول، صفحہ: ۱۹۷، ۱۹۸ سے لیا گیا ہے

۲: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ﴿۶۹﴾

اے مسلمانو! تم ان لوگوں کی طرح نہ بننا جنہوں نے موسیٰ کو ایذا دی تو خدا نے ان کی بے ہودہ گوئی سے اس کو بری کیا اور وہ خدا کے نزدیک بڑی عزت والا تھا۔[۱]

مندرجہ بالا آیات کریمہ سے روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ محبوبان خدا اللہ کی بارگاہ میں عزت والے ہیں اور جو ان کو ذلیل کہے وہ خود ذلیل ہے۔

۳: اسماعیل دہلوی ایک اور جگہ رقمطراز ہے:

''جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں''۔[۲]

ایک مقام پر لکھا:

سارا کاروبار جہاں اللہ ہی کے چاہنے سے ہوتا ہے رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔[۳]

قرآن وسنت کی روشنی میں ملاحظہ کیجیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی چیز کے مختار ہیں یا نہیں اور آپ کے چاہنے سے کچھ ہوتا ہے یا نہیں ہوتا۔

۱: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرضی کے موافق قبلہ تبدیل ہوا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

۱۔ سورۃ الاحزاب: ۶۹ / ترجمہ تفسیر ثنائی، جلد سوم، صفحہ: ۱۷ سے لیا گیا ہے

۲۔ تقویۃ الایمان، صفحہ: ۵۵، مطبوعہ شمع بک ایجنسی اردو بازار لاہور

۳۔ تقویۃ الایمان، صفحہ: ۷۷، مطبوعہ شمع بک ایجنسی اردو بازار لاہور

قَدۡ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجۡهِكَ فِی السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبۡلَةً تَرۡضٰىهَا ۪

ہم آپ کا بار بار آسمان کی طرف منہ کرنا دیکھ رہے ہیں تو ہم ضرور پھیر دیں گے آپ کو اس قبلہ کی طرف جسے آپ پسند کرتے ہیں۔[1]

۲: اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے وعدہ فرمالیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کی امت کے بارے میں رنجیدہ نہیں کرے گا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَسَوۡفَ یُعۡطِیۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰی ؕ۵

اور بیشک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔[2]

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے قرآن کریم میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کی تلاوت فرمائی: رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضۡلَلۡنَ كَثِیۡرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنۡ تَبِعَنِیۡ فَاِنَّهٗ مِنِّیۡ ۚ وَمَنۡ عَصَانِیۡ فَاِنَّكَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۳۶ اے میرے رب! ان بتوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے جو شخص میرا پیروکار ہو گا وہ میرے راستے پر ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو تو اس کو بخشنے والا مہربان ہے[3] اور وہ آیت پڑھی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول ہے: اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ ۚ وَاِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَكِیۡمُ ۱۱۸ اے

---

۱ سورۃ البقرۃ: ۱۴۴ ۲ سورۃ الضحیٰ: ۵ ۳ سورۃ ابراھیم: ۳۶

اللہ! اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو تو غالب حکمت والا ہے [1]۔ پھر نبی کریم ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی اور عرض کی: میری امت کو بخش دے، میری امت کو بخش دے۔ پھر نبی کریم ﷺ پر گریہ طاری ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبریل! میرے حبیب ﷺ کے پاس جاؤ اور ان سے معلوم کرو (حالانکہ اللہ تعالیٰ کو خوب علم ہے) کہ ان پر اس قدر گریہ کیوں طاری ہے۔ حضور ﷺ کی خدمت میں حضرت جبریل حاضر ہوئے اور حضور ﷺ سے معلوم کر کے اللہ تعالیٰ کو خبر دی (حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے) اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام سے کہا: اے جبریل! میرے حبیب ﷺ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ آپ کی امت کی بخشش کے معاملہ میں ہم آپ کو راضی کر دیں گے اور آپ کو رنجیدہ نہیں کریں گے۔ [2]

۳: اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کی چاہت کو پورا کرنے میں بہت جلدی فرماتا ہے۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

وَاللهِ مَا أَرٰی رَبَّكَ إِلَّا يُسَارِعُ لَكَ فِي هَوَاكَ

---

[1] سورۃ المائدہ: ۱۱۸

[2] صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب دعاء النبی ﷺ لامتہ، صفحہ: ۱۱۴، رقم الحدیث: ۴۹۹ / السنن الکبری للنسائی، کتاب التفسیر، سورۃ ابراہیم، قولہ تعالی واحلوا قومھم دار البوار، جلد: ۱۰، صفحہ: ۱۴۰، رقم الحدیث: ۱۱۲۰۵ / صحیح ابن حبان، مناقب الصحابۃ رضی اللہ عنھم اجمعین، باب فضل الامۃ، ذکر وعد اللہ جل وعلا رسولہ ان یرضیہ فی امتہ ولا یسوءہ فیھم، جلد: ۱۶، صفحہ: ۲۱۷، رقم الحدیث: ۷۲۳۵ / شعب الایمان للبیھقی، فصل فی اصحاب الکبائر من اھل القبلۃ، جلد اول، صفحہ: ۴۷۸، ۴۷۹، رقم الحدیث: ۲۹۸

مجھے اللہ کی قسم! یہی دیکھتی ہوں کہ اللہ آپ کی مرضی پوری کرنے میں بڑی جلدی فرماتا ہے۔[1]

۴: حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میری ماں مشرکہ تھی اور میں اپنی ماں کو اسلام کی طرف بلاتا تھا۔ ایک دن میں نے اپنی ماں کو دعوت دی تو میری ماں نے جواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق وہ باتیں کہیں جو مجھے بڑی بری لگیں تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں روتا ہوا حاضر ہوا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! دعا کیجیے کہ اللہ ابوھریرہ کی ماں کو ہدایت عطا فرمائے تو آپ نے دعا فرما دی: اَللّٰھُمَّ اھْدِ اُمَّ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اے اللہ! ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت عطا فرما۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعائے ہدایت سن کر خوش خوش گھر کی طرف چلا۔ دروازے پر پہنچا تو دروازہ بند تھا۔ میری ماں نے میرے قدموں کی آواز سنی تو کہا: ابو ہریرہ! اپنی جگہ پر ٹھہر اور میں پانی گرنے کی آواز سن رہا تھا۔ میری ماں نے غسل کیا، کپڑے پہنے، دروازہ کھولا پھر کہا: ابو ہریرہ! اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ میں یہ سن کر روتا ہوا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان فرمائی۔[2]

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب جواز ھبتھا نوبتھا لضرتھا، جلد اول، صفحہ: ۴۷۳، رقم الحدیث: ۳۶۳۱/ سنن نسائی، کتاب النکاح، ذکر امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی النکاح وازواجہ، صفحہ: ۶۱۷، رقم الحدیث: ۳۲۰۱/ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ احزاب، باب قولہ ترجی من تشاء منھن، صفحہ: ۸۴۱، ۸۴۲، رقم الحدیث: ۴۷۸۸

[2] مشکوۃ شریف، کتاب الفضائل والشمائل، باب فی المعجزات، صفحہ: ۵۳۵، رقم الحدیث: ۵۸۹۵/ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب فضائل ابی ھریرۃ الدوسی رضی اللہ عنہ، صفحہ: ۱۱۶۴، رقم الحدیث: ۶۳۹۶/ مسند احمد بن حنبل، مسند ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ، جلد: ۱۴، صفحہ: ۱۰، رقم الحدیث: ۸۲۵۹/ شرح السنہ للبغوی، کتاب الفضائل، باب علامات النبوہ، جلد: ۱۳، صفحہ: ۳۰۶، ۳۰۷، رقم الحدیث: ۳۷۲۶

اگر نبی کریم ﷺ کسی بھی چیز کے مختار نہیں اور آپ کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا تو آپ کی مرضی کے موافق قبلہ کیوں تبدیل ہوا؟ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیوں فرمایا کہ حبیب ﷺ! آپ کو آپ کا رب اتنا عطا کرے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے؟ اور یہ کہ آپ کو آپ کی امت کے بارے میں رنجیدہ نہیں کیا جائے گا؟ اللہ تعالیٰ کیوں اپنے حبیب ﷺ کی مرضی پوری کرنے میں جلدی فرماتا ہے؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کو اسلام کی نعمت کس طرح مل گئی؟ قرآن وسنت سے معلوم ہو رہا ہے کہ خدا چاہتا ہے رضائے محمد ﷺ۔

۴: اسماعیل دہلوی ایک اور جگہ رقمطراز ہے:

''کوئی شخص کسی سے کہے کہ فلانے کے دل میں کیا ہے یا فلانے کی شادی کب ہو گی یا فلانے درخت میں کتنے پتے ہیں یا آسمان میں کتنے تارے ہیں تو اس کے جواب میں یہ نہ کہے کہ اللہ ورسول ہی جانے کیونکہ غیب کی بات اللہ ہی جانتا ہے رسول کو کیا خبر''[۱]

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اگر یہ کہا جاتا کہ نبی کریم ﷺ کا علم نہ تو خدا جیسا ہے، نہ ہی خدا جتنا ہے تو درست ہوتا کیونکہ خداوند قدوس کا سارا علم ذاتی ہے۔ اسے ایک ذرہ کا بھی عطائی علم نہیں ہے کیونکہ وہ خود بخود ہر چیز کو جانتا ہے۔ کوئی اسے عطا کرنے والا نہیں جبکہ نبی کریم ﷺ کا سارا علم عطائی ہے۔ ایک ذرہ کا بھی ذاتی علم نبی اکرم ﷺ کو نہیں ہے۔ مسئلہ علم غیب پر تفصیلی بحث موقع کی مناسبت سے آتی رہے گی۔ سردست

---

[۱] تقویۃ الایمان، صفحہ: ۷۷، شمع بک ایجنسی اردو بازار لاہور

مندرجہ ذیل آیات کریمہ پر غور کریں۔

۱: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ مَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ﴿۲۴﴾

اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں۔[۱]

دیو بندی عالم علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

یعنی یہ پیغمبر ہر قسم کے غیوب کی خبر دیتا ہے ماضی سے متعلق ہوں یا مستقبل سے۔[۲]

اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غیب کا علم نہیں تو غیب کی خبریں دینے کا کیا مطلب؟

۲: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ[۳]

اور اللہ کو منظور نہیں کہ تمہیں غیب کی خبر بتلا دے ہاں خدا اپنے رسولوں کو اطلاع کے لیے چن لیتا ہے۔[۴]

اس کی تشریح میں وہابی عالم ثناء اللہ امرتسری صاحب لکھتے ہیں:

اللہ کو منظور نہیں کہ تمہیں غیب کی خبر بتلا دے کہ فلاں شخص تم میں منافق ہے اور فلاں شخص ضعیف الایمان ہے۔ ہاں! خدا اپنے رسولوں کو اس اطلاع کے لیے چن لیا کرتا ہے

---

[۱] سورۃ التکویر: ۲۴
[۲] تفسیر عثمانی، صفحہ: ۷۶۴، تحت آیت سورۃ تکویر: ۲۴
[۳] سورۃ آل عمران: ۱۷۹
[۴] ترجمہ مولوی ثناء اللہ امرتسری، صفحہ: ۸۷

سوان کو بتلا دیتا ہے کہ فلاں شخص منافق ہے فلاں تمہارا دشمن ہے۔[1]

۳:    اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ[2]

وہ عالم الغیب ہے وہ خدا اپنے علم غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر انبیاء کرام میں سے جس رسول کو پسند کرتا ہے اطلاع دیتا ہے۔[3]

تقویۃ الایمانی عبارات پر تھانوی صاحب کا تبصرہ

دیوبندی حضرات کے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب تقویۃ الایمان کی عبارات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تقویۃ الایمان میں بعض الفاظ جو سخت واقع ہو گئے تو اس زمانہ کی جہالت کا علاج تھا جس طرح قرآن مجید میں عیسیٰ علیہ السلام کو الہ ماننے والوں کے مقابلہ میں قُلْ فَمَنْ یَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ یُّهْلِكَ الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ فرمایا ہے لیکن مطلب ان الفاظ کا برا نہیں ہے جو غور سے یا سمجھانے سے سمجھ میں آ سکتا ہے لیکن اب جو بعضوں کی عادت ہے کہ ان الفاظ کو بلاضرورت بھی استعمال کرتے ہیں یہ بیشک بے ادبی اور گستاخی ہے۔ اگر متنازعین میں انصاف ہوگا تو ان سطروں سے باہم فیصلہ کر لیں گے جس کا حاصل یہ ہوگا کہ تقویۃ الایمان والوں کو برا بھی نہ کہا جائے اور تقویۃ الایمان کے ان الفاظ کا استعمال بھی نہ کیا جاوے گا"۔[4]

---

[1] تفسیر ثنائی، صفحہ: ۸۷   [2] سورۃ الجن: ۲۵، ۲۶   [3] ترجمہ ثناء اللہ امرتسری، صفحہ: ۶۹۲

[4] امداد الفتاوی، جلد: ۵، صفحہ: ۳۸۴، ۳۸۵

تھانوی صاحب نے اقرار کیا کہ تقویۃ الایمان میں بعض الفاظ سخت ہیں۔سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ الفاظ کس کے متعلق سخت ہیں؟ عوام کے متعلق سخت ہیں یا سید عالم ﷺ کے متعلق سخت ہیں؟ مذکورہ بالا عبارات سے یہ واضح ہے کہ یہ سخت الفاظ سید عالم ﷺ کے متعلق ہیں اور کسی امتی کو یہ حق نہیں دیا جاسکتا کہ وہ سید عالم ﷺ کے متعلق سخت الفاظ کہے۔

صراط مستقیم کی متنازعہ عبارت

صراط مستقیم نامی کتاب میں ہے:

زنا کے وسوسے سے اپنی بیوی کی مجامعت کا خیال بہتر ہے اور شیخ یا انہی جیسے اور بزرگوں کی طرف خواہ جناب رسالت مآب ہی ہوں اپنی ہمت کو لگا دینا اپنے بیل اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے زیادہ برا ہے کیونکہ شیخ کا خیال تعظیم اور بزرگی کے ساتھ انسان کے دل میں چمٹ جاتا ہے اور بیل اور گدھے کے خیال کو نہ تو اس قدر چسپیدگی ہوتی ہے، نہ تعظیم بلکہ حقیر اور ذلیل ہوتا ہے اور غیر کی تعظیم اور بزرگی جو نماز میں ملحوظ ہو وہ شرک کی طرف کھینچ لے جاتی ہے۔[1]

نوٹ یہ کتاب اصل میں سید احمد شہید بریلوی کے ملفوظات ہیں۔شاہ اسماعیل دہلوی بھی اس کے مریدوں میں شامل ہے جو کہ استاذ الکل حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا بھتیجا ہے۔شاہ اسماعیل دہلوی نے اپنے مرشد کے ملفوظات کو جمع کیا اور اس کا نام صراط مستقیم رکھا۔اس کتاب کے (یاد رہے کہ اصل کتاب فارسی میں ہے۔[2] یہ اس کا ترجمہ ہے) صفحہ ۱۵ پر لکھا ہے:

---

[1] صراط مستقیم (اردو)، صفحہ:۱۶۹، ۱۷۰

[2] صراط مستقیم فارسی، باب دوم، فصل سوم، ہدایت ثانیہ، افادہ:۱، صفحہ:۸۶، مطبوعہ المکتبۃ السلفیۃ شیش محل روڈ لاہور

اوراس کتاب کی اثنائے تحریر میں چند اوراق جناب افادت مآب قدوہ فضلائے زمان، زبدہ علمائے دوران مولانا عبدالحی ادام اللہ برکاتہ جو حضرت سید صاحب کی بارگاہِ عالی کے ملازموں کے سلک میں منسلک ہیں کے لکھے ہوئے جن میں چند مضامین ہدایت آگین حضرت سید صاحب کی زبان سے سن کر مولانا نے تحریر کیے تھے ملے پس ان اوراق کو حلوائے بے دود اور غنیمت بے مشقت سمجھ کر اس کتاب کے دوسرے اور تیسرے باب میں بعینہ درج کر دیا۔ ۱؎

سوال اسماعیل دہلوی دیوبندی تھے، اہلحدیث نہ تھے۔

جواب یہ ایسا شخص ہے جس کو دیوبندی بھی اپنا کہتے ہیں اور اہلحدیث بھی۔ صاحب فتاوی ثنائیہ جناب محمد ثناء اللہ صاحب امرتسری وہ ہیں جن کو مشہور وہابی عالم احسان الٰہی ظہیر شیخ الاسلام کہتے تھے۔ ۲؎ انہوں نے فتاوی ثنائیہ میں لکھا:

''سید احمد شہید کی جماعت میں فی الحقیقت اہلحدیث ہی کا غلبہ تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت اسماعیل شہید اعتقاداً وعملاً اہل حدیث تھے اور آپ لشکر کے کمانڈر انچیف یا سپہ سالار تھے''۔ ۳؎

سوال صراط مستقیم اسماعیل دہلوی کی کتاب نہیں ہے۔

۱؎ صراط مستقیم (اردو)، صفحہ: ۱۵

۲؎ فتاوی ثنائیہ، ابتدائیہ، جلد اول، صفحہ: ۱۳، مطبوعہ مکتبہ اصحاب الحدیث اردو بازار لاہور

۳؎ ملاحظہ کیجیے فتاوی ثنائیہ، جلد اول، صفحہ: ۱۰۱، ادارہ ترجمان السنہ لاہور

جواب متعدد اہل حدیث علماء نے صراط مستقیم کو شاہ اسماعیل دہلوی ہی کی تصانیف میں شمار کیا ہے۔

ا: حیات طیبہ از مرزا حیرت دہلوی صفحہ: ۳۶۰

۲: تاریخ اہلحدیث از میر ابراہیم سیالکوٹی صفحہ: ۲۹۲

۳: تراجم علمائے حدیث ہند از ابو یحیٰ امام خان نوشہروی صفحہ: ۹۳

۴: الحیات بعد الممات از فضل حسین بہاری صفحہ: ۱۱۲

۵: مقدمہ صراط مستقیم میں خود اسماعیل دہلوی نے اس کتاب کی ذمہ داری اپنے سر لی ہے

سوال اگرچہ اس کتاب کا کچھ حصہ اسماعیل دہلوی کا ہے لیکن یہ عبارت اسماعیل دہلوی کی نہیں ہے اور نہ ہی ہم اس کے ذمہ دار ہیں

جواب ایک یہ کہ ہم ابتدائی گفتگو میں اس کا جواب دے چکے ہیں۔ دوسرا یہ کہ اگر علماء اہل حدیث اس عبارت کے ذمہ دار نہیں ہیں تو وہابیہ کے استاد الکل جناب محمد اسماعیل سلفی نے اپنے فتاوی سلفیہ کی ابتداء، اپنے فتاوی کا پہلا مسئلہ اسی عبارت کے دفاع میں کیوں بیان کیا؟[1]

نماز میں نبی کریم ﷺ کا خیال

وہابیہ کا یہ کہنا کہ نماز میں نبی کریم ﷺ کا خیال بیل اور گدھے کے خیال سے بھی

---

[1] فتاوی سلفیہ، صفحہ: ۶، ۷، مطبوعہ اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور

براہے سو فیصد غلط ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جب تک نمازی نماز میں نبی کریم ﷺ کو اللہ کا عبد اور محبوب سمجھ کر ان کا خیال نہ کرے گا اس کی نماز نہ ہوگی۔

۱: حضرت سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نبی اکرم ﷺ کے پاس چند جوان لوگ حاضر ہوئے۔ بیس راتیں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر رہے۔ جب واپس جانے لگے تو نبی کریم ﷺ نے ایک نصیحت فرمائی: صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي تم نے نماز ویسی ہی پڑھنی ہے جیسے تم نے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔[1]

مذکورہ بالا حدیث سے پتہ چلا کہ تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام پھیرنے تک یہی سوچنا اور خیال کرنا ہے کہ ہمارے لجپال آقا ﷺ نے اس نماز کو کیسے ادا کیا تھا؟

۲: نبی کریم ﷺ کے ایک صحابی حضرت سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نماز ادا کر رہے تھے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں بلایا۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے اپنے آقا ﷺ کی بات تو سنی لیکن نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر نہ ہوئے لیکن اپنی نماز میں تخفیف کر دی۔ نماز ختم کرنے کے بعد نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ آپ پر سلام ہو۔ نبی کریم ﷺ نے سلام کا جواب دیا اور ارشاد فرمایا: اے ابی! جب میں نے تمہیں بلایا تو تم حاضر کیوں نہ ہوئے؟ انہوں نے عرض کیا: آقا ﷺ! دراصل میں اس وقت نماز پڑھ رہا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا تو نے اللہ کا یہ فرمان نہیں سنا: يَآأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ اے

---

[1] صحیح بخاری، کتاب اخبار الآحاد، باب ماجاء فی اجازۃ خبر الواحد، صفحہ: ۱۷۹۱، رقم الحدیث: ۷۲۴۶

ایمان والو! جب بھی تمہیں اللہ اور رسول بلائیں تو فوراً ان کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤ۔[1] اس پر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔[2]

۳: حضرت ابوسعید بن معلیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے بلایا۔ میں نے جواب نہ دیا (پھر بعد میں حاضر ہو کر) عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نماز پڑھ رہا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا اللہ نے نہیں فرمایا: اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ[3] جب بھی تمہیں اللہ اور رسول بلائیں تو فوراً حاضر ہو جاؤ۔[4]

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اِنَّ إِجَابَةَ الْمُصَلِّي دُعَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُفْسِدُ الصَّلَاةَ هٰكَذَا صَرَّحَ بِهِ جَمَاعَةٌ مِنَ الشَّافِعِيَّةِ وَغَيْرِهِمْ

نمازی نماز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلانے پر چلا جائے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی جیسا کہ شوافع کی ایک جماعت اور ان کے علاوہ علماء نے تصریح فرمائی۔[5]

---

۱ سورۃ الانفال: ۲۴

۲ سنن ترمذی، کتاب ثواب القرآن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب ماجاء فی فضل فاتحۃ الکتاب، صفحہ: ۶۴۲، رقم الحدیث: ۲۸۷۵/ البانی صاحب اس حدیث کو صحیح قرار دیتے ہیں۔

۳ سورۃ الانفال: ۲۴

۴ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب ماجاء فی فاتحۃ الکتاب، صفحہ: ۱۰۹۵، رقم الحدیث: ۴۴۷۴/ مسند احمد بن حنبل، حدیث ابی سعید بن المعلی، جلد: ۲۹، صفحہ: ۳۹۵، رقم الحدیث: ۱۷۸۵۱/ صحیح ابن خزیمہ، کتاب الصلوۃ، باب ذکر ماخص اللہ عزوجل بہ نبیہ، جلد اول، صفحہ: ۴۳۶، رقم الحدیث: ۸۶۲

۵ فتح الباری، جلد: ۸، صفحہ: ۱۵۸، تحت الحدیث: ۴۴۷۴

ایک بہت بڑے حنفی مفسر قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قِيْلَ اِجَابَةُ الرَّسُوْلِ لَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ وَقِيْلَ دُعَائُهٗ اِنْ كَانَ لِاَمْرٍ لَا يَحْتَمِلُ التَّأْخِيْرَ فَلِلْمُصَلِّي اَنْ يَّقْطَعَ الصَّلَاةَ لِاَجْلِهٖ وَالظَّاهِرُ هُوَ الْمَعْنَى الْاَوَّلُ وَاِلَّا فَقَطْعُ الصَّلَاةِ يَجُوْزُ لِكُلِّ اَمْرٍ دِيْنِيٍّ مُهِمٍّ يَفُوْتُ بِالتَّأْخِيْرِ كَالْاَعْمٰى يَقَعُ فِي الْبِيْرِ وَهُوَ يُصَلِّي لَوْ لَمْ يَقْطَعْهَا وَلَمْ يُرْشِدْهُ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

بعض علماء نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلانے پر جواب دینا نماز کو نہیں توڑتا اور بعض نے یہ کہا ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے کام کے لیے بلایا ہو جو تاخیر کا متحمل نہ ہو تو نمازی کو چاہیے کہ وہ اس کے لیے نماز کو توڑ دے لیکن ان دونوں میں سے پہلا قول ہی زیادہ اولی اور بہتر ہے ورنہ ہر ایسے اہم ترین دینی کام کے لیے نماز کو توڑنا جائز ہے، تاخیر کے سبب جس کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو مثلاً کسی اندھے آدمی کے کنویں میں گرنے کا خدشہ ہو اور آدمی پاس نماز پڑھ رہا ہو کہ اگر وہ اپنی نماز نہ توڑے اور اس کی صحیح راہنمائی نہ کرے تو وہ کنویں میں گر پڑے گا۔[1]

۴: یہ بھی سوچنا چاہیے کہ ہمیں نماز کیسی پڑھنی ہے۔ شراب کی حرمت کی طرف جو پہلا حکم جاری ہوا تھا اس میں صراحتاً موجود ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ اے ایمان والو! نماز کے

---

[1] تفسیر مظہری، جلد رابع، صفحہ: ۴۲، تحت آیت سورۃ انفال: ۲۴

قریب بھی نہیں جانا اس حال میں کہ تم نشہ والے ہو یہاں تک کہ تمہیں پتہ چلنے لگ جائے جو تم کہہ رہے ہو۔[1]

یہاں سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ نماز پڑھنے والا جب نماز پڑھے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے۔

۵: ہم نماز میں دعا مانگتے ہیں: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یا اللہ! ہمیں سیدھی راہ چلا۔ ان لوگوں کی راہ پر چلا جن پر تو نے انعام فرمایا[2] یعنی ہمیں نماز میں انعام یافتہ لوگوں کا تصور کر کے ان کے راستے پر چلنے کا حکم ملا ہے۔ جب تک ہم انعام یافتہ لوگوں کا تصور نہیں کریں گے اتنی دیر تک ان کے راستے پر چلنے کی دعا کس طرح مانگ سکتے ہیں؟ یہ بات یاد رکھنا لازم ہے کہ سب سے زیادہ انعام یافتہ شخصیت نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت ہے۔ خود سوچ لیجیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیال گدھے کے خیال سے بدتر ہے یا اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی؟

۶: نماز میں سورۃ فاتحہ کے علاوہ بھی کچھ پڑھا جاتا ہے اور اللہ نے اس پڑھنے کی کوئی قید نہیں لگائی۔ پورے قرآن مجید میں سے جہاں سے آسان لگے پڑھا جا سکتا ہے۔ عام نمازوں کے لیے ایک یا دو یا چند سورتیں قرأت کے لیے یاد کی ہوتی ہیں لیکن سال میں جب رمضان شریف کا مہینہ آتا ہے تو مسلمان نماز تراویح میں پورا قرآن حکیم سنتے ہیں۔ کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی رکعت میں امام نے سورۃ الانبیاء کی آیت وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا

---

[1] سورۃ نساء: ۴۳ [2] سورۃ فاتحہ: ۵، ۶

رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ۱؎ پڑھی ہوگی۔ جب مقتدی کے کانوں میں یہ الفاظ پڑے ہوں گے تو اسے نبی کریم ﷺ کا خیال مبارک آیا تھا یا نہیں؟ اگر آیا تھا تو تعظیم کے ساتھ آیا تھا یا نہیں؟ اگر کوئی کہے کہ مجھے نبی کریم ﷺ کا خیال تعظیم کے ساتھ نہیں آتا تو خود سوچیں کہ نبی کریم ﷺ کا تصور بغیر تعظیم کے کرنے والا کس کھاتے میں جائے گا؟ اور اگر اس نماز میں خیال مصطفیٰ ﷺ تعظیم کے ساتھ آئے اور یقینا ایسا ہی ہوگا تو اسماعیلی حضرات بتائیں کہ کتاب صراط مستقیم کی دینی حیثیت کیا رہ جائے گی؟ نماز پڑھتے ہوئے مقتدی نے کبھی تو امام کی زبان سے سنا ہوگا: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ وَ لٰكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمًا۔ ۲؎ کبھی نہ کبھی یہ آیت مبارکہ بھی سنی ہوگی: يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيۡرًا۔ ۳؎ کبھی نہ کبھی اپنے امام سے یہ آیات بھی سنی ہوں گی: يٰسٓ ۚ﴿۱﴾ وَ الۡقُرۡاٰنِ الۡحَكِيۡمِ ﴿۲﴾ اِنَّكَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿۳﴾ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۴﴾ ۴؎ کبھی نہ کبھی یہ آیت مبارکہ بھی سنی ہوگی: يٰۤاَيُّهَا الۡمُزَّمِّلُ ﴿۱﴾ ۵؎ اور کبھی یہ بھی سنا ہوگا: يٰۤاَيُّهَا الۡمُدَّثِّرُ ﴿۱﴾ ۶؎ اور کبھی یہ بھی سنا ہوگا: اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَكَ صَدۡرَكَ ﴿۱﴾ وَ وَضَعۡنَا عَنۡكَ وِزۡرَكَ ﴿۲﴾ الَّذِىۡۤ اَنۡقَضَ ظَهۡرَكَ ﴿۳﴾ وَ رَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ ﴿۴﴾ ۷؎ اور کبھی یہ بھی سنا ہوگا: وَ الضُّحٰى ﴿۱﴾ وَ الَّيۡلِ اِذَا سَجٰى ﴿۲﴾ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ﴿۳﴾ ۸؎ اور

۱؎ سورۃ الانبیاء: ۱۰۷ ۲؎ سورۃ الاحزاب: ۴۰ ۳؎ سورۃ الاحزاب: ۴۵ ۴؎ سورۃ یسین: ۱، ۲، ۳، ۴

۵؎ سورۃ مزمل: ۱ ۶؎ سورۃ مدثر: ۱ ۷؎ سورۃ الم نشرح: ۱، ۲، ۳، ۴ ۸؎ سورۃ الضحی: ۱، ۲، ۳

کبھی نہ کبھی تو امام نے سورۃ کوثر پڑھی ہوگی تو کیا خیال ہے یہ کہنا کیسا ہے کہ نماز پڑھتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیال آنا گدھے اور بیل کے خیال سے برا ہے؟ کیا یہ قرآن دشمنی نہیں ہے؟

وہابیہ کا ایک دھوکہ

سوال آپ سنی حضرات بھی تو ہیرا پھیری سے کام لیتے ہو۔ ایک ہوتا ہے "خیال آنا" جبکہ ایک ہوتا ہے "خیال لانا"۔ صراط مستقیم میں خیال آنے کو برا نہیں کہا بلکہ خیال کرنے کو برا کہا گیا ہے کیونکہ صاف صاف لفظ موجود ہیں: "شیخ یا انہی جیسے بزرگوں کی طرف خواہ جناب رسالت مآب ہی ہوں اپنی ہمت کو لگا دینا"۔ لغت کی کتابیں اٹھا کر دیکھ لیجیے اس کا معنی خیال آنا نہیں بلکہ خیال کرنا یعنی اللہ کی نماز پڑھتے ہوئے ادب واحترام کے ساتھ کسی اور کا خیال کرنا گدھے کے خیال سے برا ہے جو کہ شرک کی طرف کھینچ کر لے جاتا ہے۔

جواب ہم وہابی حضرات کا دھوکہ یہاں نہیں چلنے دیں گے۔

ا: خود صاحب صراط مستقیم نے خیال کرنا اور خیال ہونا میں کوئی فرق نہیں کیا کیونکہ جہاں سے وہ اپنی دلیل شروع کرتا ہے وہ الفاظ یہ ہیں:

"کیونکہ شیخ کا خیال تعظیم اور بزرگی کے ساتھ انسان کے دل کو چمٹ جاتا ہے"۔

اب دیکھ لیجیے کہ اس نے خیال کرنے یا خیال ہونے میں کوئی فرق ملحوظ نہیں رکھا۔ صرف ایک بات ہی پیش نظر رکھی کہ تعظیم کے ساتھ کسی کا خیال نماز میں شرک کی طرف لے جاتا ہے۔

۲: اب صاف صاف سن لیجیے کہ ہمیں نماز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خیال کرنے کا حکم

دیا جا رہا ہے۔ جب تشہد میں بیٹھتے ہیں تو اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس پر سلام بھیجتے ہیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سلام کا طریقہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَأَحْضِرْ فِي قَلْبِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَخْصَهُ الْكَرِيمَ وَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ وَلْيَصْدُقْ أَمَلُكَ فِي أَنَّهُ يَبْلُغُهُ وَيَرُدُّ عَلَيْكَ مَا هُوَ أَوْفَى مِنْهُ

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود باجود کو دل میں حاضر کرو اور کہو: سَلَامٌ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ اور دل میں سچی آرزو کرو کہ یہ سلام ان کو پہنچے گا اور وہ تم کو اس کا جواب تمہارے سلام کی نسبت کامل تر فرمائیں گے۔[1]

تھانوی صاحب کی نظر میں امام غزالی کا مقام

تھانوی صاحب لکھتے ہیں:

ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف رکھتے ہیں اور ایک کتاب پڑھی جاتی ہے جس کو حضور کمال توجہ سے سن رہے ہیں۔ دریافت فرمایا کہ یہ کونسی کتاب ہے؟ کہا گیا احیاء العلوم حجۃ الاسلام امام غزالی کی ہے۔ فرمایا کہ یہ لقب عطیہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔[2]

---

[1] احیاء علوم الدین، کتاب اسرار الصلاۃ ومہماتھا، الباب الثالث فی الشروط الباطنۃ من اعمال القلب، بیان تفصیل ماینبغی ان یحضر فی القلب، جلد اول، صفحہ:۱۶۹

[2] امداد المشتاق، صفحہ:۹۶، اسلامی کتب خانہ فضل الٰہی مارکیٹ چوک اردو بازار لاہور

تشہد میں سلام بطور انشا ہے

سوال یہ سلام والی بات یہ تو ساری واقعہ معراج کی حکایت ہے، نہ یہاں کوئی سلام پڑھا جاتا ہے، نہ کوئی اور بات عرض کی جاتی ہے۔ جب نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم شب معراج اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: محبوب! ہمارے لیے کیا تحفہ لائے ہو؟ تو نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے عرض کی اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّیِّبَاتُ تو اس کے جواب میں اللہ نے ارشاد فرمایا: اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُهٗ۔ اللہ کریم نے چونکہ کاف ضمیر واحد کے ساتھ سلام کہا تھا تو نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے امت پر شفقت کرتے ہوئے عرض کی کہ رب العالمین! صرف مجھ پر ہی نہیں بلکہ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا، نا ضمیر جمع متکلم میں اپنی غریب امت کو بھی شامل کر لیا اور وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ کہہ کر نیکوں کا ذکر علیحدہ طور پر کر دیا۔ بس یوں سمجھ لیجیے کہ قرآن حکیم میں بھی کئی مکالمات مذکور ہیں مثلاً اللہ فرماتا ہے: یٰۤاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ "اے ابلیس تجھے سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا؟"[1] جب ہم اس کی تلاوت کرتے ہیں تو اس مکالمے کی حکایت کرتے ہیں، نہ کہ ابلیس سے خطاب کرتے ہیں۔ اسی طرح تشہد میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے واقعہ معراج کی حکایت ہے، نہ کہ خود اپنی طرف سے بارگاہ نبوت میں سلام کا نذرانہ۔

جواب شب معراج کے بارے میں بیان کیے جانے والے اس مکالمے کا نہ کوئی ثبوت

[1] سورۃ ص:۷۵

ہے، نہ کوئی سند۔ اگر یہ صرف حکایت ہوتو یہ سلام کسی کو نہ پہنچے لیکن جن پر قرآن نازل ہوا، جن کا کلمہ پڑھ کر ہم مسلمان کہلواتے ہیں ان کا ارشاد گرامی سن لیجیے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

كُنَّا إِذَا كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصَّلَاةِ قُلْنَا: السَّلَامُ عَلَى اللهِ مِنْ عِبَادِهِ، السَّلَامُ عَلَى فُلَانٍ وَفُلَانٍ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَقُولُوا السَّلَامُ عَلَى اللهِ، فَإِنَّ اللهَ هُوَ السَّلَامُ، وَلَكِنْ قُولُوا التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ، فَإِنَّكُمْ إِذَا قُلْتُمْ أَصَابَ كُلَّ عَبْدٍ فِي السَّمَاءِ أَوْ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ

جب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز میں ہوتے تو ہم کہتے تھے السَّلَامُ عَلَى اللهِ مِنْ عِبَادِهِ، السَّلَامُ عَلَى فُلَانٍ وَفُلَانٍ کہ اللہ پر اس کے بندوں کی طرف سے سلام ہو۔ فلاں فلاں پر بھی سلام ہو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ پر سلام نہ کہا کرو کیونکہ وہ تو خود سلام ہے بلکہ کہا کرو: التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ کیونکہ جب تم یہ کہہ چکو گے تو یہ سلام ہر بندے کو پہنچ جائے گا خواہ وہ آسمان میں کیوں نہ ہو (راوی کو شک ہے) یا یہ کہ یہ سلام ہر اس بندے کو پہنچ جائے

گا جو زمین و آسمان میں جہاں بھی ہو۔[1]

غیر مقلدین کے مشہور پیشوا نواب صدیق حسن خاں بھوپالی نے تشہد میں سلام پڑھنے کی وجہ لکھ کر قلم توڑ دیا:

وتخصیص آنحضرت ﷺ اولا بسلام بنا بر عظم حق وی ست بر ایشان ولھذا تقدیم کردند آنرا بر تسلیم بر نفوس خود پستر سلام کردند بر خود ہا و وجہ خطاب بآنحضرت بجہت ابقای ایں کلام ست برانچہ دراصل بود کہ شب معراج از جانب پروردگار تعالیٰ وتقدس بر آنحضرت ﷺ خطاب بسلام آمد پس آنحضرت در حین تعلیم امت نیز بر ہماں لفظ اصل گذشت تا ایشاں را مذاکر آں حال گردد و نیز آنحضرت ہمیشہ نصب العین مومناں وقرۃ العین عابدان ست در جمیع احوال و اوقات خصوصا در حالت عبادت و نورانیت وانکشاف درین محل بیشتر وقوی تر ست وبعضی از عرفا قدس سرہم گفتہ اند کہ این خطاب بجہت سریان حقیقت محمدیہ است علیہ الصلاۃ والسلام در ذرائر موجودات وافراد ممکنات پس آنحضرت در ذوات مصلیان موجود وحاضر ست پس مصلی باید کہ ازین معنی آگاہ باشد وازین شہود غافل نبود تا بانوار قرب واسرار معرفت منور وفائض گردد۔

رسول اللہ ﷺ کی تخصیص اس لیے ہے کہ آپ کا نمازی پر بہت بڑا حق ہے اس لیے نمازی خود پر سلام بھیجنے سے پہلے آپ ﷺ پر سلام عرض کرتا ہے پھر بعد میں اپنے آپ پر۔ شب معراج اللہ تعالیٰ نے اسی طرح اپنے محبوب ﷺ کو سلام کہا تھا۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب ما یتخیر من الدعاء بعد التشہد، صفحہ: ۲۰۴، رقم الحدیث: ۸۳۵

آنحضرت ﷺ نے تشہد کی تعلیم میں امت کو وہی الفاظ سکھائے نیز آنحضرت ﷺ ہمیشہ مومنوں کا نصب العین رہے ہیں اور عبادت گزاروں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں۔تمام احوال میں اور تمام اوقات میں خصوصا عبادت کی حالت میں نورانیت اور انکشاف میں پہلے سے اضافہ ہوتا ہے۔بعض عارفین قدس سرہم نے فرمایا ہے کہ نماز میں رسول اکرم، شفیع اعظم ﷺ کو اس لیے خطاب کر کے عرض کیا جاتا ہے کہ حقیقت محمدیہ موجودات کے ذروں میں، ممکنات کے ہر ہر فرد میں جلوہ گر ہے۔پس نبی کریم ﷺ نمازیوں کے اندر موجود و حاضر ہیں۔پس نمازی کو چاہیے کہ اس معنی اور مفہوم سے آگاہ رہے اور سرکار دوعالم ﷺ کی اس جلوہ گری سے غافل نہ ہوتا کہ انوار قلب اور اسرار معرفت سے منور اور فیض یاب ہو۔[1]

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تشہد میں صیغہ خطاب کی جو توجیہ بیان کی ہے وہ بھی ملاحظہ ہو:

إِنَّ الْمُصَلِّينَ لَمَّا اسْتَفْتَحُوا بَابَ الْمَلَكُوتِ بِالتَّحِيَّاتِ أُذِنَ لَهُمْ بِالدُّخُولِ فِي حَرِيمِ الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ فَقَرَّتْ أَعْيُنُهُمْ بِالْمُنَاجَاةِ فَنُبِّهُوا عَلَى أَنَّ ذٰلِكَ بِوَاسِطَةِ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ وَبَرَكَةِ مُتَابَعَتِهٖ فَالْتَفَتُوا فَإِذَا الْحَبِيبُ فِي حَرَمِ الْحَبِيبِ حَاضِرٌ فَأَقْبَلُوا عَلَيْهِ قَائِلِينَ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ

---

[1] مسک الختام فی شرح بلوغ المرام، کتاب الصلوۃ، باب صفۃ الصلوۃ، جلد اول، صفحہ: ۲۴۴

نمازیوں نے جب التحیات کے ساتھ باب ملکوت کو کھولا تو انہیں حی لا یموت کی بارگاہ اقدس میں حاضری کی اجازت مل گئی۔ مناجات سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔ پس بتایا گیا کہ یہ سب کچھ رحمت والے نبی ﷺ کے واسطہ اور آپ کی اتباع کی برکت سے ہے پھر جب نمازیوں نے توجہ کی تو محبوب کو محبوب کی بارگاہ میں حاضر پایا تو نمازی محبوب علیہ السلام کی بارگاہ میں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ کہتے ہوئے حاضر ہو گئے۔[1]

نواب صدیق حسن خاں ہوں یا حافظ ابن حجر دونوں کی عبارات سے معلوم ہوا کہ نماز میں سلام بطور حکایت نہیں بلکہ بطور انشاء ہے۔

حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أَقْبَلَ رَجُلٌ حَتّٰى جَلَسَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَنَحْنُ عِنْدَهُ، فَقَالَ: يَارَسُولَ اللّٰهِ ﷺ! أَمَّا السَّلَامُ عَلَيْكَ فَقَدْ عَرَفْنَاهُ فَكَيْفَ نُصَلِّيْ عَلَيْكَ إِذَا نَحْنُ صَلَّيْنَا فِيْ صَلَاتِنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ؟ قَالَ: فَصَمَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰى أَحْبَبْنَا أَنَّ الرَّجُلَ لَمْ يَسْأَلْهُ قَالَ: ((إِذَا أَنْتُمْ صَلَّيْتُمْ عَلَيَّ فَقُوْلُوْا: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَآلِ إِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى

---

[1] فتح الباری شرح صحیح البخاری، جلد دوم، صفحہ: ۳۱۴، تحت حدیث: ۸۳۱

مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ))

ایک آدمی آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آکر بیٹھ گیا جبکہ ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس موجود تھے۔ اس نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم نے آپ پر سلام بھیجنے کا طریقہ تو پہچان لیا ہے، ہم اپنی نماز میں آپ پر درود کیسے پڑھیں؟ راوی فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش ہو گئے یہاں تک کہ ہم تمنا کرنے لگے کہ کاش اس آدمی نے یہ بات نہ پوچھی ہوتی پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم مجھ پر درود پڑھو تو یوں پڑھو:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَآلِ إِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ۔ [1]

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ نماز میں سلام بطور حکایت نہیں بلکہ بطور انشاء ہے۔

صحابہ کرام کا طریقہ نماز

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں ایک باب بَابُ رَفْعِ الْبَصَرِ اِلَى

---

[1] مسند احمد، مسند الشامیین، بقیۃ حدیث ابی مسعود البدری الانصاری، جلد: ۲۸، صفحہ: ۳۰۴، رقم الحدیث: ۱۷۰۷۲ / مسند احمد کے محقق شعیب الارناؤط نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا۔ ایک اور محقق حمزہ احمد الزین نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا / سنن نسائی، کتاب السہو، باب الامر بالصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صفحہ: ۲۵۹، رقم الحدیث: ۱۲۸۶ / صحیح ابن خزیمہ، کتاب الصلوۃ، باب صفۃ الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جلد اول، صفحہ: ۳۵۱، رقم الحدیث: ۷۱۱ / صحیح ابن حبان، کتاب الصلوۃ، باب صفۃ الصلوۃ، ذکر البیان بان النبی انما سئل عن الصلوۃ علیہ فی الصلوۃ، جلد: ۵، صفحہ: ۲۸۹، رقم الحدیث: ۱۹۵۹

الْاِمَامِ فِي الصَّلٰوةِ (نماز میں امام کی طرف دیکھنے کے متعلق باب) بیان کیا۔ اس باب میں سے چند احادیث ملاحظہ کیجیے۔

۱:	عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ، قَالَ: قُلْنَا لِخَبَّابٍ رضی اللہ عنہ: أَكَانَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قُلْنَا: بِمَ كُنْتُمْ تَعْرِفُونَ ذَاكَ؟ قَالَ: بِاضْطِرَابِ لِحْيَتِهِ

ابومعمر (عبداللہ بن مخبرہ) سے انہوں نے کہا ہم نے خباب ابن ارت صحابی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہر اور عصر کی نماز میں کچھ قرآن پڑھتے تھے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ ہم نے پوچھا تم کو کیسے معلوم ہوا؟ انہوں نے کہا آپ کی مبارک داڑھی ہلنے سے ۱

حکم یہ ہے کہ نمازی دوران نماز اپنی نظریں سجدے کی جگہ رکھے لیکن مذکورہ بالا حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ صحابہ کرام نماز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی داڑھی مبارک کے ہلنے سے معلوم کر لیتے تھے کہ آپ قرآن پڑھ رہے ہیں۔ جو امام کے پیچھے کھڑا ہوا سے داڑھی ہلتی نظر نہیں آئے گی جبکہ جو دائیں اور بائیں طرف کھڑے ہیں ان کو بھی صرف اس صورت میں داڑھی کا ہلنا دکھائی دے گا جبکہ وہ نظریں ترچھی کر کے دیکھیں۔ پتہ چلا کہ صحابہ کرام نماز کی حالت میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتے رہتے تھے۔

۲:	حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: أَنْبَأَنَا أَبُو إِسْحَاقَ، قَالَ:

---

۱ صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب رفع البصر الی الامام فی الصلوۃ، صفحہ: ۱۸۴، رقم الحدیث: ۷۴۶/ ترجمہ از تیسیر الباری، جلد اول، صفحہ: ۴۷۴

سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ يَزِيدَ يَخْطُبُ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْبَرَاءُ، وَكَانَ غَيْرَ كَذُوبٍ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا صَلَّوْا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ قَامُوا قِيَامًا حَتّٰى يَرَوْنَهُ قَدْ سَجَدَ

ہم سے حجاج بن منہال نے بیان کیا کہا ہم سے شعبہ نے کہا ہم کو ابواسحاق عمرو بن عبداللہ سبیعی نے خبر دی کہا میں نے عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ (صحابی) سے سنا: وہ خطبہ سنا رہے تھے۔ انہوں نے کہا: مجھ سے براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا وہ جھوٹے نہ تھے۔ انہوں نے کہا صحابہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے۔ آپ رکوع سے اپنا سر اٹھاتے تو وہ آپ کو دیکھتے کھڑے رہتے یہاں تک کہ جب آپ سجدے میں جا لیتے (اس وقت وہ بھی سجدے میں جاتے)۔ ؎۱

۳: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

خَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رَأَيْنَاكَ تَنَاوَلْتَ شَيْئًا فِي مَقَامِكَ، ثُمَّ رَأَيْنَاكَ تَكَعْكَعْتَ، قَالَ: إِنِّي أُرِيتُ الْجَنَّةَ، فَتَنَاوَلْتُ مِنْهَا عُنْقُودًا، وَلَوْ أَخَذْتُهُ لَأَكَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں سورج گہن ہوا۔ آپ نے (گہن کی) نماز

؎۱ صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب رفع البصر الی الامام فی الصلوۃ، صفحہ: ۱۸۴، رقم الحدیث: ۷۴۷/ ترجمہ از تیسیر الباری، جلد اول، صفحہ: ۴۷۴

پڑھائی۔لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نے دیکھا آپ (نماز ہی میں) اپنی جگہ پر رہ کر کچھ لینے کو بڑھے پھر ہم نے دیکھا آپ پیچھے ہٹے۔آپ نے فرمایا پہلے میں نے بہشت کو دیکھا میں اس میں سے ایک خوشہ لینے لگا اور جو لے لیتا تو جب تک دنیا قائم ہے تم اس میں سے کھاتے رہتے۔[1]

۴: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوران نماز محبت کی وجہ سے اپنی نواسی حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کو اٹھایا۔

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيِّ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي وَهُوَ حَامِلٌ أُمَامَةَ بِنْتَ زَيْنَبَ بِنْتِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَلِأَبِي الْعَاصِ بْنِ رَبِيعَةَ بْنِ عَبْدِ شَمْسٍ ، فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَهَا وَإِذَا قَامَ حَمَلَهَا

ابوقتادہ (حارث بن ربعی) انصاری صحابی سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امامہ اپنی نواسی کو اٹھائے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے جو حضرت زینب آپ کی صاحبزادی اور ابوالعاص بن ربیعہ بن عبدشمس (آپ کے داماد) کی بیٹی تھیں۔جب آپ سجدہ کرتے تو ان کو زمین پر بٹھا دیتے اور جب کھڑے ہوتے ان کو اٹھا لیتے۔[2]

۵: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تشریف لانا۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب رفع البصر الی الامام فی الصلاۃ، صفحہ:۱۸۵، رقم الحدیث:۷۴۸/ ترجمہ از تیسیر الباری، جلد اول، صفحہ:۴۷۵

[2] صحیح بخاری، کتاب الصلوۃ، باب اذا حمل جاریۃ صغیرۃ علی عنقہ فی الصلوۃ، صفحہ:۱۳۵، رقم الحدیث:۵۱۶/ ترجمہ از تیسیر الباری، جلد اول، صفحہ:۳۵۴، ۳۵۵

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَهَبَ إِلَى بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ لِيُصْلِحَ بَيْنَهُمْ، فَحَانَتِ الصَّلَاةُ فَجَاءَ الْمُؤَذِّنُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ، فَقَالَ: أَتُصَلِّي لِلنَّاسِ فَأُقِيمَ، قَالَ: نَعَمْ، فَصَلَّى أَبُو بَكْرٍ رضی اللہ عنہ فَجَاءَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ فِي الصَّلَاةِ فَتَخَلَّصَ حَتَّى وَقَفَ فِي الصَّفِّ، فَصَفَّقَ النَّاسُ، وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ رضی اللہ عنہ لَا يَلْتَفِتُ فِي صَلَاتِهِ، فَلَمَّا أَكْثَرَ النَّاسُ التَّصْفِيقَ الْتَفَتَ فَرَأَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَشَارَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنِ امْكُثْ مَكَانَكَ، فَرَفَعَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَدَيْهِ فَحَمِدَ اللهَ عَلَى مَا أَمَرَهُ بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ ذَلِكَ، ثُمَّ اسْتَأْخَرَ أَبُو بَكْرٍ رضی اللہ عنہ حَتَّى اسْتَوَى فِي الصَّفِّ، وَتَقَدَّمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى، فَلَمَّا انْصَرَفَ، قَالَ: يَا أَبَا بَكْرٍ رضی اللہ عنہ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَثْبُتَ إِذْ أَمَرْتُكَ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ رضی اللہ عنہ: مَا كَانَ لِابْنِ أَبِي قُحَافَةَ أَنْ يُصَلِّيَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا لِي رَأَيْتُكُمْ أَكْثَرْتُمُ التَّصْفِيقَ مَنْ رَابَهُ شَيْءٌ فِي صَلَاتِهِ فَلْيُسَبِّحْ، فَإِنَّهُ إِذَا سَبَّحَ الْتُفِتَ إِلَيْهِ، وَإِنَّمَا التَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ

سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنی عمرو بن عوف میں گئے (جو قبا

میں رہتے تھے) ان کے پاس آپس میں صلح کرانے کو (آپ کو دیر لگی) اور نماز کا وقت آن پہنچا۔ مؤذن (بلال رضی اللہ عنہ) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: کیا تم نماز پڑھاتے ہو؟ میں تکبیر کہوں۔ انہوں نے کہا اچھا، خیر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نماز شروع کر دی۔ اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے لوگ نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ صف چیرتے ہوئے اندر گھسے اور پہلی صف میں جا کر ٹھہرے۔ لوگوں نے دستک دینا شروع کر دی لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز میں ادھر ادھر دھیان نہیں کرتے تھے۔ جب لوگوں نے بہت تالیاں بجائیں تو پھر دیکھا کیا دیکھتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کھڑے) ہیں۔ آپ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اشارہ کیا اپنی جگہ رہو (نماز پڑھائے جاؤ) لیکن انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر خدا کا شکر کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو یہ حکم دیا کہ امامت کیے جاؤ (ان کو اس لائق سمجھا) پھر وہ پیچھے سرک آئے اور (پہلی) صف میں مل گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے بڑھ گئے (امام کی جگہ) آپ نے نماز پڑھائی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا ابوبکر رضی اللہ عنہ تم اپنی جگہ پر کیوں نہیں ٹھہرے میں تم کو حکم دے چکا تھا؟ انہوں نے عرض کیا: بھلا ابوقحافہ کے بیٹے کو دیکھو اور نماز میں اللہ کے پیغمبر کے آگے رہنا دیکھو یہ کہیں ہو سکتا ہے تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (لوگوں کی طرف خطاب کر کے) فرمایا تم نے اتنی تالیاں کیوں بجائیں؟ دیکھو (آئندہ سے) کسی کو نماز میں کوئی حادثہ پیش آئے تو وہ سبحان اللہ کہے۔ جب وہ یہ کہے گا تو اس کی طرف دھیان ہوگا اور تالی بجانا عورتوں کے لیے ہے۔[1]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب من دخل لیؤم الناس، صفحہ:۱۷۰، رقم الحدیث: ۶۸۴ / ترجمہ از تیسیر الباری، جلد اول، صفحہ:۴۳۹، ۴۴۰

٦: نبی کریم ﷺ کا حجرہ مبارک کا پردہ اٹھا کر صحابہ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھنا:

عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيُّ رضی اللہ عنہ، وَكَانَ تَبِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَدَمَهُ وَصَحِبَهُ، أَنَّ أَبَا بَكْرٍ رضی اللہ عنہ كَانَ يُصَلِّي لَهُمْ فِي وَجَعِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ حَتَّى إِذَا كَانَ يَوْمُ الِاثْنَيْنِ وَهُمْ صُفُوفٌ فِي الصَّلَاةِ، فَكَشَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتْرَ الْحُجْرَةِ يَنْظُرُ إِلَيْنَا وَهُوَ قَائِمٌ كَأَنَّ وَجْهَهُ وَرَقَةُ مُصْحَفٍ، ثُمَّ تَبَسَّمَ يَضْحَكُ فَهَمَمْنَا أَنْ نَفْتَتِنَ مِنَ الْفَرَحِ بِرُؤْيَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَنَكَصَ أَبُو بَكْرٍ رضی اللہ عنہ عَلَى عَقِبَيْهِ لِيَصِلَ الصَّفَّ وَظَنَّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَارِجٌ إِلَى الصَّلَاةِ فَأَشَارَ إِلَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَتِمُّوا صَلَاتَكُمْ وَأَرْخَى السِّتْرَ فَتُوُفِّيَ مِنْ يَوْمِهِ

زہری سے انہوں نے کہا مجھ کو انس بن مالک انصاری صحابی نے اور وہ آنحضرت ﷺ کی پیروی کرنے والے اور آپ کے خادم اور صحابی تھے کہ آنحضرت ﷺ کی اس بیماری میں جس میں آپ نے وفات پائی۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ لوگوں کی امامت کرتے رہے۔ جب پیر کا دن ہوا تو لوگ نماز میں صف باندھے (کھڑے) تھے۔ آپ نے اپنے حجرے کا پردہ اٹھایا اور کھڑے کھڑے ہم کو دیکھنے لگے۔ آپ کا مبارک چہرہ (حسن و جمال اور صفائی میں) گویا مصحف کا ایک ورق تھا پھر آپ مسکرا کر ہنسنے لگے۔ آنحضرت ﷺ کے

دیدار سے ہم کو اتنی خوشی ہوئی کہ ہم خوشی کے مارے نماز توڑنے ہی کو تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ الٹے پاؤں پیچھے ہٹے اس لیے کہ صف میں مل جائیں۔ وہ سمجھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لیے برآمد ہوں گے لیکن آپ نے ہم کو اشارے سے یہ فرمایا کہ اپنی نماز پوری کرلو اور پردہ ڈال لیا پھر اسی دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی۔[1]

۷: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ دوران نماز تعظیم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے کھڑے رہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَلَمْ يَزَلْ قَائِمًا حَتَّى هَمَمْتُ بِأَمْرِ سَوْءٍ، قُلْنَا: وَمَا هَمَمْتَ، قَالَ: هَمَمْتُ أَنْ أَقْعُدَ وَأَذَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک رات نماز پڑھی۔ آپ اتنا کھڑے رہے کہ میری نیت بگڑ گئی۔ ابووائل نے کہا ہم نے پوچھا تمہارے دل میں کیا آیا؟ انہوں نے کہا میرے دل میں یہ آیا کہ بیٹھ بھی رہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ دوں۔[2]

۸: دیوبندی عالم اشرف علی تھانوی صاحب بیان کرتے ہیں:

''خان صاحب نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جوش میں تھے اور تصور

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب اھل العلم والفضل احق بالامامۃ، صفحہ:۱۶۹، رقم الحدیث:۶۸۰ / ترجمہ از تیسیر الباری، جلد اول، صفحہ:۴۳۶

[2] صحیح بخاری، کتاب التھجد، باب طول القیام فی صلاۃ اللیل، صفحہ:۲۷۵، رقم الحدیث:۱۱۳۵ / ترجمہ از تیسیر الباری، جلد اول، صفحہ:۶۷۴

شیخ کا مسئلہ درپیش تھا۔فرمایا کہ کہہ دوں؟ عرض کیا گیا کہ فرمایئے پھر فرمایا کہہ دوں؟ عرض کیا گیا کہ فرمایئے پھر فرمایا کہہ دوں؟ عرض کیا گیا فرمایئے تو فرمایا کہ تین سال کامل حضرت امداد کا چہرہ میرے قلب میں رہا ہے اور میں نے ان سے پوچھے بغیر کوئی کام نہیں کیا پھر اور جوش آیا فرمایا کہہ دوں؟ عرض کیا گیا حضرت ضرور فرمایئے فرمایا (کہ اتنے) سال حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے قلب میں رہے اور میں نے کوئی بات آپ سے پوچھے بغیر نہیں کی''۔[1]

درحقیقت اس قسم کی متنازعہ عبارات (جو کہ ہم نے تقویۃ الایمان اور صراط مستقیم کے حوالے سے بیان کیں) فرقہ واریت کی بنیاد بنیں۔ میں تو اتحاد امت کا درد لے کر ہر کسی کے پاس جا رہا ہوں اور پیغام دے رہا ہوں کہ آؤ مل کر بیٹھیں۔ پتہ نہیں کون کون ہمیں لڑوانے کی کوشش کر رہا ہے۔ ہم کسی کے ہتھیار نہ بنیں۔ ہم پر دو الزام لگائے جاتے ہیں کہ یہ سنی بدعتی اور مشرک ہیں۔ شرک اور بدعت کی متفق علیہ تعریف کرتے ہیں پھر آپ ہمیں ہماری بدعت یا شرک بتاؤ، اگر ہم میں شرک یا بدعت ہوئی تو اللہ کی قسم! ہم چھوڑ دیں گے لیکن یہ جو تمہارے بزرگوں کی عبارتیں ہیں ان کا بھی تو کچھ کرو۔ اللہ، رسول سے بڑھ کر کون ہے؟ تم اپنے باپ دادا اور اپنے بزرگوں کو بڑا سمجھتے ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کی پرواہ نہیں کرتے۔

---

[1] ارواح ثلاثہ از اشرف علی تھانوی، صفحہ:۲۲۹، حکایت نمبر:۳۰۶

آیت نمبر: ۱۰۵

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۝۱۰۵

کافر خواہ اہل کتاب سے ہیں یا مشرک ہیں نہیں چاہتے کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے کوئی بھلائی اتاری جائے اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے خاص فرما لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

مسلمانوں کے مدمقابل یہودی بھی تھے اور عیسائی بھی تھے۔ یہ دونوں اہل کتاب تھے اور اپنی اپنی کتابوں کو ماننے والے تھے جبکہ ایک گروہ مشرکین کا بھی تھا جو کہ کسی بھی کتاب کو نہیں مانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان تینوں گروہوں کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: یہ جو کافر ہیں خواہ اہل کتاب ہیں یا مشرک یہ نہیں چاہتے کہ مسلمانوں پر اللہ کی طرف سے کوئی بھلائی نازل ہو۔ ان کے چاہنے یا نہ چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص فرما لیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی عنایت ہے۔ پہلے نبوت بنی اسرائیل میں رہی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے نبوت کو بنی اسماعیل میں منتقل فرما دیا اور یہ نبوت والا خاصہ، یہ رحمت اپنے محبوب علیہ السلام کو عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے، جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کا پابند نہیں ہے۔

آیت نمبر:۱۰۶

مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰیَۃٍ اَوۡ نُنۡسِہَا نَاۡتِ بِخَیۡرٍ مِّنۡہَاۤ اَوۡ مِثۡلِہَا ؕ اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱۰۶﴾

جب ہم کوئی آیت منسوخ فرمائیں یا بھلا دیں تو ہم پہلے حکم سے بہتر حکم لے آتے ہیں یا اسی جیسا حکم لے آتے ہیں۔کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے کرسکتا ہے

صحابہ کرام ''رَاعِنَا'' عرض کرتے تھے۔حکم آ گیا یہ نہ کہو بلکہ اس کی بجائے ''انْظُرْنَا'' کہو۔پہلے حکم کی جگہ دوسرا حکم آ گیا۔

نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو تقریبا سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے پھر حکم ہوا کہ اب قبلہ تبدیل کرلو۔

کافر کہتے تھے کہ یہ کیسا خدا، کیسا مذہب اور کیسا دین ہے کہ آج کوئی حکم اور کل کوئی حکم، احکامات کا تبدیل ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ اس آیت میں جواب ارشاد فرما رہا ہے۔

نسخ کا معنیٰ

کچھ چیزیں شریعت کے اصول ہیں جبکہ کچھ چیزیں شریعت کے فروع ہیں۔اصول ہر نبی کے زمانے میں ایک جیسے رہے۔جناب آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے آقا و مولی ﷺ تک یہی بیان ہوتا رہا کہ تمہارا خالق، مالک، پروردگار، تمہیں رزق اور شفا دینے والا صرف ایک ہے اور وہ اللہ رب العالمین ہے۔وہی عبادت اور پوجا کے لائق ہے۔ہر

نبی توحید کا پیغام دیتا رہا۔ ہر نبی یہی پیغام دیتا رہا کہ میں چونکہ اللہ کا نمائندہ ہوں اس لیے میری اتباع کے بغیر تمہیں نجات نہیں مل سکتی۔ یہ اصول ہیں، اصول کے اندر تبدیلی نہیں ہے۔ ہر نبی یہی کہتا رہا کہ یہ دنیا دارالعمل ہے، جو کرو گے اس کا صلہ قیامت کے دن ملے گا۔ وہ دین کا دن، بدلے کا دن اور جزا کا دن آئے گا۔ یہ سب اصول ہیں لیکن فروع (اعمال) میں ہر دور میں لوگوں کے مزاج کے مطابق احکامات تبدیل ہوتے رہے۔ اس بات کو آپ یوں سمجھیں کہ آپ کسی ڈاکٹر کے پاس گئے۔ آپ کو ڈاکٹر نے اچھی طرح چیک کیا۔ چیک کرنے کے بعد اس نے آپ کے مزاج کے مطابق ایک نسخہ لکھ دیا اور کہا یہ دوائی آپ نے اتنے دن استعمال کرنی ہے اور کبھی وہ دنوں کا تعین نہیں بھی کرتا۔ تین دن یا ایک ہفتہ کے بعد آپ دوبارہ اس ڈاکٹر کے پاس گئے۔ اس نے پھر آپ کو چیک کیا۔ اب اس نے دوا میں تھوڑی سی تبدیلی کر دی۔ یہ تبدیلی آپ کے مزاج کا تقاضہ ہے۔ آپ کی موجودہ حالت کے پیش نظر دوا میں تبدیلی ہوئی لیکن اگر کوئی کہنا شروع کر دے کہ یہ کیسا ڈاکٹر ہے اس کو پتہ ہی نہیں ہے کہ آج کون سی دوائی دینی ہے، کل کیسی دوائی دینی ہے تو لوگ کہیں گے: پاگل نہ بن! وہ ڈاکٹر ہے، اسے پتہ ہے کہ کس حالت میں کون سی دوا دینی ہے۔ بلاتشبیہ قرآن کے فروعی احکامات تبدیل ہوئے ہیں۔ تبدیل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اتنے وقت تک کے لیے یہ حکم ہے پھر جب وقت آئے گا ہم حکم تبدیل کر دیں گے۔

اسے نسخ کہتے ہیں۔ نسخ کا معنی ہے کہ پہلا حکم تبدیل ہوا، اب دوسرا حکم آ گیا۔ اللہ تعالیٰ اعتراض کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: جب ہم کوئی آیت منسوخ کر دیں یا بھلا دیں تو ہم پہلے حکم سے بہتر حکم لے آتے ہیں یا اسی جیسا حکم لے آتے ہیں۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے کر سکتا ہے۔

آیت نمبر: ۱۰۷

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۱۰۷﴾

کیا تمہیں نہیں پتہ کہ آسمانوں اور زمین کا اصل بادشاہ صرف اور صرف اللہ ہے اور تمہارے لیے اللہ کے مقابلے میں کوئی حمایتی یا کوئی مددگار نہیں ہے۔

اگر کوئی پاگل کھڑا ہو جائے اور اس آیت کو پڑھ کر کہنا شروع کر دے کہ ہم کسی کو پرائم منسٹر، ڈی سی یا ایس، ایچ، او نہیں مانتے۔ حکومت صرف اللہ کی ہے تو اس کو کہا جائے گا کہ عقل کے ناخن لے۔ اصل مالک اللہ ہے لیکن اللہ نے دنیا کا نظام چلانے کے لیے چھوٹے موٹے حاکم بنا رکھے ہیں۔ جو چھوٹے موٹے حاکموں کو نہ مانے وہ بھی قرآن کو نہ سمجھ سکا اور جو کہے کہ اصل میں کوئی بڑا ہے ہی نہیں وہ بھی قرآن کو نہیں سمجھ سکا۔ اصل مالک اللہ ہے لیکن اس نے اپنی عطا اور بخشش سے کسی کو دو دن کی حکومت دے دی، کسی کو چار سال کی حکومت دی، کسی کو چھوٹے سے خطے میں پانچ سال کے لیے حکمران بنا دیا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ٘ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُؕ بِیَدِكَ الْخَیْرُؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۝۲۶

محبوب کہہ دیجیے کہ اے میرے اللہ! اے ساری کائنات کے مالک! تو جسے چاہتا ہے ملک دے دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے سلطنت چھین لیتا ہے اور تو جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل فرما دیتا ہے۔ مالک! تیرے ہاتھ میں تو بھلائی ہی بھلائی ہے۔ بیشک مالک! تو ہر چاہے پر قادر ہے۔ [1]

الحمدللہ! ہم اہلسنت دونوں باتیں مانتے ہیں۔ اصل مالک اللہ ہے لیکن اس نے اپنے بندوں کو کچھ نہ کچھ حکومتیں اور طاقتیں عطا کی ہوئی ہیں جس کی وجہ سے وہ بندوں کے کام آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ کے مقابلے میں تمہارا کوئی مددگار یا کوئی حمایتی نہیں ہے۔ اگر کوئی تمہاری حمایت، خدمت یا مدد کرتا ہے تو سمجھو اللہ کی طرف سے ہو رہی ہے۔ کسی کی جرأت نہیں کہ اللہ کے مقابلے میں کسی کی مدد کر سکے۔ اللہ کے مقابلے میں تمہارا کوئی ولی اور کوئی نصیر نہیں ہے۔ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کا ایک معنی اللہ کے مدمقابل بھی ہے۔

آیت نمبر: ۱۰۸

اَمْ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَسْــٴَـلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُىٕلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُؕ وَ مَنْ یَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ۝۱۰۸

---

[1] سورۃ آل عمران: ۲۶

کیاتم یہی چاہتے ہو کہ تم اپنے رسول سے سوال کرو جیسے کہ اس سے پہلے جناب موسیٰ سے سوالات ہوئے تھے اور جو بندہ ایمان کے بدلے کفر لے تو وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔

سیدھا راستہ اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے

بنی اسرائیل، جناب موسیٰ علیہ السلام کو بار بار سوال کر کے تنگ کرتے تھے کہ گائے کیسی ہے؟ پھر کہا ذرا تفصیل بتا دیجیے؟ رنگ اور عمر کا پوچھا۔ الٹے سیدھے سوال کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیاتم یہی چاہتے ہو کہ تم اپنے رسول سے سوالات کرو جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام سے سوالات ہوئے تھے؟ اور جو بندہ ایمان کے بدلے میں کفر لے تو وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔ سیدھا راستہ اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَخَطَّ خَطًّا ، وَخَطَّ خَطَّيْنِ عَنْ يَّمِينِهِ ، وَخَطَّ خَطَّيْنِ عَنْ يَّسَارِهِ ، ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ فِي الْخَطِّ الْأَوْسَطِ ، فَقَالَ: هٰذَا سَبِيلُ اللهِ ، ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْآيَةَ وَأَنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ

ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھے۔ آپ نے ایک لکیر کھینچی اور دو لکیریں اس کے دائیں جانب اور دو بائیں جانب کھینچیں پھر اپنا ہاتھ درمیان والی لکیر پر رکھا اور فرمایا: یہ اللہ کا راستہ ہے۔ پھر اس آیت کی تلاوت کی: ”اور یہ کہ یہ ہے میرا سیدھا راستہ تو اس پر چلو اور، اور راہیں نہ چلو کہ تمہیں اس کی راہ سے جدا کر دیں گی“۔[1]

---

[1] سنن ابن ماجہ، کتاب السنہ، باب اتباع سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صفحہ: ۲، رقم الحدیث: ۱۱/ ناصر الدین البانی کی تحقیق کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے۔

بندے کو پہلے نہیں پتہ چلتا کہ وہ کتنی بڑی غلطی کر چکا ہے۔آپ سفر کر رہے ہو، چوک آ گیا۔چوک میں سے ایک سڑک سمندری کو جا رہی ہے مثلاً سمندری یا جھنگ روڈ والا بائی پاس ہے۔جھنگ جانا ہے لیکن کسی کو پتہ نہیں چلا، تھوڑا سا کسی اور طرف مڑ گیا۔پہلے پتہ نہیں چلتا کہ بندہ کتنا بھٹک گیا ہے لیکن جب تھوڑی دور جائے گا تو پھر احساس ہو گا کہ وہ اپنی منزل سے کتنا دور ہو گیا ہے۔اللہ تعالیٰ سیدھے راستے پر رکھے۔

میں ہاتھ باندھ کر ان لوگوں سے عرض کرتا ہوں جو غلطیاں کر رہے ہیں کہ جلد غلطی کا ازالہ کر لیں۔اگر غلطی کا ازالہ نہ کیا تو سیدھا راستہ بہت دور ہو جائے گا۔اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو سیدھے راستے پر رکھے۔

آیت نمبر:۱۰۹

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۖ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٠٩﴾

کئی اہل کتاب چاہتے ہیں کہ وہ تمہیں تمہارے ایمان کے بعد کفر کی حالت میں بدل ڈالیں اپنے حسد کی وجہ سے، بعد اس کے کہ ان پر حق ظاہر ہو گیا ہے تو تم انہیں معاف کرو اور درگزر کرو جب تک کہ اللہ کا حکم نہیں آ جاتا۔بیشک اللہ ہر چاہے پر قادر ہے۔

یہ ابتدائی دور کی بات ہے جبکہ کفار مسلمانوں کو مرتد بنانے کی کوشش میں تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان کو کوشش کرنے دو۔ انہیں معاف کرو اور درگزر کرو۔ تم نے انہیں اس وقت تک کچھ نہیں کہنا جب تک کہ اللہ کا حکم نہ آ جائے۔ تم نماز پڑھو، روزہ، صدقہ خیرات کرو، قرآن کی تلاوت کرو۔ بیشک اللہ جو چاہتا ہے کر لیتا ہے۔

آیت نمبر:۱۱۰

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۱۰﴾

اور نماز کو قائم رکھو اور زکوۃ کو ادا کرو اور تم جو بھی کوئی نیکی اپنے لیے آگے بھیجو گے تو اس نیکی کو اللہ کی بارگاہ میں پالو گے۔ بیشک اللہ تعالیٰ جو تم کر رہے ہو سب کو دیکھ رہا ہے۔

تم نے نماز پڑھی، ضائع نہیں جائے گی۔ تم اللہ کی بارگاہ میں اسے پالو گے۔ تم نے کسی غریب کی کوئی خدمت کی یا کوئی بھی نیکی کا کام کیا تو اللہ کی بارگاہ میں پالو گے۔

آیت نمبر:۱۱۱

وَقَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی ؕ تِلْكَ اَمَانِیُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۱۱﴾

اور اہل کتاب نے کہا ہرگز جنت میں نہیں جائے گا مگر وہی جو یہودی بنے گا یا عیسائی۔ یہ ان کا خوامخواہ کا خیال ہے۔ محبوب! فرما دیجیے کہ لاؤ اپنی دلیل اگر تم سچے ہو۔

نفی کا دعوی کرنے والے سے دلیل کا مطالبہ

یہودیوں کا دعوی تھا کہ جنت میں صرف یہودی جائیں گے جبکہ عیسائیوں کا دعوی تھا کہ جنت میں صرف عیسائی جائیں گے۔ اللہ فرماتا ہے یہ ان کا ڈھکوسلہ اور خوامخواہ کا

خیال ہے۔محبوب! فرما دیجیے اگر تم اپنے دعوی میں سچے ہو تو لاؤ دلیل۔ دلیل کا مطالبہ ان لوگوں سے ہو رہا ہے جنہوں نے ایک دعوی کیا تھا۔ عام طور پر دعوی اثبات کا ہوتا ہے۔ یہ دعوی نفی کا ہے لیکن اس کا انداز اثبات والا ہے۔ یہودیوں کا دعوی یہ تھا کہ غیر یہودی جنت میں نہیں جائیں گے جبکہ عیسائیوں کا دعوی تھا کہ غیر عیسائی جنت میں نہیں جائیں گے۔ لَنۡ يَّدۡخُلَ الۡجَنَّةَ میں حرف لن، حروف ناصبہ میں سے ہے جو کہ نفی تاکید کے لیے آتا ہے۔ ہرگز جنت میں نہیں جائیں گے غیر یہودی اور غیر عیسائی۔ اللہ فرماتا ہے: پیارے حبیب! کہہ دیجیے کہ لاؤ دلیل اگر تم سچے ہو۔

پتہ چلا کبھی کبھی نفی کا دعوی کرنے والے سے بھی دلیل مانگی جاتی ہے۔

آیت نمبر: ۱۱۲

بَلٰی ۚ مَنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحۡسِنٌ فَلَهٗۤ اَجۡرُهٗ عِنۡدَ رَبِّهٖ ۠ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ﴿۱۱۲﴾

ہاں کیوں نہیں؟ جس نے اپنا چہرہ اللہ کی رضا کے لیے جھکا دیا اس حال میں کہ وہ احسان کرنے والا ہے تو اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے۔ نہ ان پر کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

سیدنا جبریل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا: مَا الۡإِحۡسَانُ؟ اے اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! احسان کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: أَنۡ تَعۡبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنۡ لَمۡ تَكُنۡ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی

عبادت ایسے کرے گویا کہ تو اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ اگر تو اللہ کو نہ دیکھ سکے تو اللہ تو تجھے دیکھ رہا ہے۔[1]

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اعمال میں نیت کا بڑا عمل دخل ہے۔ نیت ٹھیک ہوتو اجر ملتا ہے۔ اگر نیت ٹھیک نہیں تو اجر بھی نہیں ملے گا۔

غم اور خوف میں فرق

جیب میں دس ہزار روپے تھے۔ کسی نے ہاتھ کی صفائی دکھائی اور جیب تراشی فرما لی اور دس ہزار روپیہ چرا لیا تو اس دس ہزار کے نکلنے کا غم محسوس ہوگا، ڈر محسوس نہیں ہوگا لیکن اگر بندہ جھنگ روڈ پار کر رہا ہو جس پر بھاری ٹریفک آ جا رہی ہے تو اب بندے کو ڈر محسوس ہوگا کہ کوئی گاڑی ٹکر نہ مار دے۔ واقعہ ہونے سے پہلے ڈر محسوس ہوتا ہے جبکہ جو بات ہو چکی اس پر غم محسوس ہوتا ہے۔ اللہ کے بندے قیامت کے دن اس شان کے ہوں گے کہ ان پر نہ تو آنے والی کسی چیز کا ڈر ہوگا اور نہ ہی کسی گزری ہوئی چیز پر افسوس ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ ان پر بڑا مہربان ہوگا۔ یہ بہت بڑی شان ہے جس کو بھی نصیب ہو جائے۔

آیت نمبر: ۱۱۳

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَىْءٍ ۖ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَىْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝١١٣

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب سوال جبریل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عن الایمان والاسلام والاحسان، صفحہ: ۲۳، رقم الحدیث: ۵۰ / صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الایمان ماھو؟ و بیان خصالہ، رقم الحدیث: ۹۷، صفحہ: ۲۵

یہودیوں نے کہا عیسائی کسی چیز پر نہیں ہیں اور عیسائیوں نے کہا یہودی کچھ نہیں ہیں حالانکہ یہ کتاب پڑھتے ہیں، ایسے ہی ان کی بات کی طرح ان لوگوں نے کہا جو کچھ نہیں جانتے تو اللہ قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا جس بات میں جھگڑا کر رہے ہیں۔

یہودی اور عیسائی مسلمانوں کو تو کہتے ہی تھے کہ جنت میں صرف غیر یہودی اور غیر عیسائی جائیں گے لیکن یہ آپس میں بھی جھگڑتے تھے۔ یہودیوں نے کہا عیسائی تو کسی چیز پر ہیں ہی نہیں جبکہ عیسائیوں نے کہا یہودی کچھ بھی نہیں ہیں حالانکہ یہودی توراۃ جبکہ عیسائی انجیل پڑھتے ہیں ان میں صاف لکھا ہے کہ جو جناب موسیٰ علیہ السلام اور انبیاء بنی اسرائیل کا سچا پیروکار رہا ہے اور حسن خاتمہ پا گیا تو وہ بھی جنت میں جائے گا۔ یہ کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور پھر بھی ایسی ہانکتے ہیں۔ مشرکین کو بے علم فرمایا گیا کیونکہ ان کے پاس کتاب نہیں تھی۔ عیسائی اور یہودی علم والے تھے کیونکہ ان کے پاس کتاب موجود تھی۔ مشرکین نے بھی یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح کہا کہ ہم بتوں کی پوجا کرنے والے ہی سب کچھ ہیں، باقی کوئی کچھ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اللہ قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا کہ کون کس چیز پر ہے؟ عیسائیو! اگر تم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ مانا تم کچھ نہیں ہو۔ یہودیو! اگر تم نے میرے محبوب کو نہ مانا تو تم کسی چیز پر نہیں ہو اور جنہوں نے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مان لیا تو وہ بڑے مزے میں ہوں گے۔ اس کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔

آیت نمبر: ۱۱۴

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَ سَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ۬ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں میں لوگوں کو اللہ کا نام لینے سے روکے اور کوشش کرے کہ یہ مسجد ویران ہو جائے، ان لوگوں کو تو چاہیے تھا کہ اللہ کے گھر (مکہ) میں ڈرتے ہوئے داخل ہوتے، ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے۔

یہودی، عیسائی اور مکہ کے مشرک ایک دوسرے کی عبادت گاہوں کو خراب کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ مکہ والوں نے مسلمانوں کو اتنا تنگ کیا کہ وہ ہجرت پر مجبور ہو گئے۔ کچھ حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے جبکہ کچھ مدینہ طیبہ آ گئے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ اس بندے سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ کی مساجد میں اللہ کا نام لینے سے روکے اور ان کی ویرانی کے لیے کوشش کرے۔ ان لوگوں کو چاہیے تھا کہ اللہ کا خوف دل میں رکھتے ہوئے اللہ کے گھر میں داخل ہوتے۔ ان کے لیے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں بڑا عذاب ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ مسلمان اللہ سے ڈرتے ہوئے حرم کعبہ میں داخل ہوں گے۔

آیت نمبر: ۱۱۵

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

مشرق اور مغرب سب اللہ کا ہے تو جدھر بھی تم منہ کرو گے اللہ کی ذات کے جلوے ادھر موجود ہوں گے۔ بیشک اللہ تعالیٰ وسعت والا، علم والا ہے۔

ہمارے ہاں قبلہ مغرب کی جانب بنتا ہے اس لیے ہم مغرب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ یہ مشرق بھی اللہ کا ہے اور مغرب بھی اللہ کا ہے۔ اللہ تو ہر جگہ ہے۔ تم جدھر بھی منہ کرو گے اللہ کی ذات کے جلوے ادھر موجود ہوں گے۔ ہمیں حکم ہے کہ قبلہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو اس لیے ہم اس طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں ورنہ اللہ اسی سمت تک محدود نہیں ہے۔ اللہ کے جلوے ہر جگہ موجود ہیں۔

مسئلہ: ایک بندہ راستہ بھول گیا۔ راہنمائی کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ اس نے نماز پڑھنی ہے تو وہ سوچے کہ قبلہ کس طرف ہے۔ سوچنے کے بعد اسے لگے کہ قبلہ فلاں سمت میں ہے تو اس طرف رخ کر کے نماز پڑھے۔ اسے تحری کرنا کہتے ہیں۔ اس کی نماز ہو جائے گی کیونکہ اللہ فرماتا ہے تم جدھر بھی منہ کرو گے وہاں تمہیں اللہ کی ذات کے جلوے نظر آئیں گے۔

وَجْهُ اللّٰهِ، یدُ اللّٰه اور ان جیسے دیگر الفاظ، الفاظ متشابہات ہیں۔ لفظ حق ہے لیکن ہمیں ان کی مراد کا علم نہیں۔ تیسرے پارے میں یہ سبق آئے گا کہ کچھ آیتیں

متشابہات ہیں، ان کو مانو جبکہ کچھ آیتیں محکمات ہیں یہی اصل کتاب ہیں۔ متشابہات کی تاویل کرلو کہ تم جدھر بھی رخ کروگے اللہ کی رحمت تمہاری طرف متوجہ ہوگی۔

آیت نمبر:۱۱۶

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

اور انہوں نے کہا کہ اللہ نے اولاد بنائی ہے وہ اس سے پاک ہے بلکہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔ آسمان، زمین کی ہر چیز اسی کی بارگاہ میں جھکے ہوئے ہیں۔

کچھ یہودی کہتے تھے کہ عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں جبکہ کچھ عیسائی کہتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ مکے کے مشرک فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں اعلان فرما رہا ہے کہ اللہ اولاد سے پاک ہے۔

بندہ اپنی اولاد کا محتاج ہوجاتا ہے۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ بڑھاپے میں ماں، باپ کئی معاملات میں، کہیں آنے جانے میں اپنی اولاد کے محتاج بن جاتے ہیں۔ اللہ تو کبھی کسی کا محتاج نہیں ہوسکتا۔ جو محتاج ہو وہ الہ نہیں۔ اللہ نے کیوں بیٹا بنانا تھا؟

پھر یہ کہ باپ کل ہے جبکہ بیٹا اس کا جزء ہے۔ کل، جزء کا محتاج ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر جس میز پر کتابیں رکھ کر مطالعہ کیا جاتا ہے اگر اس کا ایک پاوا توڑ دیا جائے تو کیا کل صاحب سلامت رہیں گے؟ اسی طرح مسجد کی عمارت میں سے ایک اینٹ نکال دی

جائے تو کیا کل سلامت رہے گا؟ یا پھر سے وہاں اینٹ لگانے کی حاجت رہے گی؟ اللہ پاک ہے۔اس کی کوئی اولاد نہیں۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔ جب سب کچھ اسی کا ہے تو اس کو اولاد بنانے کی کیا ضرورت ہے؟

اللہ نے جیسا کسی درخت کو بنایا ویسا ہی بن گیا۔اس میں مجال نہیں کہ اپنی مرضی سے کسی اور طرح ہو سکے۔ اللہ نے انسان بنائے۔کسی کا قد پانچ فٹ ہے، کسی کا قد چھ فٹ ہے، کسی کا قد پانچ فٹ سات انچ ہے اور کسی کا قد پانچ فٹ آٹھ انچ ہے۔ کسی میں مجال نہیں کہ اپنی مرضی سے دو انچ اونچا ہو جائے۔ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے حضور گردن جھکائے ہوئے ہیں۔

آیت نمبر: ۱۱۷

بَدِيۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ؕ وَاِذَا قَضٰٓى اَمۡرًا فَاِنَّمَا يَقُوۡلُ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ﴿۱۱۷﴾

آسمانوں اور زمین کو نئے سرے سے بنانے والا اور جب وہ کسی بات کا فیصلہ فرما لے تو کہتا ہے بن جا تو وہ چیز بن جاتی ہے۔

اللہ تو اتنی شان والا ہے کہ اس نے بغیر مادے کے آسمان اور زمین بنائے۔ یہ ہماری مسجد اور ادارہ بنا ہوا ہے۔کوئی مائی کا لعل اسے بغیر مادے کے نہیں بنا سکتا۔ہم نے نئی چیز بنانی ہو تو پہلے اس کا مادہ تلاش کرتے ہیں لیکن کوئی مادہ نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو نئے سرے سے بنانے والا ہے اور جب وہ کسی بات کا فیصلہ فرما لے تو بس وہ اتنا

ہی کہتا ہے کہ بن جا تو وہ چیز بن جاتی ہے۔ ہمیں تو مستری اور مزدور لگانے پڑتے ہیں، کھانا پکانا ہو تو باورچی کے ساتھ ساتھ گیس یا لکڑیوں کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اللہ کی شان یہ ہے کہ وہ کسی چیز کو ہونے کا حکم دیتا ہے تو وہ چیز ہو جاتی ہے۔ کسی کے اندر اللہ جیسی طاقت نہیں۔ اللہ کسی بندے کو کچھ عطا کر دے تو اس کی مہربانی ہے جیسے کہ اس نے اپنے محبوب ﷺ کو یہ شان عطا کی کہ ان کی انگلیوں سے چشمے پھوٹ پڑے۔ یہ اللہ کی عطا اور اس کا فضل ہے۔ جب سلیمان علیہ السلام کا وزیر ملکہ بلقیس کا تخت لے کر حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ یہ میرے رب کا فضل ہے[1]۔ یہ کسی کی بھی اپنی طاقت نہیں بلکہ ساری طاقتیں اللہ رب العزت کی ہیں۔ ہماری بات سننے کے بعد بھی کوئی ہم پر شرک کا فتوی لگائے تو اس کی مرضی۔ سعید اسعد اصل توحید بیان کر رہا ہے۔

آیت نمبر: ۱۱۸

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْ لَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَاۤ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

اور ان لوگوں نے کہا جو نہیں جانتے کہ اللہ ہم سے براہ راست بات کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں اترتی۔ ان لوگوں نے بھی ان کی بات کی طرح ایسے ہی کہا تھا جو ان سے پہلے تھے۔ ان کے دل ملتے جلتے ہیں۔ ہم نے اس قوم کے لیے کھول

[1] سورۃ النمل: ۴۰

کرنشانیاں بیان کردیں جو یقین رکھتی ہے۔

مشرکین نے کہا اللہ ہم سے براہ راست بات کیوں نہیں کرتا۔ اللہ ہمیں کہے کہ یہ میرا محبوب ہے، اس کا کلمہ پڑھو یا یہ کہ ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے ان سے پہلے لوگوں نے بھی ان کی بات کی طرح کہا تھا کہ ہم اللہ کو دیکھے بغیر ہرگز نہیں مانیں گے۔ ان کے دل ملتے جلتے ہیں۔ ان کے دل کے اندر بھی کجی تھی اور ان کے دل کے اندر بھی کجی ہے۔ وہ بھی شرارتی تھے اور یہ بھی شرارتی ہیں۔ تم ایک نشانی مانگتے ہو، ہم نے تو یقین والوں کے لیے کھول کھول کرنشانیاں بیان کی ہیں۔

آیت نمبر:۱۱۹

اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰكَ بِالۡحَقِّ بَشِيۡرًا وَّ نَذِيۡرًا ۙ وَّلَا تُسۡـَٔلُ عَنۡ اَصۡحٰبِ الۡجَحِيۡمِ ﴿۱۱۹﴾

بیشک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا خوشخبری سنانے والا، ڈر سنانے والا اور آپ سے دوزخ والوں کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم خوشخبری دیتے ہیں کہ ہم جنت کے قریب ہو رہے ہیں۔ جو ہماری بات مانے گا جنت جائے گا اور اللہ کے عذاب سے ڈراتے ہیں کہ ایمان لے آؤ ورنہ سزا بڑی سخت ہے۔ محبوب! آپ کا کام خوشخبری دینا اور ڈرانا ہے لیکن اس کے باوجود اگر کوئی جہنم میں چلا جائے تو اس کے بارے میں آپ سے سوال نہیں ہوگا۔

آیت نمبر:۱۲۰

وَلَنۡ تَرۡضٰى عَنۡكَ الۡيَهُوۡدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمۡ‌ؕ قُلۡ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الۡهُدٰى‌ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعۡتَ اَهۡوَآءَهُمۡ بَعۡدَ الَّذِىۡ جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ‌ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ ﴿۱۲۰﴾

اور یہ یہودی اور عیسائی ہرگز تم سے راضی نہیں ہوں گے یہاں تک کہ تم ان کے دین کی پیروی نہ کرو۔ محبوب! فرما دیجیے کہ اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے اور اگر تو نے علم آنے کے بعد بھی ان کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ سے تجھے بچانے والا نہ کوئی ولی ہو گا نہ مددگار۔

اس آیت میں مسلمانوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ خوامخواہ یہودیوں اور عیسائیوں کو خوش کرنے کی کوشش نہ کرتے رہا کرو کیونکہ یہ اس وقت تک راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کا دین قبول نہ کرو گے۔ ایک ہمارا مسلمانوں کا کلچر ہے جبکہ ایک یہود و نصاری کا کلچر ہے۔ پرائم منسٹر صاحب! بھول جاؤ کہ یہ مندر اور گردوارے بنانے سے راضی ہو جائیں گے۔ قرآن نے بہت پہلے فرما دیا تھا کہ جب تک تم اپنا کلچر چھوڑ کر ان کا کلچر اختیار نہیں کرتے یہ راضی نہیں ہوں گے۔ ان کے کلچر میں بہن، بیٹی اور ماں میں فرق نہیں کیا جاتا۔ سرعام فحاشی اور بے حیائی کی جاتی ہے۔ میں ایک بار انگلینڈ گیا تو واپسی پر میرے شاگرد کہنے لگے کہ استاد جی کتنوں کو مسلمان کیا؟ میں نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ میں اپنا ایمان بچا کر واپس آ گیا۔ یہود و نصاری چاہتے ہیں کہ پاکستان کے اندر بھی بے حیائی کو فروغ ملے۔ غیرت ختم ہو جائے

لیکن جب تک مسلمان میں غیرت ایمانی اور نبی کریم ﷺ کی ناموس پر جان دینے کا جذبہ موجود ہے ان شاء اللہ! اتنی دیر تک پاکستان میں اسلام کی بہاریں رہیں گی۔

اللہ ارشاد فرماتا ہے: پیارے حبیب! فرما دیجیے کہ اصل ہدایت اللہ کی ہدایت ہے۔ان کا کلچر اللہ کی طرف سے نہیں اور نہ ہی اللہ کو پسند ہے اور اگر تو نے علم کے باوجود ان کی خواہشات کی پیروی کی تو پھر تجھے اللہ سے بچانے کے لیے کوئی ولی اور کوئی مددگار نہیں ۔ یہ خطاب نبی کریم ﷺ سے ہے حالانکہ نبی کریم ﷺ سے یہود ونصاری کی خواہشات کی اتباع ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ تو اللہ کے عبد اور چنے ہوئے ہیں۔ اللہ نے محبوب علیہ السلام کا قلب اطہر مجسم اطاعت اور مجسم بندگی بنا رکھا ہے۔ اگر یہ خطاب حضور ﷺ سے ہو تو پھر بتایا جا رہا ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں جسم کی قدر نہیں بلکہ اس جسم کی قدر اور عزت ہے جس کے اندر اللہ کی اطاعت کا جذبہ موجود ہے۔ اصل چیز اللہ کی بندگی، اطاعت اور تقوی ہے۔ اس آیت کا جو ترجمہ اعلی حضرت، امام اہلسنت نے کیا اس سے یہ ساری تقریر کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ آپ نے یوں ترجمہ کیا:

اور (اے سننے والے کسے باشد) اگر تو ان کی خواہشوں کا پیرو ہوا بعد اس کے کہ تجھے علم آ چکا تو اللہ سے تیرا کوئی بچانے والا نہ ہوگا اور نہ مددگار۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ جو یہود ونصاری کی اتباع کی کوشش کرے اور ان کی خواہشات کے پیچھے چلے اس کا کوئی ولی اور مددگار نہیں ہے لیکن جو رسول اللہ ﷺ کی غلامی کرے، یہود ونصاری کے کلچر پر لعنت بھیجے تو پھر اس کا ایک نہیں بلکہ اللہ نے کئی ولی اور کئی مددگار

بنائے ہیں۔ کافر کا کوئی مددگار نہیں لیکن جو نبی علیہ السلام کا غلام ہے اللہ نے اس کے مددگار بنائے ہوئے ہیں۔ الحمدللہ! ہمارے مددگار ہیں۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا بیشک اللہ اور اس کا رسول اور اللہ کے نیک بندے تمہارے ولی ہیں۔[1]

آیت نمبر: ۱۲۱

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿١٢١﴾

ہم نے جن لوگوں کو کتاب دی ہے وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ تلاوت کرنے کا حق ہے۔ یہی لوگ ہیں جو اللہ کی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں اور جو اللہ کی کتاب کا انکار کرتے ہیں وہی خسارہ پانے والے ہیں۔

سارے عیسائی اور سارے یہودی برے نہیں۔ ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ کی کتاب کی تلاوت اس طرح کرتے ہیں جیسے تلاوت کرنے کا حق ہے۔ لفظ اور معنی دیکھنے کے ساتھ ساتھ اپنی حالت پر غور کرتے ہیں کہ کہیں ہمارا کوئی کام اللہ کی کتاب کے خلاف تو نہیں اور اپنی اصلاح کرتے ہیں۔ اگر کبھی ایسا ہو کہ خواہش، اللہ کے حکم کے خلاف ہے تو وہ اللہ کے حکم کی اتباع کرتے ہیں۔ مسلمان کا مزاج ایسا ہونا چاہیے کہ ایک طرف خواہش ہو جبکہ دوسری طرف اللہ کا حکم ہو تو وہ اللہ کے حکم کی پیروی کرے۔ جب یہ نظریہ بنا

---

[1] سورۃ مائدہ: ۵۵

لیا جائے کہ ہم نے خواہشات کی پیروی نہیں کرنی بلکہ اللہ کے حکم کی پیروی کرنی ہے تو ہم سے بڑا موحد ہو ہی نہیں سکتا۔ اللہ جو حکم دے، اس کو مانو اور اس پر عمل کرتے جاؤ تو ان شاءاللہ! جنت کا راستہ بالکل صاف اور واضح ہے۔ آرام سے چلتے چلتے جنت پہنچ جاؤ گے۔

آیت نمبر: ۱۲۲

يٰبَنِيٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِيَ الَّتِيٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَاَنِّيۡ فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۲۲﴾

اے یعقوب کے بیٹو! یاد کرو میرے احسان کو جو کہ میں نے تم پر کیا تھا اور میں نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت بخشی تھی۔

پتہ چلا کہ وہ بندہ اللہ کو بڑا پیارا لگتا ہے جو اس کے احسانات اور انعامات کو بیان کرے اور ان کا چرچا کرے۔ اللہ کے انعام کا چرچا کیا کرو کہ اللہ نے ہم پر بہت بڑا احسان فرمایا ہمیں نبی کریم ﷺ کے ذریعے قرآن کی دولت عطا فرمائی۔ ہمیں جسم، جان، صحت اور ایمان کی دولت عطا فرمائی۔ یہ نہیں کہنا چاہیے کہ میں بہت غریب ہوں، میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر کوئی ہمیں پچاس لاکھ روپے دے اور کہے اپنی ایک آنکھ دے دو یا ایک کروڑ روپیہ دے اور کہے کہ اپنی دونوں آنکھیں دے دو تو ہم کبھی بھی اپنی آنکھیں دینے کو تیار نہ ہوں۔ اللہ نے ہمیں صحت عطا کی۔ اس کی قدر کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب بندہ بیمار ہوتا ہے۔

ایک اربوں پتی شخص بیمار ہو گیا۔ اسے ہسپتال میں داخل کروا دیا گیا۔ ہفتہ، ڈیڑھ ہفتہ ہسپتال رہا پھر شفایاب ہو گیا اور گھر جانے لگا تو ہسپتال والوں نے کئی لاکھ روپے کا بل بنا کر ہاتھ میں تھما دیا۔ اس نے رونا شروع کر دیا۔ اس سے کہا گیا کہ آپ تو اربوں پتی ہیں اگر چند لاکھ روپے دے دیں تو آپ کو کیا فرق پڑے گا؟ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ وہ کہنے لگا میں اللہ کے کرم کو یاد کر کے رو رہا ہوں کہ میرے اللہ کا مجھ پر کتنا بڑا کرم ہے اس نے بلا معاوضہ مجھے صحت دیئے رکھی۔ ذرا سی صحت گڑبڑ ہوئی تو کتنے دن ہسپتال رہنا پڑا اور کتنے لاکھ کا بل بن گیا۔

اللہ کے انعامات کو یاد کرنا چاہیے اور اللہ کی رضا پر راضی رہنا چاہیے۔ کبھی شکوہ شکایت اور گلہ نہیں کرنا چاہیے۔ اپنی محنت پوری کرو اور اللہ کے احکامات پر عمل کرو لیکن جہاں اللہ رکھے اس حال میں راضی رہو۔ اللہ نے یہ مقام صحابہ کرام کو عطا کیا ہوا تھا۔ قرآن شریف میں جگہ بہ جگہ صحابہ کرام کے بارے میں آتا ہے کہ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔

ایک ملنگ سے پوچھا گیا کہ تیرا کیا حال ہے؟ وہ کہنے لگا موج لگی ہوئی ہے۔ سورج ہماری مرضی سے نکلتا ہے، بارش ہماری مرضی سے برستی ہے اور ہوا ہماری مرضی سے چلتی ہے۔ اسے کہا گیا کہ یہ کیا کہہ رہا ہے؟ تجھے عقل ہے؟ تیری مرضی کا کیا مطلب ہے؟ وہ کہنے لگا جو یار کی مرضی ہے وہی ہماری مرضی ہے تو پھر سب کچھ ہماری مرضی سے ہی ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہم نے بنی اسرائیل کو تمام جہان والوں پر

فضیلت بخشی۔ اس آیت کو پڑھ کر کوئی یہ نہ سمجھے کہ بنی اسرائیل نبی کریم ﷺ کی امت سے بھی افضل ہیں کیونکہ اس آیت کے عموم کا مخصص موجود ہے۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے: کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّۃٍ امتیں بڑی آئی ہیں لیکن اے میرے محبوب کی امت! تم سب امتوں میں سے افضل امت ہو۔[1]

آیت نمبر: ۱۲۳

وَاتَّقُوۡا یَوۡمًا لَّا تَجۡزِیۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ شَیۡـًٔا وَّلَا یُقۡبَلُ مِنۡهَا عَدۡلٌ وَّلَا تَنۡفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ ﴿۱۲۳﴾

اور اس دن سے ڈرو کہ کوئی جان دوسری جان کا بدلہ نہ ہوگی، اس جان سے کوئی بدلہ (فدیہ) قبول نہیں کیا جائے گا اور اس کو شفاعت نفع نہیں دے گی اور نہ ہی اس کی مدد کی جائے گی۔

یہاں جان سے مراد کافر جان ہے۔ کوئی بھی کافر کو نہیں بچا سکے گا۔ اس کی طرف سے فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا اور کسی کی شفاعت اسے فائدہ نہیں دے گی۔

نوٹ: شفاعت کی پوری بحث سورۃ البقرہ: ۴۸ کے تحت بیان ہو چکی ہے۔

آیت نمبر: ۱۲۴

وَاِذِ ابۡتَلٰۤی اِبۡرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیۡ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهۡدِی الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۲۴﴾

---

[1] سورۃ آل عمران: ۱۱۰

اور یاد کرو جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا تو ابراہیم نے ان کو پورا کر دیا۔ فرمایا: (اے ابراہیم پیارے!) میں تجھے لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ عرض کیا: اور میری اولاد سے۔ فرمایا: میرا وعدہ ظالموں کو نہیں پہنچتا۔

یہاں اِذ کا عامل قَالَ ہے یعنی یاد کرو جب اللہ نے کہا۔ بعض کتابوں میں اس کی تفسیر میں بیان ہوا کہ اللہ نے جناب ابراہیم علیہ السلام کا ناخن تراشنے اور بغل کے بال صاف کرنے کے متعلق امتحان لیا حالانکہ یہ بات درست نہیں کیونکہ اللہ کی شان سے بعید ہے کہ وہ ایسی چیزوں سے امتحان لے۔

سوال ہم لڑکوں کا امتحان اس لیے لیتے ہیں کیونکہ ہمیں نہیں پتہ ہوتا کہ کس لڑکے کی صحیح قابلیت کیا ہے لیکن اللہ تو ذرے ذرے کو جانتا ہے۔ اللہ نے امتحان کیوں لیا؟

جواب یہاں آزمانے اور امتحان لینے سے مراد حکم دینا ہے۔ ترجمہ یہ ہے کہ اور یاد کرو جب ابراہیم علیہ السلام کو ان کے رب نے چند باتوں کا حکم دیا تو انہوں نے اس کو پورا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے جناب ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ آگ میں چھلانگ لگاؤ تو آپ نے جان کی پرواہ کیے بغیر آگ میں چھلانگ لگا دی۔ جب اڑتے ہوئے جا رہے تھے تو جناب جبریل علیہ السلام نے عرض کی: یَا إِبْرَاهِيمُ أَلَكَ حَاجَةٌ؟ ابراہیم! کسی چیز کی ضرورت ہے؟ میں مدد کے لیے پہنچوں؟ فرمایا نہیں، تیری ضرورت نہیں۔ [1]

---

[1] تفسیر قرطبی، جلد: ۱۴، صفحہ: ۲۲۷، تحت آیت سورۃ ابراہیم: ۶۷ / تفسیر الطبری، جلد: ۱۸، صفحہ: ۴۶۷، تحت آیت سورۃ انبیاء: ۶۷ / تفسیر الثعلبی، جلد: ۶، صفحہ: ۲۸۱ / تفسیر بغوی، جلد سوم، صفحہ: ۲۹۴ / تفسیر خازن، جلد سوم، صفحہ: ۲۳۰ / درمنثور، جلد: ۵، صفحہ: ۶۴۱

سوال جناب ابراہیم علیہ السلام کا ایمان یہ تھا کہ اللہ کے سوا کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ اسی لیے تو انہوں نے جبریل علیہ السلام کی مدد کو قبول نہیں کیا۔

جواب جناب ابراہیم علیہ السلام کی توحید تو بہت اونچی تھی لیکن جبریل امین علیہ السلام مدد کرنے کے لیے کیوں آئے؟ وہ تو سدرۃ المنتھی پر رہتے ہیں؟ یقیناً ان کو اللہ نے بھیجا تھا۔ پتہ چلا اللہ کے بندے اللہ کے بندوں کی مدد کرتے ہیں۔ اب بندے کی مرضی کہ وہ کسی کی مدد کو قبول کرے چاہے نہ کرے۔ جناب ابراہیم علیہ السلام کی تار براہ راست اللہ تعالیٰ کی جانب جڑی ہوئی تھی اس لیے فرمایا جبریل تیری ضرورت نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جناب ابراہیم علیہ السلام کو آزمایا کہ اپنے تیرہ سال کے بیٹے کے گلے پر چھری چلا تو آپ نے اس حکم کو بھی پورا کر دیا اور اپنے بیٹے کے گلے پر چھری چلا دی۔ [1]

یہاں سے جناب ابراہیم علیہ السلام کا ذکر شروع ہونے میں حکمت یہ ہے کہ اس سے قبل یہودیوں اور عیسائیوں کا ذکر تھا اور ان کا دعوی یہ تھا کہ جناب ابراہیم علیہ السلام یہودی یا

---

[1] اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ﴿۱۰۳﴾ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ پھر جب وہ اس کے ساتھ کام کے قابل ہو گیا کہا اے میرے بیٹے میں نے خواب دیکھا کہ میں تجھے ذبح کرتا ہوں اب تو دیکھ تیری کیا رائے ہے کہا اے میرے باپ کیجئے جس بات کا آپ کو حکم ہوتا ہے خدا نے چاہا تو قریب ہے کہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔ تو جب ان دونوں نے ہمارے حکم پر گردن رکھی اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹایا اس وقت کا حال نہ پوچھ اور ہم نے اسے ندا فرمائی کہ اے ابراہیم بے شک تو نے خواب سچ کر دکھایا ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو (سورۃ الصافات: ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵)

عیسائی تھے تو اب اللہ تعالیٰ جناب ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرما رہا ہے کہ آؤ، میں تمہیں بتاتا ہوں کہ ابراہیم کون تھے۔

اللہ تعالیٰ نے جناب ابراہیم علیہ السلام کو فرمایا کہ بیشک میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ پیارے ابراہیم! میں تجھے منصب رسالت عطا کرنے والا ہوں۔ جو لوگ شریعت اور قانون لے کر آتے ہیں ان سب کا پیشوا بنانے والا ہوں اور دوسرا یہ کہ ابراہیم پیارے! جو بھی میری بارگاہ کی طرف رجوع کرنا چاہتا ہوگا، مجھ سے معافی مانگنا چاہتا ہوگا اور میرے دین کو قبول کرنا چاہتا ہوگا میں تمہیں ان سب کا پیشوا بنا دوں گا۔ جناب ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی: یا اللہ! کیا یہ منصب میری اولاد کو بھی ملے گا؟ فرمایا: ابراہیم! تو انہی کا امام ہوگا جو میری بارگاہ میں جھکنے والے ہیں، دل سے میرے فرمانبردار ہیں اور جو ظالم ہوں گے میری بارگاہ میں جھکنے والے نہیں ہوں گے میرا وعدہ ان کو نہیں پہنچے گا۔

کیا منصب امامت منصب نبوت پر فائق ہے؟

شیعہ حضرات کے نزدیک منصب امامت، منصب نبوت سے اوپر (فائق) ہے اور مرتبہ ختمیت سے ذرا کم۔ اسی بنا پر وہ اپنے مذعومہ بارہ آئمہ کا مرتبہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے زیادہ مانتے ہیں اور دلیل اسی آیت کو بناتے ہیں جبکہ اس آیت میں نہ تو بارہ اماموں کا ذکر ہے اور نہ ہی یہ درج ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام نبیوں سے افضل ہیں اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ اگر یہ مسئلہ حق ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کا ذکر قرآن شریف میں ضرور فرماتا۔

شیعہ حضرات کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ ہمارے امام منصوص من اللہ ہیں جبکہ ان کے

پاس آئمہ کے منصوص من اللہ ہونے پر ایک بھی دلیل قرآن شریف سے موجود نہیں۔ ہاں! ایک حدیث شریف مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ ضرور پڑھتے ہیں لیکن اس کا یہ معنی کہاں سے نکلا کہ یہ بارہ مذعومہ امام منصوص من اللہ ہیں اور ان کا مرتبہ تمام انبیاء علیہم السلام سے زیادہ ہے؟

لفظ مولا کے کئی معانی ہیں۔ دیکھیے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَ جِبْرِيْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ [1] تو جس معنی میں اللہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مولا ہے اس معنی میں جبریل علیہ السلام، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مولا نہیں ہیں اور جس معنی میں جبریل علیہ السلام، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مولا ہیں اس معنی میں عام نیک مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مولا نہیں ہیں۔

اسی طرح مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ [2] اس حدیث مبارک میں جس معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مولا ہیں اس معنی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ مولا نہیں ہیں یا حدیث کا ترجمہ یوں کیجیے کہ جس کا میں محبوب ہوں علی بھی اس کا محبوب ہے۔ اس حدیث کا مسئلہ امامت سے کیا تعلق؟ اس حدیث میں تو جناب مولا علی رضی اللہ عنہ سے محبت کی ترغیب دی جا رہی ہے۔

آیت نمبر: ۱۲۵

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ

---

[1] سورۃ تحریم: ۴

[2] جامع ترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، صفحہ: ۸۴۵، رقم الحدیث: ۳۷۱۳ / امام ترمذی اس حدیث کو حسن غریب قرار دیتے ہیں جبکہ البانی صاحب کی تحقیق کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے

مُصَلًّى ؕ وَعَهِدۡنَاۤ اِلٰۤی اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِیۡلَ اَنۡ طَهِّرَا بَیۡتِیَ لِلطَّآئِفِیۡنَ وَالۡعٰکِفِیۡنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوۡدِ ﴿۱۲۵﴾

اور یاد کرو جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے پلٹنے کی جگہ اور امن کی جگہ بنایا اور (فرمایا) ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کی جگہ بناؤ اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو حکم دیا تھا کہ میرے اس گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجدہ کرنے والوں کے لیے صاف ستھرا رکھنا۔

مثابہ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں لوگ بار بار پلٹ کر آئیں۔ اللہ تعالیٰ بیت اللہ شریف کو پلٹنے کی جگہ (اجتماع کی جگہ) اور امن کی جگہ فرما رہا ہے۔ قربان جائیں مکہ شریف پر کہ یہ اتنے امن کی جگہ ہے کہ سگے باپ کے قاتل کو بھی حرم شریف میں کچھ نہیں کہنا اور کسی پرندے کا شکار بھی نہیں کرنا۔

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جس جگہ جناب ابراہیم علیہ السلام کے قدم لگے ہیں اس کو نماز پڑھنے کی جگہ بناؤ۔ اس کی تفصیل سورۃ فاتحہ میں اِیَّاکَ نَعۡبُدُ میں بیان ہو چکی ہے۔ وہاں ملاحظہ کریں۔

اللہ تعالیٰ نے جناب ابراہیم اور جناب اسماعیل علیہما السلام کو حکم دیا کہ میرے گھر بیت اللہ شریف کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے صاف ستھرا رکھو۔ صاف رکھنے کا ایک مطلب یہ ہے کہ اس میں کوئی بھی گندگی نہ ہو کہ جس سے عبادت کرنے والے کراہت محسوس کریں جبکہ ایک مطلب یہ ہے کہ میرے اس گھر کو شرک سے پاک رکھنا ہے۔ کوئی مورتی نہ رکھنے دینا کہ لوگ اس کی پوجا پاٹ کریں۔

ظاہری و باطنی ہر طرح کی نجاست سے پاک رکھنا ہے۔ یہاں مفسرین نے لکھا کہ طواف کرنے والوں سے مراد باہر سے آنے والے لوگ ہیں جبکہ اعتکاف کرنے والوں سے مراد مکہ شریف کے مقامی لوگ ہیں۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کے گھر کی خدمت سے ہچکچانا نہیں چاہیے بلکہ اگر اللہ کا قرب چاہتے ہو تو اپنے پڑوس میں موجود اللہ کے گھر کی خدمت اور صفائی کرو۔ میں نے دیکھا ہمارے ادارے میں کئی طلباء حصول علم کے لیے آتے ہیں۔ بعض تو بادشاہ ہوتے ہیں کسی کو پوچھتے تک نہیں جبکہ بعض ایسے ہوتے ہیں کہ رات کی تاریکی میں جب کوئی دیکھ نہیں رہا ہوتا تو وہ ٹونٹیاں صاف کررہے ہوتے ہیں۔ مسجد کی خدمت کرنا اللہ کا حکم ہونے کے ساتھ ساتھ انبیاء کرام کی سنت بھی ہے۔

آیت نمبر: ۱۲۶

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾

اور یاد کرو جب ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! اس جگہ کو امن والا شہر بنا اور یہاں کے رہنے والوں کو پھلوں کا رزق دے جو بھی اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے۔ فرمایا: اور جو انکار کرے اس کو بھی تھوڑا (کھانے، پینے کا) سامان دوں گا پھر اسے جہنم کے عذاب کی طرف کھینچ کرلے جاؤں گا اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

پہلے جو آیات بیان ہوئیں ان میں اللہ تعالیٰ ہدایات دے رہا تھا اور اب جناب ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کر رہے ہیں۔ رَبِّ میں یائے متکلم محذوف ہے۔ جناب ابراہیم علیہ السلام نے مکہ شریف کے لیے دعا مانگی کہ یا اللہ! اس جگہ کو امن والا شہر بنا۔ اس دعا کو کیسے ہوئے کئی ہزار سال گزر گئے لیکن دعا کا اثر آج بھی ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مکہ شریف کو پر امن شہر بنایا۔ مکہ شریف میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں سبزیاں اگائی جا سکیں کیونکہ یہاں پتھریلی زمین ہے۔ جناب ابراہیم علیہ السلام دعا کر رہے ہیں کہ مالک! ان کو پھلوں کا رزق عطا فرما۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا کہ جو پھل یہاں نہیں ملتا مکہ شریف میں وافر مقدار میں دستیاب ہے۔ آپ کے ذہن میں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا تو عرض کرتے ہیں یا اللہ! یہ پھلوں کا رزق صرف ان لوگوں کو عطا فرما جو تجھ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ پر ایمان مبدا (ابتداء) ہے جبکہ آخرت کا دن معاد (جہاں لوٹ کر جانا) ہے۔ مبدا اور معاد دونوں کا ذکر کیا جس کے اندر سب کچھ آ گیا۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ابراہیم پیارے! جو کوئی انکار بھی کرے میں اسے بھی دنیا کی چند روزہ زندگی میں کھانے پینے کا سامان دوں گا۔ میں اس سے کھانا پینا نہیں روکوں گا پھر اسے جہنم کے عذاب کی طرف کھینچ کر لے جاؤں گا۔ جہنم بہت برا ٹھکانا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو جہنم سے محفوظ فرمائے۔

آیت نمبر: ۱۲۷

وَ اِذۡ یَرۡفَعُ اِبۡرٰهٖمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَیۡتِ وَ اِسۡمٰعِیۡلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلۡ

مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١٢٧﴾

اور یاد کرو جب ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادوں کو اٹھا رہے تھے اور اسماعیل علیہ السلام اور دعا مانگ رہے تھے کہ ہمارے رب! تو ہماری طرف سے یہ محنت قبول فرما، بیشک تو قبول فرمانے والا جاننے والا ہے۔

یہاں سے پتہ چلا کہ جناب ابراہیم علیہ السلام کعبہ شریف کے اصل بانی نہیں ہیں کیونکہ وہ کعبہ شریف کی بنیادوں کو اٹھا رہے تھے۔ اب تعمیرات کی وجہ سے سیلاب کے پانی کی جگہ نہیں رہی ورنہ پہلے سیلاب کا پانی اسی راستے سے گزرتا تھا جس کی وجہ سے کعبہ شریف کی دیواریں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گئی تھیں۔ اس کی بنیادیں پہلے سے موجود تھیں جو کہ جناب آدم علیہ السلام نے بنائی تھیں۔

دونوں برگزیدہ نبی کعبہ شریف کی بنیادوں کو اٹھا رہے تھے اور پھر دعا کر رہے تھے کہ یا اللہ! ہماری اس محنت کو قبول فرما۔ پتہ چلا کہ بندہ کوئی بھی نیکی کا کام کرے تو اس میں اکڑ نہیں ہونی چاہیے کہ میں یہ کام کر رہا ہوں ۔ جناب ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام عبادت (کعبہ کی تعمیر) کر رہے ہیں اور عاجزی وانکساری کے ساتھ اپنے رب کی بارگاہ میں عرض کر رہے ہیں کہ یا اللہ! ہماری اس محنت کو قبول فرما۔ ہمیں بھی چاہیے کہ نماز نصیب ہو یا درود شریف پڑھنا نصیب ہو یا کوئی بھی نیکی کرنا نصیب ہو تو عاجزی اختیار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کریں کہ یا اللہ! ہماری اس محنت کو قبول فرما۔

آیت نمبر: ۱۲۸

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾

یا اللہ! ہم دونوں کو مسلم رکھ اور ہم دونوں کی اولاد میں سے ایک گروہ مسلمان رہے اور ہمیں ہماری عبادت کے طریقے بتا اور ہم پر اپنی رحمت کے ساتھ رجوع فرما بیشک تو توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

جناب ابراہیم علیہ السلام اور جناب اسماعیل علیہ السلام دعا کر رہے ہیں کہ یا اللہ! ہمیں اپنا فرمانبردار رکھ۔ اصل چیز یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار رہے۔ اللہ کی فرمانبرداری کے اصول نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمائے۔ توحید کا اپنا مقام ہے اور رسالت کا اپنا مقام ہے۔ دونوں ضروری ہیں۔ جو بندہ یہ سمجھے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر اللہ تعالیٰ تک پہنچ جائے گا تو یہ بالکل غلط بات ہے۔

خلاف پیمبر کسے راگزید ہرگز بمنزل نخواہد رسید

جس نے بھی نبی پاک علیہ السلام کی مخالفت کا راستہ اختیار کیا وہ جنت میں نہیں جا سکتا۔

جناب ابراہیم علیہ السلام اور جناب اسماعیل علیہ السلام نے صرف اپنے لیے ہی دعا نہیں کی بلکہ اپنی اولاد کے ایک گروہ کے فرمانبردار رہنے کی بھی دعا کی۔ ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی ایک اولاد جناب اسحاق علیہ السلام سے چلی جبکہ ایک اولاد جناب اسماعیل علیہ السلام سے چلی ہے۔ یہاں اس اولاد کے لیے دعا ہو رہی ہے جو جناب اسماعیل علیہ السلام سے چلی کہ یا اللہ!

ساری اولاد کا بیڑا غرق نہ ہو، سارے ہی بے ایمان نہ بن جائیں۔ مہربانی فرما ایک گروہ مسلمانوں کا رہے۔ یا اللہ! ہمیں ہمارے مناسک دکھا۔ مناسک منسک کی جمع ہے یعنی ہماری عبادت کے طریقے، حج کے طریقے بتا اور ہم پر اپنی رحمت کے ساتھ متوجہ ہو۔ جناب ابراہیم علیہ السلام جدالانبیاء ہیں لیکن پھر بھی اللہ کی بارگاہ میں رحم وکرم کی دعا مانگ رہے ہیں۔ ہم بھی دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ! ان پاکیزہ ہستیوں کی برکت سے ہم پر بھی رحم فرما۔ ہم تیرے دین اور قرآن کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں ہم پر رحمت کے ساتھ متوجہ ہو۔ بیشک تو بہت توبہ قبول فرمانے والا، رحمت فرمانے والا ہے۔

آیت نمبر:۱۲۹

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٢٩﴾

یا اللہ! ان میں انہی (مسلم گروہ) میں سے ایک شان والا رسول بھیج جو ان پر تیری آیتیں تلاوت کرے اور انہیں کتاب کی تعلیم دے اور پختہ علم سکھائے اور انہیں پاک بھی کرے بیشک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے لیے دعا کی جا رہی ہے کہ یا اللہ! کعبہ بسانے والا، شان والا رسول ہماری اولاد کے فرمانبردار گروہ میں سے بھیج۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن حضرات میں سے ہو کر تشریف لائے وہ سارے کے سارے اسلام والے تھے[1]۔ اس شان والے رسول کی ذمہ داری یہ ہوگی کہ وہ تیری آیتوں کی

[1] تفصیلی بحث کے لیے سورۃ البقرہ:۳۹ کی تفسیر ملاحظہ کیجیے۔

تلاوت فرمائے گا، کتاب، پختہ باتوں اور حکمت ودانائی کی تعلیم دے گا اور لوگوں کو پاک و صاف بھی کرے گا۔

ہمارے میلے کپڑوں کو ستھرا کرنے کے لیے ان کو پانی، صابن اور سرف سے دھویا جاتا ہے لیکن اگر میلا کپڑا پانی اور صابن کے قریب نہ جائے یا پانی اور صابن میلے کپڑے کے قریب نہ جائے تو وہ پاک اور ستھرا نہیں ہوسکتا۔ بلاتشبیہ جس کا دل پلید ہو، جب تک یہ بارگاہ مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم میں حاضر نہ ہو اور مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم اس کو قرب کی دولت عطا نہ کریں اتنی دیر تک یہ اندر سے پاک نہیں ہوسکتا۔ اندر سے تبھی پاک ہوگا جبکہ تو مصطفی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کو اپنا نگران مانے۔

آیت نمبر: ۱۳۰

وَمَنۡ یَّرۡغَبُ عَنۡ مِّلَّةِ اِبۡرٰهٖمَ اِلَّا مَنۡ سَفِهَ نَفۡسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصۡطَفَیۡنٰهُ فِی الدُّنۡیَا ۚ وَاِنَّهٗ فِی الۡاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۳۰﴾

اور کون ہے جو ابراہیم کے دین سے منہ پھیرے مگر جس نے اپنے آپ کو بیوقوف بنایا اور بیشک ہم نے اسے دنیا میں چن لیا اور بیشک یہ آخرت میں ہمارے انتہائی قربی لوگوں میں سے ہوگا۔

رَغِبَ یَرۡغَبُ کا صلہ اِلٰی آئے تو اس کا معنی توجہ کرنا، رغبت کرنا ہے جبکہ اگر اس کا صلہ عَنۡ آجائے تو اس کا معنی منہ پھیرنا ہے جیسے کہ حدیث میں ہے: فَمَنۡ رَغِبَ عَنۡ سُنَّتِي فَلَيۡسَ مِنِّي جس نے میری سنت سے منہ پھیرا وہ میرے طریقے پر نہیں۔ [1]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، صفحہ: ۱۲۹۲، رقم الحدیث: ۵۰۶۳

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو جناب ابراہیم علیہ السلام کے دین سے پھرا وہ پاگل اور بیوقوف ہے۔ یہود و نصاری! تم نے جناب ابراہیم علیہ السلام کے دین سے منہ پھیرا۔ میں نے اپنے محبوب علیہ السلام کو دین ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بھیجا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی میں جناب ابراہیم علیہ السلام کو چن لیا کہ آپ کے بعد جتنے بھی نبی آئے آپ ہی کی اولاد میں سے آئے۔ آخرت میں بھی آپ اللہ تعالیٰ کے قرب میں صالحین میں سے ہوں گے۔

آیت نمبر: ۱۳۱

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾

جب کہا اس کو اس کے رب نے کہ سر جھکا دے (مان لے) تو اس نے کہا میں ساری کائنات کے پالن ہار کے آگے سر جھکاتا ہوں۔

جناب ابراہیم علیہ السلام کے دنیا کی زندگی میں چنے جانے اور آخرت میں صالحین میں سے ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں یہ خوبی تھی کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا سر جھکا تو انہوں نے بلا تردد اپنی گردن جھکا دی اور بات کو قبول کر لیا۔

آیت نمبر: ۱۳۲

وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ؕ﴿۱۳۲﴾

اور ابراہیم اور یعقوب نے اپنے بیٹوں کو اسی ملت کی وصیت فرمائی کہ اے میرے بیٹو! بیشک اللہ نے تمہارے لیے یہی دین چن لیا ہے تو ہرگز نہ مرنا مگر یہ کہ تم مسلم ہو۔

پہلے بیان ہوا وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اس آیت میں بِهَا کی ہاء ضمیر کا مرجع مِلَّةِ ہے۔ جناب ابراہیم علیہ السلام اور جناب یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کی کہ ملت ابراہیمی پر قائم رہیں اور جب جان نکلنے لگے تو اس وقت بھی گردن میں اللہ کی عبدیت کا پٹہ موجود ہونا چاہیے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے مسلمان ہیں

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جناب ابراہیم علیہ السلام اور جناب یعقوب علیہ السلام دونوں مسلم تھے اور یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ مرتے دم تک مسلمان ہی رہنا۔ پتہ چلا کہ یہ سب اللہ کو سجدہ کرنے والے تھے، مسلمان تھے اور ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسد بشری اگرچہ سیدہ طیبہ طاہرہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے بطن اطہر میں تیار ہوا لیکن سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کو سجدہ نبی کریم علیہ السلام کے نور مقدس نے فرمایا تھا جس پر آیت کریمہ "وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ اور میں سب سے پہلا مسلم ہوں"[1] شاہد ہے۔

مفتی شفیع صاحب لکھتے ہیں:

اور پہلا مسلمان ہونے سے اس طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے کہ مخلوقات میں سب سے پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور مبارک پیدا کیا گیا ہے، اس کے بعد تمام آسمان و زمین اور مخلوقات وجود میں آئے جیسا کہ ایک حدیث میں ارشاد ہے: اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالٰى نُوْرِيْ (روح المعانی)[2]

---

[1] سورۃ الانعام: ۱۶۳

[2] معارف القرآن، جلد سوم، صفحہ: ۵۱۰، تحت آیت سورۃ انعام: ۱۶۳

آیت نمبر: ۱۳۳

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾

جب یعقوب علیہ السلام کے پاس موت حاضر ہوئی تو اس وقت تمہارے باپ دادا ان کے پاس موجود تھے جب یعقوب نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ تم لوگ میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ وہ بولے: ابا جان! جو آپ کا اور آپ کے آباء ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کا معبود ہے ہم اسی کی عبادت کریں گے۔ وہ ایک معبود ہے اور ہم سب اسی کی بارگاہ میں سر جھکانے والے ہیں۔

یہودی حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اسرائیل بھی کہتے ہیں تو یہ بنی اسرائیل بنے۔ ان کا دعوی یہ تھا کہ یعقوب علیہ السلام نے ہمیں یہودی رہنے کی نصیحت کی ہے اور یہ شرک کی نسبت بھی جناب یعقوب علیہ السلام کی طرف کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس بات کی تردید فرما رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جھوٹ کیوں بولتے ہو کہ یعقوب علیہ السلام نے مرتے وقت یہودی رہنے کی وصیت کی تھی؟ کیا تم اس وقت موجود تھے جب موت جناب یعقوب علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئی؟ اَمْ منقطعہ بھی ہوتا ہے اور متصلہ بھی۔ اس آیت کا ایک معنی یہ ہے کہ کیا تم اس وقت موجود تھے اور دوسرا معنی یہ ہے کہ جھوٹ کیوں گھڑتے ہو؟ جب یعقوب علیہ السلام کے پاس موت حاضر ہوئی تھی اس وقت تمہارے باپ دادا ان کے پاس موجود تھے۔ انہوں نے تمہیں بتایا ہے، تمہیں پتہ ہے کہ

انہوں نے شرک کرنے کا نہیں کہا بلکہ انہوں نے ایک معبود جو کہ وحدہ لاشریک ہے کی عبادت کرنے کا کہا تھا۔

انبیائے کرام پر بھی موت واقع ہوتی ہے

قبل اس کے کہ اس آیت کی بقیہ تفسیر بیان ہو دو باتیں سمجھ لیجیے۔

ایک یہ کہ جناب یعقوب علیہ السلام پر موت آئی، جناب آدم علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام پر بھی موت آئی۔ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر زندہ موجود ہیں، جب وہ تشریف لائیں گے، اپنا وقت گزار لیں گے تو ان پر بھی موت آئے گی۔ ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی موت آئی۔ میں اس بات کو اس لیے ذرا زور دے کر بیان کرنا چاہتا ہوں کہ تقریباً ہر دوسرے تیسرے جمعہ میں ہم یہ شعر پڑھتے ہیں:

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ

مرے چشم عالم سے چھپ جانے والے[1]

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اللہ کی قسم آپ زندہ ہیں۔ جب وضاحت نہیں ہوتی تو پھر شکوک و شبہات جنم لیتے ہیں۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ ہیں اس لیے آپ پر موت نہیں آئی۔ یہ بنیادی مسئلہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی موت حاضر ہوئی ہے۔ ہمارے مخالفین بھی اسی بات کو بنیاد بنا کر اہلسنت پر اعتراض کرتے رہتے ہیں۔ دو سال پہلے بول ٹی وی پر اسی موضوع پر مکالمہ ہوا تھا۔ اس وقت بہت زیادہ شور مچا تھا۔ جس کا جواب ہم بہت پہلے دے چکے تھے۔

---

[1] حدائق بخشش، صفحہ:۷۹، مطبوعہ پروگریسو بکس اردو بازار لاہور

لطیفہ: سلانوالی سے جھنگ کی طرف آتے ہوئے راستے میں ایک گاؤں ہے۔ وہاں ایک بار جلسہ تھا۔ آپ کے علم میں ہے کہ ہماری تقریر کے دو حصے ہوتے ہیں۔ پہلے حصے میں جو کچھ کہنا ہوتا ہے کہہ لیتا ہوں جبکہ دوسرا حصہ سامعین کے لیے ہوتا ہے۔ انہوں نے جو مسئلہ پوچھنا ہوتا ہے پوچھ لیتے ہیں۔ ایک لڑکا سوال کرنے کے لیے کھڑا ہو گیا۔ کہنے لگا مولوی صاحب! کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ ہیں؟ میں نے کہا: بالکل زندہ ہیں۔ کہنے لگا: پھر بتائیے ان کی عمر مبارک کتنی ہے؟ میں نے کہا تریسٹھ سال۔ کہنے لگا: اگر زندہ ہیں تو پھر تریسٹھ پر بریک کیوں لگی ہوئی ہے؟ پھر تو عمر زیادہ ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمائی فوراً اس کا جواب سمجھا دیا۔ میں نے پوچھا: بیٹے! تیری عمر کتنی ہے؟ کہنے لگا: انیس سال۔ میں نے پوچھا: تیری عمر کا پہلا دن کب شروع ہوا؟ کہنے لگا: جب میں پیدا ہوا پھر میں نے پوچھا: بیٹے! یہ بتا جس دن تو پیدا ہوا تھا اس سے پہلے کیا تو اپنی ماں کے پیٹ میں چند دن زندہ رہا ہے کہ نہیں رہا؟ کہنے لگا: بالکل میں ماں کے پیٹ میں زندہ رہا ہوں۔ میں نے پوچھا وہ جو تو چند مہینے ماں کے پیٹ میں زندہ رہا ہے تو نے اپنی عمر میں شمار کیوں نہیں کیے؟ کہنے لگا: جناب وہ تو جہان ہی اور تھا۔ بات تو اس جہان کی ہو رہی ہے۔ میں نے کہا: بس بیٹے یہی جواب ہے۔ جہان کئی ہیں۔ ایک ماں کے پیٹ والا جہان ہے، ایک ولادت سے لے کر موت تک کا جہان ہے۔ جوں ہی بندے کی روح قبض ہوتی ہے بندے کا جہان بدل جاتا ہے اور بندہ برزخ میں پہنچ جاتا ہے۔ اس جہان کا نام عالم برزخ ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ

ان کے آگے ایک آڑ (برزخ) ہے اس دن تک جس میں اٹھائے جائیں گے۔[1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دنیا والا جسم برزخ میں زندہ ہے۔ آپ قبر انور میں نماز بھی ادا فرماتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے: اَلْأَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُورِهِمْ يُصَلُّونَ سارے نبی اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز بھی پڑھتے ہیں۔[2]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

مَرَرْتُ عَلَى مُوسٰى لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي عِنْدَ الْكَثِيبِ الْأَحْمَرِ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي قَبْرِهٖ

میں معراج کی رات موسیٰ علیہ السلام کے پاس ریت کے سرخ ٹیلے کے پاس سے گزرا تو وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔[3]

---

[1] سورۃ المؤمنون: ۱۰۰

[2] مسند ابی یعلی الموصلی، مسند انس بن مالک رضی اللہ عنہ، جلد: ۶، صفحہ: ۱۴۷، رقم الحدیث: ۳۴۲۵/ حسین سلیم اسد نے اس حدیث کے بارے میں کہا کہ اس کی سند بالکل صحیح ہے/ مسند بزار، مسند ابی حمزۃ انس بن مالک، جلد: ۱۳، صفحہ: ۲۹۹، رقم الحدیث: ۶۸۸۸ / مجمع الزوائد، کتاب فیہ ذکر الانبیاء، باب ذکر الانبیاء، جلد: ۸، صفحہ: ۲۱۱ / امام ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: اس حدیث کو ابو یعلی اور بزار نے روایت کیا اور ابو یعلی کے رجال ثقہ ہیں۔

[3] صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل موسیٰ علیہ السلام، صفحہ: ۱۱۱۵، رقم الحدیث: ۶۱۵۷ /سنن نسائی، کتاب قیام اللیل وتطوع النہار، ذکر صلاۃ نبی اللہ موسیٰ علیہ السلام، صفحہ: ۲۳۶، رقم الحدیث: ۱۶۳۲ / مسند احمد، مسند انس بن مالک رضی اللہ عنہ، جلد: ۲۱، صفحہ: ۲۱۵، رقم الحدیث: ۱۳۵۹۳ / شرح السنہ للبغوی، کتاب الفضائل، باب المعراج، جلد: ۱۳، صفحہ: ۳۵۲، رقم الحدیث: ۳۷۶۰

قبل اس کے کہ ہم مزید تفسیر بیان کریں مناسب سمجھتے ہیں کہ مسئلہ حیات النبی ﷺ پر تفصیلی بحث کریں تاکہ اس کے متعلق شکوک وشبہات دور ہوں۔ ہم اہلسنت وجماعت کا نظریہ ہے کہ نبی کریم ﷺ پر موت واقع ہوئی ہے لیکن اب نبی کریم ﷺ کا یہی دنیاوی جسم عالم برزخ (قبرانور) میں زندہ ہے۔ ہمارے پاس اس مسئلہ میں قرآن وسنت کی تصریحات بلکہ مخالفین کے بزرگوں کی آراء بھی موجود ہیں جن کے مطالعہ سے ہر خالی الذہن ہمارے مؤقف کی تائید کرے گا۔ سب سے پہلے اس مسئلہ کو قرآن پر پیش کرتے ہیں کہ قرآن اس بارے میں کیا فرماتا ہے۔ نبی مکرم، شفیع اعظم، جان دوعالم ﷺ تو بہت اعلیٰ وارفع شان کے مالک ہیں: بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر پوری کائنات میں اللہ کی مخلوق میں نبی کریم ﷺ سے بڑا کوئی نہیں۔

عذاب قبر حق ہے

نبی کریم ﷺ، شہدا، صدیقین اور صالحین کی حیات پر گفتگو کرنے سے پہلے کفار کے بارے میں بات کرتے ہیں کہ جب وہ قبر میں جاتے ہیں تو وہ بھی بالکل ختم نہیں ہو جاتے۔ ان کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے۔ اہلسنت کا متفقہ نظریہ ہے کہ قبر کا عذاب حق ہے۔ عذاب اسی کو ہوتا ہے جس میں عذاب کا احساس، شعور اور ادراک موجود ہو۔ اگر کسی کے اندر سزا سہنے کا شعور اور ادراک نہیں تو اس کو سزا دینے کا کیا فائدہ؟ کیا کبھی ایسا ہوا کہ کسی عمارت کے ستون کو سزا دی جائے اور کہا جائے کہ تو نے چوری کیوں کی؟ ستون کو سزا نہیں دی جاتی۔ سزا ہمیشہ اس کو دی جاتی ہے جس کے اندر حیات ہو۔ جب کافر کے اندر

حیات ہے تو مومنوں کے اندر بدرجہ اولی حیات موجود ہے۔قبر میں کافر بھی زندہ ہوتا ہے اور مومن بھی۔فرق یہ ہے کہ کافر تنگی اور مشکل میں ہے جبکہ مومن آسانی اور راحت میں ہے۔مومن سے شہید کی زندگی اعلی،شہیدوں سے صدیقوں کی زندگی اعلی،صدیقوں سے نبیوں کی زندگی اعلی اور سب نبیوں سے ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ارفع واعلیٰ ہے۔

۱: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ مَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡ ذِكۡرِیۡ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيۡشَةً ضَنۡكًا وَّ نَحۡشُرُهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ اَعۡمٰى﴿۱۲۴﴾

اور جس نے میری یاد سے منہ پھیرا تو بیشک اس کے لیے تنگ زندگانی ہے اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ ؎۱

یہ تنگ زندگی کب ہے؟ بظاہر تو مغربی ممالک میں کفار کے پاس مسلمانوں سے زیادہ دولت ہے۔ وہ تنگ زندگی نہیں گزار رہے۔عیاشی کر رہے ہیں۔قرآن کس تنگ زندگی کی بات کر رہا ہے؟ اس بات کو سمجھنے کے لیے ایک وہابی عالم احمد حسن صاحب دہلوی کے قلم سے اس آیت کی صحابہ کرام سے مروی تفسیر ملاحظہ کیجیے۔

احمد حسن دہلوی لکھتے ہیں:

حاصل مطلب ان آیتوں کا یہ ہے کہ جس شخص نے آسمانی کتاب اور اللہ کے رسول کو نہ مانا وہ مرتے ہی عذاب قبر میں گرفتار ہوگا ''مَعِيۡشَةً ضَنۡكًا'' میں اگرچہ سلف کے

؎۱ سورۃ طہ: ۱۲۴

کئی قول ہیں لیکن حافظ ابوجعفر ابن جریر نے اپنی تفسیر میں عذاب قبر کو ترجیح دی ہے۔ معتبر سند سے مسند بزار میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس میں خود صاحب وحی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مَعِيْشَةً ضَنْكًا کی تفسیر عذاب قبر کی فرمائی ہے۔ مسند امام احمد اور ابوداؤد میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی صحیح روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عذاب قبر سے پناہ مانگنے کی ہدایت فرما کر فرمایا: نافرمان لوگ جب قبر میں منکر نکیر کے سوالوں کا پورا جواب نہ دیں گے تو ان کی قبروں میں آگ کا فرش بچھا کر آگ کا لباس پہنا دیا جائے گا اور دوزخ کی گرم ہوا بھی ان کی قبروں میں آتی رہے گی اور ان کی قبروں کو یہاں تک تنگ کیا جائے گا کہ ان کی پسلیاں ٹوٹ جائیں گی اور ایک بہرہ گونگا فرشتہ لوہے کا ایسا بھاری ہتھوڑا لے کر آئے گا کہ وہ ہتھوڑا پہاڑ پر بھی مارا جائے تو وہ پہاڑ مٹی ہو جائے۔ یہ فرشتہ اس ہتھوڑے سے ہر وقت ان لوگوں کو مار مار کر ان کے جسموں کو خاک کر دے گا اور پھر اس خاک سے جسم بنا کر اس میں روح پھونک دی جائے گی، ایسے لوگوں پر یہی عذاب قیامت تک رہے گا کیونکہ عذاب قبر کی میعاد قیامت تک کی ہے اسی واسطے آگے فرمایا: قیامت کے دن کا عذاب، قبر کے عذاب سے زیادہ سخت ہوگا۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو اوپر کی حدیث کی تفسیر کہا جا سکتا ہے کیونکہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مَعِيْشَةً ضَنْكًا کی تفسیر عذاب قبر کو قرار دیا گیا ہے اور اس براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں عذاب قبر کی تفصیل ہے۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو عذاب قبر سے پناہ مانگنے کی جو ہدایت فرمائی اس سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ سکتی ہے کہ گناہ گار کلمہ گو لوگوں پر بھی عذاب قبر ہوگا۔ بعضے مفسروں نے مَعِيْشَةً ضَنْكًا کی تفسیر قیامت کے دن

کے عذاب کو جو ٹھہرایا ہے وہ تفسیر قوی نہیں معلوم ہوتی کیونکہ آگے آیت میں قیامت کے دن کا عذاب اس سے زیادہ سخت اور زیادہ دیر تک رہنے والا ہے۔ علاوہ اس کے مسند بزار کے حوالہ سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی معتبر روایت جو اوپر گزری، **مَعِيْشَةً ضَنْكًا** کی یہ دوسری تفسیر اس روایت کے بھی برخلاف ہے۔[1]

جب قبر کے اندر کافر کے جسم کو سزا ملتی ہے تو ماننا پڑے گا کہ اس میں حیات ہے۔ اگر اس میں حیات نہیں ہے تو اسے عذاب دینے کا کیا فائدہ؟ اللہ تعالیٰ کوئی عبث کام نہیں کرتا۔

ایک اور وہابی عالم قاضی شوکانی نے اسی آیت کی تفسیر میں چند احادیث و آثار نقل کرنے کے بعد لکھا: **وَمَجْمُوْعُ مَا ذَكَرْنَا هُنَا يُرَجِّحُ تَفْسِيْرَ الْمَعِيْشَةِ الضَّنْكِى بِعَذَابِ الْقَبْرِ** اور جو ہم نے احادیث اور صحابہ کرام کے اقوال نقل کیے ہیں ان کا مجموعہ اس بات کی دلیل ہے کہ **مَعِيْشَةً ضَنْكًا** سے مراد قبر کا عذاب ہے۔[2]

جب قبر کے اندر کافر کو عذاب ہو رہا ہے تو مان لیجیے کہ مسلمان قبر کے اندر مزے میں ہوتا ہے۔ عام نیک مسلمانوں سے شہیدوں کی زندگی اعلی، شہیدوں سے نبیوں کی زندگی اعلی اور نبیوں سے اللہ کے محبوب کی زندگی اعلی ہے۔ ہم ایسے ہی نہیں کہتے کہ

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
میرے چشم عالم سے چھپ جانے والے

---

[1] احسن التفاسیر، جلد: ۴، صفحہ: ۱۹۹، ۲۰۰، تحت آیت سورۃ طہ: ۱۲۴

[2] تفسیر فتح القدیر، جلد: ۳، صفحہ: ۳۹۲، تحت آیت سورۃ طہ: ۱۲۴

امام المفسرین ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے ۵ مختلف سندوں سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی یہی نقل کیا ہے کہ مَعِيْشَةً ضَنْكًا سے مراد عذاب قبر ہے۔[1]

علامہ قرطبی نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:

وَقَوْلٌ رَابِعٌ وَهُوَ الصَّحِيحُ أَنَّهُ عَذَابُ الْقَبْرِ، قَالَهُ أَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ، وَرَوَاهُ أَبُو هُرَيْرَةَ مَرْفُوعًا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ فِي كِتَابِ ''التَّذْكِرَةِ''

اس آیت کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں اور چوتھا قول ہی صحیح ہے کہ اس آیت میں مَعِيْشَةً ضَنْكًا سے مراد عذاب قبر ہے۔ یہ بات حضرت ابوسعید خدری اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمائی اور حضرت ابوہریرہ نے اس حدیث کو مرفوعا روایت کیا ہے۔ہم نے اس کی تفصیل اپنی کتاب تذکرہ کے اندر فرمادی ہے۔[2]

امام المفسرین ابن جریر فرماتے ہیں:

قَالَ اَبُوْ جَعْفَرٍ وَاَوْلَى الْاَقْوَالِ فِي ذٰلِكَ بِالصَّوَابِ قَوْلُ مَنْ قَالَ وَهُوَ عَذَابُ الْقَبْرِ

---

[1] تفسیر ابن جریر، جلد:۱۶، صفحہ:۱۶۴، تحت آیت سورۃ طہ:۱۲۴ / مزید ملاحظہ ہو روح المعانی، جلد:۱۶، صفحہ:۲۷۷۔ معالم التنزیل وخازن، جلد:۴، صفحہ:۲۸۵۔ معارف القرآن، جلد:۶، صفحہ:۶۔ تفسیر عثمانی، صفحہ:۴۱۵۔ جلالین مع الصاوی، جلد:۳، صفحہ:۵۷

[2] تفسیر قرطبی، جلد:۱۱، صفحہ:۲۵۹، تحت آیت سورۃ طہ:۱۲۴

ہم نے جتنے اقوال نقل کیے سب سے افضل قول اس کا ہے جس نے کہا کہ کہ مَعِيْشَةً ضَنْكًا سے مراد عذاب قبر ہے۔[1]

آخر میں ہم اسی آیت کی تفسیر میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی نقل کر دیتے ہیں تا کہ قارئین کو مزید تسلی ہو سکے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَتَدْرُونَ مَا الْمَعِيْشَةُ الضَّنْكُ؟ قَالُوْا: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ، قَالَ: عَذَابُ الْكَافِرِ فِيْ قَبْرِهٖ، والَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ أَنَّهٗ لَيُسَلَّطُ عَلَيْهِ تِسْعَةٌ وَّتِسْعُونَ تِنِّيْنًا، أَتَدْرُوْنَ مَا التِّنِّيْنُ: تِسْعَةٌ وَّتِسْعُونَ حَيَّةً، لِكُلِّ حَيَّةٍ سَبْعَةُ رُءُوْسٍ، يَنْفُخُوْنَ فِيْ جِسْمِهٖ وَيَلْسَعُوْنَهٗ وَيَخْدِشُوْنَهٗ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ"

کیا تم جانتے ہو کہ تنگ زندگی کیا ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کافر کو جو قبر میں عذاب ہو گا۔ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کافر پر قبر میں ننانوے اژدھا (تنین) مسلط کر دیئے جائیں گے۔ کیا تم جانتے ہو کہ یہ تنین کیا ہے؟ ننانوے سانپ ہیں اور ہر سانپ کے سات سر ہیں جو کافر کے جسم میں قیامت تک پھنکارتے، ڈستے اور اسے زخمی کرتے رہیں گے۔[2]

---

[1] تفسیر ابن جریر، جلد: ۱۶، صفحہ: ۱۶۵، تحت آیت سورۃ طٰہ: ۱۲۴

[2] ابن جریر، جلد: ۱۶، صفحہ: ۱۶۵، تحت آیت سورۃ طٰہ: ۱۲۴ / روح المعانی، جلد: ۱۶، صفحہ: ۲۷۷ / تفسیر ابن کثیر، جلد: ۵، صفحہ: ۲۸۴

اللہ کے ساتھ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لینا

اس حدیث میں صحابہ کرام نے اللہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لیا اور عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ کچھ لوگ بغیر سوچے سمجھے فتوی لگا دیتے ہیں کہ اللہ کے ساتھ رسول اللہ کا نام لینا گناہ ہے حالانکہ ان کی یہ بات درست نہیں۔ ہر جگہ ایسا نہیں ہوتا۔ جہاں شبہ ہو رہا ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مرتبہ الوہیت دیا جا رہا ہے وہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام اللہ کے ساتھ لینا منع ہے وگرنہ ہر جگہ منع نہیں۔ اگر ہر جگہ منع ہوتا تو صحابہ کرام کبھی نہ کہتے کہ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ۔

۲: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٧﴾

اور بیشک ظالموں کے لیے ایک عذاب اس کے علاوہ بھی ہے لیکن ان میں سے اکثر جانتے نہیں ہیں۔[۱]

اس سے پہلے يَوْمَ لَا يُغْنِىْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا میں قیامت کے دن کا ذکر ہے اور اب اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ظالموں کے لیے قیامت کے دن کے عذاب کے علاوہ بھی ایک عذاب ہے۔ یہ عذاب روح اور جسم دونوں کو ہوگا کیونکہ ظالم روح مع الجسد کو کہتے ہیں۔ تنہا روح یا تنہا جسم کو ظالم نہیں کہتے۔ قیامت کے علاوہ عذاب سے مراد عذاب قبر ہے۔ جب قبر کے اندر کافر بالکل ختم نہیں ہوتا، زندہ ہے کہ درد محسوس کرتا ہے تو

---

[۱] سورۃ الطور: ۴۷

واللہ العظیم قرآن پر ایمان رکھنے والے شخص کو ماننا پڑے گا کہ قبر کے اندر مومن جو کہ اللہ کا پیارا ہے آرام، سکون اور جنت کے مزے محسوس کرتا ہے۔ جب عام مومن کی یہ شان ہے تو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرتبہ کیا ہوگا۔ قرآن کا نظم صاف بتا رہا ہے کہ یہاں عذاب قبر کی بات ہو رہی ہے۔ اس آیت کی جو تفسیر صحابہ کرام نے بیان کی ملاحظہ کیجیے۔

حَبر امت (امت کے بہت بڑے عالم) حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ابن جریر نے یوں نقل کی:

عَنْ قَتَادَةَ، أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ كَانَ يَقُوْلُ: إِنَّ عَذَابَ الْقَبْرِ فِي الْقُرْآنِ ثُمَّ تَلَا (وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَابًا دُونَ ذٰلِكَ)

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ عذاب قبر کا ذکر قرآن میں بھی ہے پھر آپ یہ آیت تلاوت فرمایا کرتے تھے: وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَابًا دُونَ ذٰلِكَ [1]

جب صحابی تفسیر فرما رہا ہے اور قرآن کا سیاق وسباق بھی یہ بتا رہا ہے کہ قیامت کے دن کے علاوہ بھی ایک عذاب ہوگا تو ماننا پڑے گا کہ قبر کا عذاب حق ہے۔ جب ظالموں کے لیے قبر کا عذاب حق ہے تو پھر نیکوکاروں کے لیے قبر کا ثواب بھی حق ہے۔

تفسیر قرطبی میں ہے:

---

[1] ابن جریر، جلد: ۲۷، صفحہ: ۲۲، تحت آیت سورۃ طور: ۴۷

وَعَنْهُ: عَذَابُ الْقَبْرِ وَقَالَهُ الْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ وَعَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ

حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت براء بن عازب اور حضرت مولا مرتضی رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ دُوْنَ ذٰلِكَ سے مراد عذاب قبر ہے۔ [1]

روح المعانی میں ہے:

وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ عَذَابُ الْقَبْرِ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دُوْنَ ذٰلِكَ سے مراد عذاب قبر ہے [2]

تین جلیل القدر صحابہ حضرت براء بن عازب، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت مولا مرتضی رضی اللہ عنہم فرما رہے ہیں کہ یہاں دُوْنَ ذٰلِكَ سے مراد عذاب قبر ہے۔ عذاب قبر کا انکار سوائے معتزلہ کے کوئی بھی نہیں کرتا۔ تم کس منہ سے عذاب قبر کا انکار کرتے ہو؟ جب عذاب قبر حق ہے تو پھر قبر کی زندگی بھی حق ہے۔ اگر قبر والا زندہ نہیں تو پھر اسے سزا دینے کا کیا فائدہ؟ جب عذاب قبر حق ہے تو ثواب قبر بھی حق ہے۔ مستدرک حاکم میں ایک قانون بیان ہوا کہ تَفْسِيرُ الصَّحَابِيِّ عِنْدَهُمَا مُسْنَدٌ امام بخاری اور امام مسلم کے نزدیک صحابی کی تفسیر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تفسیر مانی جاتی ہے [3] یعنی خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دُوْنَ ذٰلِكَ سے مراد عذاب قبر ہے۔

---

[1] تفسیر قرطبی، جلد: ۱۷، صفحہ: ۷۸، تحت آیت سورۃ طور: ۴۷

[2] روح المعانی، جلد: ۱۴، صفحہ: ۴۰، تحت آیت سورۃ طور: ۴۷

[3] المستدرک علی الصحیحین، کتاب العلم، فصل فی توقیر العالم، جلد اول، صفحہ: ۲۱۱

۳: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ

ہم ان (منافقوں) کو دو مرتبہ عذاب دیں گے پھر ان کو بڑے عذاب کی طرف لے جایا جائے گا۔۱؎

بڑے عذاب سے مراد قیامت کا عذاب ہے۔ قرآن فرمارہا ہے کہ قیامت کے دن کے عذاب سے پہلے ان کو دو مرتبہ عذاب دیا جائے گا۔ قیامت کے دن منافقوں کی روح اور جسم دونوں کو عذاب دیا جائے گا اور جن کو روح اور جسم سمیت عذاب دیا جائے گا انہی کو اس سے پہلے دو بار عذاب دیا جائے گا۔

وہابی عالم احمد حسن دہلوی لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں ایک عذاب تو یہی ہے کہ مسلمانوں کی مسجد سے یہ لوگ نکالے گئے، بھری محفل میں رسوائی ہوئی اور دوسرا عذاب، قبر کا عذاب ہے پھر آخرت میں عذاب عظیم ہے۔۲؎

ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مسجد سے منافقین کو نام لے لے کر باہر نکالا کہ اے فلاں! تو منافق ہے نکل جا میری مسجد سے، اے فلاں! تو بھی منافق ہے نکل مسجد سے۔ بھرے مجمع میں منافقین کی رسوائی ہوئی۔۳؎

۳؎ سورۃ توبہ:۱۰۱ ۲؎ احسن التفاسیر، جلد دوم، صفحہ:۴۸۸، تحت آیت سورۃ توبہ:۱۰۱

۳؎ تفسیر ابن کثیر، جلد:۴، صفحہ:۱۷۹، تحت آیت سورۃ توبہ:۱۰۱ / تفسیر ابن جریر، جلد:۱۴، صفحہ:۴۴۱ / تفسیر ثعلبی، جلد:۵، صفحہ:۸۷ / فتح القدیر، جلد دوم، صفحہ:۴۵۶

پتہ چلا کہ آخرت کے عذاب سے پہلے ایک قبر والا عذاب ہوگا۔ ارے اگر قبر میں کچھ ہوتا ہی نہیں ہے تو پھر قبر میں عذاب دینے کا کیا فائدہ ہے؟ قبر میں بندے کا جسم زندہ ہوتا ہے۔ بس اتنی بات ہے کہ ہمیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہے۔ اللہ اور اللہ کا محبوب جانیں کہ وہ زندگی کیسی ہے لیکن مومن قبر میں آرام اور سکون میں ہوتا ہے جبکہ کافر قبر میں تنگی اور مشکل میں ہوتا ہے اور عام مسلمانوں سے شہید اعلیٰ پھر نبی اعلیٰ اور سب نبیوں سے ہمارے آقا و مولا ﷺ کی زندگی اعلیٰ اور افضل ہے۔

دیوبندی حضرات کے دو گروہ ہیں۔ ایک مولانا اشرف علی تھانوی کے مرید اور ماننے والے ہیں جو کہ حیات النبی ﷺ کے قائل ہیں جبکہ دوسرے مولوی حسین علی صاحب کے ماننے والے جو کہ حیات النبی ﷺ کے قائل نہیں۔ حسین علی کی بیان کی ہوئی تفسیر کو پھیلانے میں دو مولوی صاحبان ایک راولپنڈی والے غلام اللہ خان اور دوسرے طاہر پنج پیری صاحب کا بڑا کردار ہے۔

مولوی غلام اللہ خان صاحب لکھتے ہیں:

دو دفعہ کے عذاب سے دنیا میں قتل یا قید و بند یا ظہور نفاق سے ذلت و رسوائی کا اور مرنے کے بعد قبر کا عذاب مراد ہے اور عذاب عظیم آخرت کا عذاب ہے۔[1]

مولانا شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

بڑا عذاب دوزخ کا عذاب ہے اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ

---

[1] جواہر القرآن، جلد:۱، صفحہ: ۴۵۳، تحت آیت سورۃ توبہ: ۱۰۱

النَّارِ اس سے قبل کم از کم دو بار ضرور عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے، ایک عذاب قبر دوسرا وہ عذاب جو اسی دنیاوی زندگی میں پہنچ کر رہے گا۔[1]

پتہ یہ چلا کہ سب کے نزدیک عذاب قبر برحق ہے۔ بخاری شریف کے اندر پورا ایک باب بَابُ مَا جَاءَ فِيْ عَذَابِ الْقَبْرِ (عذاب قبر کے متعلق باب) ہے۔ جب بخاری شریف کے اندر پورا ایک باب موجود ہے، قرآن کی آیتیں بیان کر رہی ہیں تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کا انکار کرنا پاگل پن نہیں تو اور کیا ہے؟

سوال قبر میں عذاب روح کو ہوگا نہ کہ جسم کو۔

جواب قبر میں بھی انہیں کو عذاب ہوگا جن کو آخرت میں ہوگا۔ اگر عذاب آخرت تو روح مع الجسد کو ہو لیکن عذاب قبر صرف روح کو ہو اور جسم کو نہ ہو تو نہ تو مَّرَّتَيْنِ کا اطلاق درست ہوگا اور نہ ہی عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ کا۔

۴: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا

اپنی کیسی خطاؤں (کتنی غلطیوں) پر وہ غرق کیے گئے پھر فوراً آگ میں داخل کیے گئے۔[2]

---

[1] تفسیر عثمانی، صفحہ: ۲۶۲ / مزید ملاحظہ ہو ابوسعود، جلد: ۴، صفحہ: ۹۸۔ قرطبی، جلد: ۸، صفحہ: ۲۴۱۔ جلالین مع البیضاوی، جلد: ۱، صفحہ: ۴۳۰۔ روح المعانی، جلد: ۱۱، صفحہ: ۱۱۔ مظہری، جلد: ۴، صفحہ: ۲۸۹۔ معارف القرآن، جلد: ۴، صفحہ: ۴۵۱۔ معارف القرآن کاندھلوی، جلد: ۳، صفحہ: ۴۰۱۔ تفسیر ثعلبی، جلد: ۵، صفحہ: ۸۶، ۸۷۔ تفسیر القشیری، جلد: ۲، صفحہ: ۵۹۔ تفسیر سمعانی، جلد: ۲، صفحہ: ۳۴۴

[2] سورۃ نوح: ۲۵

نوح علیہ السلام کی قوم کے کافروں کے جسم پہلے ڈبوئے گئے پھر ان کے جسموں کو آگ کے اندر داخل کیا گیا۔ قرآن کی ترتیب یہ بتا رہی ہے کہ اِدھر ڈوبے اور اُدھر آگ پر پیش کیے گئے۔ جو چیز ڈوبی تھی وہ جسم تھے تو پھر انہی جسموں کو آگ میں جلایا گیا۔ یہ آیت عذاب قبر کی محکم دلیل ہے۔

مولوی غلام اللہ صاحب لکھتے ہیں:

یہ آیت عذاب قبر کے اثبات پر اہل سنت کی محکم دلیل ہے کیونکہ غرق کے فوراً بعد ان کو جس آگ میں داخل کیا گیا وہ آخرت کی آگ نہیں کیونکہ قیامت تو تاہنوز قائم ہی نہیں ہوئی اس لیے لامحالہ برزخ کا عذاب ہی مراد ہے جسے اصطلاح شریعت میں عذاب قبر سے تعبیر کیا گیا ہے۔[1]

قرآن کی آیتوں سے پتہ چلتا ہے کہ قبر کے اندر عذاب کافر کے جسم کو ہوگا۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

تَمَسَّكَ أَصْحَابُنَا فِي إِثْبَاتِ عَذَابِ الْقَبْرِ بِقَوْلِهِ: أُغْرِقُوا فَأُدْخِلُوا نَارًا وَذٰلِكَ مِنْ وَجْهَيْنِ الْأَوَّلُ: أَنَّ الْفَاءَ فِي قَوْلِهِ: فَأُدْخِلُوا نَارًا تَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ حَصَلَتْ تِلْكَ الْحَالَةُ عَقِيبَ الْإِغْرَاقِ فَلَا يُمْكِنُ حَمْلُهَا عَلٰى عَذَابِ الْآخِرَةِ، وَإِلَّا بَطَلَتْ دَلَالَةُ هٰذِهِ الْفَاءِ الثَّانِي: أَنَّهُ قَالَ: فَأُدْخِلُوا

---

[1] جواہر القرآن، جلد:۳، صفحہ:۱۳۰۵، تحت آیت سورۃ نوح:۲۵ / مزید ملاحظہ ہو: معارف القرآن از مفتی محمد شفیع، جلد:۸، صفحہ:۵۶۷ / روح المعانی، جلد:۲۹، صفحہ:۹۰ / قرطبی، جلد:۲۸، صفحہ:۳۱۱ / مظہری، جلد:۱۰، صفحہ:۷۷ / کبیر، جلد:۳۰، صفحہ:۱۴۵، مطبوعہ ایران

عَلَى سَبِيلِ الْإِخْبَارِ عَنِ الْمَاضِي وَهٰذَا إِنَّمَا يَصْدُقُ لَوْ وَقَعَ ذٰلِكَ

ہمارے اصحاب نے ارشاد ربانی أُغْرِقُوا فَأُدْخِلُوا نَارًا سے دو طریقوں سے عذاب قبر کو ثابت کیا ہے۔ پہلا فَأُدْخِلُوا نَارًا کی فاء اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ دخول نار والی حالت اغراق کے فوراً بعد حاصل ہوگئی۔ پس اس فاء کی وجہ سے اس کو عذاب آخرت پر محمول کرنا ممکن نہ رہا۔ دوسرا اللہ وحدہ لاشریک نے یہاں أُدْخِلُوا صیغہ ماضی استعمال کیا ہے اور یہ تبھی صادق آتا ہے جب اس کا وقوع ہو چکا ہو۔[1]

حیات النبی ﷺ کا انکار کرنے والو! قبر کے عذاب سے ڈرو۔ یہ عذاب ہر اس شخص کو پہنچے گا جو قرآن کا منکر ہے۔ میں اسی لیے بار بار اپیل کرتا ہوں کہ آؤ ہم سب قرآن پر اکٹھے ہو جائیں۔ نبی کریم ﷺ کی حیات تو بہت اونچی بات ہے قرآن تو قبر کے اندر کافروں کی حیات بھی ثابت کر رہا ہے جو کہ حیات برزخیہ ہے جسے شریعت کی اصطلاح میں قبر کی حیات کہا جاتا ہے۔

وہابی حضرات کے شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں:

پس نوح علیہ السلام کی اس مظلومانہ دعا کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ اپنے گناہوں اور شرارتوں کی وجہ سے اسی زندگی میں بارش کے پانی میں غرق کیے گئے پھر بعد غرق جہنم کی آگ میں داخل کیے گئے۔[2]

---

[1] تفسیر کبیر، جلد: ۳۰، صفحہ: ۱۴۵، تحت آیت سورۃ نوح: ۲۵

[2] تفسیر ثنائی، صفحہ: ۶۹۰

وہابی عالم احمد حسن دہلوی لکھتے ہیں:

حضرت نوح علیہ السلام کی شکایت اور بددعا کا آخر نتیجہ یہ ہوا کہ سوا تھوڑے سے آدمیوں کے جو حضرت نوح علیہ السلام کے سمجھانے سے راہ راست پر آ گئے تھے اور سب قوم کے لوگ طوفان سے ہلاک ہو کر سیدھے جہنم کو چلے گئے۔[1]

یہ آیت بھی اس بات کی دلیل ہے کہ قبر کا عذاب برحق ہے۔ جب قبر کا عذاب برحق ہے تو پھر مومنوں کے لیے قبر کا انعام بھی برحق ہے۔ جب میں اور تم قبر میں جائیں گے تو ان شاء اللہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نعلین شریفین کے صدقے ہمیں جنتی انعامات ملیں گے۔

۵: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾

اللہ نے اس (نیک بندے) کو ان کی بری چالوں سے بچا لیا اور فرعون کی آل کو بڑے برے عذاب نے گھیر لیا۔ یہ صبح اور شام آگ پر پیش کیے جاتے ہیں اور جب قیامت قائم ہو گی تو (اللہ فرمائے گا کہ) فرعون کی آل کو پہلے سے سخت عذاب میں داخل کرو۔[2]

یہاں قوم فرعون کا ذکر ہو رہا ہے۔ فرعونیوں نے جناب موسیٰ علیہ السلام کے قتل کرنے کی

---

[1] احسن التفاسیر، جلد: ۷، صفحہ: ۲۱۶، تحت آیت سورۃ نوح: ۲۵

[2] سورۃ مومن: ۴۵، ۴۶

سازش تیار کی۔فرعونیوں میں ایک بندہ ایمان والا تھا جسے مومن آل فرعون کہا جاتا ہے۔ دربار میں سازش تیار ہو رہی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا ہے تو یہ مومن بندہ بول اٹھا کہ تم اس کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے اللہ ایک ہے۔تم یہ کیا کرنے لگے ہو۔جب فرعونیوں نے یہ سنا تو وہ اس شخص کو قتل کرنے کے لیے بڑھے۔اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ ہم نے اس نیک آدمی کو فرعونیوں کی چالوں سے بچا لیا اور فرعونیوں کو برے عذاب نے گھیر لیا۔یہ جہاں ہیں اسی جگہ صبح شام آگ پر پیش کیے جاتے ہیں چونکہ اکثر لوگ قبر میں جاتے ہیں اس لیے اسے عذاب قبر کہہ دیا جاتا ہے وگرنہ جہاں بھی جسم کے ذرات ہوتے ہیں وہیں اللہ تعالیٰ بندے کو ثواب یا عذاب دیتا ہے۔آل فرعون روح مع الجسد کا نام ہے۔جب قیامت کا دن آئے گا تو ان کو سخت عذاب میں داخل کیا جائے گا۔جن کو سخت عذاب میں داخل کیا جائے گا انہی کو صبح شام آگ پر پیش کیا جاتا ہے۔معلوم ہوا کہ یہ عذاب ان کی ارواح مع الاجسام کو ہو رہا ہے۔

وہابی عالم احمد حسن دہلوی اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

عام مفسرین بلکہ تمام اہل سنت نے اس آیت سے عذاب قبر کو ثابت کیا ہے۔ایک اختلاف علماء میں یہاں اور ہے وہ یہ کہ عذاب قبر فقط روح پر ہو گا یا فقط جسم پر یا روح جسم دونوں پر۔بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ جنگ بدر میں جو کافر مارے گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی لاشوں پر کھڑے ہو کر یہ فرمایا کہ تم لوگوں نے خدا کا وعدہ سچا پایا۔اس سے یہ معلوم ہوا کہ خدا کے وعدہ کے موافق اس وقت ان لوگوں پر عذاب ہو رہا تھا لیکن وہ لاشیں

سب صحابہ کے سامنے پڑی تھیں اور روح کا کوئی اثر ان لاشوں میں نہیں تھا۔ اسی واسطے صحابہ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ حضرت آپ مرے ہوئے مردوں سے باتیں کرتے ہیں۔ غرض اس قصہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فقط جسم میں خدا تعالیٰ عذاب کا درد بھگتنے کی ایک قوت پیدا کر دیتا ہے اور عذاب صرف جسم پر ہی ہوتا ہے، روح کو اس سے کچھ تعلق نہیں۔ ابن حزم اور ابن حبیرہ کا مذہب یہ ہے کہ عذاب فقط روح پر ہوتا ہے۔ جمہور اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ عذاب قبر جسم اور روح دونوں پر ہوتا ہے۔ صحیح حدیثوں سے منکر نکیر کے سوال و جواب کے وقت روح کا مردہ جسم میں پھر آنا پایا جاتا ہے اور اس وقت کے عذاب کا ذکر جو کچھ حدیث میں آیا ہے مثلاً قبر کا بھینچنا دونوں کانوں کے بیچ میں فرشتہ کا گرز مارنا، اس سے بھی روح اور جسم دونوں پر عذاب قبر کا ہونا معلوم ہوتا ہے۔ بعضے مفسروں کو یہاں یہ شبہ پیدا ہوا کہ منکر نکیر کے سوال کے وقت تو مردہ کو تازہ دفن کیا جاتا ہے جس کا جسم موجود ہوتا ہے اس موجودہ جسم سے روح کا تعلق سمجھ میں آتا ہے لیکن جن مرے ہوئے لوگوں کو دفن کر کے عرصہ گزر گیا، جن کی ہڈیاں تک خاک ہو گئیں ان کی قبروں میں تو سوا خاک کے کچھ نظر نہیں آتا، ایسی حالت میں روح کا تعلق کون سے جسم کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کا جواب اور مفسروں نے یہ دیا ہے کہ دنیا کا انتظام چلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان سے عذاب قبر کا حال اس لیے پوشیدہ رکھا ہے کہ معمولی فرشتوں کو بھی اصلی صورت میں دیکھنا انسان کی طاقت سے باہر ہے چنانچہ اس کا ذکر سورۃ الانعام میں گزر چکا ہے۔ اب عذاب قبر کے خوفناک فرشتوں کو عذاب کرتے ہوئے جو کوئی دیکھتا وہ کسی طرح

زندہ نہیں رہ سکتا تھا جس سے دنیا کے انتظام میں خلل پڑ جاتا۔ صحیح بخاری میں انس بن مالک سے اور صحیح سند سے مسند امام احمد اور ابوداؤد میں براء ابن العازب سے جو روایتیں ہیں، ان میں یہ ذکر تفصیل سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عذاب قبر کا حال انسان سے پوشیدہ رکھا ہے۔ اب یہ بات اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کیا بعید ہے کہ ریڑھ کی ہڈی کے چھوٹے سے ٹکڑے سے روح کا تعلق کرایا جاتا ہو اور عذاب قبر کے پوشیدہ رکھے جانے کی حکمت سے وہ ہڈی کا ٹکڑا انسان کو نظر نہ آتا ہو، یہ ریڑھ کی ہڈی کا ٹکڑا وہی ہے جس کا ذکر صحیح بخاری اور مسلم کی ابوہریرہ کی روایت میں ہے کہ اس کو مٹی نہیں کھاتی اور اسی سے قیامت کے دن مردہ کا سارا جسم تیار ہو جائے گا اس سے یہ بات بھی نکل سکتی ہے کہ جس طرح ہڈی کے ٹکڑے میں تمام جسم کے تیار ہو جانے کا مادہ رکھا گیا ہے اسی طرح روح کے تعلق کے بعد اس ہڈی کے ٹکڑے پر کا عذاب قبر تمام جسم پر کے عذاب کا کام دے تو کیا یہ قدرت الٰہی سے باہر ہے؟ حاصل کلام یہ ہے کہ دنیا کی آنکھوں میں آخرت کی چیزوں کے دیکھنے کی طاقت نہیں ہے، اس واسطے یہ ضرور نہیں ہے کہ مثلاً عذاب قبر، جنت، دوزخ یا آخرت کی اور چیزیں دنیا میں انسان کو نظر آ جائیں گی۔ اگر ایسا ہوتا تو دنیا کی آنکھوں سے موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا دیدار ضرور ہو جاتا۔ صحیح بخاری، ترمذی، نسائی وغیرہ میں عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص مر جاتا ہے جو قیامت کے دن جنت میں داخل ہونے کے قابل ٹھہرا ہے تو اس کو صبح و شام اس کا جنت کا ٹھکانہ اور جو دوزخ میں جھونکے جانے کے قابل قرار پایا ہے اس کو صبح و شام اس کا دوزخ کا ٹھکانہ

دکھا کر فرشتے یہ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن اس ٹھکانے میں جانے کے لیے ہر ایک شخص کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ یہ حدیث بھی یہودیہ کے قصہ کے بعد کی ہے کیونکہ اس میں فرعون جیسے کافروں اور اہل کلمہ گناہ گاروں سب کو یہ جتایا گیا ہے کہ قیامت سے پہلے ہر قابل دوزخ شخص پر علاوہ اور عذاب قبر کے یہ عذاب قبر بھی ہوگا کہ صبح وشام اس کا دوزخ کا ٹھکانہ اس کو دکھایا جائے گا۔ صحیح حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پیشاب کی نجاست سے نہ بچنے اور غیبت سے اکثر عذاب قبر ہوگا اور بھی صحیح حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص ہر رات کو سورۃ الملک پڑھے گا وہ عذاب قبر سے محفوظ رہے گا۔ آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ قیامت سے پہلے تو فرعون اور اس کے ساتھیوں کو ان کا دوزخ کا ٹھکانہ صبح وشام دکھایا جائے گا اور ان کو حکم دیا جائے گا کہ وہ اس ٹھکانے میں جا کر ہمیشہ رہیں۔ براء بن عازب کی جس حدیث کا حوالہ اوپر گزرا، اس میں یہ بھی ہے کہ دوزخ کے قابل لوگ قیامت سے پہلے قبر میں ہمیشہ یہ دعا مانگتے رہتے ہیں کہ یا اللہ! قیامت قائم نہ ہو۔ اس حدیث سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے کہ صبح وشام دوزخ کا ٹھکانہ دیکھ کر یہ لوگ قیامت کے دن اس ٹھکانے میں جانے سے ایسے خوفزدہ ہیں کہ عذاب قبر کو اس کے آگے غنیمت جانتے ہیں اور قیامت کے قائم نہ ہونے کی دعا مانگتے رہتے ہیں۔ [1]

مولوی غلام اللہ خان صاحب لکھتے ہیں:

اس میں عالم برزخ اور قیامت دونوں کے عذاب کا ذکر ہے۔ قوم فرعون کو ہلاکت

---

[1] احسن التفاسیر، جلد:۶ صفحہ:۱۰۶، ۱۰۷، تحت آیت سورۃ مومن: ۴۵، ۴۶

اور غرق کے بعد عالم برزخ میں روزانہ صبح وشام آگ کا عذاب دیا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا اور جب قیامت قائم ہوگی تو حکم ہوگا کہ قوم فرعون کو اب اس سے بھی زیادہ سخت عذاب میں داخل کر دو۔ یہ آیت عذاب قبر (عالم برزخ) کے ثبوت پر نص صریح ہے اور تمام اہلسنت وجماعت عذاب قبر کے اثبات پر متفق ہیں۔ اس آیت میں دو عذابوں کا ذکر ہے۔ ایک اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ دوم اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ الخ دونوں کے درمیان وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ وارد ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ الخ میں جس عذاب کا ذکر کیا گیا ہے وہ قیام قیامت سے پہلے ہے اور یہ عالم برزخ کے سوا اور کوئی نہیں۔ هٰذِهِ الْاٰیَةُ تَدُلُّ عَلٰی عَذَابِ الْقَبْرِ فِي الدُّنْیَا (قرطبی) [1]

سوال اس آیت میں صرف روحوں کا ذکر ہے کہ ان کو صبح وشام آگ پر پیش کیا جاتا ہے، روح اور جسم دونوں کا ذکر نہیں ہے۔

جواب آیت مبارکہ کے الفاظ پر دوبارہ غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ یہ عذاب نار روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے، صرف ارواح کو نہیں۔ ارشاد خداوندی ہے: وَ حَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ، اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا۔ اس آیت میں اَلنَّارُ، سُوْٓءُ الْعَذَابِ سے بدل واقع ہو رہا ہے یا یہ مبتدا محذوف هُوَ جس کا مرجع سُوْٓءُ الْعَذَابِ ہے کی خبر واقع ہو رہا ہے۔

---

[1] جواہر القرآن، جلد: ۳، صفحہ: ۱۰۵۳

روح المعانی میں ہے:

وَجُوِّزَ أَنْ تَكُوْنَ النَّارُ بَدْلًا مِنْ سُوْءِ الْعَذَابِ وَيُعْرَضُوْنَ فِي مَوْضِعِ الْحَالِ مِنْهَا أَوْ مِنَ الْآلِ، وَأَنْ تَكُوْنَ النَّارُ خَبَرُ مُبْتَدَإٍ مَحْذُوْفٍ هُوَ ضَمِيْرُ سُوْءِ الْعَذَابِ كَأَنَّهُ قِيْلَ: مَا سُوْءُ الْعَذَابِ؟ فَقِيْلَ: هُوَ النَّارُ

اور یہ بھی جائز قرار دیا گیا کہ النَّارُ، سُوْءُ الْعَذَابِ سے بدل بن جائے اور يُعْرَضُوْنَ اس سے حال کی جگہ پر یا آل سے اور یہ بھی کہ النَّارُ مبتدا محذوف هُوَ جو کہ سُوْءُ الْعَذَابِ کی ضمیر ہے کی خبر ہو گویا کہ یہ کہا جا رہا ہے کہ سُوْءُ الْعَذَابِ کیا ہے؟ تو کہا گیا کہ وہ آگ ہے۔[1]

مندرجہ بالا ترکیب نحوی پر غور فرمایئے تو معلوم ہو گا کہ سُوْءُ الْعَذَابِ اور النَّارُ دونوں کی مراد اس آیت کریمہ میں ایک ہے اور اسی نار (سُوْءُ الْعَذَابِ) نے آل فرعون کو گھیر رکھا ہے اور ظاہر بات ہے کہ آل فرعون صرف ارواح کا نام نہیں بلکہ روح مع الجسد کا نام ہے۔ نظم قرآن سے ثابت ہوا کہ فرعونیوں کی روحوں کو ان کے جسموں سمیت مرنے کے بعد سے قیامت تک عذاب ہوتا رہے گا۔

سوال بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ آل فرعون کی ارواح کو سیاہ رنگ کے پرندوں کے اجواف میں رکھ کر صبح و شام آگ پر پیش کیا جاتا ہے۔[2] اس سے تو یہ بات واضح ہوتی

---

[1] روح المعانی، جلد: ۲۴، صفحہ: ۷۳، تحت آیت سورۃ غافر: ۴۵، ۴۶، مطبوعہ ملتان

[2] تفسیر ابن جریر، جلد: ۲۴، صفحہ: ۴۶، تحت آیت سورۃ غافر: ۴۶

ہے کہ فرعونیوں کے اجساد فی القبور معذب نہیں ہیں۔

جواب اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ آل فرعون کی ارواح کے لیے مثالی اجسام تیار کرکے صبح، شام آگ پر پیش کیا جاتا ہے تو اس سے یہ کیسے لازم آئے گا کہ دنیاوی اجسام اصلیہ پر عذاب نہیں ہورہا؟ جبکہ قرآن حکیم کا ظاہرا نہی اجسام اصلیہ کے معذب ہونے کی خبر دے رہا ہے۔ یہ بات تو فریق مخالف کو بھی مسلم ہے کہ قیامت کے دن روح مع الجسد کو جہنم (اشد العذاب) میں ڈالا جائے گا۔ جب یہ بات واضح ہے کہ جہنم میں جسم اصلی ڈالا جائے گا تو یہ بات بھی تسلیم کرنا پڑے گی کہ اب بھی ان اجسام اصلیہ ہی کو عذاب ہورہا ہے کیونکہ اگر قبر میں جسم اصلی معذب ہی نہیں ہوا تو اس پر یوم قیامت اشد العذاب کا اطلاق کیسے درست ہوگا؟ اشد اسم تفضیل کا صیغہ ہے جس کا تقاضہ یہ ہے کہ قبر کی نسبت جہنم کا عذاب زیادہ سخت ہے۔ معلوم ہوا کہ قبر میں جسم اصلی کو بھی عذاب ہوتا ہے اور جسم مثالی کو بھی۔

کفار کی ارواح سیاہ رنگ کے پرندوں کے اجواف میں رہتی ہیں جبکہ شہداء کی ارواح کے بارے میں فرمایا: **أَرْوَاحُهُمْ فِي جَوْفِ طَيْرٍ خُضْرٍ، لَهَا قَنَادِيلُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ، تَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شَاءَتْ، ثُمَّ تَأْوِي إِلَى تِلْكَ الْقَنَادِيلِ** ان کی روحیں سبز پرندوں کے اجواف میں رہتی ہیں، ان کے لیے عرش الٰہی کے ساتھ قنادیل لٹکی ہوئی ہیں، وہ روحیں جنت میں جہاں چاہیں کھاتی پیتی ہیں پھر ان قندیلوں کی طرف لوٹ آتی ہیں[1]۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شہداء کی ارواح سبز

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب بیان ان ارواح الشہداء فی الجنۃ، صفحہ: ۹۱۲، رقم الحدیث: ۴۸۸۵

پرندوں کے اجواف میں رہتے ہوئے جنت میں سواری کرتی ہیں۔

سوال شہداء کی ارواح کی سواری کا کیا مطلب؟

جواب اللہ تعالیٰ نے شہداء کی سواری کے لیے سبز رنگ کے جہاز (سبز پرندوں کے اجواف) بنائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شہداء کی ارواح کو ان جہازوں میں بٹھاتا ہے تو وہ جنت میں جہاں چاہتے ہیں اڑتے پھرتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔

۶: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَوْ تَرٰٓی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾

اور اگر کبھی تم دیکھو جب کہ ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوتے ہیں تو فرشتے ان کی طرف اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوتے ہیں نکالو اپنی روحوں کو۔ آج ہی سے تمہیں ذلت والا عذاب دیا جائے گا اس لیے کہ تم اللہ پر ناحق جھوٹ باندھا کرتے تھے اور تم اللہ کی آیتوں سے تکبر کیا کرتے تھے۔[۱]

ظالموں کی روح قبض کرتے وقت فرشتے بڑی سختی سے ڈانٹ کر کہتے ہیں کہ نکالو اپنی روحوں کو اور انہیں بتا دیتے ہیں کہ تمہیں آج ہی سے ذلت کا عذاب دیا جائے گا اس

---

[۱] سورۃ الانعام: ۹۳

لیے کہ تم اللہ پر ناحق جھوٹ باندھتے تھے۔ تم کہتے تھے کہ اللہ نے ان بتوں کو تمہارا معبود بنایا ہے اور یہ کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ، مصطفی کریم علیہ السلام اور اللہ کے پیاروں کی شان میں نقب لگاتے تھے اور اللہ کی آیتوں کے ساتھ تکبر کرتے تھے۔ چونکہ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَکُمْ ان کافروں کے جسم اور روح دونوں کو کہا تو ذلت کا عذاب بھی جسم اور روح دونوں کو ہوگا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو عذاب آج سے شروع ہونا ہے وہ عذاب قبر ہی ہے۔

وہابی عالم قاضی شوکانی لکھتے ہیں:

أَرَادُوا بِالْيَوْمِ الْوَقْتَ الَّذِي يُعَذَّبُونَ فِيهِ الَّذِي مَبْدَؤُهُ عَذَابُ الْقَبْرِ

الْيَوْمِ سے مراد وہ وقت ہے جس میں ان کو عذاب دیا جائے گا جس کی ابتداء عذاب قبر ہے۔[1]

دیوبندی حکیم الامت اشرف علی تھانوی صاحب لکھتے ہیں:

دیکھو آج مرنے کے ساتھ ہی تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی یعنی جس میں تکلیف جسمانی بھی ہو اور ذلت روحانی بھی۔[2]

قرآن پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ عذاب قبر حق ہے۔

۷: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

---

[1] تفسیر فتح القدیر، جلد: ۲، صفحہ: ۱۴۰، تحت آیت سورۃ انعام: ۹۳

[2] تفسیر بیان القرآن، صفحہ: ۴۵۳

وَ لَوۡ تَرٰۤی اِذۡ یَتَوَفَّی الَّذِیۡنَ کَفَرُوا ۙ الۡمَلٰٓئِکَۃُ یَضۡرِبُوۡنَ وُجُوۡہَہُمۡ وَ اَدۡبَارَہُمۡ ۚ وَذُوۡقُوۡا عَذَابَ الۡحَرِیۡقِ ﴿۵۰﴾

اور اگر تو دیکھے جس وقت فرشتے کافروں کی جان نکالتے ہیں وہ ان کے چہروں اور ان کی پیٹھ پر مارتے ہیں (اور کہتے ہیں) چکھو جلنے کا عذاب۔[1]

جان نکلتے وقت کافروں کو مار بھی پڑتی ہے اور فرشتے کہتے ہیں کہ اب جلنے کا عذاب بھی چکھو۔ جلنے کے عذاب سے مراد عذاب قبر ہے۔

وہابی عالم احمد حسن دہلوی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جب مشرکین مسلمانوں کی طرف منہ کرتے تھے تو سامنے سے مسلمانوں کی تلوار پڑتی تھی اور جب پیٹھ پھیرتے تھے تو فرشتے پیچھے سے مارتے تھے۔ بدر کی لڑائی میں جو مشرک مارے گئے یہ تو ان پر فرشتوں کی مار پڑنے کا حال ہے۔ عام مشرکوں کا بھی یہی حال ہے کہ اللہ کے فرشتے جب ان کی روح قبض کرنے آتے ہیں تو ان کو مارتے پیٹتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب عذاب الٰہی کا مزہ چکھو چنانچہ ایک جگہ ابوداؤد اور مسند امام احمد کے حوالہ سے براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی ایک صحیح حدیث اس باب میں گزر چکی ہے۔[2]

یہی وہابی عالم کہتے ہیں:

---

[1] سورۃ الانفال: ۵۰

[2] احسن التفاسیر، جلد: ۲، صفحہ: ۳۹۰، تحت آیت سورۃ انفال: ۵۰

حدیث کی کتابوں میں اس شدت اور سختی کی تفصیل بہت صراحت سے صحیح بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی وغیرہ میں حضرت عائشہ، انس، ابوہریرہ، عبادہ بن صامت و براء بن عازب کی روایتیں ہیں۔ مختصر طور پر جن کا ذکر یہ ہے کہ علم الٰہی میں جو لوگ لائق عذاب کے ہیں ان کی قبض روح کے وقت بڑے ہیبت ناک صورت کے فرشتے آتے ہیں اور اس لائق عذاب شخص کی روح کو خبر سناتے ہیں کہ جسم سے الگ ہوتے ہی سخت عذاب قبر اس پر ہونے والا ہے۔ اس عذاب کے خوف سے روح جسم میں جگہ جگہ چھپتی ہے اور فرشتے بڑی سختی سے اس روح کو نکالتے ہیں اور روح کے نکالتے وقت یہ کہتے جاتے ہیں کہ اے ناپاک روح! اللہ کے عذاب میں پھنسنے کے لیے جلدی نکل اور اس شخص کے منہ اور پیٹھ پر طرح طرح کی مار مارتے ہیں جب اس خرابی سے روح نکلتی ہے تو ایک طرح کی بدبو روئے زمین پر پھیل جاتی ہے جس سے ان فرشتوں کو جو اپنے اپنے کام کے لیے روئے زمین پر ہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ کوئی ناپاک روح کسی جسم سے جدا ہوئی ہے۔ آنحضرت ﷺ اس بدبو کا ذکر فرماتے وقت اپنی ناک پر کپڑا ڈھانک لیا کرتے تھے کیونکہ برکت نبوت کے سبب سے بدبو کے ذکر کے وقت اصلی بدبو آپ کے دماغ میں اثر کرنے لگتی تھی اس روح کو فرشتے آسمان پر لے جانا چاہتے ہیں لیکن آسمان کے دروازے نہیں کھلتے اس بیان کے وقت آنحضرت ﷺ یہ آیت پڑھا کرتے تھے لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اونٹ سوئی کے ناکے میں گھس جائے مگر یہ نافرمان لوگ نہ جنت میں جا

سکتے ہیں نہ ان کی روح کے لیے آسمان کے دروازے کھل سکتے ہیں۔ اب اس ناپاک روح کے لیے جب آسمان کے دروازے نہیں کھلتے تو روح پھر جسم میں لائی جاتی ہے اور منکر نکیر کا سوال قبر ہو کر قیامت کے قائم ہونے تک طرح طرح کے قبر کے عذاب میں وہ روح گرفتار رہتی ہے۔ [1]

۸: حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیویوں کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوا:

وَّ قِيۡلَ ادۡخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيۡنَ [2]

اور ان کو کہا گیا کہ آگ میں داخل ہونے والوں کے ساتھ تم بھی داخل ہو جاؤ۔ [3]

نبیوں کی یہ دو بیویاں کافرہ تھیں، مومنہ نہیں تھیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو مرتے وقت فرشتوں کے ذریعے فرمایا چلو تم بھی آگ کے اندر ابھی داخل ہو جاؤ۔ معلوم ہوا کہ حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویوں کو آگ کا عذاب مل رہا ہے اور ظاہر بات ہے کہ یہ آگ برزخ کی ہے کیونکہ جہنم کی آگ میں تو قیامت کے بعد ہی داخلہ ہو گا۔ مِمَّا خَطِيۡٓـٰٔتِهِمۡ اُغۡرِقُوۡا فَاُدۡخِلُوۡا نَارًا آیت کریمہ بھی اسی بات کی مؤید ہے۔

۹: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَلۡهٰٮكُمُ التَّكَاثُرُ ۙ﴿۱﴾ حَتّٰى زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ ؕ﴿۲﴾ كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۙ﴿۳﴾ ثُمَّ كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ؕ﴿۴﴾ [4]

---

[1] احسن التفاسیر، جلد دوم، صفحہ: ۱۶۵، تحت آیت سورۃ انعام: ۹۳
[2] سورۃ تحریم: ۱۰
[3] ترجمہ ثناء اللہ امرتسری
[4] سورۃ التکاثر: ۱، ۲، ۳، ۴

غافل رکھا تمہیں زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی ہوس نے یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے ہاں ہاں تم جلد جان لوگے پھر ہاں ہاں تمہیں (اپنی کوششوں کا انجام) جلد معلوم ہو جائے گا۔ [1]

امام المفسرین ابن جریر طبری فرماتے ہیں:

وَفِيْ هٰذَا دَلِيْلٌ عَلٰى صِحَّةِ الْقَوْلِ بِعَذَابِ الْقَبْرِ ،لِأَنَّ اللهَ تَعَالٰى ذِكْرُهٗ، أَخْبَرَ عَنْ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ أَلْهَاهُمُ التَّكَاثُرُ ،أَنَّهُمْ سَيَعْلَمُوْنَ مَا يَلْقَوْنَ إِذَا هُمْ زَارُوْا الْقُبُوْرَ وَعِيْدًا مِّنْهُ لَهُمْ وَتَهَدُّدًا

اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ عذاب قبر کا قول بالکل صحیح ہے اس لیے کہ خداوند قدوس نے اس قوم کے متعلق بتایا ہے جس کو زیادتی کی ہوس نے غافل کر دیا کہ جب یہ قبروں میں جا پڑیں گے تو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ ان پر کیا بیتتی ہے۔ یہ ارشاد گرامی اللہ رب العزت کی جانب سے وعید اور تہدید کے طور پر ہے۔ [2]

پھر ابن جریر نے تین مختلف سندوں کے ساتھ سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ یہ آیات عذاب قبر کے متعلق نازل ہوئی ہیں۔ [3]

حافظ ابن کثیر نے بھی حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ یہ آیات عذاب قبر کے متعلق ہیں۔ [4]

---

[1] ترجمہ جمال القرآن از پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری

[2] تفسیر ابن جریر، جلد: ۳۰، صفحہ: ۱۸۳، تحت آیت سورۃ التکاثر: ۱ تا ۴

[3] تفسیر ابن جریر، جلد: ۳۰، صفحہ: ۱۸۳

[4] تفسیر ابن کثیر، جلد: ۴، صفحہ: ۵۴۵

قرطبی میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ سے مراد عذاب قبر ہے جبکہ ثُمَّ کَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ سے مراد عذاب آخرت ہے۔[1]

عذاب قبر روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے

سوال عذاب قبر روح کو ہوتا ہے، جسم کو نہیں۔

جواب ہم آیات کریمہ کی تفسیر میں اس سوال کا مدلل جواب عرض کر چکے ہیں کہ صرف روح کو عذاب کا دعوی درست نہیں ہے۔ عذاب روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے۔ اس مضمون کو اگر ایک بار مزید پڑھ لیا جائے اور عذاب قبر کے اثبات کے لیے پیش کی گئی آیات کریمہ پر غور کر لیا جائے تو یہ سوال ختم ہو کر رہ جاتا ہے لیکن پھر بھی ہم چند مزید حوالے پیش کر دیتے ہیں تا کہ مخالف کو مجال انکار نہ رہے۔

۱: نجدیہ کے متفقہ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ سے پوچھا گیا:

وَهُوَ بِمِصۡرَ: عَنۡ ''عَذَابِ الۡقَبۡرِ'' هَلۡ هُوَ عَلَى النَّفۡسِ وَالۡبَدَنِ أَوۡ عَلَى النَّفۡسِ دُونَ الۡبَدَنِ؟

جبکہ وہ مصر میں تھے کہ عذاب قبر روح اور بدن دونوں پر ہوتا ہے؟ یا کہ بدن پر نہیں صرف روح پر؟ تو اس کا جواب حافظ ابن تیمیہ نے یوں دیا:

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِينَ. بَلِ الۡعَذَابُ وَالنَّعِيمُ عَلَى النَّفۡسِ وَالۡبَدَنِ جَمِيعًا بِاتِّفَاقِ أَهۡلِ السُّنَّةِ وَالۡجَمَاعَةِ

---

[1] تفسیر قرطبی، جلد: ۲۰، صفحہ: ۱۷۲

اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عذاب وثواب روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے۔ ۱

۲: حافظ ابن تیمیہ کو سلفی حلقے میں شیخ الاسلام کہا جاتا ہے۔ ہمارے یہاں کے اہلحدیث اور سعودیہ کے اہلحدیث دونوں انہیں شیخ الاسلام کہتے ہیں۔ حافظ ابن تیمیہ چند احادیث مبارکہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

فَقَدْ صَرَّحَ الْحَدِيثُ بِإِعَادَةِ الرُّوحِ إِلَى الْجَسَدِ وَبِاخْتِلَافِ أَضْلَاعِهِ وَهَذَا بَيِّنٌ فِي أَنَّ الْعَذَابَ عَلَى الرُّوحِ وَالْبَدَنِ مُجْتَمِعَيْنِ

حدیث نے اس بات کی تصریح کر دی ہے کہ روح جسم کی طرف لوٹ کر آتی ہے اور معذب جسم کی پسلیاں مختلف ہو جاتی ہیں اور یہ چیز اس مسئلہ میں بالکل واضح ہے کہ عذاب روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے۔ ۲

۳: ایک بہت بڑے محدث حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ گزرے ہیں۔ جب حدیث میں کہا جاتا ہے کہ حافظ نے یہ کہا ہے تو اس سے مراد حافظ ابن حجر ہوتے ہیں۔ انہیں حافظ علی الاطلاق کہا جاتا ہے۔ انہوں نے بخاری شریف کی بڑی شاندار شرح لکھی۔ اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَقَدْ ثَبَتَتِ الْأَحَادِيثُ بِمَا ذَهَبَ إِلَيْهِ الْجُمْهُورُ كَقَوْلِهِ إِنَّهُ لَيَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِهِمْ وَقَوْلِهِ تَخْتَلِفُ أَضْلَاعُهُ لِضَمَّةِ الْقَبْرِ وَقَوْلِهِ يَسْمَعُ صَوْتَهُ إِذَا ضَرَبَهُ بِالْمِطْرَاقِ وَقَوْلِهِ يُضْرَبُ بَيْنَ أُذُنَيْهِ وَقَوْلِهِ

---

۱ فتاوی ابن تیمیہ، جلد: ۴، صفحہ: ۲۸۲ ۲ فتاوی ابن تیمیہ، جلد: ۴، صفحہ: ۲۸۹

فَيُقْعِدَانِهِ وَكُلُّ ذٰلِكَ مِنْ صِفَاتِ الْأَجْسَادِ

احادیث سے جمہور کا یہی مذہب ثابت ہوتا ہے مثلاً میت لوگوں کے جوتوں کی آہٹ سنتی ہے۔ارشاد نبوی ہے: قبر کے ملنے سے میت کی پسلیاں ٹوٹ جاتی ہیں۔ارشاد نبوی ہے: جب معذب میت کو ہتھوڑوں سے مارتے ہیں تو اس کی آواز سنی جاتی ہے اور ارشاد نبوی ہے: میت کے دونوں کانوں کے درمیان مارا جاتا ہے اور ارشاد نبوی ہے: منکر نکیر میت کو بٹھاتے ہیں۔ یہ سب جسم کی صفات ہیں۔[1]

پتہ چلا کہ اگر مرنے والا گناہگار یا کافر ہو تو اسے سزا ملتی ہے لیکن اگر مصطفیٰ کریم ﷺ کا غلام ہو، اللہ کی عبادت کرتا رہا ہو، توحید و رسالت کا پابند ہو تو اسے انعام ملتا ہے اور یہ انعام روح اور جسم دونوں کو ملتا ہے۔ جب عام مومن کے جسم کو قبر میں انعام ملتا ہے تو مصطفیٰ ﷺ پر اللہ کے کرم کی کتنی بارشیں ہو رہی ہوں گی۔

۴: ایک وہابی عالم وحید الزماں جنہوں نے صحاح ستہ میں سے ایک کتاب کے سوا باقی پانچ کتابوں کا ترجمہ اور مختصر شرح لکھی۔تقریباً ہر وہابی کے گھر میں ان کا ترجمہ موجود ہوتا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

قبر کا عذاب اہلسنت بالاتفاق تسلیم کرتے ہیں اور اس کا ماننا عقائد میں داخل ہے اور جو کوئی قبر کے عذاب کا انکار کرے وہ معتزلی یا خارجی اور گمراہ اور بدعتی ہے۔قسطلانی نے کہا قرآن وحدیث سے قبر کا عذاب ثابت ہے اور اہلسنت کا اس پر اجماع ہے اور عقلا

---

[1] فتح الباری شرح صحیح بخاری، جلد: ۳، صفحہ: ۲۳۵، تحت الحدیث: ۱۳۷۲

بھی اس میں کوئی اشکال نہیں۔ بدن کے ہر جزو سے روح کا تعلق باقی رہنا کوئی مشکل نہیں گو بدن کے اجزاء متفرق ہو گئے ہوں یا درندے یا جانور اس کو کھا گئے ہوں جیسے اللہ تعالیٰ ان سب اجزاء کو جمع کر کے حشر کرے گا۔ مصابیح الجامع میں ہے کہ عذاب قبر میں اس کثرت سے حدیثیں وارد ہیں کہ کئی علماء نے ان کو متواتر قرار دیا ہے۔ [1]

آیتوں اور حدیثوں کا خلاصہ یہ نکلا کہ قبر کا عذاب حق ہے لیکن قبر والے کو عذاب ہو رہا ہے یا ثواب وَلٰكِنۡ لَّا تَشۡعُرُوۡنَ ہمیں اس کی سمجھ نہیں آسکتی۔ لوگ صرف اس بنا پر عذاب قبر کا انکار کر دیتے ہیں کہ ہمیں تو کبھی قبر میں عذاب ہوتا نظر نہیں آیا۔ اس مسئلہ کو ایک مثال سے سمجھیے۔ مثال کے طور پر ایک آدمی آپ کے پاس سو رہا ہے اور آپ اسے دیکھ رہے ہیں۔ وہ ٹھنڈا پانی پی کر یا کوئی پھل کھا کر خواب کے اندر بڑی لذت محسوس کر رہا ہے اور کبھی خواب میں دیکھتا ہے کہ اسے مار پڑ رہی ہے، سانپ نظر آ رہے ہیں خوف اور ڈر محسوس کرتا ہے لیکن ساتھ بیٹھے آدمی کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ اس پر کیا بیت رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت دنیا میں دکھا رہا ہے کہ جب کوئی خواب میں نعمت یا سزا کو محسوس کرتا ہے تو دوسرے کو پتہ ہی نہیں چلتا۔ اللہ تعالیٰ دنیا، قبر اور آخرت سب کا خالق ہے، وہ قادر ہے کہ بندے کو قبر میں عذاب ہو رہا ہو یا وہ مزے کر رہا ہو اور کسی کو پتہ نہ چلے۔

سوال: نبی اکرم ﷺ اس دنیا میں مکلف تھے۔ اللہ کی طرف سے حکم تھا کہ ہماری وحی

---

[1] تیسیر الباری شرح صحیح بخاری، جلد: ۲، صفحہ: ۳۲۱، مطبوعہ تاج کمپنی

آگے پہنچاؤ، نمازیں پڑھو، روزے رکھو، حج بھی کرو یعنی شریعت مطہرہ کے پابند تھے تو کیا قبرانور میں بھی وہ ان احکامات کے مکلف ہیں؟

جواب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کا جسم زندہ ہوتا ہے لیکن ابھی شریعت کا مکلف نہیں ہوتا۔ جب وہ ایک خاص عمر کو پہنچتا ہے تب اس پر شریعت کے احکامات کا ترتب ہوتا ہے۔ اس خاص عمر کو پہنچنے سے پہلے زندہ ضرور ہوتا ہے لیکن مکلف نہیں ہوتا۔ بس سمجھ لیجیے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ تو ہیں لیکن ان پابندیوں سے آزاد ہیں۔ ہم نماز پڑھتے ہیں اس لیے کہ ہم پر فرض ہے۔ ہم قرآن کی تلاوت کرتے ہیں اس لیے کہ ثواب ملتا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام قبروں میں ثواب کے لیے نماز نہیں پڑھتے بلکہ سواد کے لیے نماز پڑھتے ہیں۔ وہ اپنی قبروں میں مکلف نہیں ہیں بلکہ اس جہاں میں مکلف تھے۔ اللہ تعالیٰ سمجھنے کی توفیق عطا کرے۔

۵: ایک بزرگ امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ گزرے ہیں جنہوں نے بخاری شریف کی شرح ارشاد الساری لکھی۔ درس نظامی کے اساتذہ کو جب بخاری شریف کا سبق دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اسے آپ نے پڑھانا ہے تو ابتداء بڑی محنت کرتے ہیں۔ کبھی فتح الباری دیکھتے ہیں تو کبھی عمدۃ القاری اور جتنی بھی شروحات میسر ہوتی ہیں ان سے سبق کی تیاری کرتے ہیں لیکن جب پانچ چھ سال پڑھا لیتے ہیں تو پھر ساری شروحات چھوٹ جاتی ہیں تنہا ارشاد الساری سے کام چل جاتا ہے یعنی ارشاد الساری مختصر مگر جامع کتاب ہے۔

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت کی ایک بڑی بہترین کتاب المواھب اللدنیہ بھی تحریر فرمائی ہے۔مندرجہ ذیل عبارت امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ارشاد الساری کی ہے لیکن ہم اس عبارت کو ایک بہت بڑے اہلحدیث عالم کے قلم سے بیان کرتے ہیں۔وہابی عالم نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں:

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

قَدْ تَظَاهَرَتِ الدَّلَائِلُ مِنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ عَلٰى ثُبُوْتِهٖ،وَأَجْمَعَ عَلَيْهِ أَهْلُ السُّنَّةِ، وَلَا مَانِعَ فِي الْعَقْلِ أَنْ يُعِيْدَ اللهُ الْحَيَاةَ فِيْ جُزْءٍ مِّنَ الْجَسَدِ، أَوْ فِي جَمِيْعِهٖ عَلَى الْخِلَافِ الْمَعْرُوْفِ، فَيُثِيْبَهٗ وَيُعَذِّبَهٗ. وَإِذَا لَمْ يَمْنَعْهُ الْعَقْلُ وَوَرَدَ بِهِ الشَّرْعُ وَجَبَ قُبُوْلُهٗ،وَاعْتِقَادُهٗ وَلَا يَمْنَعُ مِنْ ذٰلِكَ كَوْنُ الْمَيِّتِ قَدْ تَفَرَّقَتْ أَجْزَاؤُهٗ، كَمَا يُشَاهَدُ فِي الْعَادَةِ، أَوْ أَكَلَتْهُ السِّبَاعُ وَالطُّيُوْرُ وَحِيْتَانُ الْبَحْرِ كَمَا أَنَّ اللهَ تَعَالٰى يُعِيْدُهٗ لِلْحَشْرِ، وَهُوَ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى قَادِرٌ عَلٰى ذٰلِكَ. فَلَا يَسْتَبْعِدُ تَعَلُّقُ رُوْحِ الشَّخْصِ الْوَاحِدِ فِي آنٍ وَاحِدٍ بِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْ أَجْزَائِهٖ الْمُتَفَرِّقَةِ فِي الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ. فَإِنَّ تَعَلُّقَهٗ لَيْسَ عَلٰى سَبِيْلِ الْحُلُوْلِ حَتّٰى يَمْنَعَهُ الْحُلُوْلُ فِي جُزْءٍ مِّنَ الْحُلُوْلِ فِي غَيْرِهٖ، قَالَ فِي مَصَابِيْحِ الْجَامِعِ: وَقَدْ كَثُرَتِ الْأَحَادِيْثُ فِي عَذَابِ الْقَبْرِ،حَتّٰى قَالَ

غَيْرُ وَاحِدٍ: إِنَّهَا مُتَوَاتِرَةٌ لَا يَصِحُّ عَلَيْهَا التَّوَاطُؤُ وَإِنْ لَّمْ يَصِحَّ مِثْلُهَا لَمْ يَصِحَّ شَيْءٌ مِّنْ أَمْرِ الدِّيْنِ

عذاب قبر کے ثبوت پر کتاب وسنت کے بے شمار دلائل موجود ہیں اور اہلسنت کا اس پر اجماع ہے اور عقل بھی اس میں مانع نہیں کہ اللہ تعالیٰ جسم کے کسی ایک جزو یا تمام اجزاء میں حیات کو دوبارہ پیدا کر دے پھر اس کو ثواب و عذاب کرے اور جب عقل بھی مانع نہیں اور شرع میں بھی یہ چیز وارد ہوئی ہے تو اس کو قبول کرنا اور اس پر اعتقاد رکھنا واجب ہے۔ اگر میت کے اجزاء بکھر بھی چکے ہوں جیسا کہ عام طور پر مشاہدہ ہوتا ہے یا اس کو درندوں، پرندوں اور سمندروں کی مچھلیوں نے بھی کھا لیا ہو پھر بھی ان اجزاء میں حیات کے لوٹنے پر مانع موجود نہیں ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ حشر میں حیات کو لوٹا دے گا اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے۔ پس آن واحد میں ایک شخص کی روح کا مشارق ومغارب میں بکھرے ہوئے اجزاء کے ساتھ تعلق بعید نہیں ہے پس بیشک یہ تعلق حلول کے طریقہ پر نہیں ہے۔ مصابیح الجامع میں ہے کہ عذاب قبر کے متعلق احادیث اتنی کثرت سے وارد ہیں کہ متعدد محدثین نے تواتر کا دعویٰ کیا ہے۔ اتنے لوگوں کا جھوٹ پر اجتماع نہیں ہوسکتا۔ اگر اس جیسی بات بھی درست اور صحیح نہ ہو تو دین کی کوئی بات درست اور صحیح نہ ہو۔ [1]

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کی بات کا خلاصہ یہ ہے کہ مثال کے طور پر کوئی میت سمندر میں

---

[1] عون الباری لحل ادلۃ البخاری، جلد: ۲، صفحہ: ۳۶۴، ۳۶۵ / امام قسطلانی کی یہ عبارت ارشاد الساری شرح صحیح بخاری کی جلد نمبر: ۲، صفحہ: ۴۶۰ پر موجود ہے۔

ڈوب گئی اور اسے مچھلیوں نے کھالیا۔ اس کے کچھ اجزاء کسی مچھلی کے پیٹ میں جبکہ کچھ اجزاء کسی مچھلی کے پیٹ میں ہیں۔ مچھلیوں نے سفر شروع کر دیا۔ ایک مچھلی امریکہ پہنچ گئی جبکہ دوسری مچھلی انڈیا پہنچ گئی تو اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ ایک روح کا تعلق بیک وقت بکھرے ہوئے اجزاء کے ساتھ کر دے۔ اس کو یوں سمجھیے کہ ہمارے جسم کے کئی اجزاء ہیں مثلاً ہاتھ، پاؤں، کان، پیٹ، ناخن وغیرہ لیکن روح ایک ہے۔ اس ایک روح کا تعلق جسم کے ہر ہر جزء سے ہوتا ہے تو جو اللہ جسم کے ہر ہر جزو کے ساتھ ایک روح کا تعلق قائم فرما دیتا ہے وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ مرنے والے کے جسم کے بکھرے اجزاء کے ساتھ روح کا تعلق قائم فرما دے۔

اگر قبر کا عذاب بھی درست نہیں کیونکہ قبر کے عذاب کو اتنے لوگوں نے بیان کیا جن کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہے تو دین کی کس بات پر اعتبار ہوگا؟ سب سے بڑی چیز قرآن ہے۔ قرآن پر اعتبار اس لیے ہے کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ سے تواتر کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے۔ تواتر بہت بڑی دلیل ہوتی ہے۔ اس بات پر ہمارے مخالفین کو ٹھنڈے دل کے ساتھ غور کرنا چاہیے۔

٦:      امام قاضی صدرالدین ابی العز الحنفی لکھتے ہیں:

وَلَيْسَ السُّؤَالُ فِي الْقَبْرِ لِلرُّوحِ وَحْدَهَا، كَمَا قَالَ ابْنُ حَزْمٍ وَغَيْرُهُ، وَأَفْسَدُ مِنْهُ قَوْلُ مَنْ قَالَ: إِنَّهُ لِلْبَدَنِ بِلَا رُوحٍ وَالْأَحَادِيثُ الصَّحِيحَةُ تَرُدُّ الْقَوْلَيْنِ وَكَذٰلِكَ عَذَابُ الْقَبْرِ يَكُونُ لِلنَّفْسِ وَالْبَدَنِ

جَمِيعًا بِاتِّفَاقِ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ. تَنْعَمُ النَّفْسُ وَتُعَذَّبُ مُفْرَدَةً عَنِ الْبَدَنِ وَمُتَّصِلَةً بِهِ وَاعْلَمْ أَنَّ عَذَابَ الْقَبْرِ هُوَ عَذَابُ الْبَرْزَخِ. فَكُلُّ مَنْ مَاتَ وَهُوَ مُسْتَحِقٌّ لِلْعَذَابِ نَالَهُ نَصِيبُهُ مِنْهُ. قُبِرَ أَوْ لَمْ يُقْبَرْ. أَكَلَتْهُ السِّبَاعُ أَوِ احْتَرَقَ حَتّٰى صَارَ رَمَادًا وَنُسِفَ فِي الْهَوَاءِ. أَوْ صُلِبَ أَوْ غَرِقَ فِي الْبَحْرِ. وَصَلَ إِلَى رُوحِهِ وَبَدَنِهِ مِنَ الْعَذَابِ مَا يَصِلُ إِلَى الْمَقْبُورِ

قبر میں سوال صرف روح سے نہیں ہوتا جیسا کہ ابن حزم وغیرہ کا قول ہے۔ اس سے بھی غلط قول اس کا ہے جو یہ کہتا ہے کہ عذاب قبر صرف بدن کو ہوتا ہے روح کو نہیں اور احادیث صحیحہ ان دونوں اقوال کو رد کر رہی ہیں۔ اہلسنت و جماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عذاب قبر روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے خواہ روح بدن سے متصل ہو یا الگ۔ خوب اچھی طرح جان لیجیے کہ عذاب قبر، عذاب برزخ ہی ہے جو بھی مستحق عذاب مرجائے اسے اس کا حصہ پہنچتا ہے خواہ اسے قبر ملے یا نہ ملے، درندوں نے اسے کھالیا ہو یا جل کر راکھ ہوجائے، ہوا میں ذرات بکھر جائیں، سولی دیا جائے یا سمندر میں غرق ہوجائے اس کی روح اور بدن کو ایسا ہی عذاب پہنچتا ہے جیسے کہ قبر میں پڑے ہوئے کو۔[1]

یہ عبارت بھی پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ قبر کے اندر کافر کے جسم اور روح دونوں کو عذاب ہوتا ہے۔ جسم کو عذاب ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ کافر بھی قبر میں ختم نہیں ہوتا بلکہ

---

[1] شرح عقیدہ طحاویہ، الایمان بعذاب القبر ونعیمہ، صفحہ: ۴۵۱

اس میں کم از کم اتنی حیات موجود ہوتی ہے جس سے وہ سزا کا ادراک اور احساس کرتا ہے۔
حیات انبیاء کے منکرین خوامخواہ ایک غیر متعلق بحث شروع کر دیتے ہیں کہ بتاؤ روح کہاں ہوتی ہے؟ جسم کے اندر یا جسم کے باہر؟ حالانکہ اس بحث سے مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تعلق نہیں۔ دخول روح ہو یا اتصال روح اصل بات یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اجساد مطہرہ زندہ ہیں اور روح کا تعلق جسم کے ساتھ ضرور ہوتا ہے۔

۷: دیوبندی عالم رشید احمد گنگوہی کا ایک حاشیہ بنام الکوکب الدری ہے جسے مولانا زکریا نے ترتیب دیا۔ اس میں ہے:

فَيُعَذَّبُ اللَّحْمُ مُتَّصِلًا بِالرُّوْحِ وَالرُّوْحُ مُتَّصِلًا بِالْجِسْمِ فَيَتَأَلَّمُ الرُّوْحُ مَعَ الْجَسَدِ وَاِنْ كَانَ خَارِجًا عَنْهُ

روح کا اتصال جسم کے ساتھ ہوتا ہے اس لیے دونوں کو عذاب ہوتا ہے۔ روح اگرچہ جسم سے خارج ہی کیوں نہ ہو پھر بھی روح جسم کے ساتھ ہی درد و الم محسوس کرتی ہے۔[۱]

پتہ چلا روح جسم کے اندر نہ بھی ہو لیکن اس کا تعلق ایسا ہوتا ہے کہ جسم کو کوڑا یا ہتھوڑا پڑے تو اس کی تکلیف جسم اور روح دونوں محسوس کرتے ہیں۔

۸: ایک اور بہت بڑے عالم حافظ ابن قیم گزرے ہیں۔ اہل علم کے حلقوں میں حافظ ابن قیم بہت بڑا نام ہے۔ یہ حافظ ابن تیمیہ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ لکھتے ہیں:

۱۔ الکوکب الدری، صفحہ: ۳۲۵

اِنَّ مَذْهَبَ سَلَفِ الْأُمَّةِ وَأَئِمَّتِهَا أَنَّ الْمَيِّتَ إِذَا مَاتَ يَكُوْنُ فِي نَعِيْمٍ أَوْ عَذَابٍ وَأَنَّ ذٰلِكَ يَحْصُلُ لِرُوْحِهٖ وَبَدَنِهٖ

جو امت مسلمہ گزر چکی ہے اس کا اور اس کے اماموں کا مذہب یہی ہے کہ بندہ جب مر جاتا ہے تو وہ نعمتوں میں ہوتا ہے یا عذاب میں اور یہ (عذاب وثواب) اس کی روح اور بدن دونوں کو حاصل ہوتا ہے۔[1]

اصل دلائل یہ عبارات نہیں بلکہ اصل دلائل وہ ہیں جو ہم نے اس سے قبل قرآن مجید فرقان حمید کی نو آیات پیش کیں۔ سلف صالحین یا مخالفین کے حوالے بطور مؤید اور اس لیے ہیں کہ کوئی عذاب قبر کا انکار کرنے کی جرأت نہ کرے۔ جب عذاب قبر مان لیا تو پھر میرے مصطفی علیہ السلام کی حیات منوانا دومنٹ کا کام ہے۔

۹: امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قَالَ الْعُلَمَاءُ عَذَابُ الْقَبْرِ هُوَ عَذَابُ الْبَرْزَخِ أُضِيْفَ إِلَى الْقَبْرِ لِأَنَّهُ الْغَالِبُ وَإِلَّا فَكُلُّ مَيِّتٍ وَإِذَا أَرَادَ اللهُ تَعَالٰى تَعْذِيْبَهٗ نَالَهٗ مَا أَرَادَ بِهٖ قُبِرَ أَوْ لَمْ يُقْبَرْ وَلَوْ صُلِبَ أَوْ غَرِقَ فِي الْبَحْرِ أَوْ أَكَلَتْهُ الدَّوَابُّ أَوْ حَرَقَ حَتّٰى صَارَ رَمَادًا أَوْ ذُرِيَ فِي الرِّيْحِ وَمَحَلُّهُ الرُّوْحُ وَالْبَدَنُ جَمِيْعًا بِاتِّفَاقِ أَهْلِ السُّنَّةِ وَكَذَا الْقَوْلُ فِي النَّعِيْمِ

علماء فرماتے ہیں کہ عذاب قبر، عذاب برزخ ہے۔ اسے قبر کی طرف اس لیے

---

[1] کتاب الروح لابن قیم، المسئلۃ السادسۃ وھی ان الروح ھل تعاد الی المیت فی قبرہ، فصل فاذا عرفت ھذہ الاقوال الباطلۃ، صفحہ: ۵۷

مضاف کیا گیا کہ غالب طور پر انسان قبر ہی میں دفن ہوتا ہے وگرنہ ہر وہ میت جس کو اللہ تعالیٰ عذاب دینے کا ارادہ فرماتا ہے اسے عذاب پہنچتا ہے خواہ اسے قبر میسر ہو یا نہ ہو، خواہ وہ سولی پر ہو یا سمندر میں غرق ہو، اسے جانوروں نے کھالیا ہو یا وہ جل کر راکھ ہو چکا ہو یا وہ ذرات کی شکل میں ہوا میں اڑتا ہو۔ اس عذاب کا محل روح اور بدن دونوں ہیں اور اس پر تمام اہل سنت کا اتفاق ہے اور ایسے ہی ثواب کے متعلق قول ہے۔[1]

۱۰: امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَاِنَّ عَذَابَ الْقَبْرِ وَنَعِيْمَهٗ لِلْجَسَدِ وَالرُّوْحِ جَمِيْعًا وَاِذَا كَانَ نَعِيْمُ غَيْرِ الشَّهِيْدِ كَذٰلِكَ فَنَعِيْمُ الشَّهِيْدِ اَتَمُّ وَاَوْلٰى وَاَكْمَلُ

قبر کا عذاب وثواب جسم اور روح دونوں کو ہے اور جب غیر شہید کے ثواب کا یہ حال ہے تو شہید کا ثواب تو اس سے کہیں بڑھ کر اتم، اکمل ہے۔[2]

۱۱: تفنن طبع کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ اب گیارھویں کے نام کا گیارھواں حوالہ۔ ایک وہابی عالم ہیں جن کا نام احمد حسن دہلوی ہے۔ علمی اختلاف اپنی جگہ لیکن ان کی کتابیں اچھی ہیں۔ میرے کئی ساتھی میرے ساتھ لڑ پڑتے ہیں کہ تم مخالفین کی قابلیت کا اقرار کیوں کرتے ہو؟ تو میں کہتا ہوں جس میں جو خوبی ہو وہ ماننی چاہیے۔ ان کے اپنے دلائل ہیں اور ہمارے اپنے دلائل ہیں لیکن علم بہر حال علم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب فرمائے۔ انہوں نے مشکوۃ شریف کی شرح تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوۃ لکھی۔

---

[1] شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور للسیوطی، باب عذاب القبر، صفحہ: ۱۷۷

[2] شفاء السقام، الباب التاسع فی حیاۃ الانبیاء علیھم السلام، الفصل الثانی فی الشھداء، صفحہ: ۱۹۴، مطبوعہ مکتبہ نوریہ

اس میں زیادہ تر راویوں کی بحث کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

وَمَذْهَبُ اَهْلِ السُّنَّةِ اِثْبَاتُ عَذَابِ الْقَبْرِ خِلَافًا لِلْخَوَارِجِ وَالْمُعْتَزِلَةِ وَبَعْضِ الْمُرْجِئَةِ فَاِنَّهُمْ نَفَوْا ذٰلِكَ وَاَحَادِيْثُ الْبَابِ تَرُدُّ عَلَيْهِمْ ثُمَّ الْمُعَذَّبُ عِنْدَ اَهْلِ السُّنَّةِ اَلْجَسَدُ بِعَيْنِهٖ بَعْدَ اِعَادَةِ الرُّوْحِ اِلَيْهِ وَمَا قِيْلَ اِنَّ السُّؤَالَ فِي الْقَبْرِ يَقَعُ عَلَى الْبَدَنِ فَقَطْ وَقَالَ بَعْضُهُمْ يَقَعُ عَلَى الرُّوْحِ فَقَطْ فَيَرُدُّ عَلَيْهِمْ قَوْلُهٗ ﷺ تُعَادُ رُوْحُهٗ فِي بَعْضِ الرِّوَايَاتِ

اہل سنت کا مذہب ہے کہ عذاب قبر ثابت ہے۔ خوارج، معتزلہ اور بعض مرجئہ مخالف ہیں وہ اس کی نفی کرتے ہیں لیکن اس باب کی احادیث مخالفین کا رد کر رہی ہیں۔ اہل سنت کے نزدیک عذاب روح کے واپس کیے جانے کے بعد جسم اصلی کو ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ قبر میں سوال صرف بدن سے ہوتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ صرف روح سے لیکن نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی: ”اس میت کی روح لوٹائی جاتی ہے“ ان دونوں کا رد کر رہا ہے۔[1]

۱۲: امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح صحیح مسلم میں بَابُ اِثْبَاتِ عَذَابِ الْقَبْرِ میں تحریر فرماتے ہیں:

---

[1] تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوٰۃ، جلد اول، صفحہ ۳۱:

اِعْلَمْ أَنَّ مَذْهَبَ أَهْلِ السُّنَّةِ إِثْبَاتُ عَذَابِ الْقَبْرِ وَقَدْ تَظَاهَرَتْ عَلَيْهِ دَلَائِلُ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ قَالَ اللهُ تَعَالٰى اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا الْآيَة وَتَظَاهَرَتْ بِهِ الْأَحَادِيثُ الصَّحِيحَةُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ رِوَايَةِ جَمَاعَةٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ فِي مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَلَا يَمْتَنِعُ فِي الْعَقْلِ أَنْ يُعِيدَ اللهُ تَعَالٰى الْحَيَاةَ فِي جُزْءٍ مِّنَ الْجَسَدِ وَيُعَذِّبَهٗ وَإِذَا لَمْ يَمْنَعْهُ الْعَقْلُ وَوَرَدَ الشَّرْعُ بِهِ وَجَبَ قُبُوْلُهٗ وَاعْتِقَادُهٗ وَقَدْ ذَكَرَ مُسْلِمٌ هُنَا أَحَادِيْثَ كَثِيرَةً فِي إِثْبَاتِ عَذَابِ الْقَبْرِ وَسَمَاعِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَوْتَ مَنْ يُعَذَّبُ فِيهِ وَسَمَاعِ الْمَوْتٰى قَرْعَ نِعَالِ دَافِنِيْهِمْ وَكَلَامِهٖ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَهْلِ الْقَلِيْبِ وَقَوْلِهٖ مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ مِنْهُمْ وَسُؤَالِ الْمَلَكَيْنِ الْمَيِّتَ وَإِقْعَادِهِمَا إِيَّاهُ وَجَوَابِهٖ لَهُمَا وَالْفَسْحِ لَهٗ فِي قَبْرِهٖ وَعَرْضِ مَقْعَدِهٖ عَلَيْهِ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ وَسَبَقَ مُعْظَمُ شَرْحِ هَذَا فِي كِتَابِ الصَّلَاةِ وَكِتَابِ الْجَنَائِزِ وَالْمَقْصُودُ أَنَّ مَذْهَبَ أَهْلِ السُّنَّةِ إِثْبَاتُ عَذَابِ الْقَبْرِ كَمَا ذَكَرْنَا خِلَافًا لِلْخَوَارِجِ وَمُعْظَمِ الْمُعْتَزِلَةِ وَبَعْضِ الْمُرْجِئَةِ نَفَوْا ذٰلِكَ ثُمَّ الْمُعَذَّبُ عِنْدَ أَهْلِ السُّنَّةِ الْجَسَدُ بِعَيْنِهٖ أَوْ بَعْضِهٖ بَعْدَ إِعَادَةِ الرُّوحِ إِلَيْهِ أَوْ إِلٰى جُزْءٍ مِّنْهُ وَخَالَفَ فِيهِ مُحَمَّدُ بْنُ جَرِيرٍ

وَعَبْدُ اللهِ بْنُ كِرَامٍ وَطَائِفَةٌ فَقَالُوْا لَايُشْتَرَطُ إِعَادَةُ الرُّوْحِ قَالَ
أَصْحَابُنَا هٰذَا فَاسِدٌ لِأَنَّ الْأَلَمَ وَالْإِحْسَاسَ إِنَّمَا يَكُوْنُ فِي الْحَيِّ قَالَ
أَصْحَابُنَا وَلَايَمْنَعُ مِنْ ذٰلِكَ كَوْنُ الْمَيِّتِ قَدْ تَفَرَّقَتْ أَجْزَاؤُهٗ كَمَا
نُشَاهِدُ فِي الْعَادَةِ أَوْ أَكَلَتْهُ السِّبَاعُ أَوْ حِيتَانُ الْبَحْرِ أَوْ نَحْوُ ذٰلِكَ فَكَمَا
أَنَّ اللهَ تَعَالٰى يُعِيدُهٗ لِلْحَشْرِ وَهُوَ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى قَادِرٌ عَلٰى ذٰلِكَ فَكَذَا
يُعِيدُ الْحَيَاةَ إِلٰى جُزْءٍ مِّنْهُ أَوْ أَجْزَاءٍ وَإِنْ أَكَلَتْهُ السِّبَاعُ وَالْحِيتَانُ
فَإِنْ قِيْلَ فَنَحْنُ نُشَاهِدُ الْمَيِّتَ عَلٰى حَالِهٖ فِي قَبْرِهٖ فَكَيْفَ يُسْأَلُ
وَيُقْعَدُ وَيُضْرَبُ بِمَطَارِقَ مِنْ حَدِيْدٍ وَلَايَظْهَرُ لَهٗ أَثَرٌ فَالْجَوَابُ أَنَّ
ذٰلِكَ غَيْرُ مُمْتَنِعٍ بَلْ لَهٗ نَظِيرٌ فِي الْعَادَةِ وَهُوَ النَّائِمُ فَإِنَّهٗ يَجِدُ لَذَّةً
وَآلَمًا لَانُحِسُّ نَحْنُ شَيْئًا مِّنْهَا وَكَذَا يَجِدُ الْيَقْظَانُ لَذَّةً وَآلَمًا لِمَا
يَسْمَعُهٗ أَوْ يُفَكِّرُ فِيْهِ وَلَايُشَاهِدُ ذٰلِكَ جَلِيْسُهٗ مِنْهُ وَكَذَا كَانَ
جِبْرَائِيلُ يَأْتِي النَّبِيَّ ﷺ فَيُخْبِرُهٗ بِالْوَحْيِ الْكَرِيْمِ وَلَايُدْرِكُهُ
الْحَاضِرُوْنَ وَكُلُّ هٰذَا ظَاهِرٌ جَلِيٌّ قَالَ أَصْحَابُنَا وَأَمَّا إِقْعَادُهُ الْمَذْكُورُ
فِي الْحَدِيثِ فَيَحْتَمِلُ أَنْ يَّكُوْنَ مُخْتَصًّا بِالْمَقْبُوْرِ دُوْنَ الْمَنْبُوْذِ وَمَنْ
أَكَلَتْهُ السِّبَاعُ وَالْحِيتَانُ وَأَمَّا ضَرْبُهٗ بِالْمَطَارِقِ فَلَا يَمْتَنِعُ أَنْ يُوَسَّعَ
لَهٗ فِي قَبْرِهٖ فَيُقْعَدُ وَيُضْرَبُ وَاللهُ أَعْلَمُ

جاننا چاہیے کہ اہلسنت کا مذہب یہ ہے کہ عذاب قبر ثابت ہے اور اس پر کتاب وسنت کے بے شمار دلائل موجود ہیں۔ ارشاد ربانی ہے: ''صبح، شام ان کو آگ پر پیش کیا جاتا ہے۔'' صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کی ایک جماعت کا نبی اکرم ﷺ سے متعدد مقامات پر عذاب قبر کو بیان کرنا صحیح احادیث سے ثابت ہے اور عقلا بھی یہ بات ممتنع نہیں کہ اللہ تعالیٰ جسم کے کسی حصہ میں زندگی لوٹا دے اور اسے عذاب کرے جب یہ چیز عقلا بھی ممنوع نہیں اور شرع نے اس کو بیان بھی فرمایا ہے تو اس کو قبول کرنا اور اس پر اعتقاد رکھنا واجب ہوگا۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں متعدد احادیث مندرجہ ذیل اشیاء کے ثبوت میں نقل کی ہیں: عذاب قبر، نبی اکرم ﷺ کا مقبور کے عذاب کی آواز کو سننا، مردوں کا اپنے دفن کرنے والوں کے جوتوں کی آہٹ سننا، نبی اکرم ﷺ کا بدر کے کنویں میں پڑے ہوئے مردہ کافروں سے کلام فرمانا، نبی اکرم ﷺ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمانا کہ تم ان مردہ کافروں سے زیادہ نہیں سنتے ہو، دو فرشتوں کا میت کو قبر میں بٹھانا، اس سے سوال کرنا، میت کا جواب دینا، میت کے لیے قبر کا کھلنا، صبح شام میت پر اس کا ٹھکانا پیش ہونا، اس کی شاندار شرح کتاب الصلوۃ اور کتاب الجنائز میں گزر چکی ہے۔ ساری بحث کا مقصود یہ ہے کہ اہلسنت کا مذہب یہ ہے کہ عذاب قبر ثابت ہے۔ خوارج، بڑے بڑے معتزلہ اور چند مرجئہ نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے عذاب قبر کی نفی کی ہے پھر اہلسنت کے نزدیک جسم اصلی کو ہی عذاب ہوتا ہے خواہ پورے جسم کو ہو یا بعض حصہ کو

روح کے اعادہ کے ساتھ اس مسئلہ میں محمد بن جریر، عبداللہ بن کرام اور ایک گروہ نے اختلاف کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ روح کے اعادہ کی شرط نہیں ہے۔ ہمارے اصحاب کہتے ہیں کہ یہ بات غلط اور فاسد ہے اس لیے کہ درد کا احساس صرف زندہ کو ہوتا ہے۔ ہمارے اصحاب یہ بھی کہتے ہیں کہ میت کے اجزاء اگرچہ بکھر چکے ہوں جیسا کہ عام طور پر ہم مشاہدہ کرتے ہیں یا اس کو درندے یا سمندر کی مچھلیاں یا اسی طرح کی کوئی اور چیز کھا جائے۔ یہ تمام چیزیں جسم کے اعضاء کو عذاب ملنے سے نہیں روکتیں جس طرح اللہ تعالیٰ حشر میں روح لوٹانے پر قادر ہے وہی اللہ تعالیٰ پورے جسم میں یا کسی جزو میں بھی حیات لوٹانے پر قادر ہے خواہ اسے درندوں نے کھالیا ہو یا سمندر کی مچھلیوں نے۔ ہم اکثر دیکھتے ہیں کہ میت قبر میں ویسی کی ویسی پڑی ہوئی ہے اس پر سوالات، بٹھائے جانے، لوہے کے ہتھوڑوں سے مارے جانے کا کوئی اثر نظر نہیں آتا۔ یہ تمام چیزیں ممتنع نہیں ہیں (کہ اگر ہمیں نظر نہیں آتیں تو واقع میں موجود نہیں ہیں) بلکہ عادۃ اس کی ایک مثال موجود ہے کہ ایک شخص حالت نیند میں لذت، درد، تکلیف اٹھا رہا ہے لیکن ہمیں نہ تو اس کی لذت کا احساس ہوتا ہے، نہ ہی تکلیف کا۔ اسی طرح جاگتا ہوا آدمی کسی بات کو سن کر یا اس میں غور و فکر کر کے لذت یا درد تکلیف اٹھا رہا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ہی بیٹھنے والا اس لذت یا تکلیف کا مشاہدہ نہیں کر رہا ہوتا۔ اسی طرح جبریل علیہ السلام، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس وحی لے کر حاضر ہوتے تھے لیکن حاضرین کو اس کا ادراک نہ ہوتا تھا۔ یہ سب کچھ ظاہر و جلی ہے۔ ہمارے

اصحاب نے کہا ہے کہ حدیث شریف میں میت کو بٹھانے کا جو ذکر ہے، ہوسکتا ہے یہ صرف قبر والے کے ساتھ مخصوص ہو علاوہ اس کے جس کو راستہ میں پھینک دیا گیا ہو اور جس کو درندے یا مچھلیاں کھا گئی ہوں۔ بہر حال میت کو ہتھوڑوں کے ساتھ مارنا، اس کے لیے قبر کا فراخ ہونا اور اسے مارا جانا ممنوع نہیں ہے۔[1]

یہ کہنا کہ چونکہ ہمیں عذاب قبر نظر نہیں آتا اس لیے ہم اسے نہیں مانتے اس پر امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے دو مثالیں بیان کیں۔ ایک مثال مزید ملاحظہ کیجیے تاکہ مسئلہ چڑھتے دن کے سورج کی طرح واضح ہو جائے۔ مثال کے طور پر کسی جگہ محفل سجی ہوئی ہے۔ ایک بندہ تقریر کر رہا ہے۔ تقریر ایک ہی ہو رہی ہے۔ ایک بندہ نعت شریف کا شعر سن کر اندر ہی اندر مزے لے رہا ہے۔ ایک آدمی جو کہ اس کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے اس پر اثر ہی کوئی نہیں۔ اس کو پتہ ہی نہیں کہ یہ بندہ کتنے مزے لے رہا ہے۔ اسی طرح ایک بندہ اس کو کسی بات نے بڑا دکھ اور تکلیف دی لیکن ساتھ بیٹھے آدمی کو پتہ ہی نہیں تو یہ کہنا کہ چونکہ ہمیں نظر نہیں آتا اس لیے ہم اس لذت اور تکلیف کو نہیں مانتے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ بات غلط ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام وحی لے کر حاضر ہوتے لیکن پاس بیٹھے کسی صحابی کو جبریل علیہ السلام اور وحی کے آنے کا ادراک نہ ہوتا۔ اس پر ایک حدیث ملاحظہ کیجیے۔

حَدَّثَنِي سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ السَّاعِدِيُّ: أَنَّهُ رَأَى مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ

---

[1] نووی علی المسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا واھلھا، باب عرض مقعد المیت من الجنۃ، جلد:۲، صفحہ:۳۸۵، ۳۸۶

فِي الْمَسْجِدِ، فَأَقْبَلْتُ حَتّٰى جَلَسْتُ إِلٰى جَنْبِهِ، فَأَخْبَرَنَا أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ أَخْبَرَهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْلٰى عَلَيْهِ لا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ [1] وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ [2] فَجَاءَهُ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ وَهُوَ يُمِلُّهَا عَلَيَّ، قَالَ: يَارَسُولَ اللهِ ﷺ، وَاللهِ لَوْ أَسْتَطِيعُ الْجِهَادَ لَجَاهَدْتُ، وَكَانَ أَعْمٰى، فَأَنْزَلَ اللهُ عَلٰى رَسُولِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَفَخِذُهُ عَلٰى فَخِذِي فَثَقُلَتْ عَلَيَّ، حَتّٰى خِفْتُ أَنْ تَرُضَّ فَخِذِي، ثُمَّ سُرِّيَ عَنْهُ فَأَنْزَلَ اللهُ: غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ

انہوں نے کہا مجھ سے سہل بن سعد ساعدی نے بیان کیا انہوں نے کہا میں نے مروان بن حکم کو (جو مدینہ کا حاکم تھا) مسجد میں بیٹھے دیکھا، میں اس کے بازو پر جا بیٹھا وہ کہنے لگا ہم کو زید بن ثابت نے خبر دی کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو یہ آیت یوں لکھوائی:

لَايَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ

عبداللہ بن ام مکتوم آپ کے پاس آئے، آپ یہی آیت لکھوا رہے تھے، انہوں نے عرض کیا (وہ آنکھوں سے معذور تھے) یارسول اللہ ﷺ! اگر مجھ کو جہاد کی طاقت ہوتی (میں معذور نہ ہوتا) تو ضرور جہاد کرتا، اسی وقت اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ پر وحی بھیجی۔ آپ کی ران میری ران پر تھی۔ وحی آنے سے آپ کی ران اتنی بھاری ہوگئی، میں ڈرا کہیں میری ران (بوجھ سے) ٹوٹ جاتی ہے پھر یہ حالت موقوف ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ لفظ

---

[1] سورۃ نساء:۹۵ [2] سورۃ نساء:۹۵

اتارا: غَيۡرُ أُولِي الضَّرَرِ ۔[1]

جب نبی کریم ﷺ پر وحی نازل ہوئی تو چونکہ نبی کریم ﷺ کی ران مبارک حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ران پر تھی اس لیے آپ نے وحی کا بوجھ محسوس کیا حالانکہ اور صحابہ بھی موجود تھے۔ کسی اور نے جبریل علیہ السلام اور وحی کے آنے کو محسوس نہیں کیا تو کیا اب یہاں کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ ہمیں نظر نہیں آتا تو ہم وحی یا جبریل علیہ السلام کو نہیں مانتے؟ یقینا جواب نفی میں ہے۔ اسی طرح اگر عذاب قبر نظر نہیں آتا تو اس کا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔

ہم اس سے قبل نو آیات مقدسہ سے ثابت کر چکے ہیں کہ قبر میں کافر کے جسم کو عذاب ہوتا ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قبر میں کافر کے اندر بھی کم از کم اس قدر زندگی موجود ہوتی ہے جس سے وہ عذاب اور درد محسوس کرتا ہے اور اس پر ہم نے بارہ حوالے بھی پیش کیے ہیں۔ اب ہم قرآن حکیم ہی سے نیک لوگوں کا قبر میں آرام وسکون سے رہنا پیش کر رہے ہیں۔ امید ہے کہ سلیم الطبع قاری کو اس مسئلہ پر ہدایت اور روشنی کے واضح مینار نظر آئیں گے۔

بندہ مومن قبر میں ثابت قدم رہتا ہے

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِالۡقَوۡلِ الثَّابِتِ فِي الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَ فِي الۡاٰخِرَةِ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب لَا يَسۡتَوِي الۡقَاعِدُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ، صفحہ:۱۱۲۹، رقم الحدیث:۴۵۹۲ / یہ ترجمہ علامہ وحید الزماں کی تیسیر الباری سے لیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو دنیا اور آخرت کی زندگی میں حق بات پر ثابت قدم رکھتا ہے۔[1]

ثابت قدم وہی رہتا ہے اور وہی نہیں پھسلتا جس کے اندر حیات ہو۔ جس کے اندر سرے سے حیات ہی نہیں اس کے ثابت قدم رہنے کا کیا مطلب؟

قرآن کی بہترین تفسیروں میں سے ایک تفسیر وہ ہے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیان کی ہوئی تفسیر ملاحظہ کیجیے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِذَا أُقْعِدَ الْمُؤْمِنُ فِي قَبْرِهِ أُتِيَ، ثُمَّ شَهِدَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ فَذٰلِكَ قَوْلُهُ: يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ

جب مومن کو قبر میں اٹھا کر بٹھایا جاتا ہے اس کے پاس فرشتے آتے ہیں پھر وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ یہی معنی ہے ارشاد خداوندی يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ کا۔[2]

---

[1] سورۃ ابراہیم: ۲۷

[2] صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر، صفحہ: ۱۳۳۱، رقم الحدیث: ۱۳۶۹ / اس آیت کی اس تفسیر پر چند حوالہ جات مزید ملاحظہ کیجیے: احسن التفاسیر، جلد: ۳، صفحہ: ۲۶۴۔ معارف القرآن، جلد: ۴، صفحہ: ۱۳۶۔ ابن جریر، جلد: ۱۳، صفحہ: ۱۴۲۔ روح المعانی، جلد: ۱۳، صفحہ: ۲۱۷۔ تفسیر خازن ومعالم التنزیل، جلد: ۴، صفحہ: ۴۲۔ تفسیر کبیر، جلد: ۱۳، صفحہ: ۱۲۲۔ تفسیر مظہری، جلد: ۵، صفحہ: ۲۶۸۔ تفسیر قرطبی، جلد: ۹، صفحہ: ۳۶۲۔ تفسیر درمنثور، جلد: ۵، صفحہ: ۲۶

نبی کریم ﷺ آخرت سے مراد قبر اور قول ثابت سے مراد کلمہ طیبہ لے رہے ہیں۔ پتہ چلا کہ بندہ مومن نے دنیا میں جو کلمہ پڑھا تھا اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے اسے دنیا اور قبر میں ثابت قدم رکھتا ہے۔

میں اکثر مخالفین کی تفاسیر کے حوالے اس لیے پیش کرتا ہوں تاکہ اگر کوئی مخالف منصف مزاج ہو تو وہ سن لے اور یہ سمجھ لے کہ سعید اسعد جو تگ و دو کر رہا ہے کہ ساری امت ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائے یہ اسی کا شاخسانہ ہے۔ ہم وہ مسئلے بیان کرتے ہیں جن پر اہلسنت کا اتفاق ہے۔

ہم نے حاشیہ میں بزرگوں کی تفاسیر کے ساتھ ساتھ مخالفین کی تفاسیر کے حوالے بھی پیش کیے جن میں ابن جریر کی تفسیر بھی ہے جنہیں امام المفسرین کہا جاتا ہے، سب بیک زبان کہہ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کلمہ طیبہ کی برکت سے مومن کو دنیا اور قبر میں پھسلنے نہیں دیتا۔

مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں:

حدیث یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب قبر میں مومن سے سوال کیا جائے گا تو ایسے ہولناک مقام اور سخت حال میں بھی وہ بتائید ربانی اس کلمہ پر قائم رہے گا اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دے گا اور پھر فرمایا کہ ارشاد قرآنی یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ کا یہی مطلب ہے (یہ روایت حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے نقل فرمائی) اسی طرح تقریبا

چالیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے معتبر اسانید کے ساتھ اسی مضمون کی حدیثیں منقول ہیں جن کو امام ابن کثیر نے اس جگہ اپنی تفسیر میں جمع کیا ہے اور شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے منظوم رسالہ التثبیت عند التبییت میں اور شرح الصدور میں ستر احادیث کا حوالہ نقل کر کے ان روایات کو متواتر فرمایا ہے۔ ان سب حضرات صحابہ کرام نے آیت مذکورہ میں آخرت سے مراد قبر اور اس آیت کو قبر کے عذاب وثواب سے متعلق قرار دیا ہے۔[1]

مولوی غلام اللہ صاحب لکھتے ہیں:

یہ بشارت دنیوی و اخروی ہے۔ الآخرۃ سے عالم برزخ مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ اہل اخلاص مومنین کو دنیا میں اور قبر میں کلمہ توحید کی برکت سے ثابت قدم رکھتا ہے۔[2]

قرآن حکیم، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی، صحابہ کرام اور مفسرین کے فرمان سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ قبر میں ایماندار ثابت قدم رہتا ہے، پھسلتا نہیں۔ ثابت قدم رہنا تب ہی متصور ہوسکتا ہے جب ایماندار کو زندہ مانا جائے، جب قبر میں ایماندار زندہ ہے تو جن کے طفیل مومنوں کو ایمان ملتا ہے یعنی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ کس طرح زندہ نہ ہوں گے۔

تھانوی صاحب کے متبعین کے لئے دو حوالے

تھانوی صاحب کے ماننے والوں کا مزاج درست کرنے کے لیے دو حوالے پیش خدمت ہیں۔

---

[1] تفسیر معارف القرآن، جلد:۵، صفحہ:۲۴۸

[2] جواہر القرآن، تحت آیت سورۃ ابراہیم:۲۷، جلد:۲، صفحہ:۵۶۸

۱: سبع سنابل (کتاب) میں قاضی حمید الدین ناگوری سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں بعد دفن کرنے قطب الاقطاب کے ان کے مزار پر موجود تھا۔ میں نے (بطور کشف کے) دیکھا کہ منکر نکیر آئے اور حضرت خواجہ کے سامنے بہت ادب کے ساتھ بیٹھ گئے۔ اسی اثناء میں اور دو فرشتے پہنچے اور حق تعالیٰ کا سلام حضرت خواجہ کو پہنچایا اور ایک کاغذ سبز روشنائی سے لکھا ہوا نکالا اور حضرت خواجہ کے ہاتھ میں دیا۔ اس میں لکھا تھا کہ اے قطب الدین میں تم سے خوش ہوں اور میں نے تمہاری برکت سے حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے سب گناہگاروں کی قبروں سے عذاب اٹھالیا اس لیے کہ جب زندوں نے تم سے بہت بڑا نفع اٹھایا ہے، مردے بھی تم سے نفع حاصل کریں اور تمہاری قدر کو جانیں۔ دو فرشتے اور پہنچے۔ خواجہ کو حق تعالیٰ کا سلام پہنچایا اور منکر نکیر سے کہا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے ہمارے قطب سے سوال مت کرو۔ میں نے اپنے قطب سے خود سوال کرلیا ہے اور وہ سوال کا جواب ہم کو دے چکے تم لوگ واپس آجاؤ۔ [1]

اگر قاضی حمید الدین ناگوری کی آنکھیں پڑی ہوئی مٹی کو چیر کر قبر کے اندر کا نظارہ کرسکتی ہیں تو مصطفی علیہ السلام کی نگاہوں کی طاقت کا عالم کیا ہوگا۔

ہم غریب سنی اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبر انور میں زندہ مانیں تو ہم پر شرک کا فتوی جبکہ تھانوی صاحب قطب الاقطاب خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کو قبر میں زندہ مانیں تو وہ رحمۃ اللہ علیہ، حکیم الامت اور ان کے لیے بڑے بڑے القابات؟ کیا یہ انصاف کی بات ہے؟ ہم

---

[1] معارف اشرفیہ، جلد اول، باب سوم، السنۃ الجلیۃ فی الچشتیۃ العلیہ، صفحہ: ۱۳۳

غریبوں نے آپ کا کیا بگاڑا؟ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ خدا کے لیے ضد چھوڑ دو۔ کتاب وسنت پر جمع ہو جاؤ۔ جو اللہ کا قرآن کہے تم بھی مانو، ہم بھی مانتے ہیں اور جو حدیث قرآن کے مطابق ہے، ہم بھی اس پر عمل کریں، تم بھی عمل کرو تا کہ پاکستان کے اندر وحدت کی فضا پیدا ہو اور کافروں کے دلوں پر رعب اور دبدبہ طاری ہو۔

۲: ایک دھوبی کا انتقال ہوا، جب دفن کر چکے تو منکر نکیر آئے، آ کر سوال کیا: مَنْ رَّبُّکَ؟ مَا دِیْنُکَ؟ مَنْ ھٰذَا الرَّجُلُ؟ وہ جواب میں کہتا ہے کہ مجھ کو کچھ خبر نہیں، میں تو حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا دھوبی ہوں اور فی الحقیقت یہ جواب اپنے ایمان کا اجمالی بیان تھا کہ میں ان کا ہم عقیدہ ہوں۔ جو ان کا خدا وہ میرا خدا، جو ان کا دین وہ میرا دین، اسی پر اس دھوبی کی نجات ہوگئی۔[1]

کوئی سنی اگر ایسا واقعہ پیش کرے تو بڑے فتوے لگتے ہیں کہ دیکھو یہ سنی کیا کہہ رہے ہیں۔ ارے میاں! اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اگر تم عالم ہو تو قرآن اور مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین کی تبلیغ کرو۔ اگر فتوی لگانا ہے تو صرف غریبوں پر ہی نہیں بلکہ جو بھی اس کی زد میں آئے سب پر فتوی لگاؤ۔

حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک اشکال

سوال تم کہتے ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبر انور میں زندہ ہیں۔ آپ کے وصال مقدس کے تین دن بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبر میں دفن کیا گیا تو کیا صحابہ نے تین دن تک ایک زندہ کو مردہ حالت میں رکھا؟ اور پھر کیا صحابہ کرام نے زندہ کو قبر کے اندر دفن کر دیا؟

---

[1] الافاضات الیومیہ، جلد: ۲، صفحہ: ۹۱، ملفوظ نمبر: ۱۴۴

جواب: كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ کی تفسیر میں بیان ہوا تھا کہ ہم عالم دنیا میں زندہ ہیں اور ہمیں ایک دوسرے کی زندگی محسوس ہو رہی ہے۔ جب عالم آخرت آئے گا وہاں بھی ہم زندہ ہوں گے اور ایک دوسرے کی زندگی کو محسوس کر سکیں گے لیکن درمیان میں جو عالم برزخ ہے اس کا ذکر اس آیت میں نہیں ہے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ ایمان نام ہے نبی کریم ﷺ کی زبان پر اعتبار کرنے کا چونکہ ہمیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے اس لیے ہم انبیاء کرام کی حیات کے قائل ہیں لیکن ایک بات ہے کہ قبر والی زندگی دوسرا محسوس نہیں کر سکتا۔ بندہ زندہ ہوتا ہے لیکن قبر والی زندگی انسانوں کو محسوس نہیں ہوتی۔

ایک حدیث مبارک ملاحظہ کیجیے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا وُضِعَتِ الْجِنَازَةُ فَاحْتَمَلَهَا الرِّجَالُ عَلَى أَعْنَاقِهِمْ، فَإِنْ كَانَتْ صَالِحَةً، قَالَتْ: قَدِّمُونِي، قَدِّمُونِي، وَإِنْ كَانَتْ غَيْرَ صَالِحَةٍ، قَالَتْ: يَا وَيْلَهَا، أَيْنَ يَذْهَبُونَ بِهَا؟ يَسْمَعُ صَوْتَهَا كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا الْإِنْسَانَ، وَلَوْ سَمِعَهَا الْإِنْسَانُ لَصَعِقَ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب جنازہ تیار کیا جاتا ہے پھر مرد اس جنازے کو اپنی گردنوں پر اٹھا لیتے ہیں۔ اگر مرنے والا نیک ہو تو وہ کہتا ہے کہ مجھے جلدی لے چلو، جلدی لے چلو اور اگر وہ نیک نہ ہو تو کہتا ہے

کہ ہائے افسوس! مجھے لوگ کہاں لے کر جا رہے ہیں۔ انسان کے علاوہ اس میت کی آواز کو ہر کوئی سنتا ہے۔ اگر انسان سن لے تو وہ ہوش میں نہ رہے۔[1]

میت چارپائی کے اوپر ہوتی ہے، اس کا منہ آسمان کی طرف ہوتا ہے، آنکھیں بند ہوتی ہیں اور چہرے پر کپڑا ہوتا ہے لیکن پھر بھی وہ کلام کرتا ہے۔ اگر نیک ہے تو کہتا ہے مجھے جلدی لے چلو اور اگر بد ہے تو کہتا ہے کہ مجھے کہاں لے کر جا رہے ہو؟ سوال یہ ہے کہ یہ بولنے والا زندہ ہے یا مردہ؟ اگرچہ لفظ میت کا اطلاق اس پر ہو رہا ہے لیکن پھر بھی اس کے اندر اتنی حیات اور اتنا شعور موجود ہے کہ وہ جنازہ اٹھانے والوں کو دیکھ رہا ہے، اسے یہ بھی پتہ چل رہا ہے کہ اب جنازہ اٹھایا جا رہا ہے۔ اس کی روح تو پہلے ہی نکل چکی ہے۔ اس کے بعد اس کو غسل دیا گیا۔ اس کے بعد کفن پہنایا گیا۔ جب جنازہ کندھوں پر آیا تو اب بولتا ہے۔ پتہ چلا کہ وہ نیچے والوں کو دیکھ رہا ہے، ان کی باتیں بھی سن رہا ہے اور ان سے کچھ کہہ بھی رہا ہے۔ پتہ چلا روح نکل جانے سے بھی مرنے والا مکمل طور پر ختم نہیں ہوتا۔ وارثوں کو حکم ہے کہ تم نے غسل و کفن دینا ہے اور پھر جنازہ پڑھ کے دفن کرنا ہے۔ ہم کب کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی روح اقدس نے پرواز نہیں کیا یا آپ پر موت واقع نہیں ہوئی۔ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ کے الفاظ صادق آئے ہیں لیکن صحابہ کرام جو کہ وارثین نبی کریم ﷺ ہیں انہوں نے اپنی ذمہ داری پوری کی کیونکہ انہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ جب کوئی فوت ہو جائے تو ورثاء غسل، کفن اور دفن کا انتظام کریں۔ اس

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب کلام المیت علی الجنازة، صفحہ:۲۲۱، رقم الحدیث: ۱۳۸۰ / سنن نسائی، کتاب الجنائز، باب السرعة بالجنازة، صفحہ:۳۸۱، رقم الحدیث:۱۹۰۹

سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ زندہ نہیں ہیں۔ زندہ ہیں لیکن انسان ان کی آواز نہیں سن سکتے۔ جب عام آدمی کا یہ حال ہے تو پھر سید انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمتیں کون بیان کرسکتا ہے۔

شہدائے کرام کی حیات

ا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ ۱؎

اور لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں مردے مت کہا کرو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں جانتے۔ ۲؎

قتل جسم ہوتا ہے، روح قتل نہیں ہوتی مطلب یہ ہے کہ شہید کے جسم کو مردہ نہ کہو کیونکہ موت وحیات کے خالق تم نہیں بلکہ میں اللہ ہوں۔ مجھے پتہ ہے کہ کون مردہ ہے اور کون زندہ ہے۔ میں رب اعلان کرتا ہوں کہ شہید کا جسم زندہ ہے۔ یا اللہ! ہمیں تو وہ زندگی نظر نہیں آتی، اس میں ہاتھ بھی نہیں ہلتا، پلک بھی نہیں جھپکتی اور ہم نے کئی بار مشاہدہ کیا ہے کہ کسی جگہ بلاسٹ ہو تو بوٹی بوٹی اور لوتھڑے ہی لوتھڑے ہو جاتے ہیں۔ اللہ فرماتا ہے میں کہہ رہا ہوں کہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں ان کی زندگی سمجھ نہیں آئے گی۔ جو مجھے اور میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مانتا ہے وہ یقین کر لے کہ شہداء کے اجسام زندہ ہیں۔ ہمارا خطاب بھی انہی لوگوں سے ہے جو قرآن اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان حق ترجمان کو ماننے کا دعوی کرتے ہیں۔ ارے جب شہید زندہ ہے۔ شہید وہ ہوتا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر

۱؎ سورۃ البقرہ: ۱۵۴ ۲؎ ترجمہ، ثناء اللہ امرتسری صاحب

کٹ مرے۔ جب نبی کریم ﷺ پر کٹ مرنے والا زندہ ہے تو خود نبی کریم ﷺ کی حیات برزخیہ کا عالم کیا ہوگا۔ جنگ میں ابوجہل بھی لڑ رہا تھا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی لڑ رہے تھے۔ ابوجہل بدر کے میدان میں اپنے ھبل کی عزت کے لیے لڑ رہا تھا جبکہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ احد میں اللہ کے دین اور نبی کریم ﷺ کی عزت کے لیے لڑ رہے تھے۔ جو ھبل کے لیے لڑ رہا تھا وہ مردود بن گیا اور جو اللہ، رسول کی عزت کے لیے لڑ رہے تھے وہ سید الشہداء کا لقب پا گئے۔ الحمدللہ! وہ زندہ ہیں کیونکہ ہمارا قرآن پر ایمان ہے۔

ایک وہابی عالم قاضی شوکانی لکھتے ہیں:

وَوَرَدَ النَّصُّ فِي كِتَابِ اللهِ فِي حَقِّ الشُّهَدَاءِ أَنَّهُمْ أَحْيَاءٌ يُرْزَقُونَ وَأَنَّ الْحَيَاةَ فِيهِمْ مُتَعَلِّقَةٌ بِالْجَسَدِ فَكَيْفَ بِالْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ

اللہ کی کتاب میں شہداء کے حق میں نص وارد ہوئی ہے کہ وہ زندہ ہیں اور انہیں رزق دیا جاتا ہے اور بیشک یہ حیات جسم کے ساتھ متعلق ہے۔ جب شہداء کا جسم زندہ ہے تو انبیاء اور مرسلین کے اجساد مطہرہ میں حیات کا کیا حال ہوگا۔[1]

شہدائے کرام کی اجسام وارواح دونوں زندہ ہیں

بعض وہابیہ کہہ دیتے ہیں کہ شہداء کی ارواح مبارکہ زندہ ہیں نہ کہ ان کے جسم۔ ایسے لوگوں کو قاضی شوکانی کے الفاظ وَأَنَّ الْحَيَاةَ فِيهِمْ مُتَعَلِّقَةٌ بِالْجَسَدِ پر غور کرنے کے ساتھ ساتھ مندرجہ ذیل حقائق پر بھی نظر رکھنی چاہیے۔

---

[1] نیل الاوطار، ابواب الجمعہ، باب فضل یوم الجمعۃ وذکر ساعۃ الاجابۃ، جلد: ۳، صفحہ: ۲۸۲

۱:    اگر شہداء کی حیات جسمانی کی بجائے صرف روحانی تسلیم کی جائے تو اس میں شہداء کی وہ کونسی خصوصیت ہوگی جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق بَلْ اَحْيَآءٌ کا سرٹیفیکیٹ جاری فرمایا کیونکہ روح تو کافر کی بھی زندہ ہوتی ہے۔

۲:    اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ قرار دیا ہے جو راہ حق میں قتل کیے گئے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ قتل شہداء کے اجسام ہوئے ہیں یا ان کی ارواح؟ چونکہ قتل شہداء کے اجسام ہوئے ہیں اس لیے جسموں کو ہی زندہ ماننا ہوگا۔

۳:    اس کی ایک اور مثال قرآن حکیم سے ملاحظہ ہو:

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ارشاد ربانی ہے: وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿۱۵۷﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ اور یہودیوں نے ہرگز اس کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اس کو اپنی طرف اٹھالیا [۱]
اللہ تعالیٰ نے جسم عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھایا کیونکہ یہودی جسم عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہ کر سکے۔

امت مرزائیہ کا یہ کہنا ہے کہ یہودی عیسیٰ علیہ السلام کے جسم اطہر کو قتل نہ کر سکے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی روح کو جسم سے الگ کر کے اپنی طرف اٹھالیا۔ اسی طرح بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ قتل تو شہداء کے اجسام ہوئے ہیں لیکن ان کی صرف روحیں زندہ ہیں۔ یہ لوگ اپنے دعوے سے کہیں امت مرزائیہ کے موقف کو تو تقویت نہیں پہنچا رہے؟

۴:    اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

---

[۱] سورۃ نساء: ۱۵۷، ۱۵۸

وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ قُتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَمۡوَاتًا ؕ بَلۡ اَحۡیَآءٌ عِنۡدَ
رَبِّہِمۡ یُرۡزَقُوۡنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِیۡنَ بِمَاۤ اٰتٰىہُمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ ۙ وَیَسۡتَبۡشِرُوۡنَ
بِالَّذِیۡنَ لَمۡ یَلۡحَقُوۡا بِہِمۡ مِّنۡ خَلۡفِہِمۡ ۙ اَلَّا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۱۷۰﴾

اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز انہیں مردہ خیال نہ کرنا بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پیارے ہیں، انہیں رزق بھی دیا جاتا ہے۔ جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا ہے اس پر خوش ہو رہے ہیں اور خوشیاں منا رہے ہیں ان لوگوں کے بارے میں جو ان کے پیچھے رہ گئے ہیں اور ابھی تک ان کو ملے نہیں کہ ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔ [1]

اس آیت سے مندرجہ ذیل مسائل معلوم ہوئے۔

۱: شہداء کو مردہ خیال بھی نہ کرو۔

۲: شہداء زندہ ہیں۔

۳: انتہائی مکرم، مقبول بارگاہ الٰہی ہیں۔

۴: ان کو رزق ملتا ہے۔

۵: اللہ تعالیٰ نے ان پر جو فضل و کرم فرمایا ہے اس پر خوش ہیں۔

۶: جو لوگ ابھی تک عالم برزخ میں نہیں پہنچے ان کے نیک انجام پر بھی خوشیاں منا رہے ہیں۔

---

[1] سورۃ آل عمران: ۱۶۹، ۱۷۰

پتہ چلا کہ جو اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے انہیں زبان سے مردہ کہنا تو درکنار خبردار! ہرگز ہرگز دل میں بھی مردہ خیال نہیں کرنا۔ یہ نہ کہنا کہ ہمیں تو ان کی ہڈی اور بوٹی نظر نہیں آ رہی تو زبان سے مردہ نہیں کہتے لیکن دل میں مردہ سمجھ لیتے ہیں۔ چالیس پچاس سال کے اندر ایسی ایسی چیزیں سامنے آئیں کہ کسی نے کبھی دیکھی بھی نہیں تھیں اور ابھی پتہ نہیں کتنی چیزیں دیکھیں گے۔ اللہ جو کہ خالق کائنات ہے فرما رہا ہے کہ دل میں بھی ان کو مردہ خیال نہیں کرنا بلکہ یہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پیارے ہیں، انہیں رزق بھی دیا جاتا ہے۔ جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دیا ہے اس پر خوش ہو رہے ہیں۔ خوش زندہ ہوتا ہے یا جو بالکل ختم ہو چکا ہے وہ خوش ہوتا ہے؟ قرآن کہہ رہا ہے کہ یہ زندہ ہیں اور یہ ان لوگوں کے بارے میں جو پیچھے رہ گئے، ابھی تک ان کو ملے نہیں خوشیاں منا رہے ہیں کہ جب وہ قبر میں آئیں گے تو ان کو طرح طرح کی نعمتیں ملیں گی۔ ابھی یہ دنیا والے مرے نہیں۔ تم کہتے ہو کہ قبر والے جانتے کچھ نہیں۔ اللہ اعلان کر رہا ہے کہ یہ شہید قبر میں اس بات کی خوشی منا رہے ہیں کہ ان کے پیچھے رہنے والے لوگ جو ابھی ان سے لاحق نہیں ہوئے ان کا خاتمہ ایمان پر ہوگا اور کہہ رہے ہیں کہ یہ جب آئیں گے تو ان پر کوئی خوف نہیں ہوگا اور نہ یہ غمگین ہوں گے۔ جب شہیدوں کی یہ شان ہے تو انبیاء و مرسلین کی شان کیا ہوگی۔

ایک دیوبندی عالم محمد ادریس کاندھلوی لکھتے ہیں:

جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ شہداء کی حیات جسمانی ہے اس لیے کہ موت اور قتل کا

تعلق جسم سے ہے اور یہی ظاہری آیت کا مفہوم ہے اس لیے کہ سیاق آیت شہداء کی خصوصیت بیان کرنے کے لیے ہے اور حیات روحانی شہداء کے ساتھ مخصوص نہیں وہ تو عامۃ المسلمین بلکہ کفار کو بھی حاصل ہے۔[1]

عند کا ایک معنیٰ تقرب اور بزرگی بھی ہے

شہداء کی حیات جسمانی کے منکر یہاں ایک عجیب بات کہہ دیتے ہیں کہ ہاں ہم بھی شہداء کو زندہ مانتے ہیں لیکن قبر میں نہیں بلکہ اللہ کے ہاں۔ ان لوگوں سے اگر کوئی یہ پوچھ لے کہ کیا قبروں والے اللہ کے علم اور قدرت سے باہر ہوتے ہیں؟ کیا اللہ تعالیٰ کی کوئی خاص جگہ ہے جہاں وہ بھی ہوتا ہے اور شہداء بھی؟ تو خاموش ہو کر رہ جاتے ہیں۔ دراصل ان لوگوں کو یہاں عِنْدَ کا معنیٰ سمجھنے میں غلطی لگی ہے۔

امام قرطبی فرماتے ہیں:

قَوْلُهٗ تَعَالٰى: (عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ) فِيهِ حَذْفُ مُضَافٍ تَقْدِيرُهٗ عِنْدَ كَرَامَةِ رَبِّهِمْ وَ "عِنْدَ" هُنَا تَقْتَضِي غَايَةَ الْقُرْبِ فَهِيَ كَ (لَدٰى) وَلِذٰلِكَ لَمْ تُصَغَّرْ فَيُقَالُ عُنَيْدٌ، قَالَ سِيْبَوَيْهِ فَهٰذِهٖ عِنْدِيَّةُ الْكَرَامَةِ لَا عِنْدِيَّةُ الْمَسَافَةِ وَالْقُرْبِ

عِنْدَ رَبِّهِمْ میں مضاف محذوف ہے۔ اصل میں یوں تھا: عِنْدَ كَرَامَةِ رَبِّهِمْ اور یہاں عِنْدَ غایت قرب کا تقاضہ کرتا ہے (کہ وہ اللہ کے انتہائی مقرب ہیں)

---

[1] تفسیر معارف القرآن، جلد:۱، صفحہ:۴۲۹، تحت آیت سورۃ بقرہ:۱۵۴

اور یہ عِنْدَ "لَدٰی" کی طرح ہے۔اسی لیے اس کی تصغیر عُنَیْدٌ نہیں آتی۔ یہ سیبویہ نے کہا ہے۔معلوم ہوا یہاں عِنْدَ کرامت کے معنی میں ہے۔ مسافت کے معنی میں نہیں ہے۔[1]

روح المعانی میں ہے:

عِنْدَ هُنَا لَيْسَتْ لِلْقُرْبِ الْمَكَانِي لِاِسْتِحَالَتِهٖ وَلَا بِمَعْنٰى فِي عِلْمِهٖ وَحُكْمِهٖ كَمَا تَقُوْلُ: هٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ كَذَا لِعَدَمِ مُنَاسَبَتِهٖ لِلْمَقَامِ بَلْ بِمَعْنَى الْقُرْبِ وَالشَّرْفِ أَيْ ذُوُوْا زُلْفٰى وَرُتْبَةٍ سَامِيَةٍ، وَزَعَمَ بَعْضُهُمْ أَنَّ مَعْنٰى فِي عِلْمِ اللهِ تَعَالٰى مُنَاسِبٌ لِلْمَقَامِ لِدَلَالَتِهٖ عَلَى التَّحَقُّقِ أَيْ أَنَّ حَيَاتَهُمْ مُتَحَقِّقَةٌ لَا شُبْهَةَ فِيْهَا وَلَا يَخْفٰى أَنَّ الْمَقَامَ مَقَامُ مَدْحٍ فَتَفْسِيْرُ الْعِنْدِيَّةِ بِالْقُرْبِ أَنْسَبُ بِهٖ

عِنْدَ یہاں قرب مکانی کے لیے نہیں ہے کیونکہ یہ معنی مراد لینا محال ہے، نہ ہی عِنْدَ یہاں علم اور حکم کے معنی میں ہے جیسا کہ تم کہتے ہو: امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ مسئلہ یوں ہے اس لیے کہ یہ معنی موقع کے مناسب نہیں ہے بلکہ عِنْدَ یہاں تقرب اور بزرگی کے معنی میں ہے یعنی شہداء بلند رتبہ والے ہیں۔ بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ اس کا معنی اللہ تعالیٰ کے علم میں زیادہ مناسب ہے کیونکہ یہ معنی تحقق پر دلالت کرتا ہے یعنی

---

[1] تفسیر قرطبی، جلد: ۴، صفحہ: ۲۷۴، تحت آیت سورۃ آل عمران: ۱۶۹، ۱۷۰

شہداء کی حیات متحقق ہے۔اس میں کوئی شبہ نہیں لیکن مخفی نہ رہے کہ یہ مقام مقام مدح ہے اس لیے عِنْدَ کی تفسیر قبولیت کے ساتھ کرنی زیادہ مناسب ہے۔[1]

دیوبندی شیخ الہند محمود الحسن صاحب لکھتے ہیں:

ان کو حق تعالیٰ کا ممتاز قرب حاصل ہوتا ہے۔[2]

دیوبندی حکیم الامت تھانوی صاحب لکھتے ہیں:

اور اپنے پروردگار کے مقرب (یعنی) مقبول ہیں۔[3]

دیوبندی علماء کی آراء بھی آپ نے ملاحظہ فرمائیں اور علامہ آلوسی، حافظ قرطبی کی تصریحات بھی۔ اب ہم قرآن حکیم سے بھی اپنے موقف کو ثابت کرتے ہیں کہ عِنْدَ مقرب ومقبول اور پسندیدہ کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ

بیشک دین اللہ کے ہاں اسلام ہے۔[4]

کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ اللہ کے علم میں صرف دین اسلام ہی ہے؟ یہودیت، عیسائیت، ہندومت، سکھ ازم اور الحاد اللہ کے علم میں نہیں ہیں؟ بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے علم میں سارے ادیان ہیں لیکن عیسائیت، یہودیت، ہندومت، سکھ ازم، الحاد اللہ کو

---

[1] تفسیر روح المعانی، جلد:۴، صفحہ:۱۲۲، تحت آیت سورۃ آل عمران:۱۶۵
[2] حاشیہ عثمانی، صفحہ:۹۴
[3] بیان القرآن، جلد اول، صفحہ:۲۴۷
[4] سورۃ آل عمران:۱۹

پیارے نہیں ہیں۔ اللہ کو صرف اور صرف دین اسلام پیارا ہے۔

اسی آیت کے تحت اشرف علی تھانوی صاحب لکھتے ہیں:

بلاشبہ دین (حق اور مقبول) اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے۔[1]

اسی طرح زندہ تو سارے ہی ہیں لیکن ہر کوئی اللہ کو پیارا نہیں ہے۔ جو اللہ کی راہ میں جان دے دیتا ہے، وہ اللہ کو بہت پیارا ہے، زندہ بھی ہے اور اسے رزق بھی دیا جاتا ہے۔

روح المعانی میں ہے:

إِنَّ الدِّيْنَ الْمَرْضِيَّ عِنْدَ اللهِ الْإِسْلَامُ

بیشک اللہ کے ہاں پسندیدہ دین اسلام ہے۔[2]

معلوم ہوا اس آیت میں بھی عِنْدَ مقبول کے معنی میں ہے۔ اس کی تائید میں ایک اور آیت: وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ اور جو آدمی اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہے گا ہرگز اسے قبول نہیں کیا جائے گا[3] کیونکہ قبول اسلام کیا جائے گا اس کے علاوہ کوئی بھی دین قبول نہیں کیا جائے گا۔

۴: ایک آدمی جس کا نام مفسرین نے حبیب نجار بیان کیا، اللہ کے نبیوں کی حمایت اور ناموس پر پہرہ دینے کے لیے بولا۔ اپنے گھر میں بیٹھ کر ناموس رسالت کی بات کرنا آسان ہے۔ قربان جائیں حبیب نجار کی عظمت پر، نبیوں کی حمایت میں کافروں کے

---

[1] بیان القرآن، جلد اول، صفحہ: ۱۸۱

[2] تفسیر روح المعانی، جلد: ۳، صفحہ: ۱۰۶، تحت آیت سورۃ آل عمران: ۱۹

[3] سورۃ آل عمران: ۸۵

سامنے ڈٹ گیا۔ کافروں نے پکڑ لیا اور پتھر مار مار کر اسے شہید کر دیا۔

اللہ تعالیٰ اس حبیب نجار کے بارے میں فرماتا ہے:

قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ؕ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَ جَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۷﴾ ۱؎

اس کو کہا گیا کہ جنت میں داخل ہو جا۔ اس نے کہا اے کاش! میری قوم کو معلوم ہو جو خدا نے مجھ پر بخشش کی اور اپنے مقرب بندوں میں کیا۔ ۲؎

حبیب نجار کے شہید ہوتے ہی اسے کہا گیا کہ جنت میں داخل ہو جا۔ یہ کونسی جنت ہے؟ وہ جنت جس میں میدان حشر کے بعد داخلہ ہوگا اس میں نبی مکرم، شفیع اعظم ﷺ سے پہلے کسی کا داخلہ نہیں ہوسکتا۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ يَقْرَعُ بَابَ الْجَنَّةِ

سب سے پہلے میں ہی جنت کے دروازے کو کھٹکھٹاؤں گا۔ ۳؎

نیز ارشاد فرماتے ہیں:

آتِي بَابَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَسْتَفْتِحُ، فَيَقُولُ الْخَازِنُ: مَنْ

۱؎ سورۃ یٰسین: ۲۶، ۲۷ ۲؎ ترجمہ، مولوی ثناء اللہ امرتسری

۳؎ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب فی قول النبی ﷺ انا اول الناس یشفع فی الجنۃ، صفحہ: ۱۱۲، رقم الحدیث: ۴۸۴ / صحیح ابن حبان، کتاب التاریخ، باب الحوض والشفاعۃ، ذکر البیان بان المصطفی ﷺ اول من یقرع باب الجنۃ فی القیامۃ، جلد: ۱۴، صفحہ: ۴۰۱، رقم الحدیث: ۶۴۸۱

أَنْتَ؟ فَأَقُولُ: مُحَمَّدٌ، فَيَقُولُ: بِكَ أُمِرْتُ لَا أَفْتَحُ لِأَحَدٍ قَبْلَكَ

میں قیامت کے دن جنت کے دروازے پر آن کر دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔ داروغہ جنت کہے گا: آپ کون ہیں؟ میں کہوں گا: محمد ﷺ۔ خازن کہے گا: مجھے آپ ہی کی عظمت کی خاطر یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ سے پہلے کسی کے لیے دروازہ نہ کھولوں۔ [1]

حبیب نجار کو جس جنت میں داخلہ کا حکم دیا گیا وہ قبر والی جنت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ شہداء اور نیک لوگوں کی قبروں کو اپنی قدرت کاملہ سے جنت کا باغ بنا دیتا ہے۔

حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **اَلْقَبْرُ حُفْرَةٌ مِّنْ حُفَرِ جَهَنَّمَ أَوْ رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ** قبر جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا بن جاتی ہے یا جنت کے باغوں میں سے ایک باغ۔ [2]

مجھے ایک مرتبہ تیس چک میں جو کہ امین پور بنگلہ سے پہلے آتا ہے وہابیوں نے تھریٹ کیا اور دھمکیاں دیں کہ ہم تمہیں پتھر مار مار کے مار دیں گے۔ وہاں میں نے یہی آیت پڑھی۔ میں نے کہا اگر میں نبی کریم ﷺ کی عزت پر پہرہ دیتے ہوئے مر گیا تو میرے لیے بہت بڑا اعزاز ہوگا۔ جس طرح حبیب نجار نے کہا تھا میں بھی اس وقت کہوں گا کہ یا اللہ! ان مولویوں نے ان لڑکوں کو بتایا ہی نہیں کہ تیرے نبی کی خاطر لڑنے اور

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب فی قول النبی ﷺ انا اول الناس یشفع فی الجنۃ، صفحہ: ۱۱۲، رقم الحدیث: ۴۸۶ / مسند احمد بن حنبل، مسند انس بن مالک رضی اللہ عنہ، جلد: ۱۹، صفحہ: ۳۸۸، رقم الحدیث: ۱۲۳۹۷

[2] شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور، باب فظاعۃ القبر وسھولتہ وسعۃ علی المؤمن، صفحہ: ۱۵۴ / اثبات عذاب القبر للبیہقی، باب الدلیل علی انہ بعد السؤال یعرض علی مقعدہ، صفحہ: ۵۵، رقم الحدیث: ۵۰

جان دینے کا اجر کتنا ہے۔

حبیب نجار کو شہید ہوتے ہی جنت کی راحتیں مل گئیں اور وہاں اپنے آپ پر انعام واکرام ملاحظہ فرما کر تمنا کا بھی اظہار فرمایا۔ جب حبیب نجار اپنی قبر میں زندہ ہیں تو ماننا پڑے گا کہ حبیب مختار صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم بھی اپنی قبرانور میں زندہ ہیں۔

تفسیر مظہری میں ہے:

قِيْلَ يَعْنِي قَالَ اللهُ تَعَالٰى لِحَبِيْبِ النَّجَّارِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لَمَّا اسْتُشْهِدَ إِكْرَامًا وَإِذْنًا فِي دُخُوْلِ الْجَنَّةِ كَسَائِرِ الشُّهَدَاءِ اُدْخُلِ الْجَنَّةَ وَقِيْلَ قَالَ اللهُ تَعَالٰى ذٰلِكَ لَهٗ قَبْلَ مَوْتِهٖ يَعْنِي اُدْخُلْ قَبْرَكَ الَّذِيْ هُوَ رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ

حبیب النجار رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ جب شہید کر دیئے گئے تو اللہ تعالیٰ نے تمام شہداء کی طرح ان کا اکرام کرتے ہوئے اور جنت میں داخلہ کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا: جنت میں داخل ہو جا۔ بعض نے یہ بھی کہا کہ یہ حکم ان کو اللہ تعالیٰ نے ان کی موت سے پہلے دیا تھا کہ اپنی قبر میں داخل ہو جاؤ جو کہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔[1]

تفسیر ابن جریر میں ہے:

اِنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ كَانَ يَقُوْلُ: قَالَ اللهُ لَهٗ: اُدْخُلِ الْجَنَّةَ، فَدَخَلَهَا حَيًّا يُرْزَقُ فِيْهَا

---

[1] تفسیر مظہری، جلد: ۸، صفحہ: ۷۹، تحت آیت سورۃ یٰسین: ۲۶، ۲۷

حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا جنت میں داخل ہو جا۔ حبیب نجار جنت میں اس حال میں داخل ہوئے کہ وہ زندہ ہیں اور انہیں رزق بھی دیا جاتا ہے۔ [1]

معالم التنزیل میں ہے:

فَأَدْخَلَهُ اللهُ الْجَنَّةَ، وَهُوَ حَيٌّ فِيهَا يُرْزَقُ

اللہ نے انہیں جنت میں داخل کیا وہ زندہ ہیں اور انہیں رزق بھی ملتا ہے۔ [2]

مودودی صاحب لکھتے ہیں:

قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ نے اسی وقت اسے جنت میں داخل کر دیا اور وہ وہاں زندہ ہے، رزق پا رہا ہے۔ [3]

جب حبیب نجار اپنی قبر میں زندہ ہیں تو کیا خیال ہے کہ ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، مولا مرتضی، سیدہ فاطمہ زہرہ، امہات المؤمنین، سیدہ عائشہ اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہم زندہ نہیں ہیں؟ جب حبیب نجار قبر میں زندہ ہیں تو صحابہ کرام اور اولیائے کاملین بھی اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور انہیں رزق دیا جاتا ہے۔

ارواح کا مسکن

بعض احادیث میں ہے کہ نیکوں کی روح علیین میں، بدوں کی سجین میں اور شہداء کی ارواح سبز رنگ کے پرندوں کے اجواف میں جلوہ گر ہو کر جنت کی سیر کرتی رہتی ہیں جس طرح کہ بندہ جہاز میں بیٹھ کر سیر کرتا ہے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ارواح کا معاملہ

---

[1] تفسیر ابن جریر، جلد: ۲۲، صفحہ: ۱۰۴، تحت آیت سورۃ یسین: ۲۶، ۲۷

[2] معالم التنزیل، جلد: ۶، صفحہ: ۷

[3] تفہیم القرآن، جلد: ۴، صفحہ: ۲۵۴

اجسام سے بہت مختلف ہوتا ہے۔روح کا مستقر جہاں بھی ہواس کا تعلق جسم کے ساتھ رہتا ہے جس کی وجہ سے جسم جزاء،سزا کا احساس کرتا رہتا ہے۔

علامہ ابن قیم لکھتے ہیں:

وَاِنَّ لَهَا شَأْنًا غَيْرُ شَأْنِ الْبَدَنِ وَأَنَّهَا مَعَ كَوْنِهَا فِي الْجَنَّةِ فَهِيَ فِي السَّمَاءِ وَتَتَّصِلُ بِفِنَاءِ الْقَبْرِ وَبِالْبَدَنِ فِيْهِ

روح کا معاملہ بدن کے معاملہ سے یکسر الگ ہے۔روح جنت میں بھی ہوتی ہے جو کہ آسمان میں ہے اور فناء قبر اور قبر میں موجود بدن سے بھی متصل ہوتی ہے۔[1]

علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

جہاں جنتیوں کے نام درج ہیں اوران کے اعمال کی مثلیں مرتب کر کے رکھی جاتی ہیں اوران کی ارواح کو اول وہاں لے جا کر پھر اپنے ٹھکانے پر پہنچایا جاتا ہے اور قبر سے بھی ان ارواح کا ایک گونہ تعلق قائم رکھا جاتا ہے۔کہتے ہیں کہ یہ مقام ساتویں آسمان کے اوپر ہے اور مقربین کی ارواح اسی جگہ مقیم رہتی ہیں۔[2]

شاہ عبدالقادر صاحب لکھتے ہیں:

اللہ کے مقربوں کی روح وہاں (علیین) پہنچتی ہے اور رہتی ہے اور عام مسلمانوں کی وہاں پہنچ کر پھران کی اسم نویسی ہو کر اپنے درجے کے موافق والے آسمان میں یا زمین

---

[1] کتاب الروح، المسئلۃ الرابعۃ عشرۃ وھی قولہ عذاب القبر دائم ام منقطع فصل واما قولہ من قال ان مستقرھا بعد الموت، صفحہ:۲۰۱

[2] تفسیر عثمانی،صفحہ:۷۶۶،تحت آیت سورۃ المطففین:۱۸،۱۹

و آسمان کے بیچ یا چاہ زمزم میں رہتی ہے اور ایک طرح کا علاقہ قبر سے بھی اس کو رہتا ہے۔ یہ فائدہ فتح العزیز سے لکھا۔ [1]

دو موتوں اور دو زندگیوں کے متعدد واقعات

بعض حضرات ایک دعوی یہ بھی کرتے ہیں کہ قبر میں زندگی تسلیم کرنا قرآن حکیم کی تصریحات کے خلاف ہے کیونکہ قرآن حکیم موت کے بعد دوبارہ زندگی کی تردید کرتا ہے حالانکہ قرآن کریم اس دنیا میں دو موتوں اور دو زندگیوں کے متعدد واقعات بیان فرماتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

۱: بنی اسرائیل کے ایک مقتول کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ یُحْیِ اللّٰهُ الْمَوْتٰی ۙ وَ یُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾ [2]

پس ہم نے حکم دیا کہ اس گائے میں سے ایک ٹکڑا لگاؤ۔ خدا اسی طرح مردوں کو زندہ کرے گا اور تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھ جاؤ۔ [3]

وہابیہ کے شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری صاحب لکھتے ہیں:

پس ہم نے حکم دیا کہ اس گائے مذبوحہ میں سے ایک ٹکڑا اس مردے سے لگاؤ، انہوں نے اسی طرح حسب الحکم لگایا وہ مردہ زندہ ہو گیا۔ [4]

۲: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

---

[1] موضح القرآن علی ہامش جواہر القرآن، جلد: ۳، صفحہ: ۱۳۵۴
[2] سورۃ البقرہ: ۷۳
[3] ترجمہ ثناء اللہ امرتسری صاحب
[4] تفسیر ثنائی، صفحہ: ۱۳

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ﴿۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴿۵۶﴾

اور جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ! ہم تجھے ہرگز نہیں مانیں گے جب تک کہ خدا کو سامنے نہ دیکھ لیں پس بجلی نے تمہارے دیکھتے ہی تم کو پکڑ لیا پھر ہم نے تمہاری موت کے بعد تمہیں زندہ کیا تاکہ تم شکر کرو۔ ؂۱

۳: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۪ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۟ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ﴿۲۴۳﴾ ؂۲

کیا تمہیں ان لوگوں کا قصہ معلوم نہیں جو اپنے گھروں سے ہزاروں جمع ہو کر موت سے ڈرتے ہوئے نکلے تھے پھر اللہ نے حکم دیا کہ مر جاؤ پھر اس نے ان کو زندہ کیا بیشک اللہ لوگوں پر بڑا مہربان ہے لیکن بہت سے لوگ شکر نہیں کرتے۔ ؂۳

۴: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ

۱؎ سورۃ البقرہ: ۵۵، ۵۶ ۔ ۲؎ سورۃ البقرہ: ۲۴۳ ۔ ۳؎ ترجمہ ثناء اللہ امرتسری صاحب

اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ وَ اعْلَمْ

اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶۰﴾ ؎۱

اور جب ابراہیم نے کہا اے میرے مولا! مجھ کو دکھا کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا کہا کہ تجھے یقین نہیں؟ ابراہیم نے کہاہاں لیکن اطمینان قلبی کے لیے پوچھتا ہوں۔ خدا نے کہا چار جانور اپنے پاس رکھ لے پھران کا ایک ایک ٹکڑا ہر ایک پہاڑ پر رکھ دے پھر ان کو بلا تو تیرے پاس بھاگتے ہوئے آویں گے اور جان رکھ کہ خدا بڑا زبردست حکمت والا ہے۔ ؎۲

۵: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰی قَرْيَةٍ وَّ هِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰی يُحْيٖ

هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ

قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ

وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَی

الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ

اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۵۹﴾ ؎۳

اور کیا تو اس شخص کو نہیں جانتا جو ایک گری ہوئی بستی پر سے گزرا بولا کہ اس بستی کو بعد مرنے کے خدا کیونکر زندہ کرے گا؟ پس خدا نے سو برس تک اس کو مار رکھا پھر اس کو

؎۱ سورۃ البقرہ:۲۶۰ ؎۲ ترجمہ ثناء اللہ امرتسری صاحب ؎۳ سورۃ البقرہ:۲۵۹

زندہ کر کے پوچھا کہ کتنی مدت تو ٹھہرا ہے؟ وہ بولا ایک دن یا کچھ حصہ دن کا ٹھہرا ہوں (خدا نے) کہا بلکہ تو سو برس تک ٹھہرا ہے پس تو اپنے کھانے اور پانی کو دیکھ کہ نہیں بگڑا اور اپنی سواری کی طرف دیکھ اور ہم تجھ کو لوگوں کے لیے نشانی بنا دیں گے اور ہڈیوں کو دیکھ کہ کس طرح ان کو ابھار کر گوشت چڑھائیں گے پس جب اسے معلوم ہو گیا تو بولا کہ میں خوب جانتا ہوں کہ خدا سب کام کر سکتا ہے۔[1]

۶: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اعلان فرمایا تھا:

وَ اُحۡیِ الۡمَوۡتٰی بِاِذۡنِ اللّٰہِ[2]

اور مردوں کو اللہ کے حکم سے زندہ کرتا ہوں۔[3]

مندرجہ بالا دلائل قاہرہ سے آپ پر بخوبی واضح ہو گیا ہوگا کہ ایک مرتبہ روح نکل جانے کے بعد دوبارہ زندگی تحت قدرت باری تعالیٰ ہے اور یہ نظریہ قرآن وسنت کے عین مطابق ہے۔ مرنے کے بعد قبر میں اجسام بے جان نہیں ہوتے۔

آج کل علماء دیوبند کا نام لینے والوں کا ایک نہایت ہی متشدد گروپ کھلے عام اعلان کرتا پھر رہا ہے کہ قبروں میں خواہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد مطہرہ ہی کیوں نہ ہوں محض بے جان ہیں۔ ایسے لوگوں کی خدمت میں علماء دیوبند ہی کے بیان کردہ دو واقعات پیش خدمت ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی سلیم الطبع راہ حق قبول کرلے۔

مولوی عاشق الٰہی میرٹھی گنگوہی صاحب کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

---

[1] ترجمہ ثناء اللہ امرتسری صاحب [2] سورۃ آل عمران: ۴۹ [3] ترجمہ ثناء اللہ امرتسری صاحب

ایک بار منشی ابراہیم خان صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت قرآن شریف کو بے وضو پڑھتے تو جی ہچکچاتا ہے اور وضو سے ہر وقت رہا نہیں جاتا۔ حضرت (گنگوہی) نے ارشاد فرمایا کہ ورق گردانی بجائے ہاتھ کے چاقو یا کسی اور چیز سے کرلیا کرو اور بڑا قرآن مجید رکھو۔ چھوٹا قرآن رکھنا تو مکروہ بھی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ہینڈن ایک ندی ہے قریب مدرسہ شاہ عبدالرحیم دہلوی کے ایک دفعہ اس ندی کی ایک ڈھانگ گری اس میں سے ایک لاش جوں کی توں نکلی جس کا کفن میلا تھا اور وہ وہاں سے بہہ کر عین دہار میں ٹھہر گئی۔ کچھ دیر بعد دوسری ڈھانگ گری اور اس میں سے بھی ایک لاش نکلی جس کا کفن بالکل صاف تھا کہیں داغ دھبہ نہ تھا۔ وہ پہلی لاش سے مل کر دھاری دھار چل دی جیسے کوئی کسی کا منتظر ہو اور دونوں مل کر روانہ ہو جائیں۔ لوگوں نے ان لاشوں کی تحقیقات کرنی شروع کر دی۔ جستجو کے بعد ایک بڑھیا نے بتایا کہ یہ دونوں حافظ قرآن تھے۔ اس کے بعد امام ربانی نے ارشاد فرمایا: اب ایسا قیاس جاتا ہے کہ جس کا کفن صاف تھا وہ باوضو تلاوت کرتا ہوگا اور دوسرا بے وضو۔[1]

اشرف السوانح میں مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کے پردادا کا واقعہ یوں مذکور ہے:

پردادا صاحب تو کیرانہ اور شاملی کے درمیان جہاں پختہ سڑک ہے شہید ہوئے اور وہیں پر پیر سماء الدین صاحب کے مزار کے پاس دفن کیے گئے اور شروع میں بہت عرصہ تک ان کا عرس بھی ہوتا رہا۔ کسی بارات میں تشریف لے جا رہے تھے کہ ڈاکوؤں نے آ کر

---

[1] تذکرۃ الرشید، جلد: ۲، صفحہ: ۲۴۹

بارات پر حملہ کیا ان کے پاس کمان تھی اور تیر تھے۔ انہوں نے ان ڈاکوؤں پر دلیرانہ تیر برسانا شروع کیے چونکہ ڈاکوؤں کی تعداد کثیر تھی اور ادھر سے بے سروسامانی تھی۔ یہ مقابلہ میں شہید ہو گئے اور اس حدیث کے مصداق ہو گئے: مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ دَمِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ أَهْلِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَظْلِمَةٍ فَهُوَ شَهِيْدٌ (کما فی جمع الفوائد) شہادت کے بعد ایک عجیب واقعہ ہوا۔ شب کے وقت اپنے گھر مثل زندہ کے تشریف لائے اور اپنے گھر والوں کو مٹھائی لا کر دی اور فرمایا کہ اگر تم کسی سے ظاہر نہ کرو گی تو اسی طرح روز آیا کریں گے لیکن ان کے گھر کے لوگوں کو یہ اندیشہ ہوا کہ گھر والے جب بچوں کو مٹھائی کھاتے دیکھیں گے تو معلوم نہیں کیا شبہ کریں اس لیے ظاہر کر دیا اور پھر آپ تشریف نہیں لائے۔ یہ واقعہ خاندان میں مشہور ہے۔[1]

سماع موتٰی

قبل اس کے کہ ہم مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صریح دلائل ذکر کریں مناسب سمجھتے ہیں کہ مسئلہ سماع موتٰی پر بھی تفصیل سے گفتگو کریں کیونکہ اگر یہ بات کتاب وسنت کی روشنی میں ثابت ہو جائے کہ قبروں میں پڑے عام مردے بھی سنتے ہیں (ظاہر بات ہے کہ سن وہی سکتا ہے جس میں کسی نہ کسی طرح کی حیات موجود ہو) تو بھی انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات فی القبر کا مسئلہ سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ یہ مسئلہ قرآن وسنت کی متعدد نصوص سے ثابت

---

[1] اشرف السوانح، جلد اول، صفحہ: ۳۹، ۴۰، مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

ہے۔لطف کی بات یہ ہے کہ اس مسئلہ کی تائید میں غیر مقلد علماء کی شہادت بھی موجود ہے۔

علامہ وحید الزماں لکھتے ہیں:

مجھے ان لوگوں پر تعجب آتا ہے جو باوصف ادعاء اہل حدیث ہونے کے سماع موتی کی ہر حدیث کی تاویل کرتے ہیں۔ یہاں یہ تاویل کرتے ہیں کہ فرشتے منکر نکیر چونکہ آنے والے ہوتے ہیں لہذا روح اس کے بدن میں ڈال دی جاتی ہے تو وہ اپنے لوگوں کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ ارے یارو! دوسری حدیث کو کیا کرو گے کہ جب جنازہ اٹھاتے ہیں تو اگر نیک مردہ ہوتا ہے تو کہتا ہے مجھے آگے لے چلو، جو ابھی اوپر گزر چکی اور جب مردے کا بات کرنا حدیث سے ثابت ہوا تو سماع کے انکار کی کیا وجہ ہے۔ اگر یہ لوگ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور دیکھیں تو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ سماع موتی کا انکار کرنا بہت سی حدیثوں کی تکذیب کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ تعصب سے بچائے۔[1]

یہی علامہ وحید الزماں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے بھی سماع موتی ثابت ہوتا ہے جو اہل حدیث کا مذہب ہے۔[2]

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں:

---

[1] تیسیر الباری شرح صحیح بخاری، جلد اول، صفحہ:۸۰۰، مطبوعہ نعمانی کتب خانہ

[2] تیسیر الباری شرح صحیح بخاری، جلد اول، صفحہ:۶۷۷، مطبوعہ نعمانی کتب خانہ

وَفِی الْحَدِیْثِ دَلَالَۃٌ عَلٰی سَمَاعِ الْمَوْتٰی وَکَمْ مِّنْ حَدِیْثٍ یَدُلُّ عَلَیْہِ وَالْبَحْثُ طَوِیْلٌ

اس حدیث میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ مردے سنتے ہیں۔اس پر بہت سی احادیث دلالت کرتی ہیں۔بحث طویل ہے۔[1]

قاضی شوکانی لکھتے ہیں:

وَالسَّمَاعُ ثَابِتٌ لِسَائِرِ الْمَوْتٰی

تمام مردوں کے لیے سننا ثابت ہے۔[2]

غور فرمایئے قاضی شوکانی، نواب صاحب اور علامہ وحید الزماں تینوں وہابی حضرات کے اکابر شمار ہوتے ہیں اور وہ ڈنکے کی چوٹ پر مردے کے لیے سماع ثابت کر رہے ہیں اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ سنتا وہی ہے جس میں کچھ نہ کچھ حیات موجود ہو۔جب ہر مردہ کے لیے حیات ثابت ہے تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے حیات کیسے ثابت نہ ہوگی۔

سماع موتی پر قرآن سے دلائل

۱: حضرت صالح علیہ السلام کا اپنی قوم کی ہلاکت کے بعد خطاب:

فَعَقَرُوا النَّاقَۃَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّہِمْ وَقَالُوْا یٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا

---

[1] عون الباری، جلد:۴، صفحہ:۴۳۱

[2] نیل الاوطار، ابواب الجمعۃ، باب فضل یوم الجمعۃ، جلد:۳، صفحہ:۲۸۲

تَعِدُنَاۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ۝۷۷ فَاَخَذَتۡهُمُ الرَّجۡفَةُ فَاَصۡبَحُوۡا فِىۡ دَارِهِمۡ جٰثِمِيۡنَ۝۷۸ فَتَوَلّٰى عَنۡهُمۡ وَ قَالَ يٰقَوۡمِ لَقَدۡ اَبۡلَغۡتُكُمۡ رِسَالَةَ رَبِّىۡ وَ نَصَحۡتُ لَكُمۡ وَلٰكِنۡ لَّا تُحِبُّوۡنَ النّٰصِحِيۡنَ۝۷۹ ؎۱

پھرانھوں نے کاٹ ڈالا اونٹنی کواور پھر گئے اپنے رب کے حکم سے اور بولے اے صالح! لے آ ہم پر جس سے تو ہم کو ڈراتا تھا، اگر تو رسول ہے۔ پس آ پکڑا ان کو زلزلے نے پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھر میں اوندھے پڑے پھر صالح الٹا پھرا ان سے اور بولا اے میری قوم! میں پہنچا چکا تم کو پیغام اپنے رب کا اور خیر خواہی کی تمہاری لیکن تم کو محبت نہیں خیر خواہوں سے۔ ؎۲

ان آیات سے معلوم ہوا کہ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے اس کی تباہی کے بعد خطاب فرمایا کیونکہ فَتَوَلّٰى عَنۡهُمۡ میں ف تعقیب کا فائدہ دے رہی ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے:

قَالَ لَهُمۡ صَالِحٌ ذٰلِكَ بَعۡدَ هَلَاكِهِمۡ ،تَقۡرِيۡعًا وَتَوۡبِيۡخًا وَهُمۡ يَسۡمَعُوۡنَ ذٰلِكَ۔

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کی ہلاکت کے بعد ان کو بطور تہدید و توبیخ خطاب فرمایا اور قوم اس خطاب کو سن رہی تھی۔ ؎۳

؎۱ سورۃ الاعراف: ۷۷، ۷۸، ۷۹ ؎۲ ترجمہ محمود الحسن صاحب دیوبندی

؎۳ تفسیر ابن کثیر، جلد: ۲، صفحہ: ۲۳۰، تحت آیت سورۃ اعراف: ۷۷ تا ۷۹

۲: حضرت شعیب علیہ السلام کا قوم کی ہلاکت کے بعد ان کو خطاب:

وَ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَىِٕنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ
اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ﴿۹۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۱﴾
الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا
هُمُ الْخٰسِرِيْنَ﴿۹۲﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ
وَ نَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ﴿۹۳﴾ ۱؎

اور بولے سردار جو کافر تھے اس کی قوم میں اگر پیروی کرو گے تم شعیب کی تو تم بیشک خراب ہو گے پھر آ پکڑا ان کو زلزلہ نے پس صبح کو رہ گئے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو گویا کبھی بسے ہی نہ تھے وہاں جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو وہی ہوئے خراب پھر الٹا پھرا ان لوگوں سے اور بولا: اے میری قوم! میں پہنچا چکا تم کو پیغام اپنے رب کے اور خیر خواہی کر چکا تمہاری، اب کیا افسوس کروں کافروں پر۔ ۲؎

ان آیات کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نافرمان تھی، اپنے کفر کی بنا پر ہلاک ہوگئی۔ قوم کی ہلاکت کے بعد ان کے پیغمبر حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں خطاب فرمایا۔ اللہ کے پیغمبر عبث اور فضول کام نہیں کرتے۔ اگر تباہ ہونے والی قوم مرنے کے بعد سن ہی نہ سکتی تھی تو پیغمبر کا ان کو خطاب کرنا فضول اور عبث کہلائے گا۔ ثابت ہوا کہ مردے اللہ کی بخشی ہوئی قوت سے سنتے ہیں۔

۱؎ سورۃ الاعراف: ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳ ۲؎ ترجمہ محمود الحسن صاحب دیوبندی

۳:	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بحکم خدا مردہ پرندوں کو خطاب:

وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِىۡ كَيۡفَ تُحۡىِ الۡمَوۡتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمۡ تُؤۡمِنۡ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰـكِنۡ لِّيَطۡمَئِنَّ قَلۡبِىۡ ؕ قَالَ فَخُذۡ اَرۡبَعَةً مِّنَ الطَّيۡرِ فَصُرۡهُنَّ اِلَيۡكَ ثُمَّ اجۡعَلۡ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنۡهُنَّ جُزۡءًا ثُمَّ ادۡعُهُنَّ يَاۡتِيۡنَكَ سَعۡيًا ؕ وَاعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿۲۶۰﴾

اور جب عرض کی ابراہیم نے اے رب میرے مجھے دکھا دے تو کیونکر مردے جلائے گا فرمایا کیا تجھے یقین نہیں عرض کی یقین کیوں نہیں مگر یہ چاہتا ہوں کہ میرے دل کو قرار آجائے فرمایا تو اچھا، چار پرندے لے کر اپنے ساتھ ہلا لے پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دے پھر انہیں بلا وہ تیرے پاس چلے آئیں گے پاؤں سے دوڑتے اور جان رکھ کہ اللہ غالب حکمت والا ہے۔[1]

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے مردہ پرندوں کو بحکم خدا آواز دی، پکارا۔ اگر وہ پرندے جن کے اجزاء متفرق پہاڑوں پر موجود تھے وہ ابراہیم علیہ السلام کی آواز سن سکتے ہیں تو آج بھی مردے اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی قوت سے سن سکتے ہیں۔

سماع موتی پر احادیث سے دلائل

۱:	نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

[1] سورۃ البقرہ:۲۶۰

الْعَبْدُ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ وَتُوُلِّيَ وَذَهَبَ أَصْحَابُهُ حَتّٰى اَنَّهُ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ

جب آدمی کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی پیٹھ موڑ کر چل دیتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں تک کی آواز بھی سنتا ہے۔[1]

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں اس حدیث کو نقل کرنے سے پہلے ایک باب قائم کیا: بَابُ اَلْمَيِّتُ يَسْمَعُ خَفْقَ النِّعَالِ باب: مردہ لوٹ کر جانے والوں کے قدموں کی آواز سنتا ہے۔

آج اگر کسی زندہ انسان کو صرف ساؤنڈ پروف کمرے میں بند کر کے باہر سے لاؤڈ سپیکر لگا کر بھی پکارا جائے تب بھی نہیں سن سکتا لیکن یہ حدیث اس بات کی صریح دلیل ہے کہ قبر والے کی قوت سماعت اس کی دنیاوی زندگی کی نسبت بہت تیز ہو جاتی ہے۔

۲: جنگ بدر میں بڑے بڑے کفار مقتولین کو کنویں میں ڈال دیا گیا تھا بعد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تشریف لا کر ایک ایک کافر کا نام لے کر انہیں خطاب فرمایا جس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

يَا رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَا تُكَلِّمُ مِنْ أَجْسَادٍ لَا أَرْوَاحَ لَهَا. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ لِمَا أَقُولُ مِنْهُمْ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب المیت یسمع خفق النعال، صفحہ: ۳۳۲، رقم الحدیث: ۱۳۳۸/ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا واھلھا، باب عرض مقعد المیت من الجنۃ والنار علیہ، صفحہ: ۱۲۴۳، رقم الحدیث: ۷۲۱۴

اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ان جسموں سے کلام کیوں فرما رہے ہیں جن میں روحیں موجود نہیں ہیں تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے! تم ان کافروں سے زیادہ میری بات کو نہیں سن رہے (انہیں کے برابر سنتے ہو)۔[1]

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد غیر مقلد علامہ وحید الزماں لکھتے ہیں:

محققین اہل حدیث کا مذہب یہ ہے کہ مردے زندوں کا کلام سنتے ہیں اور بے شمار حدیثیں اس باب میں وارد ہیں۔[2]

مسئلہ سماع موتی میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا رجوع

سوال ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس روایت کا رد فرمایا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ وہ کفار بدر سن رہے ہیں بلکہ یہ فرمایا تھا کہ ان کفار کو اب حق معلوم ہو چکا ہے اور ساتھ ہی ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے سماع موتی کے انکار کے لیے آیت کریمہ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى سے بھی استدلال فرمایا ہے۔

جواب حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: وَلَمْ يَنْفَرِدْ عُمَرُ رضی اللہ عنہ وَلَا ابْنُهٗ رضی اللہ عنہ بِحِكَايَةِ ذٰلِكَ بَلْ وَافَقَهُمَا أَبُو طَلْحَةَ رضی اللہ عنہ كَمَا تَقَدَّمَ وَلِلطَّبَرَانِيِّ من حَدِيْثِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ مِثْلُهٗ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ وَمِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَدَّادٍ رضی اللہ عنہ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب قتل ابی جهل، صفحہ:۹۷۶، رقم الحدیث:۳۹۷۶/ مسند احمد بن حنبل، مسند انس بن مالک رضی اللہ عنہ، جلد:۱۹، صفحہ:۴۵۵، رقم الحدیث:۱۲۴۷۱

[2] تیسیر الباری، جلد ۵، صفحہ:۲۵۰

نَحْوَهُ وَفِيهِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ ﷺ وَهَلْ يَسْمَعُونَ قَالَ يَسْمَعُونَ كَمَا تَسْمَعُونَ وَلَكِنْ لَا يُجِيبُونَ وَفِي حَدِيثِ بْنِ مَسْعُودٍ رضي الله عنه وَلَكِنَّهُمُ الْيَوْمَ لَا يُجِيبُونَ وَمِنَ الْغَرِيبِ أَنَّ فِي الْمَغَازِي لِابْنِ إِسْحَاقَ رِوَايَةَ يُونُسَ بْنِ بُكَيْرٍ بِإِسْنَادٍ جَيِّدٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا مِثْلُ حَدِيثِ أَبِي طَلْحَةَ رضي الله عنه وَفِيهِ مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ لِمَا أَقُولُ مِنْهُمْ وَأَخْرَجَهُ أَحْمَدُ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ فَإِنْ كَانَ مَحْفُوظًا فَكَأَنَّهَا رَجَعَتْ عَنِ الْإِنْكَارِ لِمَا ثَبَتَ عِنْدَهَا مِنْ رِوَايَةِ هَؤُلَاءِ الصَّحَابَةِ لِكَوْنِهَا لَمْ تَشْهَدِ الْقِصَّةَ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادے اس واقعہ کی حکایت میں منفرد نہیں ہیں بلکہ حضرت ابوطلحہ نے بھی ان کی موافقت فرمائی ہے جیسے کہ ابھی گزرا۔ امام طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور حضرت عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کے مثل حدیث بیان کی ہے اور اس حدیث میں یہ بھی ہے: صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا یہ مردہ کافر سن رہے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جیسے تم سن رہے ہو ویسے ہی یہ بھی سن رہے ہیں لیکن یہ جواب نہیں دے سکتے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ ہے کہ لیکن یہ آج جواب نہیں دے سکتے اور ابن اسحاق کی مغازی میں سند جید سے یونس بن بکیر نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث حضرت ابوطلحہ کی حدیث کے مثل روایت کی ہے اور اس میں بھی یہ ہے: میری بات کو تم ان مردہ کفار

سے زیادہ نہیں سن رہے ہو۔ اس حدیث کو امام احمد نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اس کی حفاظت کے پیش نظر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں جب ان صحابہ کرام کی روایت ثابت ہوگئی تو انہوں نے اپنے انکار سے رجوع فرمالیا اس لیے کہ خود تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت موجود نہ تھیں۔[1]

وہابیہ کے ایک بہت بڑے عالم نواب صدیق حسن نے بھی فتح الباری کی یہی عبارت نقل کی ہے۔[2]

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

قَالَ الْإِسْمَاعِيلِيُّ كَانَ عِنْدَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰه عَنْهَا مِنَ الْفَهْمِ وَالذَّكَاءِ وَكَثْرَةِ الرِّوَايَةِ وَالْغَوْصِ عَلٰى غَوَامِضِ الْعِلْمِ مَا لَا مَزِيدَ عَلَيْهِ لَكِنْ لَّا سَبِيلَ إِلَى رَدِّ رِوَايَةِ الثِّقَةِ إِلَّا بِنَصٍّ مِثْلِهٖ يَدُلُّ عَلٰى نَسْخِهٖ أَوْ تَخْصِيصِهٖ أَوِ اسْتِحَالَتِهٖ فَكَيْفَ وَالْجَمْعُ بَيْنَ الَّذِي أَنْكَرَتْهُ وَأَثْبَتَهٗ غَيْرُهَا مُمْكِنٌ

اسماعیلی کہتے ہیں کہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا اگرچہ فہم و ذکاء اور علمی گہرائی کی انتہا کو پہنچی ہوئی تھیں لیکن ثقہ کی روایت صرف اس وقت رد ہوسکتی ہے جب اسی کی مثل موجود ہو جو اس بات کی دلیل ہو کہ ثقہ کی بیان کردہ روایت منسوخ ہے یا اس میں تخصیص موجود ہے یا اس

---

[1] فتح الباری شرح صحیح البخاری، جلد: ۷، صفحہ: ۳۰۳، ۳۰۴، تحت الحدیث: ۳۹۷۷

[2] عون الباری، جلد: ۴، صفحہ: ۴۳۱

میں کوئی استحالہ ہے۔ جب ایسی کوئی صورت موجود نہیں ہے تو ثقہ کی روایت کیسے رد ہوسکتی ہے۔ (یہ بات بھی یاد رہے) کہ ام المؤمنین نے جس چیز کا انکار کیا ہے اور ان کے علاوہ جن صحابہ نے جس چیز کا اثبات کیا ہے اس میں موافقت ممکن ہے۔[1]

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى کا معنی

سوال ثقہ کی روایت کو رد کرنے کے لیے آیت کریمہ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى بیشک آپ مردوں کو نہیں سناتے، موجود ہے۔

جواب حافظ ابن حجر، اسماعیلی کی بات کو نقل کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

لِأَنَّ قَوْلَهٗ تَعَالٰى اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى لَا يُنَافِي قَوْلَهٗ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُمُ الْآنَ يَسْمَعُونَ لِأَنَّ الْإِسْمَاعَ هُوَ إِبْلَاغُ الصَّوْتِ مِنَ الْمُسْمِعِ فِي أُذُنِ السَّامِعِ فَاللهُ تَعَالٰى هُوَ الَّذِيْ أَسْمَعَهُمْ بِأَنْ أَبْلَغَهُمْ صَوْتَ نَبِيِّهٖ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذٰلِكَ وَأَمَّا جَوَابُهَا بِأَنَّهٗ إِنَّمَا قَالَ إِنَّهُمْ لَيَعْلَمُوْنَ فَإِنْ كَانَتْ سَمِعَتْ ذٰلِكَ فَلَا يُنَافِي "رِوَايَةَ يَسْمَعُونَ" بَلْ يُؤَيِّدُهَا وَقَالَ السُّهَيْلِيُّ مَا مُحَصَّلُهٗ إِنَّ فِي نَفْسِ الْخَبَرِ مَا يَدُلُّ عَلٰى خَرْقِ الْعَادَةِ بِذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِقَوْلِ الصَّحَابَةِ لَهٗ أَتُخَاطِبُ أَقْوَامًا قَدْ جَيَّفُوا فَأَجَابَهُمْ قَالَ وَإِذَا جَازَ أَنْ يَكُونُوا فِي تِلْكَ الْحَالَةِ عَالِمِينَ جَازَ أَنْ يَكُوْنُوْا سَامِعِينَ وَذٰلِكَ إِمَّا بِآذَانِ رُؤُوْسِهِمْ عَلٰى قَوْلِ الْأَكْثَرِ أَوْ بِآذَانِ قُلُوبِهِمْ

اس لیے کہ ارشاد ربانی ''بیشک آپ مردوں کو نہیں سناتے''۔ نبی اکرم ﷺ کے ارشاد گرامی" یقیناوہ اس وقت سن رہے ہیں" کے منافی نہیں ہے اس لیے کہ اسماع (سنانا) نام ہے سننے والے کے کان میں سنانے والے کی طرف سے آواز پہنچانے کا، پس اللہ تعالیٰ ہی نے ان کو سنایا، بایں طور کہ اپنے پیارے نبی ﷺ کی آواز کو ان تک پہنچایا۔ بہر حال ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کا جواب میں یہ فرمانا کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ ''یقینا یہ کفار اب جانتے ہیں'' پس اگر ام المؤمنین نے یہ الفاظ سنے ہیں تو ''وہ سنتے ہیں'' والی روایت کے منافی نہیں بلکہ مؤید ہے۔ امام سہیلی نے جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کرام نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ آپ اس قوم سے کلام فرما رہے ہیں جو مر چکی ہے؟ تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو جواب دیا۔ اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ یہ نبی اکرم ﷺ کا معجزہ بھی تھا (یعنی مردوں سے کلام فرمانا) جب ایسی حالت میں مردے جان سکتے ہیں تو وہ سن بھی سکتے ہیں۔ اکثر علماء کے نزدیک کفار نے سر کے کانوں سے سنا تھا اور بعض کے نزدیک دل کے کانوں سے۔[1]

نوٹ: ﴿إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى﴾ پر تفصیلی بحث آگے آرہی ہے۔

ام المومنین رضی اللہ عنہا کی رجوع کی ایک اور دلیل

تُوُفِّيَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ بِحُبْشِيٍّ، قَالَ: فَحُمِلَ إِلٰى مَكَّةَ، فَدُفِنَ فِيهَا، فَلَمَّا قَدِمَتْ عَائِشَةُ، أَتَتْ قَبْرَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ فَقَالَتْ:

---

[1] فتح الباری شرح صحیح البخاری، جلد: ۷، صفحہ: ۳۰۴

وَكُنَّا كَنَدْمَانَيْ جَذِيمَةَ حِقْبَةً مِنَ الدَّهْرِ حَتّٰى قِيلَ لَنْ يَتَصَدَّعَا
فَلَمَّا تَفَرَّقْنَا كَأَنِّي وَمَالِكًا لِطُولِ اجْتِمَاعٍ لَمْ نَبِتْ لَيْلَةً مَعًا
ثُمَّ قَالَتْ: وَاللّٰهِ لَوْ حَضَرْتُكَ مَا دُفِنْتَ إِلَّا حَيْثُ مُتَّ، وَلَوْ شَهِدْتُكَ مَا زُرْتُكَ

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما (ام المؤمنین کے بھائی) حبشی کے مقام پر فوت ہوئے۔ راوی کہتے ہیں کہ ان کو مکہ شریف لا کر دفن کیا گیا پھر جب ام المؤمنین اپنے بھائی عبدالرحمن بن ابی بکر کی قبر پر آئیں اور دو شعر پڑھے: شاہ جذیمہ کے دو ہمنشینوں کی طرح ہم ایک لمبی مدت تک اس طرح رہے کہ لوگ کہنے لگے تھے کہ اب یہ دونوں کبھی جدا نہ ہوں گے پھر جب ہم جدا ہو گئے تو میں اور مالک مدتوں ایک ساتھ رہنے کے باوجود یوں لگتا ہے کہ ہم نے ایک رات بھی اکٹھے نہیں گزاری پھر ارشاد فرمایا کہ اگر میں موجود ہوتی تو تمہیں وہیں دفن کرتی جہاں تمہارا انتقال ہوا تھا اور اگر میں اس وقت موجود ہوتی تو اب تیری زیارت کو نہ آتی۔[1]

معلوم ہوا کہ ام المؤمنین کا بھی یہی نظریہ تھا کہ مردے سنتے ہیں تبھی تو اپنے بھائی کی قبر پر آ کر اسے خطاب فرمایا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كُنْتُ أَدْخُلُ بَيْتِي الَّذِي فِيهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي فَأَضَعُ ثَوْبِي فَأَقُولُ: إِنَّمَا هُوَ زَوْجِي وَأَبِي، فَلَمَّا دُفِنَ عُمَرُ مَعَهُمْ، فَوَاللّٰهِ مَا دَخَلْتُهُ إِلَّا وَأَنَا مَشْدُودَةٌ عَلَيَّ ثِيَابِي حَيَاءً مِنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

---

[1] جامع ترمذی، ابواب الجنائز، باب ماجاء فی زیارۃ القبور للنساء، صفحہ: ۳۵۸، رقم الحدیث: ۱۰۵۵ / شرح السنہ للبغوی، کتاب الجنائز، باب زیارۃ القبور، جلد: ۵، صفحہ: ۴۶۶، رقم الحدیث: ۱۵۵۴

جب میں اپنے اس گھر میں داخل ہوتی جس میں رسول اللہ ﷺ اور میرے باپ موجود ہیں تو میں پردے کے خاص اہتمام کے بغیر ہی چلی جاتی اور کہتی کہ ایک تو میرے شوہر ہیں اور دوسرے میرے والد پھر جب عمر رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ دفن ہو گئے تو میں حضرت عمر سے حیا اور شرم کرتے ہوئے خوب اچھی طرح پردہ کر کے داخل ہوتی تھی۔[1]

اس حدیث کی شرح میں حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ودریں حدیث دلیلے واضح ست برحیات میت وعلم وے وآنکہ واجب ست احترام میت نزد زیارت وے خصوصا صالحان ومراعات ادب برقدر مراتب ایشاں چنانچہ درحالت حیات ایشاں بود زیرا کہ صالحان رامدد بلیغ ست زیارت کنندگان خودرا براندازہ ادب ایشاں۔

اس حدیث میں میت کی حیات اور اس کے علم کی واضح دلیل ہے اور میت خصوصا صالحین کی زیارت کے وقت ان کا احترام اور ان کے مرتبہ کے مناسب ادب کی رعایت اسی طرح واجب ہے جس طرح ان کی ظاہری حیات میں اس لیے کہ صالحین زائرین کے ادب واحترام کے مطابق ان کی بہت زیادہ مدد فرماتے ہیں۔[2]

---

[1] مجمع الزوائد، کتاب الادب، باب ماجاء فی الحیاء والنھی، جلد:۹، صفحہ:۴۰، رقم الحدیث:۱۲۷۰۴ / علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا اور اس حدیث کے سارے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں/ مشکوۃ شریف، کتاب الجنائز، باب زیارۃ القبور، جلد اول، صفحہ:۵۵۴، رقم الحدیث:۱۷۷۱ / مسند احمد، مسند الصدیقۃ عائشہ بنت الصدیق، جلد:۴۲، صفحہ:۴۴۰، رقم الحدیث:۲۵۶۶۰

[2] اشعۃ اللمعات، جلد اول، صفحہ:۷۰۲، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

مشکوۃ شریف کے حاشیہ پر علامہ احمد علی سہارنپوری نے بھی یہی مضمون نقل کیا ہے۔
شفاء السقام میں ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهَا اَنَّهَا كَانَتْ تَسْمَعُ صَوْتَ الْوَتْدِ یُوْتَدُ وَالْمِسْمَارَ یُضْرَبُ فِیْ بَعْضِ الدُّوْرِ الْمُطِیْفَةِ بِمَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَتُرْسِلُ اِلَیْهِمْ لَا تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جب کبھی ان گھروں میں جو مسجد نبوی ﷺ سے متصل تھے، کسی میخ لگنے یا کیل لگانے کی آواز سنتی تھیں تو یہ حکم بھیجتی تھیں کہ (خبردار!) حضور اکرم ﷺ کو (اس آواز سے) تکلیف نہ دو۔[1]

ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کا یہی نظریہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی قبر انور میں جلوہ گر رہتے ہوئے بھی باہر کی آواز سماعت فرما رہے ہیں تبھی تو آپ رضی اللہ عنہا نے کیل ٹھوکنے والوں کو تہدیدی پیغام روانہ فرمایا۔

۳: نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام کو سکھاتے تھے کہ جب تم قبور کی زیارت کو جاؤ تو یوں کہو:

اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ أَهْلَ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰہُ لَلَاحِقُوْنَ أَسْأَلُ اللّٰہَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِیَةَ اے مومنو! مسلمانوں کے گھر والو! تم پر سلام ہو، ہم ان شاءاللہ تم سے ملنے والے ہیں۔ اللہ سے اپنے لیے اور تمہارے لیے عافیت مانگتے ہیں۔[2]

---

[1] شفاء السقام، الباب التاسع، فی حیاۃ الانبیاء، الفصل الرابع، صفحہ:۲۰۶، ۲۰۷ / المواهب اللدنیہ، المقصد العاشر، الفصل الثانی، فی زیارۃ قبرہ الشریف ومسجدہ المنیف، جلد:۳، صفحہ:۴۰۹ / وفاء الوفاء باخبار دار المصطفی ﷺ للسمهودی، الفصل الحادی والعشرون فیما روی من الاختلاف فی صفۃ القبور الشریفۃ، جلد دوم، صفحہ:۱۲۰

[2] صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب مایقال عند دخول القبور والدعاء لاهلها، صفحہ:۴۳۳، رقم الحدیث:۲۲۵۷

اگر مردے نہیں سنتے تو ان کو سلام کہنا اور پھر ان کو خطاب کر کے دعائے عافیت مانگنا عبث اور فضول کام قرار پائے گا۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَقَدْ شَرَعَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لِأُمَّتِهِ إِذَا سَلَّمُوا عَلَى أَهْلِ الْقُبُورِ أَنْ يُسَلِّمُوا عَلَيْهِمْ سَلَامَ مَنْ يُخَاطِبُونَهُ فَيَقُولُ الْمُسْلِمُ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ، وَهَذَا خِطَابٌ لِمَنْ يَسْمَعُ وَيَعْقِلُ وَلَوْلَا هَذَا الْخِطَابُ لَكَانُوا بِمَنْزِلَةِ خِطَابِ الْمَعْدُومِ وَالْجَمَادِ، وَالسَّلَفُ مُجْمِعُونَ عَلَى هَذَا، وَقَدْ تَوَاتَرَتِ الْآثَارُ عَنْهُمْ بِأَنَّ الْمَيِّتَ يَعْرِفُ بِزِيَارَةِ الْحَيِّ لَهُ وَيَسْتَبْشِرُ

یہ بات ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو یہ تعلیم دی کہ جب اہل قبور کو سلام کہیں تو ایسے سلام کہیں جیسے مخاطب کو سلام کہا جاتا ہے پس سلام کہنے والا کہے مومن قوم کے گھر والو! تم پر سلام ہو اور یہ خطاب اس کو ہے جو سنتا اور جانتا ہے۔ اگر ان کو یہ خطاب نہ ہوتا تو معدوم اور جماد کے خطاب کے طرح ہوتے۔ سلف صالحین کا اس پر اجماع ہے اور تواتر کے ساتھ ان سے آثار مروی ہیں کہ جب کوئی زندہ، میت کی زیارت کو حاضر ہوتا ہے تو وہ اسے پہچانتا بھی ہے اور اس کی آمد پر خوشی محسوس کرتا ہے۔[1]

---

[1] تفسیر ابن کثیر، جلد:٦، صفحہ:٣٢٥، تحت سورۃ روم:٥٢، مطبوعہ دار طیبہ للنشر والتوزیع

تقریباً یہی عبارت حافظ ابن قیم نے کتاب الروح صفحہ: ۴ پر بھی نقل کی ہے۔

یہی حافظ ابن کثیر اور ابن قیم لکھتے ہیں:

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّمْ یَشْعُرْ وَلَا یَعْلَمُ بِالْمُسَلِّمِ مُحَالٌ

جس شخص کو شعور نہ ہو اور نہ ہی وہ سلام کرنے والے کو جانتا ہو تو اس کو سلام کہنا محال ہے۔[1]

۴: حافظ ابن کثیر نے حافظ ابن عبدالبر کی تصحیح سے مندرجہ ذیل حدیث نقل کی ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعًا مَا مِنْ أَحَدٍ یَمُرُّ بِقَبْرِ أَخِیْهِ الْمُسْلِمِ كَانَ یَعْرِفُهٗ فِي الدُّنْیَا فَیُسَلِّمُ عَلَیْهِ، إِلَّا رَدَّ اللهُ عَلَیْهِ رُوحَهٗ حَتّٰی یَرُدَّ عَلَیْهِ السَّلَامَ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب بھی کوئی اپنے مسلمان بھائی جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے پھر وہ اس کو سلام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر اس کی روح کو لوٹا رکھا ہے کہ وہ سلام کا جواب اسے دیتا ہے۔[2]

اسی مضمون کی ایک حدیث حافظ ابن قیم نے یوں بیان کی ہے:

---

[1] تفسیر ابن کثیر، جلد: ۳، صفحہ: ۴۳۹، تحت آیت سورۃ روم: ۵۴ / کتاب الروح، المسئلۃ الاولی وھی ھل تعرف الاموات زیارۃ الاحیاء وسلامھم، صفحہ: ۹

[2] تفسیر ابن کثیر، جلد: ۳، صفحہ: ۴۳۸، تحت آیت سورۃ روم: ۵۴ / حافظ زبیر علی زئی کہتے ہیں کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ اس میں فاطمہ بنت الریان مجہولہ ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إِذَا مَرَّ الرَّجُلُ بِقَبْرِ أَخِيْهِ يَعْرِفُهُ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ وَعَرَفَهُ وَإِذَا مَرَّ بِقَبْرٍ لَا يَعْرِفُهُ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ

جب کوئی آدمی اپنے اس بھائی کی قبر سے گزرے جس کو وہ پہچانتا ہے پھر اس کو سلام کرے تو صاحب قبر اس کے سلام کا جواب بھی دیتا ہے اور اسے پہچان بھی لیتا ہے اور جب ایسے بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے جس کو وہ نہیں پہچانتا تھا پھر اسے سلام کرے تو پھر بھی وہ سلام کا جواب دیتا ہے۔[1]

مشہور وہابی عالم قاضی شوکانی بھی اس حدیث کے صحیح ہونے کے دعوی دار ہیں۔[2]

سراج منیر شرح جامع صغیر جلد: ۴، صفحہ: ۲۱۷ میں یہی روایت حضرت ابی درداء رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

۵: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے شہید شدہ جسم پر تشریف فرما ہوئے۔ شہداء کی عظمت بیان فرمائی:

ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ: أَيُّهَا النَّاسُ زُوْرُوْهُمْ وَأْتُوْهُمْ وَسَلِّمُوْا عَلَيْهِمْ فَوَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا يُسَلِّمُ عَلَيْهِمْ مُسْلِمٌ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ إِلَّا رَدُّوْا عَلَيْهِ السَّلَامَ

---

[1] کتاب الروح، المسئلة الاولی وھی ھل تعرف الاموات زیارة الاحیاء وسلامھم، صفحہ: ۵

[2] نیل الاوطار، ابواب الجمعة، باب فضل یوم الجمعة، جلد: ۳، صفحہ: ۲۸۲

پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اے لوگو! ان کی زیارت کیا کرو، ان کے پاس آیا کرو، انہیں سلام کہا کرو۔ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے قیامت تک جو بھی انہیں سلام کرے گا تو یہ اس سلام کا جواب دیں گے۔[1]

امام حاکم نے یہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرمایا: وَهٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ عَلٰى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ ان دونوں نے اس کی تخریج نہیں فرمائی۔[2]

٦: ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ رَجُلٍ يَزُوْرُ قَبْرَ أَخِيْهِ وَيَجْلِسُ عِنْدَهٗ، إِلَّا اسْتَأْنَسَ بِهٖ وَرَدَّ عَلَيْهِ حَتّٰى يَقُوْمَ

جب بھی کوئی آدمی اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کرتا ہے اور اس کے پاس بیٹھتا ہے تو صاحب قبر اس کے اٹھ جانے تک اس سے انس حاصل کرتا رہتا ہے۔[3]

---

[1] طبقات ابن سعد، طبقات البدریین من المھاجرین، مصعب الخیر جلد:۳، صفحہ:۱۲۱ / کنزالعمال، کتاب الغزوات من قسم الاقوال، غزوۃ احد، جلد:۱۰، صفحہ:۴۳۰، رقم الحدیث:۲۹۸۸۲ / المعجم الکبیر للطبرانی، جلد:۲۰، صفحہ:۳۶۴، رقم الحدیث:۸۵۰ / حلیۃ الاولیاء للاصبھانی، رقم الترجمۃ مصعب بن عمیر، جلد اول، صفحہ:۱۰۸ / شرح الصدور، صفحہ:۸۴ / مستدرک حاکم، جلد:۲، صفحہ:۲۴۸

[2] مستدرک حاکم، کتاب التفسیر، کتاب قراءت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جلد:۲، صفحہ:۲۴۸، رقم الحدیث:۳۰۲۷ / حافظ ذھبی نے بلا دلیل اس حدیث کو موضوع قرار دیا حالانکہ کسی حدیث کو موضوع قرار دینے کے لیے دلیل اور واضع کا تعین ضروری ہے۔

[3] تفسیر ابن کثیر، جلد سوم، صفحہ:۴۳۸، تحت سورۃ روم:۵۲ / کتاب الروح، المسئلۃ الاولی وھی ھل تعرف الاموات زیارۃ الاحیاء وسلامھم، صفحہ:۵

ہم نے سماع موتی کے چند دلائل آپ کے سامنے پیش کیے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ آپ نے حق بات کو اچھی طرح پہچان لیا ہوگا کہ جب مردے سنتے ہیں تو ان میں لازما اتنی حیات تسلیم کرنی ہوگی جس سے وہ سن سکیں۔ جب عام لوگوں میں سماعت اور حیات موجود ہے تو سید انبیاء ﷺ کی سماعت اور حیات کا انکار کس طرح کیا جا سکتا ہے؟

منکرین سماع اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ معارضہ میں یہ آیت کریمہ پیش ہی نہیں کی جا سکتی کیونکہ بحث یہ ہے کہ مردے سنتے ہیں یا نہیں، یہ بحث ہرگز نہیں کہ ان مردوں کو سناتا کون ہے۔ یہ تو ہم بھی کہتے ہیں کہ زندہ ہو یا مردہ سب کو اللہ ہی سناتا ہے، مخلوق نہیں سناتی۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی زندہ کو بہرہ بنا دے تو مخلوق خواہ جتنا زور زور سے کیوں نہ بولے وہ نہیں سن سکتا اس لیے کہ اسے اللہ تعالیٰ نہیں سناتا۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کسی کی قوت سماعت بہت تیز فرما دے تو مخلوق اگرچہ اس کو نہ بھی سنانا چاہے آہستہ بولے تب بھی وہ سن لیتا ہے اس لیے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے سنا دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ بحث ہے ہی نہیں کہ مردوں کو اللہ تعالیٰ سناتا ہے یا کہ نبی اکرم ﷺ۔ جو بحث ہے اس پر منکرین ایک آیت کریمہ یا ایک صحیح مرفوع حدیث پیش کر دیں کہ مردے نہیں سنتے تو چشمِ ماروشن دل ماشاد وگرنہ قوم کو لڑانے کی سزا تو قبر وحشر میں معاندین کو بھگتنی پڑے گی۔

مندرجہ ذیل آیت کریمہ ہمارے دعوی کی تائید کر رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ یُسۡمِعُ مَنۡ یَّشَآءُ ۚ وَ مَاۤ اَنۡتَ بِمُسۡمِعٍ مَّنۡ فِی الۡقُبُوۡرِ ﴿۲۲﴾

بیشک اللہ سنا تا ہے جسے چاہے اور تم انہیں نہیں سنانے والے جو قبروں میں پڑے ہوئے ہیں۔ ۱؎

مطلب واضح ہے کہ اصحاب قبور کو اللہ تعالیٰ سنا تا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قوت سماعت کی تخلیق نہیں فرماتے۔

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

پچھلے اوراق میں آپ مسئلہ عذاب قبر اور مسئلہ سماع موتی پر تحقیقی بحث ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ قبر میں مردہ کو عذاب وثواب بھی حیات کی دلیل ہے اور مردہ کا سننا بھی۔ جب عام مردہ کا یہ حال ہے تو یہ کیسے متصور ہوسکتا ہے کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قبر انور میں زندہ نہ ہوں۔

ضروری نوٹ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قانون موت طاری ہوا۔ آپ کو غسل دیا گیا، کفن پہنایا گیا، صلوۃ وسلام کی شکل میں جنازہ بھی پڑھا گیا اور قبر انور میں دفن بھی کیا گیا۔ یہ تمام باتیں حق اور سچ ہیں۔ ان میں سے کسی چیز کا بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ان مذکورہ چیزوں میں سے کوئی بھی چیز قطعاً زیر بحث نہیں۔ مخالف، معاند جب ہمارے دلائل کی تاب نہیں لاسکتا تو پھر مذکورہ بحث چھیڑ کر وقت گزارنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین فرما

۱؎ سورۃ فاطر: ۲۲

لیجیے کہ ہم نہ تو مذکورہ چیزوں کے منکر ہیں اور نہ ہی ان چیزوں کو ما بہ النزاع سمجھتے ہیں۔ ہاں! ڈنکے کی چوٹ اعلان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قبر انور میں زندہ ہیں اور یہی چیز زیر بحث ہے اور اب اس مسئلہ پر قرآن وسنت کے صریح دلائل ملاحظہ کریں:

ا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ فَلَا تَکُنْ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْ لِّقَآىِٕهٖ

اور بیشک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی پھر تم موسیٰ سے ملاقات میں شک نہ کرو۔[1]

لقاء ملاقات کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ جو تمہاری موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی ہے، یہ وہم یا خواب خیال کی بات نہیں۔ واقعی تمہاری شب معراج جناب موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی ہے۔ قرآن مجید فرقان حمید کی یہ آیت کریمہ بیان کررہی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جناب موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تھی اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم دنیا میں زندہ تھے اور جناب موسیٰ علیہ السلام عالم برزخ میں زندہ تھے کیونکہ جس کی آپس میں ملاقات ہوتی ہے وہ دونوں زندہ ہوتے ہیں۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ آیت کی یہ تفسیر سعید اسعد اپنی طرف سے بیان کررہا ہے۔

علماء دیوبند کے شیخ الاسلام علامہ عثمانی لکھتے ہیں:

موسیٰ کے ذکر پر فرمادیا کہ تم جو موسیٰ علیہ السلام سے شب معراج میں ملے تھے وہ سچی حقیقت ہے، کوئی دھوکہ یا نظر بندی نہیں۔[2]

---

[1] سورۃ السجدہ: ۲۳ [2] تفسیر عثمانی، تحت آیت سورۃ السجدہ: ۲۳، صفحہ: ۵۴۰

پتہ چلا کہ نبی کریم ﷺ کی جناب موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی ہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب نے بھی اپنی طرف سے یہ بات نہیں لکھی بلکہ جملہ مفسرین نے یہی مضمون اپنی تفاسیر میں درج کیا ہے۔[1]

ایک وہابی عالم احمد حسن دہلوی صاحب لکھتے ہیں:

صحیح مسلم میں انس بن مالک سے روایت ہے کہ معراج کی رات بیت المقدس کے راستہ میں اللہ کے رسول ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ صحیح بخاری و مسلم میں مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ معراج کی رات چھٹے آسمان پر موسیٰ علیہ السلام سے ملے اور موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ کے موافق آپ نے پچاس نمازوں میں سے پینتالیس نمازوں کی تخفیف کی اللہ تعالیٰ سے التجا کی اور آپ کی وہ التجا منظور ہو کر پچاس نمازوں کی جگہ پانچ نمازیں رہ گئیں جواب لوگ پڑھتے ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کو موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات میں یہ شبہ پڑا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام تھوڑی دیر پہلے تو بیت المقدس کے راستہ میں نظر آئے تھے پھر ایسے جلدی مجھ سے پہلے وہ چھٹے آسمان پر کیونکر پہنچ گئے فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے اسی شبہ کو رفع فرمایا[2] کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے ظاہر کرنے کے لیے ایسی

---

[1] تفسیر جلالین مع البیضاوی، صفحہ:۲۳۶ / ابن کثیر، جلد:۳، صفحہ:۴۶۳ / خازن مع معالم التنزیل، جلد:۵، صفحہ:۲۲۷ / قرطبی، جلد:۱۴، صفحہ:۱۰۸ / تفسیر کبیر، جلد:۲۵، صفحہ:۱۸۶ مطبوعہ ایران/ روح المعانی، جلد:۲۱، صفحہ:۱۳۸ مطبوعہ ملتان/ معارف القرآن از کاندھلوی، جلد:۵، صفحہ:۴۵۴ / معارف القرآن مفتی شفیع صاحب، جلد:۷، صفحہ:۴۷ /تفسیر الطبری، جلد:۲۰، صفحہ:۱۹۳ /تفسیر الماتریدی، جلد:۸، صفحہ:۳۴۲ /تفسیر بغوی، جلد:۳، صفحہ:۶۰۳ / درمنثور، جلد:۶، صفحہ:۵۵۶

[2] ہمارا خیال ہے کہ یہ شبہ دہلوی صاحب کو ہوا ہے۔ نبی کریم ﷺ کو کوئی شبہ نہیں تھا۔

جلدی موسیٰ علیہ السلام کو ملک شام سے چھٹے آسمان پر پہنچا دیا اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات جو موسیٰ علیہ السلام کی چھٹے آسمان پر ہوئی اس میں کچھ دھوکا نہیں ہے۔[1]

مندرجہ بالا آیت مبارکہ اور اس کی مذکورہ تفسیر سے صاف معلوم ہوا کہ شب معراج نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات ہوئی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ملاقات کرنے والا زندہ ہوتا ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام اپنے وصال مقدس کے دو ہزار سال سے زائد عرصہ کے بعد قبر انور سے باہر ملاقات فرما سکتے ہیں تو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی قبر انور میں مردہ، بے جان پڑے ہوں گے؟ اگر ہم یہ کہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہیں تو جامعہ امینیہ میں تشریف لا کر اپنے غلاموں کو دیدار کروا سکتے ہیں تو اس میں جرم کیا ہے کہ فوراً ہم پر شرک کا فتویٰ صادر کر دیا جاتا ہے۔

سوال: مفسرین کرام نے اس آیت کے تحت ایک اور قول بھی ذکر کیا ہے کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو کتاب ملنے میں شک نہ کرو۔ جب اقوال متعدد ہو گئے تو احتمال پیدا ہو گیا کہ کون سا معنی مراد ہو گا؟ فَاِذَا جَاءَ الْاِحْتِمَالُ بَطَلَ الْاِسْتِدْلَالُ جب احتمال پیدا ہو جائے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے؟

جواب: متعدد تفاسیر میں سے کسی ایک تفسیر کے ساتھ استدلال میں اور متعدد وجوہ محتملہ میں سے ایک وجہ کے ساتھ استدلال میں بہت فرق ہے جیسا کہ متعدد مقامات پر اس کی

---

[1] احسن التفاسیر، جلد: ۵، صفحہ: ۱۸۲، ۱۸۳، تحت آیت سورۃ السجدہ: ۲۳

تصریح موجود ہے[1]۔ نیز ہم نے جو تفسیر کی ہے یہ حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت قتادہ، حضرت مجاہد اور دیگر علماء سلف رضوان اللہ علیھم اجمعین سے کی ہے۔ کیا صرف اپنے باطل عقیدہ ''انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور میں بے جان مردہ ہیں'' کو بچانے کے لیے صحابہ و تابعین کی تفسیر کو ٹھکرا دیا جائے گا۔ ہم دونوں تفسیروں کے قائل ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کو یقینا کتاب ملی جو اس میں شک کرے وہ بے ایمان ہے اور موسیٰ علیہ السلام کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یقینا ملاقات ہوئی جو اس میں شک کرے وہ بھی بے ایمان ہے۔

۲: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ سْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَاۤ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً یُّعْبَدُوْنَ۠ ﴿۴۵﴾

محبوب پیارے! یہ جتنے رسول ہم نے تجھ سے پہلے بھیجے ہیں ان سے پوچھ کیا ہم نے رب رحمٰن کے علاوہ کوئی معبود بنایا ہے جس کی عبادت کی جائے۔[2]

ایک قول کے مطابق نبی مکرم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد القدس میں انبیاء اور رسولوں کو شب معراج نماز پڑھائی تو نماز کے بعد یہ آیت وہیں نازل ہوئی۔ شب معراج بھی اللہ کی توحید بیان ہو رہی ہے کہ محبوب! ذرا پوچھ: میں واحد الٰہ ہوں، کوئی اور بھی رب ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ پوچھوں تو تب جب مجھے شک ہو۔ مجھے تو شک ہی نہیں ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جس سے پوچھا جاتا ہے وہ زندہ ہوتا ہے۔ قرآن بتا

---

[1] حاشیہ بیضاوی از علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی، صفحہ: ۱۵۰ [2] سورۃ الزخرف: ۴۵

رہا ہے کہ اللہ کے سارے نبی زندہ ہیں۔ جب اللہ نے نبی کریم ﷺ کو معراج کرایا سب نبی بیت المقدس میں تشریف لائے۔ آدم علیہ السلام، نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام قبر سے آئے تھے جبکہ جناب عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں سے اور مصطفیٰ ﷺ مکہ شریف سے آئے تھے۔ اللہ کا نبی اکرم ﷺ کو حکم دینا کہ رسولوں سے پوچھ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ پہلے رسول بھی زندہ ہیں ورنہ بے جان سے پوچھنے کا کوئی مطلب نہیں۔ جب اتنے ہزاروں سال پہلے فوت ہونے والے نبی معراج کی رات بیت المقدس آ سکتے ہیں تو میاں صاحب! اگر سرکار ﷺ کرم فرمائیں اور ہم گناہ گاروں کے پاس یہاں جلوہ گری فرمائیں، ہمیں دیدار کا شرف عطا فرمائیں تو اس میں کون سی عجیب بات ہے؟ یہ دین دشمنی نہیں بلکہ دین کے مطابق ہے۔ ہمارا آنکھیں بند کر کے قرآن پر ایمان ہے۔ اللہ اور مصطفیٰ ﷺ نے جو فرمایا حق اور سچ ہے۔ جب کلمہ پڑھنے والوں کے درمیان گفتگو ہو گی تو قرآن کو کراس نہیں کیا جائے گا۔ اگر کوئی قرآن کا منکر آ جائے تو پھر اس سے عقل کے ذریعے بات کریں گے کیونکہ بات مدمقابل سے اس اعتبار سے کی جاتی ہے جس کو وہ مانتا ہو۔ قرآن کو ماننے والے کو کہنا پڑے گا:

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ ۔۔۔ مرے چشم عالم سے چھپ جانے والے [1]

یہ مضمون میں اپنی طرف سے بیان نہیں کر رہا۔ تفسیر خازن پڑھ لیجیے پھر اس کے بعد باقی تفاسیر کے حوالے بھی عرض کرتا ہوں۔

---

[1] حدائق بخشش، صفحہ: ۷۹، مطبوعہ پروگریسو بکس اردو بازار لاہور

تفسیر خازن میں ہے:

فَرُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ فِي رِوَايَةٍ عَنْهُ لَمَّا أُسْرِيَ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ لَهُ آدَمَ وَوَلَدَهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ فَأَذَّنَ جِبْرِيْلُ ثُمَّ أَقَامَ وَقَالَ يَامُحَمَّدُ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تَقَدَّمْ فَصَلِّ بِهِمْ فَلَمَّا فَرَغَ مِنَ الصَّلَاةِ قَالَ لَهُ جِبْرِيْلُ سَلْ يَامُحَمَّدُ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا الآيَة فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا أَسْأَلُ قَدْ اُكْتُفِيْتُ وَهٰذَا قَوْلُ الزُّهْرِيِّ وَسَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ وَابْنِ زَيْدٍ قَالُوْا جُمِعَ لَهُ الرُّسُلُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهٖ وَأُمِرَ أَنْ يَّسْأَلَ فَلَمْ يَشُكَّ وَلَمْ يَسْأَلْ فَعَلٰى هٰذَا الْقَوْلِ قَالَ بَعْضُهُمْ هٰذِهِ الْآيَةُ نَزَلَتْ بِبَيْتِ الْمُقَدَّسِ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یہ ہے کہ معراج کی رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد میں جتنے بھی رسول ہیں سب کو بھیجا پس جبریل نے اذان کہی پھر اقامت کہی اور کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! بڑھیے اور امامت فرمایئے پس جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو جبریل نے عرض کیا: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ جتنے رسول ہم نے آپ سے پہلے بھیجے ہیں ان سے پوچھیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا چونکہ مجھے یقین کامل ہے اس لیے میں سوال نہیں کروں گا۔ یہ زہری، سعید بن جبیر اور ابن زید کا قول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شب معراج رسولوں کو جمع فرمایا پھر

نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرمایا کہ ان سے پوچھو چونکہ نبی کریم ﷺ کو شک نہ تھا اس لیے آپ نے نہ پوچھا اسی قول کی بنا پر بعض مفسرین نے یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ آیت شب معراج بیت المقدس میں نازل ہوئی ہے۔[1]

تفسیر خازن سے ملتا جلتا مضمون دیگر مفسرین نے بھی بیان کیا ہے۔[2]

سوال اس آیت کی تفسیر میں بھی متعدد اقوال ہیں:

۱: رسولوں سے پوچھ

۲: پہلے رسولوں کی امتوں سے پوچھ

۳۔: رسولوں پر نازل شدہ کتابوں سے پوچھ

جب آیت کی تفسیر میں متعدد اقوال موجود ہیں تو احتمال پیدا ہوگیا۔

فَاِذَا جَاءَ الْاِحْتِمَالُ بَطَلَ الْاِسْتِدْلَالُ

جواب اس سوال کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ یہ ایک تفسیر سے استدلال ہے نہ کہ وجوہ محتملہ میں سے ایک وجہ سے استدلال۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ رسولوں پر نازل ہونے والی کتابوں سے پوچھو تو پوچھ لو وہاں کونسا لکھا ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی اور الہ ہے۔ سچا الہ تو صرف ایک ہے۔ اگر ترجمہ یہ ہے کہ امتوں سے پوچھو تو پوچھ لو کیونکہ جتنی بھی پہلی سچی امتیں گزری ہیں وہ بھی یہی کہیں گی کہ سچا الہ صرف اور صرف اللہ

---

[1] تفسیر خازن، جلد:۶، صفحہ:۱۳۶، ۱۳۷، تحت آیت سورۃ زخرف:۴۵

[2] معالم التنزیل، جلد:۶، صفحہ:۱۳۷ / ابن جریر، جلد:۲۵، صفحہ:۴۷ / تفسیر کبیر، جلد:۲۷، صفحہ:۲۱۶ / روح المعانی، جلد:۲۵، صفحہ:۶۷ / تفسیر عثمانی، صفحہ:۶۳۹ / تفسیر قرطبی، جلد:۱۶، صفحہ:۹۵ / تفسیر فتح القدیر، جلد:۴، صفحہ:۵۵۷

ہے اور اگر آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ رسولوں سے پوچھو جو کہ قرآن کا ظاہر ہے تو تب بھی یہی جواب ہے۔ قرآن کا ظاہر جن کی تائید نہیں کرتا ان دونوں اقوال کو لے کر ہم اس تفسیر کو نہیں چھوڑ سکتے جس کی تائید قرآن کا ظاہر بھی کر رہا ہے کہ اللہ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ ان رسولوں سے پوچھیں۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سارے اقوال نقل کیے اور جب یہ قول لکھا تو فرمایا:

هٰذَا هُوَ الصَّحِيْحُ فِي تَفْسِيْرِ هٰذِهِ الْاٰيَةِ

اس آیت کی تفسیر میں یہی قول سب سے زیادہ صحیح ہے۔[1]

کسی ایک مفسر یا محدث نے نہیں لکھا کہ تمہارا استدلال اس لیے نا قابل قبول ہے کہ معاذ اللہ انبیاء کرام علیہم السلام تو اپنی قبور میں بے جان پڑے ہیں اس لیے ان سے پوچھنے کا کیا معنیٰ؟ یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ اللہ فرما رہا ہے کہ محبوب جو رسول تجھ سے قبل گزر چکے ہیں ان سے پوچھ۔ پتہ چلا کہ سب نبی، رسول، نبی کریم ﷺ سے پہلے ہی آئے ہیں، بعد میں کوئی نہیں۔ یہ مرزا بدبخت کہتا ہے کہ میں نبی ہوں پوچھو اس سے کہ کیا یہ معراج کی رات بیت المقدس میں تھا؟ وہاں انسانوں میں سے صرف نبی تھے۔ یہ خواہ مخواہ ہی نبوت کا دعویٰ کر بیٹھا ہے۔

۳: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ

---

[1] تفسیر قرطبی، جلد:۱۶، صفحہ:۹۵، تحت آیت سورۃ زخرف:۴۵

لَهُمُ الرَّسُوۡلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیۡمًا﴿۶۴﴾

اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر لینے کے بعد تیرے پاس آ جاتے پھر اللہ سے معافی مانگتے اور رسول بھی ان کی سفارش کر دیتے تو یہ البتہ اللہ کو اس حال میں پا لیتے کہ وہ توبہ بھی قبول فرمانے والا ہے اور رحم بھی فرمانے والا ہے۔ [۱]

پتہ چلا کہ اگر بندہ گناہ کر بیٹھے تو بارگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو جائے۔ اگر رسول مردہ اور بالکل ختم ہو چکے ہیں تو اللہ نے بارگاہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آنے کا حکم کیوں دیا؟

بعض لوگ بڑے اجل شیخ القرآن بنتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ یہ حکم ان لوگوں کے لیے تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری حیات شریف کے وقت موجود تھے، بعد والوں کے لیے یہ حکم نہیں ہے۔ یہ ان نام نہاد شیوخ القرآن کا اپنا گمان ہے۔ قرآن یہ بات نہیں فرما رہا۔ آیت کی طرف غور کریں کہ یہ آیت وَ لَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا سے شروع نہیں ہو رہی بلکہ اس سے پہلے ہے: وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ اور ہم نے نہیں بھیجا کوئی رسول مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔ [۲]

اور اگر اطاعت کرنے میں کوئی کمی کوتاہی ہوگئی ہو تو محبوب تیری بارگاہ میں حاضر ہو جائیں۔ قابل غور بات یہ ہے کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف ان لوگوں کے مطاع تھے جو آپ کی ظاہری حیات شریف کے وقت موجود تھے یا اب بھی آپ مطاع ہیں؟ آج بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی جائے گی یا نہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس جس کے مطاع ہیں ان سب کے

---

[۱] سورۃ النساء: ۶۴ [۲] سورۃ نساء: ۶۴

لیے حکم ہے کہ غلطی ہو جائے تو میرے محبوب ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو جایا کرو کیونکہ یہ کوئی الگ بارگاہ نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہونا، اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے مترادف ہے۔ آپ آگے سورۃ نساء میں پڑھیں گے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَمَنۡ یَّخۡرُجۡ مِنۡۢ بَیۡتِہٖ مُہَاجِرًا اِلَی اللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ جو کوئی اپنے گھر سے اس حال میں نکلے کہ وہ اللہ اور اسکے رسول کی طرف ہجرت کرنے والا ہے۔[1] رسول اللہ کی بارگاہ، اللہ کی بارگاہ سے جدا نہیں ہے۔ دامن رسول علیہ السلام چھوڑ کر اللہ نہیں مل سکتا۔ جو بھی نبی کریم ﷺ کی مخالفت اختیار کرے گا، جتنا مرضی زور لگا لے وہ جنت نہیں جا سکتا۔ جنت میں وہی پہنچے گا جو اطاعت رسول علیہ السلام اختیار کرے اور یہ سمجھے کہ میں جس کا بندہ ہوں یہ اسی کے بھیجے ہوئے رسول ہیں جو میری ہدایت کے لیے تشریف لائے ہیں۔

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر

جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو، جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں[2]

اس آیت کریمہ میں گناہ گاروں کو معافی کا ایک طریقہ بتایا ہے کہ وہ بارگاہ خیر الانام ﷺ میں حاضر ہو جائیں۔ اس آیت میں نبی کریم ﷺ کی ظاہری حیات طیبہ اور بعد از وصال کی کوئی قید نہیں۔ اگر نبی اکرم ﷺ قبر انور میں محض بے جان ہیں تو اللہ تعالیٰ اس آیت کریمہ کو صرف ظاہری حیات طیبہ تک ہی محدود فرما دیتا اور صحابہ کرام بھی ظاہری حیات طیبہ تک ہی محدود سمجھتے لیکن بعد از وصال صحابہ کرام روضہ اطہر کی حاضری کو

---

[1] سورۃ نساء:۱۰۰ [2] حدائق بخشش، صفحہ:۵۲، مطبوعہ پروگریسو بکس اردو بازار لاہور

مستحسن سمجھا کرتے تھے جس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ روضہ اطہر میں زندہ ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں ایک دیوبندی عالم مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں:

حضرت علی کرم اللہ وجھہ نے فرمایا کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کو دفن کر کے فارغ ہوئے تو اس کے تین روز کے بعد ایک گاؤں والا آیا اور قبر شریف کے پاس آ کر گر گیا اور زار زار روتے ہوئے آیت مذکورہ کا حوالہ دے کر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وعدہ فرمایا ہے کہ اگر گناہگار رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور رسول اس کے لیے دعائے مغفرت فرما دیں تو اس کی مغفرت ہو جائے گی۔ اس لیے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ میرے لیے مغفرت کی دعا کریں۔ اس وقت جو لوگ حاضر تھے ان کا بیان ہے کہ اس کے جواب میں روضہ اقدس کے اندر سے آواز آئی۔ قَدْ غُفِرَ لَکَ یعنی تیری مغفرت کردی گئی (بحر محیط) [1]

اس حدیث کو اس آیت کی تفسیر کے ساتھ ملا کر پڑھیے۔ پہلے بیان کیے ہوئے دلائل پر بھی نظر کریں کہ اللہ کے سارے نبی رسول زندہ ہیں۔ جناب موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کو بیان کر کے فرمایا کہ ان کی ملاقات میں شک نہ کرو اور جب محبوب کی باری آئی تو صرف زندگی ہی نہیں بتائی بلکہ کہا گناہ کرنے والو! اس بارگاہ میں حاضر ہو کر مجھ سے معافی مانگو اور میرا رسول بھی تمہاری سفارش کرے تو میں تمہاری بخشش کر دوں گا۔ ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ زندہ ہیں تبھی تو یہ فرمایا گیا۔ صحابہ کرام اور تابعین عظام آپ کو زندہ سمجھ کر ہی قبر انور پر حاضر ہوا کرتے تھے۔

---

[1] تفسیر معارف القرآن، جلد:۲، صفحہ:۴۶۰

ممکن ہے کہ کسی کو مفتی شفیع صاحب کے حوالے سے بیان کی جانے والی حضرت مولا مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت کی سند میں کلام ہو۔ ہم ایک حدیث مزید پیش کر دیتے ہیں۔

حضرت داؤد بن صالح کہتے ہیں:

أَقْبَلَ مَرْوَانُ يَوْمًا فَوَجَدَ رَجُلًا وَاضِعًا وَجْهَهُ عَلَى الْقَبْرِ، فَأَخَذَ بِرَقَبَتِهِ وَقَالَ: أَتَدْرِي مَا تَصْنَعُ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَأَقْبَلَ عَلَيْهِ فَإِذَا هُوَ أَبُو أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيُّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، فَقَالَ: جِئْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ آتِ الْحَجَرَ

ایک دن مروان آیا۔ اس نے قبر انور پر ایک شخص کو اپنا چہرہ رکھے ہوئے دیکھا۔ مروان نے اس شخص کو گردن سے پکڑ کر کہا تمہیں کچھ معلوم بھی ہے کہ کیا کر رہے ہو؟ اس شخص نے کہا ہاں! مجھے معلوم ہے کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ جب اس شخص نے چہرہ اٹھایا تو مشہور صحابی رسول ابو ایوب انصاری نکلے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا ہوں کسی پتھر کے پاس نہیں آیا۔[1]

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں: هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

---

[1] المستدرک علی الصحیحین، کتاب الفتن والملاحم، جلد:۵، صفحہ:۴۱۸، رقم الحدیث:۸۷۴۹ / مسند احمد، حدیث ابی ایوب الانصاری، جلد:۳۸، صفحہ:۵۵۸، رقم الحدیث:۲۳۵۸۵ / مجمع الزوائد، کتاب الحج، باب وضع الوجہ علی قبر سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جلد:۴، صفحہ:۵، رقم الحدیث:۵۸۴۵۔ کتاب الخلافۃ، باب ولایۃ المناصب غیر اھلھا، جلد:۵، صفحہ:۲۴۵، رقم الحدیث:۹۲۵۲ / جامع المسانید والسنن لابن کثیر، جلد:۹، صفحہ:۵۱، رقم الحدیث:۱۱۳۵۰

نوٹ

یہ بات یاد رہے کہ بالعموم محدثین امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی تصحیح پر پورا اعتبار نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ متساہل تھے۔ کئی مرتبہ ضعیف حدیثوں کو صحیح قرار دے دیتے تھے۔ ایک بہت بڑے نقاد حافظ ذھبی رحمۃ اللہ علیہ نے تلخیص لکھی۔ وہ بڑی شدید اور بڑی سخت جرح کرتے تھے۔ امام حاکم کئی ضعیف حدیثوں کو صحیح کہہ دیتے ہیں جبکہ اس کے برعکس حافظ ذھبی کئی صحیح حدیثوں کو ضعیف کہہ دیتے ہیں۔

حافظ ذھبی اس حدیث کو تلخیص میں نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں: **صَحِیحٌ** کہ یہ حدیث صحیح ہے۔[1]

علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو بیان کیا اور فرمایا: **لَمْ یُضَعِّفْهُ اَحَدٌ** اس حدیث کی کسی نے بھی تضعیف نہیں کی۔[2]

معلوم ہوا کہ صحابی رسول حضرت سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ، روضہ اطہر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتھر نہیں سمجھتے تھے بلکہ زندہ و جاوید مانتے تھے اسی لیے ارشاد فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا ہوں۔

ایک دیوبندی عالم ظفر احمد عثمانی جو کہ تھانوی صاحب کے مرید تھے۔ تھانوی صاحب نے ان کی کتاب اعلاء السنن کے بارے میں لکھا کہ ہماری اس خانقاہ سے اگر کوئی اور کتاب نہ بھی شائع ہوتی صرف یہی اعلاء السنن شائع ہوتی تو یہی چیز ہمارے لیے قابل فخر ہوتی۔

---

[1] مستدرک مع التلخیص، جلد: ۵، صفحہ: ۴۱۸، رقم الحدیث: ۸۷۴۹
[2] مجمع الزوائد، جلد: ۴، صفحہ: ۵، رقم الحدیث: ۵۸۴۵

علامہ ظفر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

فَثَبَتَ اَنَّ حُکْمَ الْاٰیَۃِ بَاقٍ بَعْدَ وَفَاتِہٖ ﷺ فَیَنْبَغِیْ لِمَنْ ظَلَمَ نَفْسَہٗ اَنْ یَزُوْرَ قَبْرَہٗ وَیَسْتَغْفِرَ اللّٰہَ عِنْدَہٗ وَاسْتَغْفَرَ لَہُ الرَّسُوْلُ

پس ثابت ہوا کہ اس آیت مبارکہ کا حکم نبی اکرم ﷺ کی وفات شریف کے بعد بھی باقی ہے۔ پس جو شخص بھی اپنی جان پر ظلم کر بیٹھے اس کو چاہیے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کی زیارت کرے اور قبر انور کے پاس اللہ سے بخشش طلب کرے (دعائے مغفرت کرے) تاکہ رسول اللہ ﷺ اس کے لیے سفارش فرمائیں۔ [1]

عثمانی صاحب کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ آج بھی بندے کو چاہیے کہ نبی کریم ﷺ کی قبر انور پر حاضر ہو، وہاں پہنچ کر نبی کریم ﷺ سے عرض کرے اور اللہ سے معافی مانگے لیکن آج کل تو معاملہ ہی الٹ ہے۔ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ روضہ شریف پر حاضری دی جاتی ہے، سلام عرض کیا جاتا ہے اور ساتھ ہی دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو مسجد نبوی شریف کی اس جانب لے جائے جس جانب روضہ انور ہے۔ روضہ انور اور کعبہ شریف (محرابِ کعبہ) کے درمیان چار پانچ صفوں کا فاصلہ ہے۔ بندہ یہاں کھڑا ہو کر سلام عرض کرتا ہے تو عادت ہے جہاں سلام عرض کیا اسی جگہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے۔ دعا کے لیے بندہ جونہی ہاتھ اٹھاتا ہے تو وہاں کے شرطے کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ اَللّٰہ ھِنَا اللہ یہاں نہیں، یہاں ہے۔ ارے خدا کے بندو! کیا

---

[1] اعلاء السنن، جلد: ۱۰، صفحہ: ۴۹۴

استجابت دعا کے لیے قبلہ کی طرف رخ کرنا شرط ہے؟ جب اللہ فرما رہا ہے کہ یہاں آؤ اور یہاں آن کر اللہ سے معافی طلب کرو تو دعا کرنے سے منع کرنے کا کیا جواز ہے؟ علامہ عثمانی لکھتے ہیں کہ بندے کو یہاں حاضر ہو کر اللہ سے معافی مانگنی چاہیے تاکہ اس کے گناہ معاف ہو سکیں۔

بانی دارالعلوم دیوبند قاسم نانوتوی صاحب نے ایک کتاب آب حیات لکھی۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے جسم اقدس سے روح انور کے پرواز ہونے کے قائل نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ روح انور نے پرواز نہیں کیا۔ ایک چراغ کی مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ بسا اوقات چراغ کے اوپر ڈھکن رکھ دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارکہ کو جسم میں ایک جگہ اکٹھا کیا اور اوپر سے ڈھکن دے دیا، روح جسم سے باہر نہیں نکلی۔ ان کا یہ دعویٰ ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ بہرحال وہ دیوبند کے بانی ہیں لکھتے ہیں:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴿٦٤﴾ کیونکہ اس میں کسی کی تخصیص نہیں، آپ کے ہم عصر ہوں یا بعد کے امتی ہوں اور تخصیص ہو تو کیونکر ہو آپ کا وجود تربیت تمام امت کے لیے یکساں رحمت ہے۔[1]

مطلب یہ کہ خواہ کوئی سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں آئے خواہ کوئی سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کے بعد آئے چونکہ آپ سب کے نبی ہیں، ساری امت کی تربیت فرماتے ہیں۔

---

[1] آب حیات، صفحہ: ۴۰

اس لیے جو بھی وہاں جا کر اللہ سے معافی مانگے اور رسول بھی اس کے لیے سفارش کر دیں تو اللہ تعالیٰ اس پر مہربان ہو جائے گا۔

صحابہ کا مزار پر انوار پر حاضر ہونا

فتح الباری میں ہے:

أَصَابَ النَّاسَ قَحْطٌ فِي زَمَنِ عُمَرَ فَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اسْتَسْقِ لِأُمَّتِكَ فَإِنَّهُمْ قَدْ هَلَكُوا فَأَتَى الرَّجُلَ فِي الْمَنَامِ فَقِيلَ ائْتِ عُمَرَ (اَلْحَدِيث) وَقَدْ رَوٰى سَيْفٌ فِي الْفُتُوحِ أَنَّ الَّذِي رَأَى الْمَنَامَ الْمَذْكُورَ هُوَ بِلَالُ بْنُ الْحَارِثِ الْمُزَنِيُّ أَحَدُ الصَّحَابَةِ

ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں قحط پیدا ہو گیا تو ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ اطہر پر حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کی امت ہلاکت کے قریب پہنچ چکی ہے، آپ اپنی امت کے لیے بارش طلب فرمائیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس آدمی کو خواب میں ملے اور فرمایا عمر کے پاس جاؤ، میرا اسلام کہو اور کہہ دو کہ بارش ہو جائے گی۔ سیف نے فتوح میں روایت کیا کہ وہ آدمی جس نے یہ خواب دیکھا وہ صحابی رسول حضرت بلال بن حارث المزنی رضی اللہ عنہ تھے۔[1]

حافظ ابن حجر اس حدیث کے متعلق کہتے ہیں: اس حدیث کو ابن ابی شیبہ نے صحیح

---

[1] فتح الباری، جلد: ۲، صفحہ: ۴۹۵، تحت الحدیث: ۱۰۰۶

سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ [1]

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں: یہ سند صحیح ہے۔ [2]

برکت رسول فی الھند حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث کی تصحیح فرمائی ہے۔ [3]

حضرت اوس بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قُحِطَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ قَحْطاً شَدِيداً، فَشَكَوْا إِلَى عَائِشَةَ فَقَالَتْ: أُنْظُرُوا قَبْرَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَاجْعَلُوا مِنْهُ كُوًى إِلَى السَّمَاءِ حَتَّى لَا يَكُونَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ السَّمَاءِ سَقْفٌ قَالَ: فَفَعَلُوا، فَمُطِرْنَا مَطَراً حَتَّى نَبَتَ الْعُشْبُ وَسَمِنَتِ الْإِبِلُ، حَتَّى تَفَتَّقَتْ مِنَ الشَّحْمِ، فَسُمِّيَ عَامَ الْفَتْقِ

مدینہ شریف کے لوگ سخت قحط میں مبتلا ہو گئے تو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شکایت کی۔ آپ نے فرمایا: روضہ انور کی چھت کھول دو کہ قبر انور اور آسمان کے درمیان چھت حائل نہ رہے۔ راوی کہتے ہیں لوگوں نے ایسا ہی کیا، پس بہت زیادہ بارش ہوئی حتی کہ خوب سبزہ اگا اور اونٹ اتنے موٹے ہو گئے کہ (محسوس ہوتا تھا) جیسے وہ چربی سے پھٹ پڑیں گے لہذا اس سال کا نام ہی عام الفتق (سبزہ وکشادگی کا سال) رکھ دیا گیا۔ [4]

---

[1] فتح الباری، جلد: ۲، صفحہ: ۴۹۵، تحت الحدیث: ۱۰۰۶ [2] البدایہ والنہایہ، ثم دخلت سنۃ ثمانی عشرۃ، جلد: ۷، صفحہ: ۹۴

[3] جذب القلوب مترجم، صفحہ: ۲۳۸

[4] سنن دارمی، باب ما اکرم اللہ تعالی نبیہ بعد موتہ، جلد اول، صفحہ: ۲۲۷، رقم الحدیث: ۹۳/ سنن دارمی کے محقق حسین سلیم اسد نے اس حدیث کے بارے میں کہا کہ اس کے رجال ثقہ ہیں

مسئلہ حیات النبی ﷺ احادیث کی روشنی میں

۱: حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فِيهِ خُلِقَ آدَمُ، وَفِيهِ قُبِضَ، وَفِيهِ النَّفْخَةُ، وَفِيهِ الصَّعْقَةُ، فَأَكْثِرُوا عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ فِيهِ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ مَعْرُوضَةٌ عَلَيَّ قَالَ: قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ ﷺ، وَكَيْفَ تُعْرَضُ صَلَاتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ أَرِمْتَ؟ يَقُولُونَ: بَلِيتَ، فَقَالَ: إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ

تمہارے بہتر دنوں میں جمعہ کا دن ہے۔ اس دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی دن ان کی روح مبارک قبض کی گئی، اسی دن صور پھونکا جائے گا، اسی دن بے ہوشی ہو گی اس لیے مجھ پر کثرت سے درود بھیجو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ حضرت اوس بن اوس کہتے ہیں کہ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! جب آپ کا جسم ریزہ ریزہ ہو جائے گا تو آپ پر ہمارا درود کیسے پیش کیا جائے گا؟ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ نبیوں کے جسموں کو کھائے۔[۱]

---

[۱] سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، باب فضل یوم الجمعۃ ولیلۃ الجمعۃ، صفحہ:۱۵۹، رقم الحدیث: ۱۰۴۷/ محقق شعیب الارناؤط نے سنن ابی داؤد کی اس حدیث کو صحیح لغیرہ قرار دیا ہے/ سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ذکر وفاتہ ودفنہ ﷺ، صفحہ: ۵۲۴، رقم الحدیث: ۱۶۳۶ / البانی صاحب ابن ماجہ کی اس حدیث کو صحیح قرار دیتے ہیں/ سنن نسائی، کتاب الجمعۃ، باب الامر باکثار الصلوۃ علی النبی ﷺ یوم الجمعۃ، الجزء الثانی، صفحہ: ۲۶۲، رقم الحدیث: ۱۳۷۵ / البانی صاحب سنن نسائی کی اس حدیث کو صحیح قرار دیتے ہیں/ المصنف لابن ابی شیبہ، کتاب الصلوات، فی ثواب الصلاۃ علی النبی ﷺ، جلد: ۲، صفحہ: ۲۵۳، رقم الحدیث: ۸۶۹۷ / مسند احمد بن حنبل، حدیث اوس بن اوس، جلد: ۲۶، صفحہ: ۸۴، رقم الحدیث: ۱۶۱۶۲

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال سے یہ بات مترشح ہے کہ انہوں نے یہی سمجھا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں جو درود شریف پیش کیا جاتا ہے آپ اسے اپنے جسمانی کانوں سے سماعت فرماتے ہیں لیکن صحابہ کرام کے دل میں یہ شبہ پیدا ہو گیا تھا کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبر انور میں تشریف لے جائیں گے، وہاں آپ کا جسم ریزہ ریزہ ہو جائے گا کیونکہ مٹی کا کام جسم کو کھا جانا ہے۔ وہاں کان مبارک جو کہ آلہ سماعت ہیں اور آنکھیں جو کہ آلہ بصارت ہیں ختم ہو چکے ہوں گے تو وہاں آپ پر درود کیسے پیش ہو گا۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اس شبہ کو دور کرتے ہوئے فرمایا کہ بغیر کسی رکاوٹ کے مجھ پر درود شریف پیش ہوتا رہے گا اس لیے کہ میرے جسم مبارک اور آلہ سماعت میں کسی قسم کی خرابی لازم نہیں آئے گی۔ نتیجہ یہی ہے کہ قبر انور میں جسم انور زندہ ہے۔

آج کل کے غیر مقلد دراصل غیر مقلد نہیں ہیں بلکہ یہ اپنی اپنی جماعتوں کے بڑے پکے مقلد ہیں۔ جو ان کی جماعت فیصلہ کر دے اس کی تقلید کرتے ہیں لیکن میری رائے ہے کہ دو بندے نواب صدیق حسن خاں بھوپالی اور علامہ وحید الزماں واقعی غیر مقلد تھے۔ یہ وہی بات کرتے تھے جو ان کی اپنی سمجھ میں آتی تھی۔

علامہ وحید الزماں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تو کُل پیغمبروں کے جسم زمین کے اندر صحیح وسالم ہیں اور روح تو سب کی سلامت رہی ہے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مع جسم صحیح وسالم ہیں اور قبر شریف میں زندہ ہیں اور جو کوئی قبر کے پاس سے درود بھیجے یا سلام کرے تو آپ خود سن لیتے ہیں۔ اگر دور سے درود بھیجے تو

فرشتے آپ تک پہنچا دیتے ہیں اور اس کا یہی اعتقاد ہے اگرچہ یہ زندگی دنیا کی سی زندگی نہیں جس میں کھانے اور پینے کی احتیاج ہو لیکن جو باتیں آنحضرت ﷺ سے دنیاوی حیات کی حالت میں عرض کر سکتے تھے وہ اب بھی عرض کر سکتے ہیں اور جو فیوض و برکات آنحضرت ﷺ سے پہلے ہوتے تھے وہ اب بھی ہوتے ہیں۔ کمال نحوست اور شامت ہے اس شخص کی جو حج کو جاوے اور آنحضرت ﷺ کی زیارت سے مشرف نہ ہو۔ [1]

علامہ وحید الزماں کی یہ بات سو فیصد درست ہے کہ بڑی شامت اور نحوست ہے اس بندے کی جو حج کرنے جائے لیکن نبی اکرم ﷺ کے روضہ انور پر حاضر نہ ہو۔

جڑانوالہ کے قریب ایک گاؤں میں ہمارے ایک ساتھی حافظ عبدالرؤف صاحب ہیں۔ انہوں نے کچھ عرصہ پہلے مجھے وہاں جلسے پر بلایا۔ تقریر کے بعد جب سوالات کی باری آئی تو ایک بوڑھا شخص کھڑا ہوا اور اس نے سوال کیا۔ جب اس بوڑھے شخص نے سوال کیا تو مجھے رقعہ آ گیا کہ یہ وہ شخص ہے کہ حج کرنے مکہ شریف گیا تو حج سے فراغت پر اس کی بیوی نے مدینہ شریف جانے کا کہا اور اصرار کیا تو یہ کہنے لگ پڑا خبردار! مدینہ شریف کا نام نہ لینا ورنہ تجھے طلاقیں دے دوں گا۔ سچی بات یہ ہے کہ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اتنا خبیث آدمی بھی کوئی ہو سکتا ہے لیکن چونکہ رقعہ آیا تھا اور بندہ بھی سامنے موجود تھا۔ میں نے مائیک میں کہا کہ آج کل کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو حج کرنے جاتے ہیں اور حج کے بعد جب ان کی بیوی مدینہ شریف جانے کا کہتی ہے تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ مدینہ شریف کا نام نہ

---

[1] سنن ابن ماجہ مترجم، جلد اول، صفحہ: ۴۵۶

لینا ورنہ تجھے طلاق دے دوں گا۔ جب میں نے یہ کہا تو وہ بوڑھا شخص کھڑا ہو گیا کہنے لگا وہ میں ہی ہوں جس نے ایسی بات کہی تھی۔ آپ بتائیں کہ کہاں لکھا ہے کہ مدینہ شریف جاؤ یعنی ایسے خبیث الفطرت لوگ بھی موجود ہیں جو کہ مدینہ شریف سے نفرت کرتے ہیں اور یہ نفرت مدینہ شریف کے در و دیوار سے نہیں ہے جیسے کہ کوئی کہے کہ میں فلاں جگہ پاؤں تک رکھنا پسند نہیں کرتا اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسے اس جگہ کی اینٹوں اور دیواروں سے نفرت ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے اس جگہ کے مکین سے نفرت ہے۔ جو کہے میرے سامنے مدینہ شریف کا نام نہ لینا ورنہ طلاق دے دوں گا درحقیقت اسے مدینہ شریف کے در و دیوار سے نفرت نہیں بلکہ اللہ کے محبوب علیہ السلام سے نفرت ہے۔ میرے بھائی! بے حیا نہ بن بلکہ حیادار بن۔ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے ماں، باپ، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔[۱]

ایک وہابی عالم شمس الحق عظیم آبادی لکھتے ہیں:

(إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ) أَيْ مَنَعَهَا وَفِيهِ مُبَالَغَةٌ لَطِيفَةٌ (أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ) أَيْ مِنْ أَنْ تَأْكُلَهَا فَإِنَّ الْأَنْبِيَاءَ فِي قُبُورِهِمْ أَحْيَاءٌ قَالَ ابْنُ حَجَرٍ الْمَكِّيُّ وَمَا أَفَادَهُ مِنْ ثُبُوتِ حَيَاةِ الْأَنْبِيَاءِ حَيَاةً

---

[۱] صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من الایمان، صفحہ: ۱۴، رقم الحدیث: ۱۵ / صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب محبۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صفحہ: ۴۱، رقم الحدیث: ۱۶۸

بِهَا يَتَعَبَّدُوْنَ وَيُصَلُّوْنَ فِي قُبُوْرِهِمْ مَعَ اسْتِغْنَائِهِمْ عَنِ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ كَالْمَلَائِكَةِ أَمْرٌ لَامِرْيَةَ فِيْهِ وَقَدْ صَنَّفَ الْبَيْهَقِيُّ جُزْأً فِي ذٰلِكَ قَالَ الْمُنْذِرِيُّ وَأَخْرَجَهُ النَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَلَهُ عِلَّةٌ دَقِيْقَةٌ أَشَارَ إِلَيْهَا الْبُخَارِيُّ وَغَيْرُهُ وَقَدْ جَمَعْتُ طُرُقَهُ فِيْ جُزْءٍ وَفِي النَّيْلِ بَعْدَ سَرْدِ الْأَحَادِيْثِ فِي هٰذَا الْبَابِ مَا نَصَّهُ وَهٰذِهِ الْأَحَادِيْثُ فِيْهَا مَشْرُوْعِيَّةُ الْإِكْثَارِ مِنَ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَأَنَّهَا تُعْرَضُ عَلَيْهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَّهُ حَيٌّ فِي قَبْرِهٖ وَقَدْ أَخْرَجَ ابْنُ مَاجَةَ بِإِسْنَادٍ جَيِّدٍ أَنَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِأَبِي الدَّرْدَاءِ إِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ وَفِي رِوَايَةٍ لِلطَّبْرَانِيِّ لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يُصَلِّي عَلَيَّ إِلَّا بَلَغَنِي صَلَاتُهُ قُلْنَا وَبَعْدَ وَفَاتِكَ قَالَ وَبَعْدَ وَفَاتِي إِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ وَقَدْ ذَهَبَ جَمَاعَةٌ مِّنَ الْمُحَقِّقِيْنَ إِلٰى أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ حَيٌّ بَعْدَ وَفَاتِهٖ وَأَنَّهُ يُسَرُّ بِطَاعَاتِ أُمَّتِهٖ وَأَنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَا يَبْلُوْنَ مَعَ أَنَّ مُطْلَقَ الْإِدْرَاكِ كَالْعِلْمِ وَالسَّمَاعِ ثَابِتٌ لِسَائِرِ الْمَوْتٰى وَقَدْ صَحَّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَرْفُوْعًا مَا مِنْ أَحَدٍ يَمُرُّ عَلٰى قَبْرِ أَخِيْهِ الْمُؤْمِنِ وَفِي رِوَايَةٍ بِقَبْرِ الرَّجُلِ كَانَ يَعْرِفُهُ فِي الدُّنْيَا فَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ إِلَّا عَرَفَهُ وَرَدَّ عَلَيْهِ وَلِابْنِ أَبِي الدُّنْيَا

إِذَا مَرَّ الرَّجُلُ بِقَبْرٍ يَعْرِفُهُ فَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ السَّلَامَ وَعَرَفَهُ وَإِذَا مَرَّ بِقَبْرٍ لَا يَعْرِفُهُ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ وَصَحَّ أَنَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَخْرُجُ إِلَى الْبَقِيعِ لِزِيَارَةِ الْمَوْتٰى وَيُسَلِّمُ عَلَيْهِمْ وَوَرَدَ النَّصُّ فِي كِتَابِ اللهِ فِي حَقِّ الشُّهَدَاءِ أَنَّهُمْ أَحْيَاءٌ يُرْزَقُوْنَ وَأَنَّ الْحَيَاةَ فِيْهِمْ مُتَعَلِّقَةٌ بِالْجَسَدِ فَكَيْفَ بِالْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَقَدْ ثَبَتَ فِي الْحَدِيْثِ اَلْأَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ رَوَاهُ الْمُنْذِرِيُّ وَصَحَّحَهُ الْبَيْهَقِيُّ وَفِي صَحِيْحِ مُسْلِمٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَرَرْتُ بِمُوْسٰى لَيْلَةً أُسْرِيَ بِيْ عِنْدَ الْكَثِيْبِ الْأَحْمَرِ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّيْ فِيْ قَبْرِهٖ انْتَهٰى

بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے یعنی زمین کو اجساد انبیاء کھانے سے منع فرما دیا ہے اور اس میں لطیف مبالغہ ہے۔ پس بیشک انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔ امام ابن حجر مکی فرماتے ہیں کہ انبیاء کی حیات ایسی حیات ہے کہ وہ عبادت فرماتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں۔ ملائکہ کی طرح کھانے پینے سے مستغنی ہیں اور اس میں قطعا کوئی شبہ نہیں ہے۔ امام بیہقی نے اس مسئلہ میں ایک مستقل رسالہ تحریر فرمایا ہے۔ امام منذری نے فرمایا: نسائی اور ابن ماجہ نے اس حدیث کی تخریج فرمائی ہے۔ امام بخاری نے اس کی ایک دقیق علت کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور میں نے اس کے طرق ایک جزء میں جمع کر دیئے ہیں اور نیل الاوطار میں اس مضمون کی احادیث بیان کرنے کے بعد یوں لکھا اور یہ

احادیث مبارکہ جن میں جمعہ کے دن نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف کی کثرت (کی ترغیب) ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پیش ہوتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قبر انور میں زندہ ہیں اور ابن ماجہ نے سند جید کے ساتھ حدیث نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے اجسام کا کھانا حرام کر دیا ہے۔ طبرانی کی ایک روایت یوں ہے جو بھی بندہ مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے اس کا درود مجھ تک پہنچ جاتا ہے۔ ہم نے عرض کیا اور آپ کی وفات کے بعد؟ فرمایا: میری وفات کے بعد بھی، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کرام کے اجساد کا کھانا حرام کر دیا ہے۔ محققین کی پوری جماعت کا یہی دعوی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قبر انور میں وفات شریف کے بعد بھی زندہ ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کے نیک اعمال پر خوش ہوتے ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام بوسیدہ نہیں ہوتے۔ اس کے علاوہ باقی مردوں کے لیے مطلقاً ادراک مثلاً علم اور سماع ثابت ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو بندہ اپنے مومن بھائی کی قبر اور ایک روایت میں مرد کی قبر ہے جس کو دنیا میں پہچانتا تھا کے پاس سے گزرے اور اسے سلام کرے تو صاحب قبر اس کو پہچانتا بھی ہے اور سلام کا جواب بھی دیتا ہے اور ابن ابی الدنیا کی روایت یوں ہے کہ جب آدمی اپنی جان پہچان والے کی قبر کے پاس سے گزرے پھر اسے سلام کرے تو صاحب قبر اس کو پہچانتا بھی ہے اور سلام کا جواب بھی دیتا ہے اور جب کسی ایسے کی قبر کے پاس سے گزرے جس کو نہیں پہچانتا تھا تو پھر بھی صاحب قبر اس کے سلام کا جواب دیتا ہے

اور حدیث بھی صحیح ہے کہ نبی اکرم ﷺ بقیع میں مردوں کی زیارت کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے اور انہیں سلام بھی فرماتے تھے اور کتاب اللہ میں شہداء کے حق میں نص وارد ہے کہ وہ زندہ ہیں، انہیں رزق بھی ملتا ہے اور بیشک حیات شہداء کے جسم کے ساتھ متعلق ہے تو انبیاء کرام اور مرسلین کی حیات کا کیا عالم ہوگا اور یہ بھی حدیث میں ثابت ہے کہ انبیاء اپنی قبور میں زندہ ہیں۔ اس حدیث کو امام منذری نے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا اور صحیح مسلم میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی موجود ہے کہ میں معراج کی رات موسیٰ علیہ السلام کی قبر جو کہ سرخ ٹیلے کے پاس ہے، سے گزرا تو وہ اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز ادا فرما رہے تھے۔ صاحب نیل کا کلام ختم ہوا۔ [1]

مشہور دیوبندی عالم خلیل احمد انبیٹھوی بھی لکھتے ہیں:

(إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ) أَيْ مَنَعَهَا (أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ) أَيْ مِنْ أَنْ تَأْكُلَهَا، فَإِنَّ الْأَنْبِيَاءَ فِيْ قُبُوْرِهِمْ أَحْيَاءٌ

بیشک اللہ تعالیٰ نے روک دیا ہے زمین کو کہ نبیوں کے اجساد مطہرہ کو کھائے پس انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ [2]

حاشیہ نسائی میں ہے:

كِنَايَةٌ عَنْ كَوْنِ الْأَنْبِيَاءِ أَحْيَاءً فِي قُبُوْرِهِمْ

(إِنَّ اللهَ حَرَّمَ) انبیاء کرام کے اپنی قبور میں زندہ ہونے سے کنایہ ہے۔ [3]

---

[1] عون المعبود شرح سنن ابی داؤد، جلد: ۳، صفحہ: ۲۶۱، تحت الحدیث: ۱۰۴۷

[2] بذل المجہود شرح ابی داؤد، جلد: ۲، صفحہ: ۱۶۰

[3] حاشیہ نسائی، جلد اول، صفحہ: ۱۵۳

حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ونیز در حدیث صحیح آمدہ است کہ بسیار گوئید صلوۃ را در روز جمعہ

اور حدیث صحیح میں بھی آیا ہے کہ جمعہ کے روز درود شریف زیادہ پڑھو۔[1]

حضرت شیخ محقق فرماتے ہیں:

وازیں جا معلوم می شود کہ حیات انبیاء حیات حسی دنیاوی است نہ مجرد بقاء ارواح

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات دنیوی اور حسی حیات ہے۔صرف روح کے باقی رہنے کا نام نہیں۔[2]

یہی حضرت شیخ محقق مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں فرماتے ہیں:

حیات انبیاء متفق علیہ است ہیچ کس را دروی خلاف نیست حیات جسمانی دنیاوی حقیقی

انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات پر سب کا اتفاق ہے۔کسی ایک شخص کا بھی اس مسئلہ میں اختلاف نہیں ہے اور یہ حیات جسمانی، دنیاوی حقیقی ہے۔[3]

حافظ ابن کثیر اسی حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

وَقَدْ صَحَّحَ هٰذَا الْحَدِيْثَ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ حِبَّانَ وَالدَّارَ قُطْنِيُّ وَالنَّوَوِيُّ فِي الْأَذْكَارِ

اس حدیث کو محدث ابن خزیمہ، ابن حبان اور دار قطنی نے صحیح کہا ہے اور امام نووی

---

[1] مدارج النبوۃ، جلد:۲، صفحہ:۴۴۸ [2] مدارج النبوہ، جلد نمبر:۲، صفحہ:۴۴۸

[3] اشعۃ اللمعات، جلد اول، صفحہ:۵۷۴

نے اذکار میں صحیح کہا ہے۔[1]

امام حاکم اور حافظ ذھبی کہتے ہیں: یہ حدیث امام بخاری کی شرط پر صحیح ہے۔[2]

۲: حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَكْثِرُوا الصَّلَاةَ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَإِنَّهُ مَشْهُودٌ تَشْهَدُهُ الْمَلَائِكَةُ، وَإِنَّ أَحَدًا لَنْ يُصَلِّيَ عَلَيَّ إِلَّا عُرِضَتْ عَلَيَّ صَلَاتُهُ حَتَّى يَفْرُغَ مِنْهَا، قَالَ: قُلْتُ: وَبَعْدَ الْمَوْتِ، قَالَ: وَبَعْدَ الْمَوْتِ، إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ، فَنَبِيُّ اللهِ حَيٌّ يُرْزَقُ

مجھ پر جمعہ کے روز درود شریف کی کثرت کیا کرو کیونکہ اس دن ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور بیشک جب بھی کوئی مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے تو وہ درود شریف اس کے فارغ ہوتے ہی مجھ پر پیش کر دیا جاتا ہے۔ حضرت ابودرداء کہتے ہیں میں نے عرض کیا موت کے بعد بھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں موت کے بعد بھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر نبیوں کے جسموں کا کھانا حرام کر دیا ہے پس اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے، اسے رزق بھی دیا جاتا ہے۔[3]

سوال یہ حدیث دو وجہ سے ضعیف ہے۔ ایک یہ کہ اس کی سند میں انقطاع ہے اور دوسرا یہ کہ فَنَبِيُّ اللهِ حَيٌّ يُرْزَقُ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان نہیں ہے بلکہ یہ کسی راوی کا ادراج ہے۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر، جلد سوم، صفحہ: ۵۱۴، تحت آیت سورۃ احزاب: ۵۶

[2] المستدرک مع التلخیص، کتاب الجمعۃ، جلد اول، صفحہ: ۲۲۸، تحت الحدیث: ۱۰۵۷

[3] ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ذکر وفاتہ ودفنہ، صفحہ: ۲۸۸، رقم الحدیث: ۱۶۳۷ / مشکوۃ المصابیح، باب الجمعۃ، جلد اول، صفحہ: ۴۳۱، رقم الحدیث: ۱۳۶۶ / تحفۃ الاشراف للمزی، جلد: ۸، صفحہ: ۱۷۸، رقم الحدیث: ۱۰۹۴۷

جواب اس حدیث کو ضعیف کہنے سے پہلے محدثین اور مخالفین کی آراء ملاحظہ کریں۔

۱: حافظ منذری فرماتے ہیں:

رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ بِإِسْنَادٍ جَيِّدٍ امام ابن ماجہ نے اس حدیث کو عمدہ سند کے ساتھ روایت کیا۔[۱]

۲: مشہور دیوبندی عالم، بدر عالم میرٹھی جو کہ علامہ انور شاہ کشمیری کے شاگرد ہیں۔ انہوں نے شاہ صاحب کی بیان کی ہوئی بخاری شریف کی شرح کو عربی زبان میں فیض الباری جو کہ چار جلدوں پر مشتمل ہے نقل کیا۔ انہوں نے اور کتابیں بھی لکھیں۔ ایک کتاب ترجمان السنہ میں حدیثوں کو جمع کیا۔ بدر عالم صاحب نے مندرجہ بالا حدیث ابودرداء کے جید ہونے کا اقرار کیا ہے۔[۲]

۳: مشہور غیر مقلد عالم محمد بن علی جو کہ قاضی شوکانی کے نام سے مشہور ہیں اس حدیث کو جید قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَقَدْ أَخْرَجَ ابْنُ مَاجَةَ بِإِسْنَادٍ جَيِّدٍ أَنَّهُ ﷺ قَالَ لِأَبِي الدَّرْدَاءِ: إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ

ابن ماجہ نے جید سند کے ساتھ حدیث بیان کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے

---

[۱] الترغیب والترھیب، کتاب الذکر والدعاء، الترغیب فی اکثار الصلاۃ علی النبی والترھیب من ترکھا عند ذکرہ، جلد نمبر: ۲، صفحہ: ۳۲۸

[۲] ترجمان السنۃ، جلد: ۳، صفحہ: ۵۰۳

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر نبیوں کے جسموں کا کھانا حرام کردیا ہے۔[1]

۴: مشہور غیر مقلد عالم شمس الحق عظیم آبادی نے قاضی شوکانی کی اس تصحیح کو پورے اعتماد کے ساتھ نقل کیا ہے۔[2]

۵: امام زرقانی فرماتے ہیں:

وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ بِرِجَالٍ ثِقَاتٍ عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ مَرْفُوْعًا

ابن ماجہ نے حضرت ابودرداء سے حدیث مرفوع ایسے راویوں سے بیان کی ہے جو سارے کے سارے ثقہ ہیں۔[3]

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: قُلْتُ رِجَالُهٗ ثِقَاتٌ میں کہتا ہوں اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔[4]

آپ نے جلیل القدر محدثین اور مخالفین کے آئمہ کی تصریحات ملاحظہ فرمائی ہیں کہ انہوں نے اس حدیث کی سند کو جید قرار دیا ہے اور اس کے راویوں کی توثیق بھی فرمائی ہے۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ راوی کا ادراج ثابت کرنا بڑا مشکل ہے۔ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی اَلْاَنْبِيَاءُ اَحْيَاءٌ ثابت ہے تو فَنَبِيُّ اللّٰهِ حَيٌّ کا بھی ارشاد گرامی ہونا ثابت ماننا جائے گا۔

---

[1] نیل الاوطار، ابواب الجمعۃ، باب فضل یوم الجمعۃ، جلد:۳،صفحہ:۲۸۲

[2] عون المعبود شرح ابی داؤد، جلد:۱، صفحہ:۴۰۵، تحت الحدیث:۱۰۴۷

[3] زرقانی علی المواهب، جلد:۵، صفحہ:۳۳۶

[4] تہذیب التہذیب، من اسمہ زید، رقم الترجمۃ:۳۰۷، زید بن ایمن، جلد نمبر:۳، صفحہ:۲۲۴

بالفرض اگراس حدیث میں کچھ ضعف بھی ہوتا تو بھی حضرت اوس بن اوس کی صحیح حدیث کا شاہد ہونے کی وجہ سے یہ حدیث صحیح قرار پاتی۔

رہا یہ سوال فَنَبِيُّ اللّٰهِ حَيٌّ يُرْزَقُ یہ جملہ فرمان نبوی نہیں بلکہ یہ الفاظ کسی راوی نے اپنی طرف سے بڑھا دیے ہیں۔ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے تب بھی ہمارا مقصود حاصل ہے اس لیے کہ راوی حدیث، حدیث کے معنی کو دوسروں سے بہتر سمجھتا ہے۔ اگر کسی راوی نے اپنی طرف سے فَنَبِيُّ اللّٰهِ حَيٌّ يُرْزَقُ کا اضافہ کیا ہے تو نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ اس نے إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ کا یہی معنی سمجھا تھا، اسی لیے اس کی تفسیر بیان کر دی۔ انبیاء کی حیات شہداء کی حیات سے قوی ہے اور جب شہداء کے بارے میں نص قطعی ہے کہ وہ زندہ ہیں اور انہیں رزق دیا جاتا ہے تو فَنَبِيُّ اللّٰهِ حَيٌّ يُرْزَقُ تسلیم کرنے میں کیا تکلیف ہو سکتی ہے۔

3: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الْأَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُورِهِمْ يُصَلُّونَ

اللہ کے سارے نبی زندہ ہیں اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں۔[1]

---

[1] مسند ابی یعلی موصلی، مسند انس بن مالک، جلد نمبر:٦، صفحہ:١٤٧، رقم الحدیث:٣٤٢٥ / مسند البزار، مسند ابی حمزہ انس بن مالک، جلد:١٣، صفحہ:٢٩٩، رقم الحدیث:٦٨٨٨ / اتحاف الخیرۃ المھرۃ بزوائد المسانید العشرۃ للبوصیری، کتاب علامات النبوۃ، باب الانبیاء احیاء فی قبورھم، جلد:٧، صفحہ:١٤٥، رقم الحدیث:٦٥٣١ / المطالب العالیۃ بزوائد المسانید الثمانیۃ، کتاب بدء الخلق، باب حیاۃ الانبیاء، جلد:١٤، صفحہ:٢٢٦، رقم الحدیث:٣٤٤٦ / شفاء السقام، صفحہ:١٧٩ / فتح الملھم شرح صحیح مسلم، جلد اول، صفحہ:٣٢٩ / مجمع الزوائد، کتاب فیہ ذکر الانبیاء، باب ذکر الانبیاء، جلد:٨، صفحہ:٢١١، رقم الحدیث:١٣٨١٢

اس حدیث سے صراحتاً معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبور میں زندہ ہیں۔ اس حدیث کے متعلق محدثین اور مخالفین کی آراء ملاحظہ ہوں۔

ا: شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ابو یعلی بنقل ثقات از روایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ آوردہ

محدث ابو یعلی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ثقہ راویوں کی حدیث بیان فرمائی ہے۔[1]

۲: علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

رَوَاهُ اَبُوْ يَعْلٰى وَالْبَزَّارُ وَرِجَالُ اَبِي يَعْلٰى ثِقَاتٌ

اس حدیث کو ابو یعلی اور بزار نے روایت کیا ہے اور ابو یعلی کے سارے راوی ثقہ ہیں۔[2]

۳: علامہ سید سمہودی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

رَوَاهُ اَبُوْ يَعْلٰى بِرِجَالٍ ثِقَاتٍ وَرَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَصَحَّحَهٗ

اس حدیث کو ابو یعلی نے ثقہ راویوں کے ذریعے روایت کیا ہے اور بیہقی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اسے صحیح بھی قرار دیا ہے۔[3]

---

[1] مدارج النبوۃ، جلد: ۲، صفحہ: ۴۴۷

[2] مجمع الزوائد، کتاب فیہ ذکر الانبیاء، باب ذکر الانبیاء، جلد: ۸، صفحہ: ۲۱۴، رقم الحدیث: ۱۳۸۱۲

[3] وفاء الوفاء باخبار دار المصطفی للسمہودی، الباب الثامن، الفصل الثانی، فی بقیۃ ادلۃ الزیارۃ، جلد: ۴، صفحہ: ۱۳۵۲

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَصَحَّ اَنَّهٗ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ یُصَلُّوْنَ

یہ صحیح ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا انبیاء کرام زندہ ہیں، نمازیں بھی ادا فرماتے ہیں۔[1]

سوال الْأَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ ایک حدیث ہے اور حدیث بھی کوئی پہلے درجے کی حدیث نہیں ہے۔ محدث ابویعلی نے اسے روایت کیا ہے۔ حدیث سے عقیدہ ثابت نہیں ہوتا۔ عقیدہ ثابت کرنے کے لیے قرآن پیش کیا جاتا ہے۔

جواب آپ کا یہ کہنا کہ عقیدہ قرآن سے ثابت ہوتا ہے بالکل درست ہے۔ ہم نے گزشتہ اوراق میں عذاب قبر کے متعلق نو آیات پیش کیں اور ثابت کیا کہ جب قبر میں کافر بھی ختم نہیں ہوتا تو اللہ کے پیاروں، نبیوں، ولیوں کی زندگی کا عالم کیا ہوگا۔ کیا ہم نے قرآن شریف کی آیت یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ پڑھ کر نہیں سنائی تھی؟ کہ قبر میں مومن کلمہ طیبہ کی وجہ سے ثابت قدم رہتا ہے۔ واقعی عقیدہ قرآن سے ثابت ہوتا ہے۔ کیا ہم نے شہداء کی حیات پر تین آیتیں نہیں پڑھی تھیں؟ کہ شہید زندہ ہیں لیکن ان کی زندگی کو سمجھا نہیں جا سکتا۔ اس حدیث کو قرآن سے الگ نہ سمجھو۔ یہ حدیث قرآن مجید کے بیان کی تائید کر رہی ہے۔ جب قرآن شریف کے بیان کی تائید کر رہی ہے تو پھر اس کو صحیح مانا جائے گا۔ قرآن کی مخالفت والی حدیث قابل قبول نہیں ہوگی۔

---

[1] الحاوی للفتاوی، کتاب الاعلام بحکم عیسیٰ علیہ السلام، جلد: ۲، صفحہ: ۱۶۳

۴: علامہ انور شاہ کشمیری جو کہ علمائے دیوبند کے بہت بڑے شیخ الحدیث ہیں۔ جب ان کا انتقال ہوا تو تعزیتی جلسے میں جہاں دیگر لوگوں نے تقاریر کیں تو وہاں علامہ شبیر احمد عثمانی نے بھی تقریر کی۔ یہ وہی علامہ شبیر احمد عثمانی ہیں جنہوں نے قرآن شریف کا حاشیہ تفسیر عثمانی اور مسلم شریف کی شرح فتح الملھم تحریر کی۔ انہوں نے کہا: تم لوگ شاہ صاحب کے چلے جانے پر کیوں روتے ہو؟ تمہیں جہاں بھی کوئی مشکل درپیش ہوگی تو ہم تمہارا مسئلہ حل کر دیں گے۔ اصل میں تو ہمیں رونا چاہیے کہ اگر ہمیں کوئی مشکل درپیش ہوگی تو ہم اب کدھر جائیں گے یعنی انور شاہ کشمیری دیوبندیوں میں اتنے پائے کا عالم ہے اور میں نے کئی اپنے علماء کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ وہ ان کو حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ فیض الباری کی ایک عبارت وَالَّذِيْ تَحَقَّقَ عِنْدِيْ أَنَّ التَّحْرِيْفَ فِيْهِ لَفْظِيٌّ أَيْضًا، أَمَا إِنَّهٗ عَنْ عَمَدٍ مِّنْهُمْ لِمَغْلَطَةٍ [1] نظروں سے گزری۔ بڑی خطرناک عبارت ہے۔ اس کے بعد میں ان کو رحمۃ اللہ علیہ نہیں کہتا لیکن ہمارے حلقہ احباب میں جن لوگوں تک یہ عبارت نہیں پہنچی وہ ان کو رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہم لوگ ضدی نہیں۔ اگر ہم لوگ ضدی ہوتے کہ ہم نے خوامخواہ ہر دیوبندی کو گستاخ یا کافر کہنا ہے تو ہمارے بزرگ ان پر بھی فتوی لگاتے۔ شاہ صاحب پر فتوی نہیں لگتا کیونکہ مشہور یہ ہے لیکن کنفرم نہیں کہ شاہ جی نے دیوبند چھوڑا اور الگ سے اپنا مدرسہ بنایا تھا اور دیوبند چھوڑنے کی وجہ تحذیر الناس بنی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ شاہ صاحب کے شاگردوں کو

---

[1] فیض الباری، جلد: ۴، صفحہ: ۹۸

دیکھیں گے کہ وہ ختم نبوت پر بڑا ٹھوک ٹھاک کے بیان کرتے ہیں۔ مفتی محمد شفیع صاحب کی کتاب ختم نبوت کامل کو ملاحظہ کیجیے۔ انہوں نے کسی جگہ نہیں لکھا کہ میں تحذیر الناس کا رد کررہا ہوں لیکن جنہوں نے تحذیر الناس اور یہ ختم نبوت کامل پڑھی ہے وہ سمجھ جاتے ہیں کہ یہ کس کا رد ہو رہا ہے۔ بہرحال شاہ صاحب علماء دیوبند میں بڑے پائے کے عالم ہیں۔ لکھتے ہیں:

وَفِي الْبَيْهَقِيِّ عَنْ أَنَسٍ وَصَحَّحَهُ وَوَافَقَهُ الْحَافِظُ فِي الْمُجَلَّدِ السَّادِسِ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ أَحْيَاءٌ فِي قُبُورِهِمْ يُصَلُّونَ

بیہقی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور اس روایت کو بیہقی نے صحیح کہا ہے اور حافظ ابن حجر نے چھٹی جلد میں اس حدیث کی تصحیح کے متعلق بیہقی کی موافقت کی ہے اور وہ حدیث یہ ہے کہ بے شک اللہ کے سارے نبی زندہ ہیں اپنی قبروں میں نمازیں بھی ادا فرماتے ہیں۔ [1]

۵: تبلیغی نصاب کے مؤلف مولوی محمد زکریا لکھتے ہیں:

اور یہ حدیث کہ انبیاء اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں صحیح ہے۔ [2]

۶: مشہور غیر مقلد عالم قاضی شوکانی لکھتے ہیں:

وَقَدْ ثَبَتَ فِي الْحَدِيثِ ''أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ أَحْيَاءٌ فِي قُبُورِهِمْ'' رَوَاهُ الْمُنْذِرِيُّ وَصَحَّحَهُ الْبَيْهَقِيُّ

---

[1] فیض الباری، جلد دوم، صفحہ: ۶۴ [2] فضائل درود شریف، فصل دوم، صفحہ: ۳۷

یہ بات حدیث میں ثابت ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔اس حدیث کوامام منذری نے روایت کیا ہےاورامام بیہقی نے اس کی تصحیح فرمائی۔[1]

۷: ایک اورغیر مقلد عالم شمس الحق عظیم آبادی نے قاضی شوکانی کے حوالہ سے یہی چیز نقل کی ہے۔[2]

۸: ایک غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خاں بھوپالی جوکہ بڑے خوبصورت اورصحت مند تھے۔بھوپال میں ملازمت کرتے تھے۔ملکہ بھوپال کا خاوند فوت ہوگیا تو ملکہ کو دوسری شادی کی ضرورت محسوس ہوئی تو نگاہ انتخاب نواب صاحب پر پڑی اور باقاعدہ انگریز کی اجازت سےنواب صاحب کی شادی ملکہ بھوپال سے ہوئی۔آج کل تولوگ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں جب ہم کہتے ہیں کہ وہابیوں کوانگریز کی سپورٹ ہےاوراب توامریکہ نےکھل کرکہہ دیاہےکہ ہم نے وہابیت کوسعودیہ میں سپورٹ کیاہے۔وہابی دوستوں کو برا منانے کی ضرورت نہیں۔جن کا احسان لیاہے ان کے احسان کو ماننا چاہیے۔یہ نہیں کہنا چاہیے کہ ہماراانگریز کےساتھ کوئی تعلق نہیں۔مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب نے باقاعدہ انگریزوں کودرخواست دی کہ لوگ ہمیں وہابی وہابی کہہ کرچھیڑتے ہیں ہمارانام اہلحدیث الاٹ کیاجائے۔[3] نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں:

---

[1] نیل الاوطار،ابواب الجمعۃ،باب فضل یوم الجمعۃ، جلد:۳،صفحہ:۲۸۲

[2] عون المعبود شرح ابی داؤد،جلداول،صفحہ:۴۰۵،تحت الحدیث:۱۰۴۷

[3] ترجمان وھابیہ،صفحہ:۹۱،۹۲،۹۳

اِنَّہ ﷺ حَیٌّ فِی قَبْرِہٖ بَعْدَ مَوْتِہٖ کَمَا فِی حَدِیْثٍ اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِی قُبُوْرِھِمْ وَقَدْ صَحَّحَہُ الْبَیْھَقِیُّ وَاَلَّفَ فِی ذَالِکَ جُزْءً

بیشک نبی اکرم ﷺ وصال مقدس کے بعد اپنی قبر انور میں زندہ ہیں جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ انبیاء کرام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔ اس حدیث کی تصحیح امام بیہقی نے فرمائی اور انہوں نے خاص اسی مسئلہ میں ایک جزء بھی تحریر فرمایا ہے۔[1]

9: نواب صدیق حسن بھوپالی صاحب نے میلاد شریف پر ایک کتاب الشمامۃ العنبر یہ عن مولد خیر البریہ تحریر کی۔ مجھے نہیں پتہ کہ نواب صاحب تقویۃ الایمان کی گستاخانہ عبارات پر کیا نظریہ رکھتے تھے لیکن اگر ان کی کتابوں کو پڑھا جائے تو حنفیت نہ سہی لیکن عشق والی لہر محسوس ہوتی ہے۔

نواب صاحب لکھتے ہیں:

آپ زندہ ہیں اپنی قبر میں اور نماز پڑھتے ہیں اندر اس کے اذان و اقامت کے ساتھ **وکذلک الانبیاء**[2] (صرف سرکار ﷺ ہی نہیں بلکہ باقی کے نبی جو قبروں میں ہیں[4] اپنی اپنی قبروں میں نماز ادا کرتے ہیں)

نیز لکھتے ہیں:

اعمال امت کے آپ پر عرض کیے جاتے ہیں، آپ امت کے لیے استغفار کرتے ہیں[3]

---

[1] السراج الوہاج شرح صحیح مسلم، جلد اول، صفحہ: ۵۰۴ [2] الشمامۃ العنبر یہ من مولد خیر البریہ، صفحہ: ۵۲

[3] میں قبروں والے نبی کا لفظ ایک خاص مقصد کے لیے استعمال کر رہا ہوں کیونکہ سارے نبی ابھی قبروں میں نہیں گئے۔ ایک نبی جناب عیسی علیہ السلام آسمانوں میں جلوہ فرما ہیں۔

[4] الشمامۃ العنبر یہ من مولد خیر البریہ، صفحہ: ۵۲

میں پڑھا رہا ہوں اور آپ پڑھ رہے ہو، میں سبق ریکارڈ کروا رہا ہوں اور آپ بیٹھے سن رہے ہو یہ بھی ایک عمل ہے۔ہم یہاں جو بھی عمل کر رہے ہیں ہمارے اعمال نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں پیش ہو رہے ہیں۔

۱۰: مولوی اشرف علی تھانوی صاحب جن کو دیو بندی حلقہ حکیم الامت کے نام سے یاد کرتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ واقعی حکیم بھی تھے کیونکہ انہوں نے کشتے بنانے کے طریقے بھی لکھے ہیں۔ واقعی یہ بہت تکڑا مولوی تھا۔ مجھے تو اس پر ترس آتا ہے کہ بس ایک بات ہو گئی جس پر یہ بھی اڑ گئے اور اب ان کے ماننے والے بھی اڑے ہوئے ہیں۔کوئی نہ کوئی حل نکلنا چاہیے۔لڑائی بہت ہو گئی، لوگ قتل بھی ہوئے۔ اب لڑنے کی بجائے حق بات کی طرف رجوع کر لینا چاہیے۔امت کے اتحاد کے لیے قرآن وسنت کو سامنے رکھ کر جو بات قرآن وسنت کے مطابق ہے اسے تسلیم کرنا چاہیے اور جو بات قرآن وسنت کے خلاف ہے اسے چھوڑ دینا چاہیے۔ ہماری کوئی بات غلط ثابت ہو گی تو ہم چھوڑنے کے لیے تیار ہیں اسی طرح اگر تمہاری کوئی بات غلط ثابت ہو تو تم چھوڑ دو۔حق قبول کرنے سے بگڑتا کچھ نہیں بلکہ سنورتا ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی صاحب لکھتے ہیں:

پس آپ کا زندہ رہنا بھی قبر شریف میں ثابت ہوا اور یہ رزق اس عالم کے مناسب ہوتا ہے اور گو شہداء کے لیے بھی حیات اور مرزوقیت وارد ہے مگر انبیاء علیہم السلام ان سے اکمل واقوی ہیں۔[1]

---

[1] نشر الطیب، صفحہ:۲۴۸، تاج کمپنی

یہاں دو باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں ۔ایک یہ کہ یہ بات کہ انبیاء کرام کو رزق اس عالم کے مناسب ملتا ہے اس کو ایک مثال کے رنگ میں سمجھیں ۔مثال کے طور پر ہمارے اور آپ کے بہت سارے دوست باہر کے ممالک میں رہتے ہیں ۔کبھی کبھی وہ مدرسے یا مسجد کے لیے کچھ پیسے بھیج دیتے ہیں ۔وہ اتنے تو نہیں ہوتے کہ مدرسے کا ایک ماہ کا خرچ نکل جائے لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ روپے آ جاتے ہیں ۔مثلاً انگلینڈ سے کسی نے پیسے بھیجے ۔ وہاں کی کرنسی پاؤنڈ ہے لیکن یہاں جب بینک سے لیے جاتے ہیں تو روپوں کی شکل میں ملتے ہیں ۔انہوں نے اپنی کرنسی کے مطابق بھیجے تھے جبکہ ہمیں ہماری کرنسی کے مطابق ملتے ہیں ۔یوں ہی سمجھ لیجیے کہ ہم اپنے فوت ہونے والوں کو دنیا کی کرنسی روٹی، پھل وغیرہ بھیجتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ ان کو قبر والی کرنسی عطا فرماتا ہے ۔قبر کی کرنسی ثواب ہے ۔اللہ تعالیٰ ہر کسی کو درجہ بدرجہ رزق عطا فرماتا ہے اور سب سے اعلیٰ، شاندار، اکمل اور اقوی رزق اپنے محبوب علیہ السلام کو عطا فرماتا ہے ۔

دوسرا یہ کہ میں آپ سے گزارش کرتا ہوں کہ نشر الطیب کتاب کو ضرور پڑھیں ۔ آپ کو یوں لگے گا کہ یہ کسی خالص بریلوی نے لکھی ہے ۔تھانوی صاحب لکھتے ہیں کہ جب میں اس کتاب کو لکھ رہا تھا تو اس وقت ملک میں طاعون کی بیماری پھیلی ہوئی تھی ۔جس طرح کہ آج کل کرونا جلوہ گر ہے، اس جگہ طاعون جلوہ گر تھا ۔تھانوی صاحب لکھتے ہیں کہ جس دن میں اس کتاب کے دو، چار ورق لکھ لیتا تھا ہمارے علاقہ تھانہ بھون میں کوئی بندہ طاعون سے نہیں مرتا تھا ۔یہ ذکر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت ہے ۔[1] نشر الطیب کی پہلی فصل

---

[1] میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مع طریقہ مولد شریف، صفحہ:۲۶، ۲۷، مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

نور محمدی ﷺ کے بیان میں ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ السلام کے نور مبارک کو پیدا کیا۔ یہ مختصر مگر شاندار سیرت کی کتاب ہے۔ اسی لیے تو میں کہتا ہوں کہ تھانوی گروپ کے ساتھ ہمارا اتحاد ہوسکتا ہے۔ ہمارے اور ان کے عقائد میں زیادہ اختلاف نہیں ہے۔ ان کو ہمارے کچھ معمولات پر اعتراض ہے کہ یہ بدعت ہیں۔ ہم کہتے ہیں ہر مسئلے کو بیٹھ کر طے کر لیتے ہیں۔ اگر بدعت ہے تو سب سے پہلے بدعت کی تعریف کر لیتے ہیں پھر اس کے بعد جو چیز بدعت ثابت ہوگی ہم چھوڑ دیں گے۔ ہمیں کوئی ضد نہیں۔ ایک بدعت والا مسئلہ ہے جو کہ بیٹھتے ساتھ ہی حل ہو جائے گا اور ایک عبارات والا مسئلہ ہے۔ اگر ٹھنڈے دل سے غور کریں تو اللہ تعالیٰ ان کو عبارات کا مسئلہ حل کرنے کا طریقہ بھی سمجھا دے گا۔

۱۱: دیوبندی شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی اپنے عقیدے کا اظہار یوں کرتے ہیں:

اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ حَیٌّ کَمَا تَقَرَّرَ وَاَنَّہٗ یُصَلِّی فِی قَبْرِہٖ بِاَذَانٍ وَاِقَامَۃٍ

بیشک نبی کریم ﷺ زندہ ہیں جیسا کہ ثابت ہو چکا اور بیشک آپ ﷺ اپنی قبر انور میں اذان اور اقامت کے ساتھ نماز ادا فرماتے ہیں۔[۱]

۱۲: علامہ انور شاہ کشمیری کہتے ہیں:

اِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْاَعْمَالِ قَدْ ثَبَتَتْ فِي الْقُبُوْرِ کَالْاَذَانِ وَالْاِقَامَۃِ عِنْدَ الدَّارَمِيِّ وَقِرَاۃِ الْقُرْآنِ عِنْدَ التِّرْمَذِيِّ وَالْحَجِّ عِنْدَ الْبُخَارِيِّ

---

[۱] فتح الملہم، جلد:۳، صفحہ:۴۱۹

قبور میں بہت سے اعمال ثابت ہیں۔ محدث دارمی کے نزدیک اذان اور اقامت، امام ترمذی کے نزدیک تلاوت قرآن اور امام بخاری کے نزدیک حج۔[1]

جب قبر میں اذان، اقامت، تلاوت قرآن اور حج کرنا ثابت ہے تو کیا ابھی بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیات طیبہ میں شک رہ گیا ہے؟ ضدی نہ بنو بلکہ ہمارے پاس آؤ تا کہ ہم تمہیں محبت کا نغمہ سکھائیں۔

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ　　　مرے چشم عالم سے چھپ جانے والے[2]

حجاج بن اسود کی توثیق

تقریباً پینتیس یا چالیس سال پہلے کی بات ہے کہ سلانوالی کے قریب آٹھ چک یا دس چک شمالی میں اسی عنوان مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر مناظرہ تھا جو کہ میرے اور مولوی احمد سعید ملتانی کے درمیان طے تھا۔ میرے اس مناظرے کا ذکر دیوبندیوں کے نام نہاد متکلم اسلام گھمن نے بھی کیا ہے۔ مناظرہ احمد سعید ملتانی صاحب کی بجائے مولانا یونس نعمانی صاحب نے کیا۔ انہوں نے بڑے دھڑلے سے میری پیش کی ہوئی حدیث پر اعتراض کیا۔ اعتراض جواب ملاحظہ کیجیے۔

سوال میزان الاعتدال میں ہے:

حَجَّاجُ بْنُ الْاَسْوَدِ عَنْ ثَابِتِ الْبُنَانِيِّ نَكِرَةٌ مَا رَوٰى عَنْهُ فِيْمَا اَعْلَمُ سِوٰى

---

[1] فیض الباری، جلد اول، صفحہ: ۱۸۳　[2] حدائق بخشش، صفحہ: ۷۹، مطبوعہ پروگریسو بکس اردو بازار لاہور

مُسْتَلِمِ بْنِ سَعِيْدٍ فَأَتٰى بِخَبَرٍ مُنْكَرٍ عَنْهُ عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ فِي اَنَّ الْاَنْبِيَاءَ اَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ

حجاج بن اسود حضرت ثابت بنانی سے روایت کرتا ہے لیکن یہ راوی نکرہ ہے۔ میرے علم میں اس سے سوائے مستلم بن سعید کے کسی نے روایت نہیں کیا اس نے ایک منکر حدیث بیان کی ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔ اس حدیث کو امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔[1]

حافظ ذہبی کے مطابق جب یہ حدیث منکر ہے تو اس سے استدلال کیسے درست ہوگا؟

جواب حافظ ذہبی نے درج ذیل تین اعتراضات وارد کیے ہیں۔

۱: اس روایت کا ایک راوی حجاج بن الاسود نکرہ ہے، معرفہ نہیں ہے یعنی مجہول ہے اور مجہول راوی کی روایت ضعیف ہوتی ہے۔

۲: اس حجاج بن اسود سے مستلم بن سعید کے علاوہ کسی اور نے روایت نہیں کی۔

۳: یہ حدیث صحیح کی بجائے منکر ہے۔

اب ہم تفصیل سے ان تینوں اعتراضات کا جائزہ لیتے ہیں۔

۱: حافظ ذہبی کا یہ وہم صحیح نہیں کہ حجاج بن اسود نکرہ ہے۔ محدثین کرام نے جو کہ جلیل القدر آئمہ جرح وتعدیل ہیں، حجاج بن اسود کے حالات نقل کیے ہیں مثلاً حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

---

[1] میزان الاعتدال للذھبی، رقم الترجمۃ: ۱۷۲۷، حجاج بن الاسود، جلد اول، صفحہ: ۴۶۰

إِنَّمَا هُوَ حَجَّاجُ بْنُ أَبِيْ زِيَادٍ الْأَسْوَدُ يُعْرَفُ بِزُقِّ الْعَسَلِ وَهُوَ بَصْرِيٌّ كَانَ يَنْزِلُ الْقَسَامِلَ رَوٰى عَنْ ثَابِتٍ وَجَابِرِ بْنِ زَيْدٍ وَأَبِيْ نَضْرَةَ وَجَمَاعَةٍ وَعَنْهُ جَرِيْرُ بْنُ حَازِمٍ وَحَمَّادُ بْنُ سَلْمَةَ وَرُوْحُ بْنُ عُبَادَةَ وَآخَرُوْنَ قَالَ أَحْمَدُ ثِقَةٌ وَرَجُلٌ صَالِحٌ وَقَالَ ابْنُ مَعِيْنٍ ثِقَةٌ وَقَالَ أَبُوْ حَاتِمٍ صَالِحُ الْحَدِيْثِ وَذَكَرَهُ ابْنُ حِبَّانَ فِي الثِّقَاتِ فَقَالَ حَجَّاجُ بْنُ أَبِيْ زِيَادٍ الْأَسْوَدُ مِنْ أَهْلِ الْبَصْرَةِ كَانَ يَنْزِلُ الْقَسَامِلَ رَوٰى عَنْ أَبِيْ نَضْرَةَ وَجَابِرِ بْنِ زَيْدٍ رَوٰى عَنْهُ عِيْسٰى بْنُ يُوْنُسَ وَجَرِيْرُ بْنُ حَازِمٍ وَهُوَ الَّذِيْ يُحَدِّثُ عَنْهُ حَمَّادُ بْنُ سَلْمَةَ فَيَقُوْلُ حَدَّثَنِيْ حَجَّاجُ بْنُ الْأَسْوَدِ

یہ حجاج بن ابی زیاد الاسود ہے جو کہ زق العسل شہد کا مشکیزہ یعنی خوبیوں کا مجموعہ کے نام سے معروف تھا اور یہ بصری تھا لیکن قسامل میں رہتا تھا۔ اس نے حضرت ثابت بنانی، جابر بن زید اور ابی نضرۃ اور ایک جماعت سے روایت کیا ہے اور اس سے جریر بن حازم، حماد بن سلمہ، روح بن عبادہ اور چند اور لوگوں نے روایت کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ حجاج بن اسود ثقہ اور صالح مرد ہے۔ امام ابن معین کہتے ہیں کہ یہ ثقہ ہے۔ امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ یہ صالح الحدیث ہے۔ ابن حبان نے اس کا ذکر کتاب الثقات میں کیا ہے اور کہا کہ حجاج بن ابی زیاد الاسود بصری تھا لیکن قسامل میں رہتا تھا۔ اس نے ابونضرہ اور جابر بن زید سے روایت کیا ہے اور اس سے عیسیٰ بن یونس اور جریر بن حازم

روایت کرتے ہیں اور یہ وہی ہے جس سے حماد بن سلمہ روایت کرتا ہے تو کہتا ہے مجھ سے حجاج بن اسود نے حدیث بیان فرمائی۔ [1]

حافظ ابن حجر کے اس طویل اقتباس کو دوبارہ غور سے پڑھیے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ حافظ نے ذہبی کے پہلے دو اعتراضات کا کس خوبصورتی سے خاتمہ کیا ہے۔ ذہبی کا پہلا اعتراض یہ تھا کہ حجاج بن اسود نکرہ یعنی مجہول ہے لیکن حافظ نے اس کے تعارف میں مندرجہ ذیل باتیں کہی ہیں:

۱: لوگ اسے خوبیوں کے مجموعہ کے نام سے یاد کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ خوبیوں کا مجموعہ کسی خاص شخص کو ہی کہا جاسکتا ہے۔

۲: بصری تھا لیکن قسامل میں رہتا تھا۔

نوٹ قسامل یمن کا ایک قبیلہ ہے جو بصرہ کے قریب ہے۔ آج کل اس کو عامرہ کہتے ہیں۔ [2]

ظاہر بات ہے کہ کسی مجہول شخص کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ فلاں علاقے کا تھا، فلاں جگہ رہتا تھا۔

۳: امام احمد بن حنبل، ابن معین، ابو حاتم اور ابن حبان کا اس کی توثیق کرنا بھی اس کے معرفہ ہونے کی دلیل ہے۔

دوسرا اعتراض یہ تھا کہ میرے علم کے مطابق اس سے صرف مستلم بن سعید نے ہی

---

[1] لسان المیز ان، من اسمہ حجاج، رقم الترجمہ: ۲۱۴۳، حجاج بن الاسود، جلد دوم، صفحہ: ۱۷۵

[2] معجم البلدان، باب القاف والسین ومایلیھا، قسامل، جلد نمبر: ۴، صفحہ: ۳۴۶

روایت کیا ہے، کسی اور نے نہیں کیا لیکن حافظ ابن حجر نے بتایا کہ اس سے جریر بن حازم، حماد بن سلمہ، روح بن عبادہ اور چند اور لوگوں نے روایت کیا ہے جبکہ ابن حبان نے اس سے روایت کرنے والوں میں ایک نام عیسیٰ بن یونس کا اضافہ کیا ہے۔ نتیجہ یہی نکلا کہ ذہبی کے علم کی انتہا یہی تھی کہ اس کا صرف ایک ہی شاگرد ہے یعنی مستلم بن سعید لیکن معلوم ہوا کہ عیسیٰ بن یونس، جریر بن حازم، حماد بن سلمہ، روح بن عبادہ اور چند اور لوگ بھی جنہیں حافظ نے آخَرُوْن کہہ کر یاد کیا ہے، اس کے شاگرد ہیں۔

نوٹ: محسوس یہی ہوتا ہے کہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں حجاج بن اسود کے متعلق یہ رائے پہلے ظاہر کی تھی، بعد میں اپنے اس قول سے رجوع کر لیا تھا کیونکہ جب ذہبی نے تلخیص میں اس پر تبصرہ کیا تو یوں کہا: قُلْتُ حَجَّاجٌ ثِقَةٌ میں کہتا ہوں کہ حجاج ثقہ ہے۔[1]

تیسرا اعتراض یہ تھا کہ حدیث منکر ہے لیکن اَلْأَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ کو خبر منکر کہنا درست نہیں کیونکہ حدیث منکر وہ ہوتی ہے جس میں کوئی راوی اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت کرے۔ حجاج بن اسود نے یہ حدیث بیان کر کے اپنے سے کسی ثقہ راوی کی مخالفت ہرگز نہیں کی۔ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ لے آؤ دلیل اگر تم سچے ہو۔

دیوبندی شیخ الاسلام مولوی شبیر احمد عثمانی نے حجاج کی توثیق بیان کرنے کے بعد اس حدیث کے تین شاہد بھی پیش کیے۔[2]

معلوم ہوا کہ اس حدیث کو منکر کہنا حافظ ذہبی کا تحکم ہے۔

---

[1] تلخیص المستدرک، جلد نمبر: ۴، صفحہ: ۳۳۲، تحت الحدیث: ۸۱۱۳

[2] فتح الملہم، جلد اول، صفحہ: ۳۲۹، ۳۳۰

۴: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِينَ فِي الْأَرْضِ يُبَلِّغُونِي مِنْ أُمَّتِي السَّلَامَ

بیشک اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو زمین میں پھرتے رہتے ہیں اور مجھ کو میری امت کا سلام پہنچاتے ہیں۔ [1]

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ ہیں کیونکہ شے اسے پہنچائی جاتی ہے جو زندہ ہو۔ کوئی میرے لیے کوئی چیز بھیجے اور وہ مجھ تک پہنچے ہی نہیں، پلاٹ میں یا مسجد میں رکھ دی جائے تو کیا مجھ تک پہنچ جائے گی؟ کوئی بھی چیز پہنچتی اسے ہے جو زندہ ہو اور جو زندہ نہ ہو اسے کوئی چیز نہیں پہنچتی۔ امت سلام بھیجتی ہے تو فرشتے ان کا سلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ تک پہنچاتے ہیں۔

علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وَرِجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِيحِ کہ اس حدیث کے سارے راوی بخاری کے راوی ہیں۔ [2]

---

[1] سنن نسائی، کتاب السھو، باب السلام علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صفحہ: ۲۰۸، رقم الحدیث: ۱۲۸۲ / البانی صاحب اس حدیث کو صحیح قرار دیتے ہیں/ المصنف لابن ابی شیبہ، کتاب صلاۃ التطوع والامامۃ وابواب متفرقۃ، فی ثواب الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جلد: ۲، صفحہ: ۲۵۳، رقم الحدیث: ۸۷۰۵ / مسند البزار، مسند عبداللہ بن مسعود، جلد: ۵، صفحہ: ۳۰۷، ۳۰۸، رقم الحدیث: ۱۹۲۴، ۱۹۲۵ / شعب الایمان للبیھقی، باب فی تعظیم النبی واجلالہ وتوقیرہ، جلد: ۳، صفحہ: ۱۴۰، رقم الحدیث: ۱۴۸۰ / جامع صغیر، جلد اول، صفحہ: ۹۳ / مشکوۃ شریف، صفحہ: ۸۶ / مجمع الزوائد، جلد: ۹، صفحہ: ۲۷ / مستدرک مع التلخیص، جلد: ۲، صفحہ: ۴۲۱ / مسند احمد بن حنبل، مسند عبداللہ بن مسعود، جلد: ۶، صفحہ: ۱۸۳، ۲۳۵، ۲۶۰، ۳۴۳، رقم الحدیث: ۳۶۶۶، ۴۰۷۳، ۴۲۱۰

[2] مجمع الزوائد، کتاب علامات النبوہ، باب ما یحصل لامتہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جلد: ۹، صفحہ: ۲۷، رقم الحدیث: ۱۴۲۵۰

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے[1] حافظ ذھبی اور امام حاکم دونوں فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے۔[2]

۵: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ، إِلَّا رَدَّ اللهُ عَلَيَّ رُوحِي حَتّٰى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ۔

جب بھی کوئی مجھ پر سلام پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح کو لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔[3]

اس حدیث کے بارے میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: رُوَاتُهُ ثِقَاتٌ کہ اس کے سارے راوی ثقہ ہیں۔[4]

مولانا محمد زکریا صاحب لکھتے ہیں: قَالَ الْحَاكِمُ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ امام حاکم نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔[5]

---

[1] جامع صغیر، باب حرف الالف، جلد:۱، صفحہ:۹۳، رقم الحدیث:۲۳۵۵

[2] مستدرک مع التلخیص، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ احزاب، جلد:۲، صفحہ:۴۲۱

[3] سنن ابی داؤد، کتاب المناسک، باب زیارۃ القبور، صفحہ:۳۵۳، رقم الحدیث:۲۰۴۱ / البانی صاحب نے اس حدیث کو حسن قرار دیا/ الفتح الربانی ترتیب مسند امام احمد، جلد:۱۳، صفحہ:۳۱۲ / فتاوی ابن تیمیہ، جلد:۱۱، صفحہ:۲۹۱، جلد:۲۷، صفحہ:۳۲۲۔ جلد:۲۷، صفحہ:۳۲۴ / مسند احمد، مسند ابی ھریرہ، جلد:۱۶، صفحہ:۴۷۷، رقم الحدیث:۱۰۸۱۵ / السنن الکبری للبیھقی، کتاب الحج، جماع ابواب الھدی، باب زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جلد:۵، صفحہ:۴۰۲، رقم الحدیث:۱۰۲۷۰ / مشکوۃ المصابیح، باب الصلاۃ علی النبی وفضلھا، جلد اول، صفحہ:۲۹۱، رقم الحدیث:۹۲۵

[4] فتح الباری، جلد:۶، صفحہ:۴۸۸، تحت الحدیث:۳۴۴۱

[5] فضائل درود شریف، صفحہ:۱۸

امام زرقانی فرماتے ہیں: قَدْ رَوٰی اَبُوْ دَاوٗدَ بِاِسْنَادٍ صَحِیْحٍ امام ابوداؤد نے صحیح سند کے ساتھ اس حدیث کو بیان کیا ہے۔[1]

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: صَحَّحَهُ النَّوَوِیُّ فِی الْاَذْکَارِ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اذکار میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا۔[2]

ردروح کا معنی

سوال اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر لوٹا دیتا ہے کا کیا معنی ہے؟

جواب اس بات کے سولہ سے زائد جوابات محدثین نے بیان فرمائے ہیں[3]۔ ان میں سے ایک جواب جو ہمیں پسند ہے عرض کیے دیتے ہیں:

قرآن کریم میں روح فرشتہ کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ مثلا: فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا (۱۷)[4] تو حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب بھی کوئی مجھ پر سلام پڑھتا ہے تو وہ فرشتہ جو مجھ پر درود پہنچانے پر مقرر ہے میری بارگاہ میں حاضری دیتا ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: اِنَّ الْمُرَادَ بِالرُّوْحِ اَلْمَلَکُ الْمُوَکَّلُ بِذٰلِکَ روح سے مراد وہ فرشتہ ہے جو اس کام کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔[5]

---

[1] زرقانی علی المواہب، جلد:۸، صفحہ:۳۰۸

[2] تفسیر ابن کثیر، جلد:۳، صفحہ:۵۱۴، تحت آیت سورۃ احزاب:۵۶

[3] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: فتح الباری از حافظ ابن حجر عسقلانی، جلد:۶، صفحہ:۴۸۸، ۴۸۹ اور الحاوی للفتاوی از امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، انباء الاذکیاء بحیاۃ الانبیاء، صفحہ:۵۵۷، ۵۵۸

[4] سورۃ مریم:۱۷

[5] فتح الباری، جلد:۶، صفحہ:۴۸۸، تحت الحدیث:۳۴۴۱ / علامہ شبیر احمد عثمانی نے بھی فتح الملہم، جلد اول، صفحہ:۳۳۰ پر یہی عبارت نقل کی ہے

موکل فرشتے کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: إِنَّ اللهَ وَكَّلَ بِقَبْرِي مَلَكاً أَعْطَاهُ اللهُ أَسْمَاعَ الْخَلَائِقِ فَلَا يُصَلِّي عَلَيَّ أَحَدٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ إِلَّا أَبْلَغَنِي بِاسْمِهِ وَاسْمِ أَبِيْهِ هٰذَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ قَدْ صَلّٰى عَلَيْكَ بیشک اللہ تعالیٰ نے میری قبر انور پر ایک فرشتہ مقرر کر دیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے پوری مخلوق کی آوازیں سننے کی طاقت بخشی ہے۔ قیامت تک جو بھی مجھ پر درود شریف پڑھے گا وہ فرشتہ درود شریف پڑھنے والے اور اس کے باپ کا نام لے کر عرض کرتا ہے کہ فلاں نے جو فلاں کا بیٹا ہے آپ پر درود شریف پڑھا ہے۔[1]

جیسے ہی کوئی شخص درود وسلام کا نذرانہ پیش کرتا ہے تو فرشتہ فوراً نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فلاں جو کہ فلاں کا بیٹا ہے نے آپ پر درود وسلام کا نذرانہ پیش کیا ہے۔ میں اگر آپ کو کہوں کہ آپ کو فلاں نے سلام بھیجا ہے تو آپ پوچھو گے کہ کون فلاں؟ میں کہوں کہ آپ کو مہر دین نے سلام بھیجا ہے تو اگر آپ مہر دین کو جانتے پہچانتے ہو گے تو سلام کا جواب دو گے اور اگر نہیں جانتے ہو گے تو کہو گے کہ کون مہر دین؟ فرشتہ سلام کہنے والے کا اور اس کے باپ کا نام لے کر سلام عرض کرتا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[1] الترغیب والترھیب، کتاب الذکر والدعاء، الترغیب فی الاکثار من ذکر اللہ سرا و جھرا، جلد:۲، صفحہ:۳۲۶، رقم الحدیث:۲۵۷۴ / مجمع الزوائد، کتاب الادعیۃ، باب الصلوۃ علی النبی فی الدعاء وغیرہ، جلد:۱۰، صفحہ:۱۶۲، رقم الحدیث:۱۷۲۹۱ / التاریخ الکبیر للبخاری، رقم الترجمہ:۲۸۳۱، عمران بن حمیری، جلد:۶، صفحہ:۴۱۶ / فضائل درود شریف مولوی زکریا، صفحہ:۱۸ / امام جلال الدین سیوطی نے اس حدیث کو الحاوی للفتاوی جلد دوم، صفحہ:۱۴۷ پر امام بخاری کی تاریخ سے بھی نقل کیا ہے

جواب میں سلامتی کی دعا ارشاد فرماتے ہیں۔ اگر سرکار ﷺ دعا کرنے والے کو جانتے اور پہچانتے نہیں تو آپ بھی پوچھتے کہ کون فلاں؟ لیکن آپ ایسا نہیں پوچھتے۔ اس سے یہ مسئلہ سمجھ لو کہ نبی کریم ﷺ جانتے سب کو ہیں، مجھے بھی جانتے ہیں، آپ کو بھی جانتے ہیں، اپنے ہر ہر امتی کو جانتے ہیں۔ فرشتہ بارگاہ رسالت کے پروٹوکول کے لیے سلام عرض کرتا ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ سب کو جانتا ہے اور کوئی بات اللہ کے علم سے پوشیدہ نہیں ہے لیکن پھر بھی بارگاہ الوہیت کے پروٹوکول کے لیے میرے اور آپ کے اعمال پیر اور جمعرات کے دن اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں۔ [1]

روضہ انور پر مقرر فرشتہ بارگاہ نبوت کا چوکیدار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے کان میں اتنی طاقت عطا فرمائی کہ وہ میرا، آپ کا، ہم سب کا سلام سنتا ہے۔ میں جیسے ہی درود شریف پڑھتا ہوں تو یہ فرشتہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے کہ آقا! محمد سعید احمد اسعد جو کہ بیٹا ہے مفتی محمد امین صاحب کا اس نے آپ کی بارگاہ میں سلام کا نذرانہ پیش کیا ہے۔ جب نوکر کی یہ شان ہے تو خود مالک کی کیا شان ہوگی۔

یہ شان ہے خدمتگاروں کی سرکار کا عالم کیا ہوگا

غیر مقلدین کے امام نواب صدیق حسن بھوپالی لکھتے ہیں:

وَمِنْهَا قِيَامُ مَلَكٍ عَلٰى قَبْرِهٖ ﷺ اَعْطَاهُ اَسْمَاعَ الْخَلَائِقِ يُبَلِّغُهٗ

---

[1] سنن ابی داود، کتاب الصیام، باب فی صوم الاثنین والخمیس، صفحہ: ۴۹۳، ۴۹۴، رقم الحدیث: ۲۴۳۶

اِیَّاھَا کَمَا فِیْ حَدِیْثٍ وَثَّقَ ابْنُ حِبَّانَ رُوَاتَہٗ وَوَرَدَتْ اَحَادِیْثُ بِمَعْنَاہُ ثَابِتَۃٌ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ایک فرشتہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور پر مقرر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے پوری مخلوق کی آوازیں سننے کی طاقت بخشی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو درود شریف پہنچاتا ہے جیسا کہ اس حدیث میں وارد ہے جس کے سب راویوں کی توثیق ابن حبان نے کی ہے اور اس مضمون کی کئی اور حدیثیں بھی وارد ہیں جو اس معنی کو ثابت کرتی ہیں۔[1]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جونہی کوئی امتی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھتا ہے تو۔

۱: اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نطق کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لوٹا دیتا ہے۔

۲: یہ موکل فرشتہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں درود شریف پہنچانے کے لیے حاضر ہو جاتا ہے۔ یہ چیز اس بات کی واضح دلیل ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قبر انور میں زندہ ہیں۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زندہ نہ مانا جائے تو رد روح یعنی موکل فرشتہ کا حاضر ہونا یا نطق کا لوٹنا کیا معنی رکھتا ہے۔

اس حدیث کی شرح میں امام شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

---

[1] نزل الابرار، صفحہ:۱۸۶

اِنَّ الْمُرَادَ بِالسَّلَامِ قَوْلُهُمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَفِيْهِ دَلِيْلٌ عَلٰى اَنَّهٗ ﷺ حَیٌّ حَيَاةً مُسْتَمِرَّةً لِاَنَّ الْكَوْنَ لَا يَخْلُوْا مِنْ مُّسْلِمٍ يُسَلِّمُ عَلَيْهِ فِيْ كُلِّ لَحْظَةٍ وَقَدْ ثَبَتَ بِالْاَحَادِيْثِ الصَّحِيْحَةِ اَنَّهٗ ﷺ وَسَائِرَ الْاَنْبِيَاءِ اَحْيَاءٌ حَيَاةً حَقِيْقِيَّةً

(جب بھی کوئی مجھ پر سلام پڑھتا ہے) یہاں سلام سے مراد اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ کہنا ہے (یعنی جب بھی کوئی اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح کو لوٹا دیتا ہے تاکہ میں اس کے سلام کا جواب دوں) اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ نبی اکرم ﷺ زندہ ہیں اور آپ کی حیاۃ طیبہ میں انقطاع نہیں ہے اس لیے کہ ہر گھڑی، ہر آن، ہر لحظہ سلام پڑھنے والے سلام پڑھتے رہتے ہیں، کوئی لحظہ ایسا نہیں آتا جس میں کوئی شخص درود وسلام نہ پڑھ رہا ہو اور یہ بات صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ بیشک نبی اکرم ﷺ اور تمام انبیاء کرام حقیقتاً زندہ ہیں۔[1]

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ درود شریف لائل پور کی پیداوار نہیں ہے

امام شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ درود شریف نہ تو لائل پور کی پیداوار ہے اور نہ ہی انگریزی دور کی بلکہ اس درود شریف کا وظیفہ بزرگوں کا پرانا معمول ہے۔ ہم اس مسئلے پر تفصیلی بحث تو اپنے مقام پر کریں گے۔ سردست امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ جن کا وصال

---

[1] نسیم الریاض شرح شفا شریف، جلد سوم، صفحہ: ۴۹۹

۴۵۸ھ کو ہوا کی ایک عبارت پیش کرتے ہیں:

وَأَمَّا التَّسْلِيمُ فَهُوَ أَنْ يُقَالَ: اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ أَوْ سَلَامٌ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ أَوْ يَا رَسُوْلَ اللهِ۔

(سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا) کا معنی یہ ہے کہ یوں عرض کیا جائے: اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ اور السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ یا سَلَامٌ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ یا أَيُّهَا النَّبِيُّ کی جگہ يَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ رکھ کر کہا جائے۔[1]

امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

يُؤْخَذُ مِنْ هٰذِهِ الْأَحَادِيْثِ أَنَّهُ ﷺ حَيٌّ عَلَى الدَّوَامِ وَذٰلِكَ أَنَّهُ مُحَالٌ عَادَةً أَنْ يَّخْلُوَ الْوُجُوْدُ كُلُّهُ مِنْ وَاحِدٍ يُسَلِّمُ عَلَيْهِ فِي لَيْلٍ وَنَهَارٍ وَنَحْنُ نُؤْمِنُ وَنُصَدِّقُ بِأَنَّهُ ﷺ حَيٌّ يُرْزَقُ فِي قَبْرِهٖ

ان تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ ہمیشہ زندہ ہیں اس لیے کہ یہ بات عادتاً محال ہے کہ دن رات کی کسی بھی گھڑی میں کسی سلام پڑھنے والے کا وجود نہ ہو، ہمارا ایمان ہے اور ہم اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اپنی قبر انور میں زندہ ہیں اور آپ کو رزق بھی دیا جاتا ہے۔[2]

---

[1] شعب الایمان، باب فی تعظیم النبی ﷺ واجلالہ وتوقیرہ، فصل فی معنی الصلاۃ علی النبی ﷺ، جلد:۲، صفحہ:۲۲۰

[2] القول البدیع، فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع، فوائد نختم بھا، الباب الرابع، السادسۃ: رسول اللہ ﷺ حی علی الدوام، صفحہ:۱۶۷

عرض درود خود سماعت کرنے کے منافی نہیں ہے

سوال ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ہمارا درود وسلام فرشتے سرکار دو عالم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں پیش کرتے ہیں۔ سرکار دو عالم ﷺ خود سماعت نہیں فرماتے۔

جواب فرشتوں کا نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں درود وسلام پیش کرنا خود سماعت کے منافی نہیں ہے کیونکہ ایک طرف ارشاد ربانی ہے: **وَّ لَا تَعۡمَلُوۡنَ مِنۡ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيۡكُمۡ شُهُوۡدًا** تم لوگ جو بھی عمل کرتے ہو ہم اس پر حاضر ہوتے ہیں[1] لیکن اس کے باوجود ہمارے اعمال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیے جاتے ہیں۔ جس طرح اعمال کا پیش کیا جانا (ایک حدیث کے مطابق ہر پیر اور جمعرات کو بارگاہ خداوندی میں اعمال پیش ہوتے ہیں[2]) خداوند قدوس کے سمیع وعلیم ہونے کے منافی نہیں ہے اسی طرح ہمارے درود وسلام کا بارگاہ رسالت میں پیش ہونا خود سماعت مصطفوی کے منافی نہیں ہے۔ جس طرح زمین میں گردش کرنے والے فرشتوں کا بارگاہ اقدس میں امت کا درود وسلام پیش کرنا قبر انور پر مقرر فرشتے کے درود وسلام پیش کرنے کے منافی نہیں ہے۔ اسی طرح فرشتوں کا درود پیش کرنا خود سننے کے منافی نہیں ہے۔

غیر مقلدین کے امام نواب صدیق حسن خاں بھوپالی حدیث نقل کرتے ہیں:

اَخۡرَجَ الطَّبۡرَانِي فِي الۡكَبِيۡرِ بِاِسۡنَادٍ حَسَنٍ مِنۡ حَدِيۡثِ الۡحَسَنِ بۡنِ عَلِيِّ بۡنِ اَبِيۡ طَالِبٍ اَنَّ رَسُوۡلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ حَيۡثُمَا كُنۡتُمۡ فَصَلُّوۡا

---

[1] سورۃ یونس: ۶۱ [2] سنن ابی داود، کتاب الصیام، باب فی صوم الاثنین والخمیس، صفحہ: ۴۹۳، ۴۹۴، رقم الحدیث: ۲۴۳۶

عَلَیَّ فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ تَبْلُغُنِیْ وَاَخْرَجَ الطَّبْرَانِیْ فِی الْاَوْسَطِ بِاِسْنَادٍ لَا بَاْسَ بِهٖ مِنْ حَدِیْثِ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ بَلَغَتْنِیْ صَلٰوتُہٗ

حافظ طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت سیدنا امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی حدیث سند حسن کے ساتھ بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم جہاں کہیں بھی ہو مجھ پر درود شریف پڑھو کیونکہ تمہارا درود مجھ تک پہنچتا ہے۔ حافظ طبرانی نے معجم الاوسط میں حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے ایسی سند کے ساتھ حدیث بیان کی ہے جس میں کچھ اعتراض نہیں ہے کہ جو بھی مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے تو اس کا درود شریف مجھ تک پہنچ جاتا ہے۔[1]

اس حدیث میں گہری نظر سے غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ درود شریف سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم براہ راست سماعت فرماتے ہیں کیونکہ تَبْلُغُ اور بَلَغَتْ یہ دونوں صیغے لازم ہیں، متعدی نہیں ہیں۔ اگر فرشتوں کے ذریعے ہی درود شریف پہنچتا ہوتا تو یہاں صیغہ متعدی استعمال ہوتا۔ صیغہ لازم استعمال نہ ہوتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خود بنفس نفیس درود شریف سنتے ہیں

آیئے اب ہم حدیث پاک سے تصریح پیش کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بنفس نفیس بغیر فرشتوں کے واسطہ سے درود شریف سماعت فرماتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَیْسَ مِنْ عَبْدٍ یُصَلِّیْ عَلَیَّ اِلَّا بَلَغَنِیْ صَوْتُہٗ حَیْثُ کَانَ

---

[1] نزل الابرار، صفحہ: ۱۶۳

جب بھی کوئی بندہ مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے تو مجھ تک اس کی آواز پہنچ جاتی ہے خواہ وہ کہیں بھی کیوں نہ ہو۔ ۱؎

فقہ حنفی کی معروف کتاب مراقی الفلاح میں ہے:

يَنْبَغِي لِمَنْ قَصَدَ زِيَارَةَ النَّبِيِّ ﷺ أَنْ يُكْثِرَ مِنَ الصَّلَاةِ عَلَيْهِ فَإِنَّهُ يَسْمَعُهَا أَوْ تَبْلُغُ إِلَيْهِ

جو آدمی نبی مکرم ﷺ کی زیارت کا ارادہ رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ وہ درود و سلام کی کثرت کرے اس لیے کہ نبی مکرم ﷺ اس کو سنتے ہیں یا یہ درود شریف آپ تک پہنچتا ہے ۲؎

حدیث قدسی میں ہے:

وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى أُحِبَّهُ. فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ

میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں پھر میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور میں اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے۔ ۳؎

۱؎ جلاء الافہام لابن قیم، فی فضل الصلاۃ علی محمد خیر الانام، الفصل الاول، واما حدیث ابی الدرداء، صفحہ: ۶۵ / الجواہر المنظم لابن حجر المکی، صفحہ: ۲۱ / حجۃ اللہ علی العلمین، صفحہ: ۷۱۳ / الدر المنضود فی الصلاۃ والسلام علی صاحب المقام المحمود، صفحہ: ۱۵۶ / سلوۃ الکئیب بوفاۃ الحبیب ﷺ لابن ناصر الدمشقی، سماع النبی ﷺ لمن یسلم علیہ، صفحہ: ۱۸۷

۲؎ مراقی الفلاح مع الطحطاوی، فصل فی زیارۃ النبی ﷺ علی سبیل الاختصار تبعا لما قال فی الاختیار، صفحہ: ۶۱۲

۳؎ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع، صفحہ: ۱۶۱۷، رقم الحدیث: ۶۵۰۲

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خدا کا پیارا خدا تعالیٰ کی قوت سے سنتا اور دیکھتا ہے اور قدرت خداوندی دور و نزدیک کا فرق نہیں رکھتی۔ خدا کا پیارا دور و نزدیک کی بات سنتا ہے جب خدا کے ایک عام بندہ کی یہ شان ہے تو سید المحبوبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کیا ہوگی۔

اس حدیث کی شرح میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فَإِذَا صَارَ نُورُ جَلَالِ اللهِ سَمْعًا لَهُ سَمِعَ الْقَرِيبَ وَالْبَعِيدَ وَإِذَا صَارَ ذٰلِكَ النُّورُ بَصَرًا لَهُ رَأَى الْقَرِيبَ وَالْبَعِيدَ وَإِذَا صَارَ ذٰلِكَ النُّورُ يَدًا لَهُ قَدَرَ عَلَى التَّصَرُّفِ فِي الصَّعْبِ وَالسَّهْلِ وَالْبَعِيدِ وَالْقَرِيبِ

جب اللہ کے جلال کا نور بندے کے کان بن جاتا ہے تو بندہ قریب اور بعید کی بات سن لیتا ہے اور جب یہی نور بندے کی آنکھ بن جاتا ہے تو بندہ قریب اور بعید کو دیکھتا ہے اور جب یہ نور بندے کے ہاتھ بن جاتا ہے تو بندہ مشکل اور آسان، بعید اور قریب کی چیزوں میں تصرف کرنے پر قادر ہو جاتا ہے۔[1]

حضرت سلیمان علیہ السلام بھی اللہ کے پیارے نبی تھے۔ اللہ کے جلال کا نور ان کے کان بن چکا تھا۔ ان کی قوت کا عالم قرآن بیان کرتا ہے:

حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا

---

[1] تفسیر کبیر، جلد: ۲۱، صفحہ: ۹۱ مطبوعہ ایران

یہاں تک کہ جب چیونٹیوں کے میدان پر آئے تو ایک چیونٹی نے کہا چیونٹیو! اپنے گھروں میں گھس جاؤ کہیں تم کو سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر بے خبری میں پیس نہ ڈالے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام چیونٹی کی یہ بات سن کر مسکرا کر ہنس دیئے۔[1]

قرآن حکیم سے معلوم ہوا کہ چیونٹیوں کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی بات کو سن لیا تھا حالانکہ ہم عام لوگ چیونٹی کو اپنے کان کے قریب رکھ کر بھی ان کی بات نہیں سن سکتے لیکن چونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے کانوں میں اللہ کے جلال کا نور موجود تھا اس لیے انہوں نے دور سے چیونٹی کی بات سن لی۔ اگر سلیمان علیہ السلام دور سے چیونٹی کی بات سن سکتے ہیں تو اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو کہ ساری مخلوق کے سردار ہیں جنہوں نے انعامات الٰہی میں سے سب سے زیادہ حصہ حاصل کیا ہے وہ بھی پوری امت کا درود وسلام اپنے مقدس کانوں سے سن سکتے ہیں۔

سوال حضرت سلیمان علیہ السلام کے کانوں میں اللہ کے جلال کا نور ان کی ظاہری حیات طیبہ میں تھا لیکن نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تو وصال ہو چکا ہے اب ان کے کانوں میں اللہ کے جلال کا نور کیسے موجود ہو سکتا ہے؟

جواب اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کوئی نعمت دے کر چھینی نہیں ہے بلکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[1] سورۃ نمل: ۱۸، ۱۹

وَ لَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ؕ﴿۴﴾ [1]

اور البتہ پچھلی بہتر ہے تجھ کو پہلی سے۔ [2]

معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہر آنے والی گھڑی پہلی گھڑی سے بہتر ہے اور بہتر اسی صورت میں ہو سکتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے انعامات میں ہر گھڑی اضافہ ہوتا رہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ظاہری حیات طیبہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوت وسماعت میں جلال الٰہی کا نور موجود تھا لیکن وصال مقدس کے بعد جسم مبارک تو محفوظ اور کان مبارک بھی محفوظ لیکن ان کانوں سے جلال الٰہی کا نور چھن چکا ہے تو یہ آیت کریمہ وَ لَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى کبھی صادق نہیں آسکتی۔

توبہ کرنے سے کچھ گھٹتا نہیں ہے

ہم نے اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس آیت کی بقیہ تفسیر بیان ہونے سے پہلے دو باتیں سمجھ لیجیے۔ دونوں باتوں میں سے پہلی بات بیان کرتے ہوئے ضمناً مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان ہوا۔ اب دوسری بات ملاحظہ کریں۔

دوسری بات یہ کہ موت سب کو آنی ہے۔ کوئی پتہ نہیں کہ کب آجائے۔ مجھے یقین نہیں کہ میں آج کا سبق مکمل کر سکوں گا یا نہیں۔ عقلمند وہی ہے جو مرنے سے پہلے مرنے کی تیاری کرے۔ ہم انسان ہیں غلطیاں اور گناہ ہو جاتے ہیں، اس کا واحد حل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کی جائے۔ اگر بندے کا حق مارا ہے تو پھر اللہ کی بارگاہ میں توبہ

---

[1] سورۃ الضحیٰ: ۴ [2] ترجمہ، شاہ عبدالقادر

کے ساتھ ساتھ اس بندے سے بھی معافی مانگنی ہوگی۔توبہ کرنے سے بندے کا کچھ بھی گھٹتا نہیں ہے۔ مجھے جب بھی احساس ہوا کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے تو میں نے جمعہ کے خطبے میں توبہ کرلی،معذرت کرلی۔

اس کی تین مثالیں دیتا ہوں۔

ایک یہ کہ ۱۹۷۷ میں پاکستان کے پرائم منسٹر ذوالفقار علی بھٹو تھے۔ہم نے ان کے خلاف تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ چلائی۔لوگوں نے جانیں قربان کیں سب کچھ کیا۔ میں خود جیل میں رہا۔ پولیس والوں نے مارا اور سخت الفاظ بھی کہے۔ وقت گزرتا گیا بھٹو کو پھانسی ہوگئی۔ بعد میں پتہ چلا کہ یہ تحریک امریکہ نے چلوائی تھی کیونکہ بھٹو نے ایٹم بم بنانے کی بنیاد رکھ دی تھی اور امریکہ اس کو نشان عبرت بنانا چاہتا تھا پھر بھٹو نے ہی قادیانیوں کو کافر قرار دلوایا تھا۔ اگر وہ تعاون نہ کرتا تو کبھی اسمبلی قادیانیوں کو کافر قرار نہ دیتی۔ یہ تو حضرت مولانا شاہ احمد نورانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء کی حکمت عملی تھی کہ سب کو ساتھ لے کر چلے۔ قادیانی بھی بھٹو کے خلاف تھے اور اس تحریک کے پیچھے تھے حالانکہ جو مولوی صاحبان یہ تحریک چلا رہے تھے وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اس تحریک کے پیچھے قادیانی بھی ہو سکتے ہیں تو جب مجھے احساس ہوا تو میں نے جمعہ کے خطبے میں سب لوگوں کو گواہ بنا کر کہا کہ مجھ سے غلطی ہوئی جو اس تحریک کا حصہ بنا جس کے پیچھے امریکہ کے ڈالر چل رہے تھے۔ میں اللہ سے اور آپ سے معافی چاہتا ہوں۔

دوسری مثال یہ کہ کچھ عرصہ پہلے مسئلہ نبوت چلا۔ الحمدللہ! میں نے کسی موقع پر بھی ضد نہیں کی۔ جو مجھے سمجھ آتا تھا میں نے وہی کیا۔ بڑے علماء تو بات ہی نہیں سنتے تھے جس کا مجھے افسوس رہے گا کہ کاش وہ بات سنتے، سناتے اور سمجھاتے پھر اللہ تعالیٰ نے کرم کر دیا۔ میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رویا۔ مزار شریف پر بھی حاضر ہوا اور دعا کی کہ رب العالمین! کوئی طریقہ سمجھا کہ میں اس پریشانی سے نکل سکوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے طریقہ سمجھا دیا اور ہم نے لکھ کر دے دینے میں کوئی عار محسوس نہیں کی اور پھر بھی میرا اعلان ہے کہ اب بھی اگر کوئی کسر باقی رہ گئی ہے تو میرے استاد حسین الدین شاہ صاحب (اللہ تعالیٰ ان کا سایہ سلامت رکھے) اور کراچی میں تنظیم المدارس اہلسنت کے صدر مفتی منیب الرحمن صاحب مجھے فرمائیں کہ تیری یہ غلطی ہے تو میں بحث نہیں کروں گا، چپ کر کے دستخط کر دوں گا۔ وہ توبہ کا کہیں گے توبہ بھی کروں گا۔ توبہ کرنے سے بندے کا کچھ گھٹتا نہیں ہے۔

تیسری مثال یہ کہ میں نے مسئلہ اعانت و استعانت میں گولڑہ شریف کے پیر نصیر الدین نصیر صاحب کے خلاف تقریر کی۔ میں نے علمی اختلاف بیان کیا۔ ظاہر ہے کہ گولڑوی حضرات ناراض ہوئے۔ سلسلہ چلتا رہا مجھے کبھی یہ احساس بھی نہیں ہوا کہ میں نے کچھ غلط کیا ہے۔ میں یہی سمجھتا رہا کہ میں نے علمی اختلاف کیا ہے۔ پھر دو اڑھائی سال پہلے اچانک صاحبزادہ نظام الدین جامی صاحب کا ٹیلی فون آ گیا۔ میں بڑا خوش ہوا میں نے کہا: جناب! میں مٹھائی تقسیم کروں یا کیا کروں کہ آپ نے مجھے یاد کیا۔ فون پر باتیں

ہوتی رہیں۔ پھر غالباً پچھلے سال گیارہ محرم کو وہ خود تشریف لائے۔ ہمارا اور ان کا کوئی مقابلہ ہی نہیں، ہم تو کمزور لوگ ہیں لیکن بعض لوگوں میں ظرف بڑا ہوتا ہے۔ وہ آئے، ملے اور بیٹھے اور کہنے لگے مجھے علم ہے کہ آپ نے میرے والد کے خلاف تقریر کی ہے لیکن میرے والد کو نبوت کے درجے پر فائز نہ کرو۔ علمی اختلاف ہو سکتا ہے۔ پھر مجھے انہوں نے گولڑہ شریف میں ختم نبوت کانفرنس پر آنے کی دعوت بھی دی۔ اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ پھر کانفرنس سے چند دن پہلے ان کے کچھ ساتھی دعوت نامہ لے کر آئے تو میں نے ان سے کہا وہ بات پرانی ہوگئی ہے، میں اس وقت تک نہیں آؤں گا جب تک پیر صاحب کا ٹیلی فون نہ آئے پھر دوسرے دن ہی جامی صاحب کا ٹیلی فون آ گیا حالانکہ میں نے ان کے والد کے خلاف تقریر کی تھی اور وہ کسی بھی معاملے میں میرے محتاج بھی نہیں ہیں لیکن پھر بھی ان کا بڑا پن ہے کہ وہ تشریف لائے اور مجھے آستانہ عالیہ گولڑہ شریف تقریر کے لیے بلایا اور میں نے جو وقت عرض کیا وہی وقت عطا کیا۔ بعد میں بھی ان کا ٹیلی فون آیا کہ آپ کا بڑا شکریہ کہ آپ میری دعوت پر گولڑہ شریف آئے۔

کچھ دن پہلے کسی ساتھی نے فیس بک پر میری اسی تقریر کا کلپ لگایا، جوں ہی میں نے سنا تو میں نے کہا: اوہ! یہ کیا ہوگیا۔ میں اکثر علمی اختلاف کرتا ہوں، اپنوں سے بھی کرتا ہوں اور بیگانوں سے بھی کرتا ہوں لیکن علمی اختلاف کرتے وقت میرا لہجہ سخت نہیں ہوتا۔ مناظرہ یا کسی تقریر میں جوش کی وجہ سے تیز لہجہ ہوتا ہے لیکن مجھے بہت بڑا شاک ہوا کہ میرا لہجہ درست نہیں تھا۔ سامنے قرآن شریف پڑا ہے پتہ نہیں کب موت کا فرشتہ آ جائے۔

میں آپ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ مجھ سے غلطی ہوئی۔ مجھے ایسے لہجے میں بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔ یہ حق عبد ہے لیکن ان سے کس طرح معذرت کروں کہ وہ تو قبر کے اندر ہیں۔ مجھے اس وقت خیال ہی نہیں آیا کہ میں کس لہجے میں بات کر رہا ہوں حالانکہ پیر نصیر الدین نصیر شاہ صاحب کو تین بڑی نسبتیں حاصل ہیں۔ ایک یہ کہ وہ سید عالم ﷺ جن کا کلمہ پڑھ کر میں اور آپ مسلمان ہیں ان کی اولاد میں سے ہیں اور دوسرا یہ کہ وہ سرکار غوث اعظم، محبوب سبحانی، قطب ربانی حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے ہیں اور تیسرا یہ کہ وہ حضرت اعلی گولڑوی حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پڑپوتے ہیں۔ میں پورا حق عبد تو ادا نہیں کر سکتا لیکن آپ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ مجھے اس لب و لہجے پر افسوس ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے اور جن گولڑوی حضرات کا دل دکھا وہ بھی مجھے معاف کر دیں۔

جناب یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد کس کی عبادت کرو گے وہ کہنے لگے آپ کے معبود اور آپ کے آباء ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق علیہم السلام کے معبود کی عبادت کریں گے۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ ہم شرک نہیں کریں گے بلکہ اللہ کا جو بھی حکم نبیوں کے واسطے سے ہم تک پہنچے گا اس پر عمل کریں گے۔

آذر، جناب ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں تھا

قرآن سمجھنے کے لیے ایک تو صاحب قرآن ﷺ اور جس چیز کی نسبت صاحب

قرآن ﷺ سے ہوجائے کی محبت دل میں ہونی چاہیے اور دوسرا قرآن کا گہری نظر سے مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ یہاں اٰبَآ لفظ بیان ہوا۔ اٰبَآ ''اب'' کی جمع ہے۔ اس کا اطلاق والد، تایا اور دادا پر ہورہا ہے کیونکہ اسحاق علیہ السلام والد، اسماعیل علیہ السلام تایا اور ابراہیم علیہ السلام دادا ہیں۔ پتہ چلا کہ ضروری نہیں کہ ''اب'' لفظ کا اطلاق والد پر ہی ہو، تایا اور دادا پر بھی ہوسکتا ہے۔ یہ تمہید اس لیے بیان کی کیونکہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آذر، جناب ابراہیم علیہ السلام کا والد ہے اور وہ قرآن شریف سے آیت: وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اور یاد کرو اس وقت کو جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اب آذر کو فرمایا[1] پیش کرتے ہیں حالانکہ اگر آذر کو جناب ابراہیم علیہ السلام کا والد مان لیا جائے تو نبی کریم ﷺ کے نسب میں ایک مشرک کے شامل ہوجانے کی وجہ سے نسب طاہر نہیں رہے گا اسی لیے جو محبت والے ہیں اور جن کو اللہ نے قرآن کی سمجھ دی ہے وہ کہتے ہیں قرآن کو غور سے پڑھو۔ جہاں آذر کا لفظ آیا وہاں اللہ تعالیٰ نے ''اب'' کا ذکر کیا لفظ والد کا ذکر نہیں کیا۔ ''اب'' چچا کو بھی کہتے ہیں۔ یہاں ''اب'' سے مراد چچا ہے کیونکہ جہاں جناب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والدین کی بخشش کی دعا کی وہاں لفظ ''اب'' نہیں بلکہ لفظ والد ذکر ہوا ہے:

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾
رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾

---

[1] سورۃ انعام: ۷۴

اے میرے رب! مجھے نماز کا قائم کرنے والا رکھ اور کچھ میری اولاد کو اے ہمارے رب! اور میری دعا سن لے۔ اے ہمارے رب! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور سب مسلمانوں کو جس دن حساب قائم ہوگا۔ ؎۱

یہاں لفظ ''اب'' نہیں بولا جارہا بلکہ وَلِوَالِدَیَّ کا لفظ بیان ہورہا ہے۔ والدین کی بخشش کی دعا اس لیے کی جارہی ہے تاکہ سمجھ والوں کو سمجھ لگ جائے کہ یہ آذر ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں بلکہ آپ کا چچا ہے۔

آیت نمبر: ۱۳۴

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾

یہ ایک امت ہے جو گزر گئی۔ اس امت کو وہ ملے گا جو انہوں نے کمایا اور تمہیں وہ ملے گا جو تم نے محنت کی اور جو وہ کرتے تھے اس کے بارے میں تم سے نہیں پوچھا جائے گا

یہودیو! تمہارے باپ دادا ایک امت تھے جو کہ گزر گئے۔ تم سوچو کہ تم کیا ہو؟ تم اپنے باپ دادا پر مان کرتے ہو۔ جب تک بندہ باپ دادا کے مذہب پر نہ ہوتو نرا بیٹا ہونے سے کیا ملتا ہے۔ ہماری بارگاہ میں نسب تب دیکھا جاتا ہے جبکہ بیٹا نیک باپ کے طریقے پر ہو۔ جناب نوح علیہ السلام کے بیٹے کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ پیارے نوح! تیرا بیٹا ہی کیوں نہ ہو یہ تیرے اہل میں سے نہیں ہے۔ ؎۲

؎۱ سورۃ ابراھیم: ۴۰، ۴۱ ؎۲ سورۃ ھود: ۴۶

یہودیو! تم کیا چیز ہو؟ وہ امت گزر نی تھی گزر گئی۔ اس امت کو وہ ملے گا جو انہوں نے محنت کی جبکہ تمہیں وہ ملے گا جو تم نے محنت کی۔ بغیر ایمان لائے ان کی اولاد ہونا فائدہ مند نہیں اس لیے ہمارے محبوب ﷺ پر ایمان لاؤ۔ تمہارے باپ دادا کے اعمال کی باز پرس تم سے نہیں ہوگی۔ انہوں نے جو کیا ان سے ہمارا الگ معاملہ ہے۔ تم سے تمہارے کرتوتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

مسئلہ ایصال ثواب

سوال پاکستان اور انڈیا میں آئے روز فتنے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ کچھ لوگ اس آیت کو دلیل بنا کر کہہ دیتے ہیں کہ انسان کو صرف اپنی محنت فائدہ دیتی ہے۔ کسی دوسرے کی محنت فائدہ نہیں دے سکتی۔ ختم شریف اور ایصال ثواب کہاں سے آ گیا؟ جب قرآن کہہ رہا ہے کہ ان کے لیے وہ ہے جو انہوں نے کمایا تو قرآن کی رو سے کسی مردے کو تمہاری محنت کا ثواب نہیں مل سکتا۔ مثال کے طور پر کسی نے دیگ پکائی اور اللہ کی رضا کے لیے غریبوں میں تقسیم کر دی۔ یہ دیگ پکوانے والے کی محنت اور کمائی ہے۔ اس کا ثواب اسی کو ہونا چاہیے لیکن یہ کہنا کہ یا اللہ! اس کا ثواب فلاں آدمی یا فلاں حضرت صاحب کو بھیج یہ درست نہیں کیونکہ اس فوت شدہ بندے کی تو محنت ہی نہیں۔

ہمارے مخالفین چند آیات مزید پڑھتے ہیں۔ ملاحظہ کیجیے۔

۱: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَنَآ اَعۡمَالُنَا وَلَكُمۡ اَعۡمَالُكُمۡاور ہمارے لیے ہمارے عمل ہیں اور تمہارے لیے تمہارے عمل [1]۔ یعنی جو عمل ہم نے کیے اس کا اجر ہمیں ملے گا اور جو عمل تم کرو گے اس کا اجر تمہیں ملے گا۔ نیکیاں منتقل نہیں ہوتیں۔ کسی کو پہنچتی نہیں ہیں۔ تمہارا ایصال ثواب کی تقاریب کرنا بے فائدہ ہے۔ میت کو اس سے نفع نہیں ہوتا۔

۲: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ نَصِيۡبٌ مِّمَّا كَسَبُوۡا انہی کو حصہ ملے گا جو انہوں نے کمایا [2]۔ یعنی ہر بندے کو اپنی کمائی ملنی ہے۔ کسی اور کی کمائی نہیں ملنی۔

۳: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّمَا تُجۡزَوۡنَ مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ بیشک تمہیں بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے ہو [3]۔ جو تم کرتے رہے ہو تمہیں اس کا اجر ملے گا۔ کسی اور کی کمائی نہیں ملے گی۔

۴: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاَنۡ لَّيۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾ اور یہ کہ آدمی نہیں پائے گا مگر اپنی کوشش [4]۔ سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۱۳۴ جس کی تفسیر بیان ہو رہی ہے اس کو شامل کر کے یہ کل پانچ آیات ہیں جو کہ ہمارے مخالفین پیش کرتے ہیں۔ یہ ان کے استدلال کا خلاصہ اور ساری پونجی ہے۔

---

[1] سورۃ البقرہ:۱۳۹ [2] سورۃ البقرہ:۲۰۲ [3] سورۃ الطور:۱۶ [4] سورۃ النجم:۳۹

جواب چیزیں دو ہیں: ایک اللہ کا عدل اور دوسرا اللہ کا فضل۔ اللہ کا عدل یہی ہے کہ میں نے جتنی محنت کی مجھے اس کا اجر ملے، تم نے جتنی محنت کی تمہیں اس کا اجر ملے اور زید نے جتنی محنت کی زید کو اتنا اجر ملے جبکہ اللہ کا فضل یہ ہے کہ محنت تھوڑی کی لیکن اجر زیادہ مل گیا یا محنت کی ہی نہیں، اللہ نے اپنے فضل سے عطا کر دیا۔ مسئلہ ایصال ثواب کا تعلق اللہ کے عدل سے نہیں بلکہ میرے اللہ کے فضل سے ہے۔ اللہ کے فضل کے بارے میں قرآن شریف میں بکثرت آیات موجود ہیں۔

۱: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِهَا

جو آدمی ایک نیکی لائے گا اس کے لیے اس کی مثل دس نیکیاں ہیں۔[۱]

اگر اللہ کا عدل دیکھیں تو ایک کے بدلے ایک ملنا چاہیے لیکن اللہ فرما رہا ہے کہ میں ایک کے بدلے دس دوں گا۔ یہ اللہ کا فضل ہے۔ مسئلہ ایصال ثواب کا تعلق اللہ کے عدل سے نہیں بلکہ اللہ کے فضل سے ہے۔

۲: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

مَثَلُ الَّذِيۡنَ يُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنۡۢبَتَتۡ سَبۡعَ سَنَابِلَ فِىۡ كُلِّ سُنۡۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ‌ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنۡ يَّشَآءُ ‌ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۲۶۱﴾

---

[۱] سورۃ الانعام: ۱۶۰

ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال اللہ کی بارگاہ میں خرچ کرتے ہیں اس دانے کی طرح ہے جس نے سات سٹے اگائے اور ہر سٹے میں سو دانے ہیں اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے گنے کر دیتا ہے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔[1]

سوال اس آیت میں فرمایا کہ ایک دانہ سات سٹے اگاتا ہے۔ اگانے کی نسبت دانے کی طرف ہو رہی ہے حالانکہ اگانے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔

جواب پہلے بھی حقیقت اور مجاز کی بحث گزری۔ میں نے بتایا تھا کہ جب **فعل** کی نسبت اصل فاعل کی طرف ہو تو حقیقت ہے اور جب کسی سبب کی طرف ہو تو مجاز ہے۔ اصل میں اگانے والا اللہ ہے لیکن چونکہ اگنے کا سبب دانہ بن رہا ہے اس لیے اگانے کی نسبت دانے کی طرف کر دی گئی۔ جب ہم نبی کریم ﷺ سے عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہم پر کرم کیجیے تو یہ حقیقت نہیں ہوتی بلکہ یہ مجاز ہوتا ہے کیونکہ اصل میں کرم کرنے والی ذات اللہ کی ہے۔ نبی کریم ﷺ اس کرم کا ایک واسطہ اور سبب ہیں۔ لوگ اس فرق کو سمجھتے نہیں اور شرک کا فتوی لگانے کے لیے چڑھ دوڑتے ہیں۔

اللہ کا عدل یہ ہے کہ تم نے ایک دانہ بویا تو تمہیں ایک ہی دانہ ملے لیکن اللہ تعالیٰ ایک کے بدلے سات سو دے رہا ہے۔ سات سٹے اور ہر سٹے میں سو دانے اور صرف سات سو ہی نہیں بلکہ سات سو، چودہ سو، اکیس سو، اٹھائیس سو، پینتیس سو، بیالیس سو،

---

[1] سورۃ البقرہ:۲۶۱

انچاس سو اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے اس کے لیے گنے کر دیتا ہے۔ حق یہ تھا کہ اگر ایک روپیہ اللہ کی بارگاہ میں دیا ہے تو ایک روپیہ ہی ملتا لیکن اللہ فرماتا ہے ہم تمہیں ایک روپے کا سود انہیں دیں گے بلکہ ایک روپے کے بدلے سات سو روپے کا سود دیں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے۔ مسئلہ ایصال ثواب کا تعلق اللہ کے عدل سے نہیں بلکہ اللہ کے فضل سے ہے۔

۳: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ

اور جو ایک گناہ کرے گا اسے اس کی مثل بدلہ دیا جائے گا اور ظلم نہیں کیا جائے گا۔[1]

اللہ کا عدل یہ ہے کہ ایک گناہ پر ایک گناہ کی ہی سزا ملے۔ یہ نہیں کہ ایک گناہ کیا اور اس پر دو گناہوں جتنی سزا مل جائے۔ ایک اور جگہ اللہ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ

اور جو بندہ ذرہ بھر بھی گناہ کرے گا تو قیامت میں اس کو دیکھے گا۔[2]

یعنی قیامت کے دن اس کو سزا ملے گی۔ یہ اللہ کا عدل ہے۔ اب اللہ کا فضل ملاحظہ کرو۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ

بیشک نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔[3]

---

[1] سورۃ انعام: ۱۶۰ [2] سورۃ الزلزال: ۸ [3] سورۃ ہود: ۱۱۴

پہلے گناہ کرلیا اب بعد والی نیکی پہلے گناہ کو مٹا دیتی ہے۔ اللہ کا عدل یہ ہے کہ ذرہ بھر بھی گناہ کیا تو قیامت کے دن دیکھ لوگے، اس کی سزا ملے گی جبکہ اللہ کا فضل یہ ہے کہ بعد والی نیکی پہلے گناہ کو مٹا دیتی ہے۔ ہم اللہ کے فضل کے ہی طلبگار ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَنْ يُدْخِلَ أَحَدًا عَمَلُهُ الْجَنَّةَ. قَالُوا: وَلَا أَنْتَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: لَا وَلَا أَنَا، إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِي اللهُ بِفَضْلٍ وَرَحْمَةٍ۔

کسی شخص کا عمل اسے جنت میں داخل نہیں کر سکے گا۔ صحابہ کرام نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کا بھی نہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں، میرا بھی نہیں سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے فضل اور رحمت سے نواز دے۔[1]

اللہ نے فضل فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وجود بخشا، ختم نبوت کا تاج پہنایا، رحمۃ للعالمین بنایا، اللہ نے فضل فرمایا کہ ارشاد فرمایا:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۟ۙ﴿۱﴾

بڑی برکت والا ہے وہ کہ جس نے اُتارا قرآن اپنے بندہ پر جو سارے جہان کو ڈر سُنانے والا ہو۔[2]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب المرضی، باب تمنی المریض الموت، صفحہ:۱۴۳۹، رقم الحدیث:۵۶۷۳

[2] سورۃ الفرقان:۱

اور مقام محمود پر فائز کرنے کا وعدہ فرمایا تو نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں میں بھی اللہ کے فضل سے جنت میں جاؤں گا۔ ہمیں بھی اپنے عملوں پر مان نہیں کرنا چاہیے بلکہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔

۴: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ

مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لے آیا اور اچھے عمل کیے تو اللہ ان کے گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دے گا۔ [1]

اس سے پہلے گناہ گاروں اور ان کے عذاب کا ذکر ہو رہا تھا اب اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ جو بندہ توبہ کر لے، ایمان لائے اور نیک کام کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دے گا۔ مثال کے طور پر پندرہ کروڑ گناہ کیے پھر سچے دل سے اللہ کی بارگاہ میں جھک گیا اور نبی کریم ﷺ کی غلامی اختیار کر لی تو اللہ تعالیٰ ان پندرہ کروڑ گناہوں کو پندرہ کروڑ نیکیوں میں تبدیل کر دے گا۔ یہ اللہ کا فضل ہے۔ مسئلہ ایصال ثواب کا تعلق اللہ کے عدل سے نہیں بلکہ اللہ کے فضل سے ہے۔

کیا کسی دوسرے کی نیکی کا فیض پہنچ سکتا ہے؟

سوال آپ نے جتنی آیتیں پڑھیں ان کا مفاد یہ ہے کہ جب بندہ خود نیکی کرتا ہے تو تب اس پر اللہ کا فضل ہوتا ہے۔ گناہ اس نے خود کیے تھے، نیکیوں میں بدل گئے، توبہ اور نیک

[1] سورۃ فرقان: ۷۰

عمل بھی وہ خود کرتا ہے تو بندہ خود جو کرے اس کا فائدہ ملتا ہے لیکن ایصال ثواب میں ایسا نہیں ہوتا۔ ایصال ثواب میں مرنے والا تو قبر میں ہے جبکہ محنت تم کرتے ہو۔ان کی محنت ان کے کام نہیں آ رہی۔ ان کی محنت جو کام آنی تھی وہ آ گئی۔ اب یہ جو محنت ہے قرآن پڑھنے والی، صدقہ خیرات کرنے والی یہ تو تمہاری محنت ہے۔تمہاری محنت کا فائدہ انہیں کیسے ملے گا؟

جواب قرآن کریم کی چند آیات ملاحظہ کیجیے۔

ا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ

وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی اتباع کی ہم ان نیکوں سے ان کی اولاد کو ملا دیں گے اور جو ایماندار ماں باپ ہیں ان کے عملوں (درجے) میں ہم بالکل کمی نہیں کریں گے۔[1]

یہاں ایماندار ماں باپ کی ایماندار اولاد کی بات ہو رہی ہے۔ بے ایمان اولاد کی بات نہیں ہو رہی۔ جنت کے سو درجے ہیں۔ ماں باپ اونچے درجے میں ہیں جبکہ اولاد نچلے درجے میں ہے۔ جب آپ باپ بنو گے تب پتہ چلے گا یا ان سے پوچھ لو جو باپ ہیں کہ ماں باپ کی جتنی بھی عمر ہو جائے، مجبوریاں انہیں اولاد سے دور کر دیں کہ مکان چھوٹا

---

[1] سورۃ طور:۲۱

ہے، بچے بڑے ہو گئے ہیں، اولاد الگ مکان لے کر رہنے لگے پھر بھی ماں باپ کا دل یہی چاہتا ہے کہ بیٹے ہمارے پاس ہی رہیں تو یہ جو خواہش انسانی ہے یہ جنت میں بھی ختم نہیں ہو گی۔ جنت کے اندر بھی جنتیوں کے دل میں ہو گا کہ ہماری اولاد ہم سے دور ہے۔ ہم اونچے درجے میں ہیں جبکہ ہماری اولاد نچلے درجے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس خواہش کو پورا فرما دے گا۔ اللہ تعالیٰ نیک اولاد کو نیک ماں باپ کے ساتھ ملا دے گا۔ ملانے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اوپر کے درجے والوں کو اوپر سے اتار کر نچلے درجے میں بھیج دیا جائے جبکہ دوسری صورت یہ ہے کہ نچلے درجے والوں کو نیچے سے اوپر والے درجے میں بھیج دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نیک اولاد کو ان کے نیک ماں باپ کے ساتھ اس طرح ملائے گا کہ ان نیک ماں باپ کے درجے میں بالکل بھی کمی نہیں ہو گی بلکہ اولاد کو نچلے درجے سے نکال کر ماں باپ والے درجے میں بھیج دیا جائے گا۔

قرآن سے پتہ چلا کہ اولاد کی اپنی نیکی کی وجہ سے انہیں اوپر کے درجے میں نہیں بھیجا جائے گا۔ اولاد کی نیکی یہ تھی کہ وہ ایمان لائے، نیک عمل کرتے رہے اور جنت میں پہنچ گئے۔ اب ان پر اللہ کا فضل ہو رہا ہے کہ ماں باپ کے صدقے انہیں ترقی دے کر اوپر کے درجے میں بھیجا جا رہا ہے۔ یہ نہیں کہنا چاہیے کہ صرف اپنی نیکی ہی کام آتی ہے اور اپنی نیکی کی بدولت ہی فضل الٰہی شامل حال ہوتا ہے۔ ماں باپ نیک ہوں تو ان کی وجہ سے بھی اولاد پر اللہ کا فضل ہوتا ہے۔

۲: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا

وہ دیوار شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس دیوار کے نیچے دونوں کا خزانہ دبا ہوا تھا اور ان دونوں کا باپ نیک آدمی تھا۔ [1]

جناب سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ بیان ہو رہا ہے۔ اس پر پہلے بھی کچھ گفتگو گزری ہے۔ جناب خضر علیہ السلام اپنے تینوں عملوں کی توجیہ بیان کر رہے ہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے ایک گرتی دیوار کو ہاتھ کے اشارے سے سیدھا کر دیا۔ وہ دو یتیم بچوں کی دیوار تھی اور اس دیوار کے نیچے دونوں یتیم بچوں کا خزانہ دفن تھا۔ ان کا باپ نیک آدمی تھا۔ باپ کی نیکی کی وجہ سے ان دونوں کو اللہ کا فضل ملا کہ ان کے خزانے کی حفاظت کی گئی۔ یہ ان یتیم بچوں کا اپنا عمل یا اپنا فعل نہیں ہے بلکہ کسی اور کی نیکی کا فیض ان کو پہنچ رہا ہے۔

۳: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ الَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَاۤ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۰﴾

اور یہ مال فئے ان کو بھی ملے گا جو ان کے بعد آئے عرض کرتے ہیں یا اللہ! ہمیں بھی بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان کی دولت

---

[1] سورۃ کہف: ۸۲

کے ساتھ تشریف لے گئے ہمارے رب! جس جس نے تیرے محبوب کا کلمہ پڑھا ہے ہمارے دل میں اس کے بارے میں ذرہ بھی کھوٹ نہ رکھ یا اللہ! تو بڑا بخشنے والا مہربان ہے[1]

مدینہ منورہ میں مال فئے آیا تھا۔ پہلے بھی عرض کیا تھا کہ مال غنیمت وہ مال ہوتا ہے جو جنگ کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ آئے جبکہ مال فئے وہ مال ہوتا ہے جہاں جنگ کی ضرورت ہی نہیں پڑی، بغیر جنگ کیے مسلمانوں کے رعب و دبدبہ کی وجہ سے وہ مال حاصل ہوگیا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ مال فئے کا ایک مصرف بیان کر رہا ہے کہ یہ مال ان لوگوں کو بھی ملے گا جو بعد میں آئے اور دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ! ہمیں بھی بخش دے اور جو ہم سے پہلے ایمان کی حالت میں گزر چکے ہیں ان کو بھی بخش دے۔

یہاں سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ ایمان بہت بڑی دولت ہے۔ ایمان کے بغیر کوئی نیکی قبول نہیں ہوتی۔

یہ لوگ یہ دعا بھی کرتے ہیں کہ یا اللہ! ہمارے دلوں کو ایسا بنا دے کہ ایمان والوں کے بارے میں ذرہ برابر بھی کینہ نہ رہے۔

پتہ چلا کہ جو لوگ پہلوں کے لیے بخشش کی دعا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ دنیا میں انہیں مال فئے کے ذریعے انعام عطا فرماتا ہے۔ جو اللہ دوسروں کی بخشش مانگنے والوں کو دنیا میں انعام عطا فرما رہا ہے وہ اللہ قیامت کے دن بھی بخشش کی دعا مانگنے والوں کو انعام عطا فرمائے گا۔

۴: جناب نوح علیہ السلام نے دعا مانگی:

---

[1] سورۃ حشر:۱۰

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ

یا اللہ! مجھے بخش دے اور یا اللہ! میری ماں کو بھی بخش دے اور میرے والد کو بھی بخش دے اور یا اللہ! اس بندے کو بھی بخش دے جو میرے گھر میں مومن بن کے داخل ہو جائے اور سب ایمان والے مردوں اور عورتوں کو بھی بخش دے۔[1]

دعا کے آداب میں سے ہے کہ بندہ سب سے پہلے اپنے لیے دعا مانگے۔ کئی بار ایسے ہوتا ہے کہ لوگ کہہ دیتے ہیں کہ حضرت صاحب دعا فرما دیں اور وہ حضرت صاحب ہاتھ اٹھا کر دعا شروع کر دیتا ہے کہ یا اللہ! اس پر مہربانی فرما۔ اپنا نام ہی نہیں لیتا حالانکہ وہ یا کوئی بھی اللہ کی بارگاہ میں چوہدری نہیں ہے۔ پہلے خود اللہ کی بارگاہ میں مانگت بن اور پھر کسی کے لیے سفارش کر۔ جناب نوح علیہ السلام پہلے اپنے لیے دعا مانگ رہے ہیں کہ یا اللہ! مجھے بخش اور پھر دوسروں کے لیے دعا کر رہے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی جب دعا کرتے تو اپنے سے شروع کرتے، پہلے اپنے لیے دعا مانگتے۔[2]

اس آیت میں جناب نوح علیہ السلام اپنے لیے، اپنے ماں باپ کے لیے، اور جو ان کے گھر میں ایمان کی حالت میں داخل ہو جائے اس کے لیے اور سب مومن مردوں اور عورتوں کے لیے بخشش کی دعا کر رہے ہیں۔ نبی کا کوئی کام عبث نہیں ہوتا اور پھر جس کام کو

---

[1] سورۃ نوح:۲۸

[2] سنن ترمذی، کتاب الدعوات، باب ما جاء ان الداعی یبدا بنفسہ، صفحہ:۷۶۸، رقم الحدیث:۳۳۸۵/ امام ترمذی اس حدیث کو حسن غریب صحیح فرماتے ہیں جبکہ ناصر الدین البانی صاحب اس حدیث کو صحیح قرار دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سراہے، مقام مدح میں بیان کرے وہ کام بڑی شان والا ہوتا ہے۔

پتہ چلا اپنے لیے اور اپنے ماں باپ کے لیے دعا مانگنا بہت اچھا عمل ہے۔ شرط یہ ہے کہ ماں باپ ایمان والے ہوں۔ پتہ چلا کہ کسی کی نیکی اور دعا سے دوسروں کو فائدہ پہنچتا ہے۔

جناب نوح علیہ السلام نے ان کے لیے بھی بخشش کی دعا کی جو ان کے گھر میں ایمان کی حالت میں داخل ہو جائے۔ ایک نوح علیہ السلام کا گھر ہے جبکہ ایک گھر اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گھر ہے۔ جو جناب نوح علیہ السلام کے گھر ایمان کی حالت میں چلا جائے وہ بخشا جاتا ہے تو جو ایمان کی حالت میں مدینہ شریف پہنچ جائے اس کے بارے میں کیا خیال ہے۔ اس بات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی **مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ** کہ جس نے میری قبر انور کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی [1] کے ساتھ ملا کر پڑھو۔

۵: یہ کہنا کہ کسی کی دعا کا اثر مرنے والے مومن کو نہیں پہنچتا قرآن سے ناآشنائی کی دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِیْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ ۝۷

---

[1] المجموع شرح المھذب للنووی، باب صفۃ الحج، مذاھب العلماء فی مسائل تتعلق بالوقوف، جلد:۸، صفحہ:۲۷۲/ سنن دار قطنی، کتاب الحج، باب المواقیت، جلد:۳، صفحہ:۳۳۴، رقم الحدیث:۲۶۹۵/ شعب الایمان للبیہقی، فضل الحج والعمرۃ، جلد:۶، صفحہ:۵۱، رقم الحدیث:۳۸۶۲/ المجالسۃ وجواھر العلم للدینوری، جلد:۱، صفحہ:۴۳۱، رقم الحدیث:۱۲۹/ الکنی والاسماء للدولابی، حرف الیاء فی العین، من کنیتہ ابوعبدالرحمن، جلد:۲، صفحہ:۸۴۶، رقم الحدیث:۱۴۸۳

رَبَّنَا وَاَدۡخِلۡهُمۡ جَنّٰتِ عَدۡنِ الَّتِیۡ وَعَدۡتَّهُمۡ وَمَنۡ صَلَحَ مِنۡ اٰبَآئِهِمۡ
وَاَزۡوَاجِهِمۡ وَذُرِّیّٰتِهِمۡ ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَكِیۡمُ ۙ﴿۸﴾ وَ قِهِمُ السَّیِّاٰتِ ؕ
وَمَنۡ تَقِ السَّیِّاٰتِ یَوۡمَئِذٍ فَقَدۡ رَحِمۡتَهٗ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ﴿۹﴾

وہ (فرشتے) جو عرش کو اٹھاتے ہیں اور وہ (فرشتے) جو عرش کے اردگرد پھر رہے ہیں وہ اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بول رہے ہیں وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لیے بخشش کی دعا کرتے ہیں (اور پھر کہتے ہیں) یا اللہ! تیری رحمت اور تیرے علم نے ہر شے کو گھیر لیا ہے۔ یا اللہ! جو توبہ کریں ان کو بخش دے اور ان کو بھی بخش دے جو تیرے راستے پر چلیں اور یا اللہ! انہیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔ یا اللہ! ان لوگوں کو عدن کے باغات میں ٹھہرا جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور یا اللہ! ان میں سے جو نیک ہوا، ان کے ماں باپ میں سے، ان کی بیویوں میں سے، ان کی اولاد میں سے ان کو بھی عدن کے باغات میں داخل فرما۔ بیشک تو ہی عزت والا اور حکمت والا ہے۔ یا اللہ! ان کو گناہوں کی شامت سے بچا اور یا اللہ! جسے تو اس دن گناہوں کی شامت سے بچا لے تو تو نے اس پر رحم فرمایا اور یہی بڑی کامیابی ہے۔[1]

اگر کسی کے لیے دعا کرنا بیکار چیز ہے تو فرشتے ایمان والوں کے لیے دعائیں کیوں کرتے ہیں۔

۶: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

---

[1] سورۃ مومن: ۷،۸،۹

وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۵

اور فرشتے اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور جو زمین پر بسنے والی (مومن) قوم ہے ان کے لیے اللہ کی بارگاہ میں استغفار کرتے ہیں۔ سن لو! بیشک اللہ تعالیٰ ہی بخشنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی سب سے بڑا مہربان ہے۔[1]

یہاں سے ایک تو توحید کا مسئلہ سمجھ میں آیا کہ اللہ تعالیٰ ہی بخشنے والا ہے، ہاں! اتنا ضرور ہے کہ اللہ کے اذن سے اس کے پیارے اس کی بارگاہ میں شفاعت کریں گے۔ الحمدللہ! ہم اہلسنت کا عقیدہ قرآن وسنت کے عین مطابق ہے۔

دوسرا یہ معلوم ہوا کہ فرشتے زمین والوں کے لیے دعائے استغفار کرتے ہیں۔ اگر ان کا دعا کرنا بیکار ہوتا تو کبھی ان کو دعا پر مامور نہ کیا جاتا کیونکہ فرشتے وہی کرتے ہیں جو ان کو حکم دیا جاتا ہے۔

۷: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۱۰۳

محبوب پیارے! ان کے مالوں میں سے چندہ لیجیے جس کی وجہ سے انہیں پاک اور ستھرا کر دیں اور ان کے لیے دعائے رحمت کیجیے بیشک آپ کی دعا ان کے دل میں ٹھنڈ ڈال دیتی ہے اور اللہ سنتا جانتا ہے۔[2]

---

[1] سورۃ شوریٰ: ۵   [2] سورۃ توبہ: ۱۰۳

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا کرتے ہیں اور نفع آپ کے غلاموں کو ہوتا ہے۔ پتہ چلا کہ کسی کی دعا کی وجہ سے مرنے والے یا دوسرے کو فائدہ پہنچتا ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے۔ یہ بات بھی اظہر من الشّمس ہے کہ ایصال ثواب کا تعلق اللہ کے عدل سے نہیں بلکہ اللہ کے فضل سے ہے۔

مسئلہ ایصال ثواب احادیث کی روشنی میں

چند احادیث ملاحظہ کیجیے۔

۱: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ مَيِّتٍ تُصَلِّي عَلَيْهِ أُمَّةٌ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ يَبْلُغُوْنَ مِائَةً كُلُّهُمْ يَشْفَعُوْنَ لَهٗ إِلَّا شُفِّعُوْا فِيْهِ

جس میت پر سو مسلمان نماز جنازہ پڑھ کر اس کی شفاعت کریں تو ان کی شفاعت ضرور قبول ہوگی۔[۱]

۲: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ رَجُلٍ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ فَيَقُوْمُ عَلٰى جَنَازَتِهٖ أَرْبَعُوْنَ رَجُلًا لَا يُشْرِكُوْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا إِلَّا شَفَّعَهُمُ اللّٰهُ فِيْهِ

جس مسلمان کے جنازے میں چالیس ایسے حضرات شریک ہوں جو اللہ کے

---

[۱] صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب من صلی علیہ مائۃ شفعوا فیہ، صفحہ: ۴۲۲، رقم الحدیث: ۲۱۹۸/سنن نسائی، کتاب الجنائز، باب فضل من صلی علیہ مائۃ، صفحہ: ۳۹۶، رقم الحدیث: ۱۹۹۳

ساتھ کسی کو شریک نہ کرتے ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت میت کے حق میں ضرور قبول فرماتا ہے۔[1]

پتہ چلا کہ عامۃ المسلمین کی دعا سے مرنے والے کو فائدہ ہوتا ہے۔اسی چیز کا نام ایصال ثواب ہے۔بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ صرف بیٹے کی دعا ہی ماں اور باپ کو فائدہ دیتی ہے۔کسی اور کی دعا فائدہ نہیں دیتی۔اگر یہی بات ہے تو پھر اعلان یوں کروایا کرو کہ حضرات ایک اعلان سنیے: میرے ابا حضور! فوت ہو گئے ہیں چونکہ آپ کی دعا نے ان کو کوئی فائدہ نہیں دینا اس لیے کوئی بھی بندہ ان کے جنازے میں شرکت کی کوشش نہ کرے۔صرف مرنے والے کی اولاد ہی جنازے میں شریک ہوتا کہ اللہ اسے ثواب دارین بخشے۔جب اکیلے جنازہ اٹھانا پڑے گا،کسی کا ایک بیٹا اور کسی کے دو بیٹے تو تیسرے دن ہی نانی یاد آجائے گی۔اگر بیٹوں کی دعا نے ہی فائدہ دینا ہے تو عامۃ المسلمین جنازہ کیوں پڑھتے ہیں؟ عام مسلمانوں کا جنازہ پڑھنا اس بات کی دلیل ہے کہ مرنے والوں کو زندہ لوگوں کی دعا سے فائدہ پہنچتا ہے۔

یہ بات بھی یاد رہے کہ مسئلہ ایصال ثواب کے بارے میں صحیح احادیث بھی ہیں اور ضعیف احادیث بھی۔آپ کو کئی لوگ کہیں گے کہ دیکھو جی ضعیف حدیثیں بیان ہو رہی ہیں۔سوال یہ ہے کہ جو صحیح احادیث پڑھی جا رہی ہیں ان کا جواب کون دے گا؟ ضعیف حدیث کا حکم یہ نہیں ہوتا کہ نہ اس کو ماننا ہے اور نہ ہی اس کے مضمون پر عمل کرنا ہے۔قانون

---

[1] صحیح مسلم،کتاب الجنائز،باب من صلی علیہ اربعون شفعوا فیہ،صفحہ:۴۲۲،رقم الحدیث:۲۱۹۹/سنن ابن ماجہ،کتاب الجنائز، باب ماجاء فیمن صلی علیہ جماعۃ من المسلمین،صفحہ:۲۶۴،رقم الحدیث:۱۴۸۹

یہ ہے کہ جب ضعیف حدیثیں ہوں اور تعداد میں زیادہ ہوں اور قرآن کی کسی آیت کی مخالفت نہ کرتی ہوں تو وہ تقویت پا کر درجہ حسن تک پہنچ جاتی ہیں تو جب کسی مسئلہ میں صحیح احادیث بھی ہوں اور ساتھ کچھ ضعیف احادیث مل جائیں تو پھر ان صحیح احادیث کی وجہ سے ان ضعیف احادیث میں بھی تقویت آجاتی ہے۔

۳: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوتُ فَيُصَلِّي عَلَيْهِ ثَلَاثَةُ صُفُوفٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ إِلَّا أَوْجَبَ قَالَ: فَكَانَ مَالِكٌ إِذَا اسْتَقَلَّ أَهْلَ الْجَنَازَةِ جَزَّأَهُمْ ثَلَاثَةَ صُفُوفٍ لِلْحَدِيْثِ

جس مسلمان میت پر مسلمانوں کی تین صفیں جنازہ پڑھ دیں تو میت کے لیے (جنت) واجب ہوجاتی ہے۔ راوی حدیث مرثد فرماتے ہیں کہ مالک بن ھبیرہ رضی اللہ عنہ جب جنازے کے شرکاء کی تعداد کم جانتے تو اسی حدیث کی رو سے اہل جنازہ کو تین صفوں میں تقسیم کردیتے تھے۔[1]

ایک مرتبہ کل سات آدمی تھے۔ نبی کریم ﷺ نے تین صفیں اس طرح بنائیں کہ تین آدمی پہلی صف میں، دو آدمی دوسری صف میں جبکہ دو آدمی آخری صف میں تھے۔[2]

---

[1] ابوداؤد شریف، کتاب الجنائز، باب فی الصّف علی الجنازۃ، صفحہ:۵۶۹، رقم الحدیث:۳۱۶۶ / البانی صاحب اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن موقوفاً حسن ہے/ السنن الکبری للبیھقی، کتاب الجنائز، جماع ابواب من اولی بالصلاۃ علی المیت، باب صلاۃ الجنازۃ باِمام، جلد:۴، صفحہ:۴۸، رقم الحدیث:۶۹۰۵

[2] مجمع الزوائد، کتاب الجنائز، باب الصلوۃ علی الجنازۃ، جلد:۳، صفحہ:۳۲، رقم الحدیث:۴۱۵۵ / علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام طبرانی نے کبیر میں بیان کیا۔ اس کی سند میں ایک راوی ابن لہیعۃ میں کلام ہے/ المعجم الکبیر للطبرانی، جلد:۸، صفحہ:۱۹۰، رقم الحدیث:۷۷۸۵

تا کہ ان کو آپ ﷺ کی دعا کا فیض مل سکے۔ زندوں کے جنازہ پڑھنے اور صفیں بنانے سے مرنے والے کا فائدہ ہو گیا۔ یہ نہ کہا کرو کہ زندوں کی وجہ سے مرنے والوں کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ درحقیقت زندوں کی وجہ سے مرنے والوں کو فائدہ پہنچتا ہے اور مرنے والوں کی وجہ سے زندوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔

حدیث ملاحظہ کیجیے:

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ شَهِدَ الْجَنَازَةَ حَتّٰى يُصَلّٰى عَلَيْهَا فَلَهٗ قِيْرَاطٌ وَمَنْ شَهِدَهَا حَتّٰى تُدْفَنَ فَلَهٗ قِيْرَاطَانِ قِيْلَ وَمَا الْقِيْرَاطَانِ قَالَ مِثْلُ الْجَبَلَيْنِ الْعَظِيْمَيْنِ

جو آدمی جنازہ میں حاضر ہوا یہاں تک کہ جنازہ پر نماز ادا کی تو اس کے لیے ایک قیراط ثواب ہے اور جو اس کے دفن تک موجود رہا اس کے لیے دو قیراط ثواب ہے۔ عرض کیا گیا: دو قیراط کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دو بڑے پہاڑوں کی مانند[1]۔ اسی سے ملتی جلتی ایک حدیث اور ملاحظہ کیجیے۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ صَلّٰى عَلٰى جَنَازَةٍ فَلَهٗ قِيْرَاطٌ فَإِنْ شَهِدَ دَفْنَهَا فَلَهٗ قِيْرَاطَانِ اَلْقِيْرَاطُ مِثْلُ أُحُدٍ

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب فضل الصلوۃ علی الجنازۃ واتباعھا، صفحہ: ۴۲۰، رقم الحدیث: ۲۱۸۹/ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب من انتظر حتی تدفن، صفحہ: ۲۱۲، رقم الحدیث: ۱۳۲۵

جس نے نماز جنازہ پڑھی اس کے لیے ایک قیراط ہے اور اگر وہ اس کے دفن میں شامل ہوا تو اس کے لیے دو قیراط ہیں۔ قیراط احد (پہاڑ) کی مانند ہے۔[1]

میں اپنے سننے والوں کی خدمت میں بشارت عرض کرتا ہوں کہ اللہ کی رضا کے لیے مسلمان بھائی یا بہن کے جنازے میں جایا کرو۔ یہ مومن کا مومن پر حق ہے۔ عام آدمی کے جنازے پر جو آدمی پہنچ جائے اللہ تعالیٰ اسے ایک قیراط ثواب عطا فرماتا ہے تو جنہوں نے میرے والد گرامی قدر رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ پڑھا ان کا عالم کیا ہوگا۔ درجہ بدرجہ دنیا میں بہت نیک لوگ موجود ہیں۔ کوشش کرو کہ صلحاء کے جنازے میں شرکت کیا کرو۔ تمہاری وجہ سے ان کے درجے بلند ہوں گے اور ان کی وجہ سے تمہارے گناہ معاف ہوں گے اور درجے بلند ہوں گے۔ ایسے ہی کسی کی باتوں میں آ کر یہ نہ کہنا کہ جب کوئی مر گیا تو نہ ہمیں اس کی وجہ سے کوئی فائدہ ہے اور نہ ہی اسے ہماری وجہ سے کوئی فائدہ ہے۔

۴: وَأَخْرَجَ الطَّبَرَانِيّ فِي الْأَوْسَطِ بِسَنَدٍ رَوَاهُ عَنْ أَنَسٍ مَرْفُوْعًا أُمَّتِي أُمَّةٌ مَرْحُوْمَةٌ تَدْخُلُ قُبُوْرَهَا بِذُنُوْبِهَا وَتَخْرُجُ مِنْ قُبُوْرِهَا لَا ذُنُوْبَ عَلَيْهَا تَمَحَّصَ عَنْهَا بِاِسْتِغْفَارِ الْمُؤْمِنِيْنَ لَهَا

امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعا حدیث بیان کی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت پر اللہ کی بڑی رحمتیں ہیں کہ میری امت کے کچھ افراد اپنی قبروں میں گناہوں کے ساتھ داخل ہوں گے لیکن جب قبروں سے نکلیں

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب فضل الصلوۃ علی الجنازۃ واتباعها، صفحہ: ۴۲۱، رقم الحدیث: ۲۱۹۶ / مسند احمد بن حنبل، ومن حدیث ثوبان، جلد: ۳۷، صفحہ: ۶۷، رقم الحدیث: ۲۲۳۸۴

گے تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہوگا اور گناہوں کی یہ تاریکی (زندہ) مومنوں کی ان کے لیے بخشش کی دعاؤں کی وجہ سے چھٹ جاتی ہے۔[1]

میرے دوستو!، میرے بچو!، میرے بھائیو! دیکھو نبی کریم ﷺ کی غلامی کتنا بڑا انعام ہے۔ بندے سے گناہ ہوجاتے ہیں۔کوئی بھی یہ نہ سمجھے اور کہے کہ میں غوث پاک کا پوتا ہوں مجھ سے گناہ نہیں ہوتے۔ گناہ ہر کسی سے ہوجاتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی غلامی کا صدقہ کتنا بڑا اکرم ہے کہ اللہ تعالیٰ نیکوں کی دعاؤں کی برکت سے قبر والوں کی بخشش کر دیتا ہے۔

۵: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَا الْمَيِّتُ فِي الْقَبْرِ إِلَّا كَالْغَرِيْقِ الْمُتَغَوِّثِ يَنْتَظِرُ دَعْوَةً تَلْحَقُهُ مِنْ أَبٍ أَوْ أُمٍّ أَوْ أَخٍ أَوْ صَدِيْقٍ فَإِذَا لَحِقَتْهُ كَانَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا وَإِنَّ اللهَ تَعَالٰى لَيُدْخِلُ عَلٰى أَهْلِ الْقُبُوْرِ مِنْ دُعَاءِ أَهْلِ الْأَرْضِ أَمْثَالَ الْجِبَالِ وَإِنَّ هَدِيَّةَ الْأَحْيَاءِ إِلَى الْأَمْوَاتِ الْاِسْتِغْفَارُ لَهُمْ

میت قبر میں ڈوبتے ہوئے فریادی کی طرح ہوتی ہے وہ باپ، ماں، بھائی یا دوست کی طرف سے دعا پہنچنے کی منتظر رہتی ہے پھر جب میت کو یہ دعا پہنچتی ہے تو یہ اس کو

---

[1] شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور للسیوطی، باب ماینفع المیت فی قبرہ، ترجمۃ الباب:۴۹، صفحہ:۱۲۸، رقم الحدیث:۳۰ / المعجم الاوسط للطبرانی، من اسمہ احمد، جلد اول، صفحہ:۵۰۹، رقم الحدیث:۱۸۷۹ / مجمع الزوائد، کتاب المناقب، باب ماجاء فی فضل الامۃ، جلد:۱۰، صفحہ:۶۹، رقم الحدیث:۱۶۷۱۶

ساری دنیا اور ساری دنیا کے سارے ساز وسامان سے پیاری ہوتی ہے اور بیشک اللہ رب العالمین زمین والوں کی دعا سے قبر والوں کو پہاڑوں کے برابر ثواب عطا فرماتا ہے اور زندوں کا مردوں کے لیے تحفہ ان کے لیے دعائے مغفرت ہے۔[1]

لوگ مذاق اڑاتے ہیں کہ تیجہ، ساتا، دسواں، چالیسواں کہاں سے آئے؟ ان سے گزارش ہے کہ وہ یہاں سے (ان احادیث) سے آئے ہیں۔ تیجہ، ساتا، قل خوانی، چہلم، دسواں اور عرس الگ الگ چیزیں نہیں ہیں بلکہ یہ سب ایصال ثواب کے مختلف نام ہیں۔ تیسرے دن ایصال ثواب کرو تو تیجہ، ساتویں دن کرو تو ساتا، دسویں دن کرو تو دسواں، چالیسویں دن کرو تو چالیسواں۔ تاریخ متعین کرنا فرض، واجب نہیں۔ لوگ اپنی سہولت کے لیے تاریخ متعین کرتے ہیں۔ مندرجہ بالا حدیث کی روشنی میں معلوم ہوا کہ مرنے والے کے لیے بہترین تحفہ دعائے استغفار ہے۔

ایک دیوبندی عالم مولانا اشرف علی تھانوی جن کا میں اکثر نام لیتا رہتا ہوں واقعی دیوبندیوں میں بڑے پائے کے عالم ہیں۔ ہماری بدقسمتی کہ چند باتوں کی وجہ سے لمبا اختلاف پیدا ہوگیا۔ کاش! یہ باتیں نہ ہوتیں یا کاش! ان کے پچھلے لوگ ہمارے ساتھ بیٹھیں اور کوئی راستہ نکالیں۔

میرے بیٹے! میرے بھائی! میری بات یاد رکھنا یہ وقت پاکستان کے لیے بہت

---

[1] مشکوۃ المصابیح، کتاب الدعوات، باب الاستغفار والتوبۃ، صفحہ:۲۸۷، رقم الحدیث:۲۳۵۵ / شعب الایمان للبیھقی، جلد:۱۱، صفحہ:۴۷۲، فصل فی زیارۃ القبور، رقم الحدیث:۸۸۵۵

نازک وقت ہے۔ آپس میں لڑائی اور ایک دوسرے کو توڑنے کا وقت نہیں ہے بلکہ یہ ایک دوسرے کو جوڑنے کا وقت ہے لیکن جوڑ نا صرف کتاب وسنت پر ہے۔ کتاب وسنت سے انحراف کرتے ہوئے نہیں جوڑا جائے گا۔ برکت اسی کام میں ہوتی ہے جو کتاب وسنت کی روشنی میں طے پائے۔

علامہ اشرف علی تھانوی صاحب لکھتے ہیں:

اور روایات کثیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ارواح اموات کو خبر بھی ہوتی ہے کہ کس شخص نے یہ ثواب پہنچایا ہے۔

فِي الْبَيْهَقِيِّ مَا الْمَيِّتُ فِي الْقَبْرِ إِلَّا كَالْغَرِيقِ الْمُتَغَوِّثِ فَيَنْتَظِرُ دَعْوَةً تَلْحَقُهُ مِنْ أَبٍ أَوْ أُمٍّ أَوْ أَخٍ أَوْ صَدِيقٍ فَإِذَا لَحِقَتْهُ كَانَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا

اس حدیث سے منتظر ہونا میت کا واسطے دعا اپنے باپ، ماں، بھائی و دوست کے ثابت ہوتا ہے پس یہ لوگ اکثر ثواب پہنچا دیں گے تو ضرور اس کو شعور ہونا چاہیئے ورنہ اس کا انتظار منقطع نہ ہوگا اور اخبار و آثار بزرگان سے یہ امر حد تواتر کو پہنچا ہے۔[1]

تھانوی صاحب نے بالکل صحیح کہا۔ واقعی قبر والا اپنی قبر کے اندر تحفہ بھیجنے والے کو اور تحفے کو جانتا پہچانتا ہے۔ جب عام قبر والا تحفے اور تحفہ بھیجنے والے کو جانتا ہے تو سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی امتی کے درود اور امتی کو جانتے ہیں۔

---

[1] امداد الفتاوی، جلد: ۵، صفحہ: ۳۸۹

٦: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ لَيَرْفَعُ الدَّرَجَةَ لِلْعَبْدِ الصَّالِحِ فِي الْجَنَّةِ فَيَقُولُ: يَا رَبِّ أَنّٰى لِي هٰذِهِ؟ فَيَقُولُ: بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ لَكَ

بیشک اللہ تعالیٰ جنت (قبر بھی نیک بندے کے لیے جنت ہوتی ہے) میں نیک بندے کے درجہ کو بلند فرماتا ہے تو وہ عرض کرتا ہے: رب العالمین! میرا درجہ کیسے بلند ہو گیا؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: تیرے لڑکے کے تیرے لیے دعائے مغفرت کرنے کی وجہ سے۔[1]

حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وَهٰذَا إِسْنَادٌ صَحِيحٌ وَلَمْ يُخْرِجْهُ أَحَدٌ مِّنْ أَصْحَابِ الْكُتُبِ السِّتَّةِ، وَلٰكِنْ لَّهٗ شَاهِدٌ فِي صَحِيحِ مُسْلِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا مَاتَ ابْنُ آدَمَ اِنْقَطَعَ عَمَلُهٗ إِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ: صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهٖ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْ لَهٗ

اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے اگرچہ اس حدیث کی تخریج اصحاب ستہ (بخاری،

---

[1] مشکوۃ المصابیح، کتاب الدعوات، باب الاستغفار والتوبۃ، صفحہ: ۲۲۷، رقم الحدیث: ۲۳۵۴/ مسند احمد، مسند ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ، جلد: ۱۶، صفحہ: ۳۵۶، رقم الحدیث: ۱۰۶۱۰/ مسند احمد کے محقق شعیب الارناؤط نے اس حدیث کی سند کو حسن قرار دیا/ المصنف لابن ابی شیبہ، کتاب الدعا، ما قالوا ان الدعاء یلحق الرجل وولدہ، جلد: ۶، صفحہ: ۹۳، رقم الحدیث: ۲۹۷۴۰/ المعجم الاوسط للطبرانی، من اسمہ احمد، جلد: ۲، صفحہ: ۵۱۳، رقم الحدیث: ۱۸۹۴

مسلم، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور ترمذی) نے نہیں فرمائی لیکن اس حدیث کا ایک شاہد صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے موجود ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے تین اعمال کے علاوہ باقی سب عمل منقطع ہو جاتے ہیں اور وہ تین عمل یہ ہیں: صدقہ جاریہ، وہ علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں، نیک بچہ جو اس کے لیے دعا کرے۔[1]

پتہ چلا کہ قبر میں صدقہ جاریہ کا ثواب پہنچتا ہے۔ صدقہ جاریہ کا مطلب یہ ہے کہ مثال کے طور پر کسی نے پانی کا نلکا لگوایا، لوگ آتے جاتے ہیں اور پانی پیتے ہیں۔ یہ صدقہ جاریہ ہے اس کا ثواب نلکا لگوانے والے کو پہنچتا رہے گا اور کوئی بھی چیز اسے پہنچتی ہے جو زندہ ہو۔ اگر وہ عالم برزخ میں بالکل ہی ختم ہو چکا ہے اور اسے نہ تو کسی چیز کا فائدہ پہنچتا ہے اور نہ ہی نقصان تو صدقہ جاریہ کا ثواب کیسے پہنچتا ہے۔ صدقہ جاریہ کے ثواب کا پہنچنا اس بات کی دلیل ہے کہ مرنے والا نیک ہے اور اس کے درجات اور سکھ چین کے اندر اضافہ ہو رہا ہے۔

قبر میں اس علم کا بھی فائدہ ہوتا ہے جس سے لوگ نفع اٹھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نیتوں کی اصلاح کرنے والا ہے۔ میری اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض ہے کہ یا اللہ! میری نیت کے قبلہ کو درست فرما۔ میں جو یہ درس قرآن ریکارڈ کروا رہا ہوں اس میں صرف تیری رضا کی نیت ہو۔ ظاہر ہے کہ شیطان حملے کرتا رہتا ہے۔ مالک! اپنے فضل سے اس کے حملوں

---

[1] النہایۃ فی الفتن والملاحم، کتاب صفۃ اہل الجنۃ وما فیہا من النعیم، فضل اللہ عزوجل علی الآباء ببرکۃ عمل الابناء، جلد دوم، صفحہ: ۳۹۳

کو ضائع کر دے اور ہماری اس محنت کو قبول فرما۔ میں دنیا سے چلا جاؤں گا۔ میں کونسا اشٹام پیپر پر لکھوا کر آیا ہوں کہ میں نے دنیا سے نہیں جانا۔ میں نے بھی دنیا سے رخصت ہونا ہے لیکن جب تک میرا یہ درس قرآن نیٹ پر اور تحریری طور پر موجود ہے اور لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے مجھے اس کا فائدہ قبر میں پہنچتا رہے گا۔ صرف مجھے ہی نہیں بلکہ جو جو دوست اس کام میں میرے معاون ہیں ان کو بھی اس کا نفع پہنچتا رہے گا۔

قبر میں نیک اولاد کی دعا بھی نفع پہنچاتی ہے۔ بندے کا بیٹا یا بیٹی اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا کریں کہ یا اللہ! میرے والد گرامی قدر اور والدہ ماجدہ کو بخش دے اور ان کی قبر کو منور کر۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق اس کا فائدہ بھی مرنے والے کو پہنچتا رہتا ہے۔ میں اپنے دوستوں کی خدمت میں ہاتھ باندھ کر عرض کرتا ہوں کہ کبھی دعا سے انکار نہ کرنا۔ اللہ سے بخشش کی دعا کرو کہ یا اللہ! ماں باپ اور میرے عزیزوں کو بخش دے۔ اگر آج دعا مانگنے کی عادت بناؤ گے، بچے دیکھیں گے کہ ہمارے ابا جان کو دعا سے بڑا پیار ہے تو میرے بیٹے! جب تم دنیا سے رخصت ہو گے تو تمہاری اولاد بھی تمہارے لیے دعا کا اہتمام کرے گی۔ مجھے کئی لوگوں نے بتایا کہ فلاں فوت ہو گیا تو ہم نے دعا کا کہا تو وہ کہنے لگے کہ ہم نے کبھی کسی فوت شدہ کے لیے دعا نہیں کی۔ میں نے کہا ان کی اولاد بھی یہی کچھ سیکھ رہی ہے اور انہیں محسوس نہیں ہو رہا کہ وہ کتنے بڑے خیر کے خزانے سے محروم ہو رہے ہیں۔ بچوں کی دعا ماں، باپ کے لیے راحت کا سبب ہے۔

ایک بڑے مشہور وہابی عالم احمد حسن صاحب دہلوی لکھتے ہیں:

وَالْحَدِيْثُ يَدُلُّ عَلٰى اِيْصَالِ ثَوَابِ الْاَحْيَاءِ لِلْاَمْوَاتِ

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مردوں کو زندوں کی طرف سے ثواب پہنچتا ہے۔[1]

ایصال ثواب کے لیے دن اور چیز مقرر کرنا ضروری نہیں ہے۔ مثال کے طور پر آپ کہیں جا رہے ہو اور آپ نے دیکھا کہ کیلے کا چھلکا پڑا ہوا ہے۔ آپ نے اللہ کی رضا کے لیے اس کیلے کے چھلکے کو اٹھا کر کسی ٹوکری میں ڈال دیا تاکہ کسی کا پاؤں اس پر آئے اور وہ چوٹ نہ لگوا بیٹھے۔ یہ بھی نیکی ہے۔ آپ یہ نیکی کر کے بھی کہہ سکتے ہو کہ رب العالمین! اس نیکی کا ثواب میں اپنے والدین کی روح کو بخشتا ہوں۔ اس کا ثواب بھی پہنچتا ہے۔ یہ بات یاد رہے کہ ثواب نیکی کا پہنچتا ہے اور نیکی وہ ہوتی ہے جو اللہ کی رضا کے لیے کی جائے۔ جو کام دکھلاوے کے لیے اور اپنی ناک بچانے کے لیے کیا جائے وہ نیکی نہیں ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ کئی لوگ صرف اپنی ناک رکھنے کے لیے کہ برادری میں ناک نہ کٹ جائے کہتے ہیں کہ چالیسواں ضرور کرانا ہے۔ سن لو! ناک رکھنے کے لیے ادھار لے کر قل کروانے پر ثواب نہیں ہوتا بلکہ اس پر تو عذاب کا امکان ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح کتاب وسنت پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

۷: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ حِيْنَ تُوُفِّيَ قَالَ فَلَمَّا صَلّٰى عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

---

[1] تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوٰۃ، الربع الثانی، صفحہ: ۸۴

وَوُضِعَ فِي قَبْرِهٖ وَسُوِّيَ عَلَيْهِ سَبَّحَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَبَّحْنَا طَوِيْلًا ثُمَّ كَبَّرَ فَكَبَّرْنَا فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللهِ! لِمَ سَبَّحْتَ ثُمَّ كَبَّرْتَ قَالَ: لَقَدْ تَضَايَقَ عَلٰى هٰذَا الْعَبْدِ الصَّالِحِ قَبْرُهٗ حَتّٰى فَرَّجَهُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ عَنْهُ

جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ وہاں گئے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور ان کی قبر پر مٹی ڈال دی گئی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تسبیح پڑھنی شروع فرمائی تو ہم نے بھی کافی دیر تک تسبیح (سبحان اللہ) پڑھی پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکبیر (اللہ اکبر) کہنی شروع کی تو ہم نے بھی کہنی شروع کی پھر عرض کیا آقا! آج آپ نے پہلے تسبیح اور پھر تکبیر کیوں کہی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس نیک بندے پر قبر تنگ ہوگئی تھی تو (ہمارے پڑھنے سے) اللہ نے اس نیک بندے پر فراخی فرمادی۔[1]

آپ اپنے پیارے دوست سے ملتے ہیں تو کبھی صرف مصافحہ کرتے ہیں ہاتھ ملا لیتے ہیں اور کبھی معانقہ کر لیتے ہیں کہ سینے کے ساتھ سینہ لگا لیا اور کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ محبت نے جوش مارا تو بڑے زور سے گلے ملتے ہیں کہ آپ کا دوست کہنے لگ جاتا ہے کہ میری پسلیاں ٹوٹ رہی ہیں۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ پر قبر کا تنگ ہونا ایسا ہی ہے جیسے

---

[1] مشکوۃ المصابیح، کتاب الایمان، باب اثبات عذاب القبر، الفصل الثالث، صفحہ:۴۹، رقم الحدیث:۱۳۵ / مسند احمد، مسند المکثرین من الصحابۃ، مسند جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، جلد:۲۳، صفحہ:۱۵۸، رقم الحدیث:۱۴۸۷۳ / محقق شعیب الارناؤط اس حدیث کی سند کو حسن قرار دیتے ہیں / المعجم الکبیر للطبرانی، جلد:۶، صفحہ:۱۳، رقم الحدیث:۵۳۴۶

ماں شفقت کے ساتھ بچے کو سینے سے لگا کر دباتی ہے۔ نبی کریم ﷺ اپنے امتی کی اس ہلکی سی تکلیف کو بھی نہ دیکھ سکے۔ نبی کریم ﷺ نے قبر کو فراخ کرنے کے لیے پہلے تسبیح پڑھی پھر تکبیر پڑھی۔ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کے تسبیح اور تکبیر پڑھنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے قبر کو فراخ کر دیا۔

یہاں سے دو مسئلے معلوم ہوئے:

۱: قبر پر اگر اللہ کا نام لیا جائے تو اللہ کے نام کی برکت سے قبر والے کو راحت محسوس ہوتی ہے۔

۲: صحابہ کرام بھی وہاں موجود تھے لیکن ان کو نظر نہیں آیا کہ قبر کے اندر کیا ہو رہا ہے لیکن مصطفیٰ کریم ﷺ کی نگاہ نبوت کے کمال کے قربان جائیں کہ آپ قبر کے باہر کی جانب جلوہ فرما ہیں لیکن قبر کے اندر کے احوال کا مشاہدہ فرما رہے ہیں۔ مصطفیٰ کریم ﷺ کے بارے میں کبھی یوں نہ کہنا کہ وہ ہمارے جیسے ہیں۔ وہ خدا اور معبود نہیں ہیں بلکہ عبد ہیں وہ خالق نہیں بلکہ مخلوق ہیں۔ یہ ساری باتیں اپنی جگہ بجا ہیں لیکن وہ ہم جیسے بھی نہیں ہیں۔ ہم سارے ایک طرف ہوں اور دوسری طرف اللہ کے حبیب ﷺ ہوں تو شان، مرتبے اور کمال میں اللہ کے محبوب ﷺ سب سے آگے ہیں۔

۸: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَبْرَيْنِ، فَقَالَ: إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ، أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ، وَأَمَّا الْآخَرُ

فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ، ثُمَّ أَخَذَ جَرِيدَةً رَطْبَةً فَشَقَّهَا نِصْفَيْنِ فَغَرَزَ فِي كُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَةً، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لِمَ فَعَلْتَ هٰذَا؟ قَالَ: لَعَلَّهُ يُخَفَّفُ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے جن میں عذاب ہو رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان کو کسی ایسے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا جن کو تم بڑا سمجھتے ہو۔ ان میں سے ایک تو پیشاب (کے چھینٹوں) سے نہیں بچا کرتا تھا اور دوسرا چغلی کرتا تھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھجور کی ایک سبز ٹہنی لی اس کو بیچ میں سے چیر کر اس کے دو حصے کر دیئے اور ہر قبر پر ایک ایک حصہ گاڑ دیا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: امید ہے کہ جب تک یہ شاخیں سرسبز رہیں گی ان کا عذاب ہلکا رہے گا۔[1]

تر ٹہنی جب تک اللہ اللہ کرتی رہے گی اتنی دیر تک قبر والے کو فائدہ ہوتا رہے گا۔

سوال ہر خشک اور تر چیز اللہ کا ذکر کرتی ہے۔ قرآن پاک میں ہے: وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا اور کوئی چیز نہیں جو اسے سراہتی ہوئی اس کی پاکی نہ بولے ہاں تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے بیشک وہ حلم والا بخشنے والا ہے۔[2] جب ہر چیز اللہ کا ذکر کرتی ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تر ٹہنی ہی

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الوضو، باب ماجاء فی غسل البول، صفحہ: ۶۵، رقم الحدیث: ۲۱۸ / السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الصلاۃ، جماع ابواب الصلاۃ بالنجاسۃ، باب نجاسۃ الابوال والارواث، جلد: ۲، صفحہ: ۵۷۸، رقم الحدیث: ۴۱۴۰

[2] سورۃ بنی اسرائیل: ۴۴

کیوں گاڑھی؟ خشک ٹہنی بھی تو گاڑ سکتے تھے۔خشک ٹہنی بھی تو اللہ کا ذکر کرتی ہے؟

جواب: خشک چیزیں بھی اللہ اللہ کرتی ہیں اور تر چیزیں بھی لیکن قبر والے کو کسی تر کے اللہ اللہ کرنے سے فائدہ ہوتا ہے۔خشک کے اللہ اللہ کرنے سے فائدہ نہیں ہوگا۔ایمان کے اندر جو نبی کریم ﷺ کی محبت کی حلاوت ہے یہ حلاوت کسی کو فائدہ پہنچانے کے لیے برکت بنتی ہے۔اگر کسی کے دل کے اندر سرکار ﷺ کی محبت کی حلاوت نہیں ہے تو وہ اپنے ایمان کی فکر کرے۔اس کا ایمان کامل نہیں ہے۔

مزید یہ کہ چغلی قبر والے نے اب نہیں بلکہ اب سے پہلے کی تھی اور پیشاب کے چھینٹے بھی اب نہیں بلکہ کبھی اس پر پڑے تھے۔ پتہ چلا اللہ نے مصطفیٰ ﷺ کی نگاہ میں وہ پاور رکھی ہے کہ آپ نے عذاب اور عذاب کے سبب کو دیکھ لیا۔کبھی یہ نہ کہنا کہ اللہ نے نبی کریم ﷺ کو غیب کا علم نہیں دیا۔اللہ نبی کریم ﷺ کو دکھاتا ہے تو آپ دیکھتے ہیں۔مسئلہ علم غیب تفصیل سے اپنے مقام پر بیان ہوگا۔اس وقت میں بتاؤں گا کہ ہم پر خوامخواہ الزام لگایا جاتا ہے کہ تم نبی کریم ﷺ کے علم غیب کو اللہ کے علم غیب جیسا مانتے ہو۔لاکھ لعنت اس بندے پر جو نبی کریم ﷺ کے علم غیب کو اللہ کے علم غیب جیسا مانے۔ ہم تو اللہ اور نبی کریم ﷺ کے علم غیب میں کئی فرق مانتے ہیں۔اللہ کا علم ذاتی ہے جبکہ نبی کریم ﷺ کا علم عطائی ہے۔ہم اللہ کی عطا کے بغیر ایک ذرے کا علم بھی نبی کریم ﷺ کے لیے نہیں مانتے۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَيُسْتَفَادُ مِنْ هٰذَا غَرْسُ الْأَشْجَارِ وَقِرَأَةُ الْقُرْآنِ عَلَى الْقُبُوْرِ وَإِذَا خُفِّفَ عَنْهُمْ بِالْأَشْجَارِ، فَكَيْفَ بِقِرَأَةِ الرَّجُلِ الْمُؤْمِنِ الْقُرْآنَ

اس حدیث سے قبروں پر درخت لگانا اور قرآن حکیم پڑھنا ثابت ہوا۔ جب درختوں کی وجہ سے عذاب قبر میں تخفیف ہوسکتی ہے تو مومن کے قرآن حکیم پڑھنے سے کیسے تخفیف نہ ہوگی۔[1]

۹: حضرت ابراھیم بن صالح بن درہم فرماتے ہیں: میں نے اپنے والد گرامی قدر سے سنا:

انْطَلَقْنَا حَاجِّيْنَ فَإِذَا رَجُلٌ فَقَالَ لَنَا: إِلٰى جَنْبِكُمْ قَرْيَةٌ يُقَالُ لَهَا الْأُبُلَّةُ ؟ قُلْنَا: نَعَمْ قَالَ مَنْ يَّضْمَنُ لِي مِنْكُمْ أَنْ يُصَلِّيَ لِي فِي مَسْجِدِ الْعَشَّارِ رَكْعَتَيْنِ أَوْ أَرْبَعًا وَيَقُوْلَ: هٰذِهٖ لِأَبِي هُرَيْرَةَ، سَمِعْتُ خَلِيْلِي رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: إِنَّ اللهَ يَبْعَثُ مِنْ مَّسْجِدِ الْعَشَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُهَدَاءَ لَا يَقُوْمُ مَعَ شُهَدَاءِ بَدْرٍ غَيْرُهُمْ

ہم حج کے ارادے سے نکلے تو ایک شخص (حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ) ملے اور ہم سے کہنے لگے کہ تمہاری طرف ایک بستی ہے جس کا نام ابلہ ہے۔ ہم نے کہا: ہاں تو وہ ہم سے کہنے لگے کہ تم میں سے کون مجھے اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ وہ مسجد عشار میں دو یا چار

[1] التذکرۃ فی احوال الموتی وامور الآخرۃ، باب ماجاء فی قرآۃ القرآن عند القبر، صفحہ: ۲۷۶

رکعت ادا کرے اور کہے کہ اس نماز کا ثواب ابوھریرہ کے لیے ہے۔ میں نے اپنے جانی دوست حضرت سیدنا ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ بیشک مسجد عشار سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایسے شہیدوں کو اٹھائے گا کہ سوائے شہداء بدر کے اور کوئی ان کا ہمسر نہیں ہوگا۔ [۱]

یہاں سے یہ مسئلہ بھی پتہ چلا کہ جہاں اللہ والوں کے مزارات ہوں ان کے پڑوس میں نماز پڑھنے کا درجہ بہت بلند ہے۔ یہ نہیں کہنا چاہیے کہ مسجد کے قریب میں قبر ہو تو اس کو اکھاڑ دو جیسا کہ سعودیہ میں پاکستان، ہندوستان اور دیگر ممالک کے مطوع تقریریں کرتے پھرتے ہیں۔ میں نے خود ان کا درس سنا ہے۔ مسجد نبوی شریف کے جوار میں اس کے چاروں طرف کے اندر روضہ انور ہے جہاں اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ فرما ہیں۔ تمہارا مسئلہ درست نہیں ہے۔ قبر کی طرف منہ کر کے سجدہ کرنا جائز نہیں لیکن اگر اللہ والے کی قبر کے پڑوس میں کوئی بندہ اللہ اللہ کرے تو اللہ تعالیٰ اپنے پیارے کی وجہ سے اس کی عبادت میں برکت رکھتا ہے۔

پہلے جتنے بھی حوالے عرض کیے ان سے ثابت ہوتا ہے کہ عبادت کا ثواب مرنے والے کو پہنچتا ہے۔ مذکورہ بالا حدیث سے پتہ چلا کہ ثواب جناب ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کو پہنچ رہا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ کون ہے جو مجھے ضمانت دے کہ دو رکعت یا چار رکعت کا ثواب ابوھریرہ کے لیے ہے اور ابوھریرہ تو ابھی زندہ ہیں۔ پتہ چلا کہ عبادات بدنیہ کا ثواب جس طرح مردوں کو پہنچتا ہے اسی طرح زندوں کو بھی پہنچتا ہے۔

---

[۱] سنن ابی داؤد، اول کتاب الملاحم، باب فی ذکر البصرۃ، صفحہ:۱۷۷، رقم الحدیث:۴۳۰۸ / شعب الایمان للبیھقی، فضل الحج والعمرۃ، جلد:۶، صفحہ:۲۲، رقم الحدیث:۳۸۲۰

مشہور دیوبندی عالم خلیل احمد سہارنپوری جو کہ تبلیغی جماعت کے مولانا زکریا صاحب کے مرشد ہیں لکھتے ہیں:

وَفِي الْحَدِيْثِ دَلَالَةٌ أَنَّ الطَّاعَاتِ الْبَدَنِيَّةَ يُوْصَلُ إِلَى الْغَيْرِ أَجْرُهَا، وَأَنَّ مَآثِرَ الْأَوْلِيَاءِ وَالْمُقَرَّبِيْنَ تُزَارُ وَيُتَبَرَّكُ بِهَا

اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ عبادات بدنیہ کا ثواب دوسروں کو پہنچایا جا سکتا ہے اور بیشک اولیاء اللہ اور مقربین کے مآثر کی زیارت بھی کی جاتی ہے اور وہاں سے برکت بھی حاصل کی جاتی ہے۔[1]

مشہور غیر مقلد محدث شمس الحق عظیم آبادی صاحب اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قَالَ الْقَارِئُ وَقَالَ عُلَمَاؤُنَا الْأَصْلُ فِي الْحَجِّ عَنِ الْغَيْرِ أَنَّ الْإِنْسَانَ لَهُ أَنْ يَجْعَلَ ثَوَابَ عَمَلِهِ لِغَيْرِهِ مِنَ الْأَمْوَاتِ وَالْأَحْيَاءِ حَجًّا أَوْ صَلَاةً أَوْ صَوْمًا أَوْ صَدَقَةً أَوْ غَيْرَهَا كَتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ وَالْأَذْكَارِ فَإِذَا فَعَلَ شَيْئًا مِنْ هٰذَا وَجَعَلَ ثَوَابَهُ لِغَيْرِهِ جَازَ وَيَصِلُ إِلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ

امام ملا علی قاری نے کہا کہ ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ کسی کی طرف سے حج کرنے میں اصل یہ ہے کہ انسان کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے عمل کا ثواب کسی زندہ یا مردہ کو بخش دے خواہ وہ عمل حج ہو یا نماز، روزہ ہو یا صدقہ یا اس کے علاوہ مثلاً تلاوت قرآن حکیم اور

---

[1] بذل المجهود فی حل سنن ابی داود، جلد: ۱۲، صفحہ: ۳۵۷

دیگر اذکار۔ جب کسی شخص نے ان میں سے کوئی عمل ادا کیا اور اس کا ثواب کسی کو بھیجا تو یہ جائز ہے اور اہل سنت کے نزدیک اس کا ثواب دوسرے کو پہنچ جاتا ہے۔[۱]

بس یہاں ایک بات یاد رہے کہ اگر مرنے والے کے ذمے فرائض تھے تو اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ اگر کوئی دوسرا بندہ کسی مرنے والے کی طرف سے فرائض ادا کرے تو اس مرنے والے کی طرف سے فریضہ ادا ہوگا یا نہیں لیکن اتنی بات حق ہے کہ نفلی عبادات کا ثواب قبر والے کو پہنچتا ہے۔

۱۰: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ مَرَّ عَلَى الْمَقَابِرِ وَقَرَأَ قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ إِحْدٰى عَشَرَةَ مَرَّةً ثُمَّ وَهَبَ أَجْرَهٗ لِلْأَمْوَاتِ أُعْطِيَ مِنَ الْأَجْرِ بِعَدَدِ الْأَمْوَاتِ

جو آدمی قبرستان کے قریب سے گزرے اور گیارہ مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو بخش دے تو اللہ تعالیٰ مردوں کی تعداد کے برابر اجر و ثواب پڑھنے والے کو عطا فرماتا ہے۔[۲]

---

[۱] عون المعبود شرح سنن ابی داؤد، جلد:۱۱، صفحہ:۲۸۴، تحت الحدیث:۴۳۰۸

[۲] التذکرۃ باحوال الموتی وامور الآخرۃ للقرطبی، باب ماجاء فی قراءۃ القرآن عند القبر، صفحہ:۲۷۶/ شرح الصدور للسیوطی، باب فی قراءۃ القرآن للمیت اوعلی القبر، صفحہ:۱۳۰/ تفہیم القرآن، جلد:۵، صفحہ:۲۱۶/ تفسیر روح البیان، جلد:۹، صفحہ:۲۵۰، تحت آیت سورۃ نجم:۳۹/ تفسیر مظہری، جلد:۹، صفحہ:۱۲۹، تحت آیت سورۃ نجم:۳۹/ فضائل القرآن للمستغفری، التاسع عشر من فضائل القرآن، باب ماجاء فی فضل سورۃ قل ھو اللہ احد، جلد:۲، صفحہ:۱۸۷، رقم الحدیث:۱۰۷۵/ فضائل سورۃ الاخلاص للخلال، صفحہ:۱۰۱، رقم الحدیث:۵۴/ الکلام علی وصول القراءۃ للمیت لابن ابی السرور، فصل ومما استدل بہ العلماء، صفحہ:۲۲۱/ نفحات النسمات فی وصول اھداء الثواب للاموات للسروجی، صفحہ:۲۱۹/ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، جلد:۳، صفحہ:۱۲۲۸، تحت الحدیث:۱۷۱۷/ التدوین فی اخبار قزوین، جلد:۲، صفحہ:۲۹۲

میرے بھائی! کبھی ضد نہیں کرنی چاہیے اور یہ نہیں کہنا چاہیے کہ دعا کا کوئی بھی فائدہ نہیں ہوتا۔ دعاؤں کا فائدہ ہوتا ہے۔

لطیفہ: ایک مولوی صاحب نے کہا قرآن پڑھ کر کسی کو ثواب بخشو تو ثواب نہیں پہنچتا۔ یہ سن کر ایک آدمی نے مولوی صاحب کی ماں کو گالی دی۔ مولوی صاحب غصے سے لال پیلے ہو گئے اور کہنے لگے کہ تو نے میری ماں کی توہین کر دی ہے۔ وہ شخص کہنے لگا کیا میری یہ گالی آپ کی والدہ کو پہنچ گئی ہے؟ جب کسی کو گالی دیں وہ پہنچ جاتی ہے تو پھر ثواب بھی پہنچ جاتا ہے۔ دعائیں، قرآن اور یہ ساری چیزیں مرنے والے کو پہنچتی ہیں۔

۱۱: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فَإِنَّ الْمُعَلِّمَ إِذَا قَالَ لِلصَّبِيِّ قُلْ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم كَتَبَ اللّٰهُ بَرَاءَةً لِلصَّبِيِّ وَبَرَاءَةً لِلْمُعَلِّمِ وَبَرَاءَةً لِأَبَوَيْهِ مِنَ النَّارِ

جب استاد بچے سے کہتا ہے کہ بسم اللہ پڑھ تو اللہ تعالیٰ بچے کے لیے، استاد کے لیے اور بچے کے والدین کے لیے جہنم سے آزادی لکھ دیتا ہے۔ [۱]

منکرین ایصال ثواب سے گزارش ہے کہ انصاف کا ترازو تھامیں۔ اگر ہم ایصال ثواب کرنے کی وجہ سے بدعتی اور گناہ گار ہیں تو ایصال ثواب کی حدیثیں نقل کرنے والے

---

[۱] التذکرۃ باحوال الموتی وامور الآخرۃ، باب ما جاء فی قراءۃ القرآن عند القبر، صفحہ:۲۷۷ / تفسیر الثعلبی، فی فضل التسمیۃ، جلد اول، صفحہ:۹۱ / تفسیر قرطبی، جلد اول، صفحہ:۳۳۶، تحت آیت سورۃ بقرہ:۴۱ / تفسیر در منثور، جلد اول، صفحہ:۲۶، تحت آیت سورۃ فاتحہ:۱ / مسند فردوس للدیلمی، باب المیم، جلد:۴، صفحہ:۱۹۳، رقم الحدیث:۶۵۹۷ / المدخل لابن الحاج، فصل فی ذکر آداب المؤدب، جلد:۲، صفحہ:۳۰۵

امام قرطبی پر بھی فتوی لگائیں اور کہیں کہ یہ بدعتی اور گمراہ ہیں۔ اگر ان پر فتوی نہیں لگتا تو ہم نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟ قرآن کی کسی ایک آیت سے دکھا دو کہ قرآن پڑھ کر بخشنے سے فائدہ نہیں ہوتا یا ایک حدیث ایسی پیش کرو کہ ثواب بھیجنے سے ثواب نہیں پہنچتا۔ ہم تو قرآن اور صحیح حدیث جو کہ قرآن کے مقابل نہ ہو کے سچے عاشق ہیں۔ قرآن اور صحیح سنت کے ماننے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مرتے دم تک اسی پر قائم رکھے۔ ہم قرآن و سنت کے مقابلہ میں کسی کی بھی بات نہیں سنتے۔

امام قرطبی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

اَصْلُ هٰذَا الْبَابِ الصَّدَقَةُ الَّتِيْ لَا اِخْتِلَافَ فِيْهَا فَكَمَا يَصِلُ لِلْمَيِّتِ ثَوَابُهَا، فَكَذٰلِكَ تَصِلُ قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ وَالدُّعَاءُ وَالْاِسْتِغْفَارُ إِذْ كُلُّ ذٰلِكَ صَدَقَةٌ فَإِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تُخْتَصُّ بِالْمَالِ وَقَالَ ﷺ وَقَدْ سُئِلَ عَنْ قَصْرِ الصَّلَاةِ فِي حَالَةِ الْأَمْنِ فَقَالَ: صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللهُ بِهَا عَلَيْكُمْ فَاقْبَلُوْا صَدَقَتَهٗ وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: يُصْبِحُ عَلٰى كُلِّ سُلَامٰي مِنْ أَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ فَإِنَّ كُلَّ تَسْبِيْحَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلَّ تَهْلِيْلَةٍ صَدَقَةٌ، وَكُلَّ تَكْبِيْرَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلَّ تَحْمِيْدَةٍ صَدَقَةٌ وَأَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَةٌ وَنَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ وَيُجْزِئُ عَنْ ذٰلِكَ رَكْعَتَانِ يَرْكَعُهُمَا مِنَ الضُّحٰى

میت کی طرف سے اگر کوئی چیز صدقہ کی جائے تو اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ دعا، استغفار، قرآن خوانی وغیرہ کی اصل بھی صدقہ ہی ہے تو جس طرح صدقہ کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اسی طرح ان چیزوں (دعا، استغفار، قرآن خوانی) کا ثواب بھی میت کو پہنچتا ہے اس لیے کہ صدقہ صرف مال کے ساتھ ہی مختص نہیں ہے بلکہ ان میں ہر ایک چیز صدقہ ہے۔ نبی اقدس ﷺ سے جب کسی نے حالت امن میں قصر نماز کے متعلق سوال کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: یہ تو صدقہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے صدقہ کو قبول کرو۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے ہر ایک کے ہر ہر جوڑ پر صبح کے وقت صدقہ لازم ہو جاتا ہے۔ ہر تسبیح صدقہ ہے۔ ہر تہلیل صدقہ ہے۔ ہر تحمید صدقہ ہے۔ کسی کو اچھی بات کا حکم دینا، ترغیب دینا بھی صدقہ ہے اور بری بات سے منع کرنا بھی صدقہ ہے۔ چاشت کی دو رکعت ان سب کی طرف سے کفایت کر جاتی ہے۔[1]

معمول بنالو کہ سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ روزانہ کم از کم ایک سو گیارہ بار پڑھا کرو کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَقِيتُ إِبْرَاهِيمَ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِيْ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ ﷺ أَقْرِئْ أُمَّتَكَ مِنِّيَ السَّلَامَ وَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ الْجَنَّةَ طَيِّبَةُ التُّرْبَةِ عَذْبَةُ الْمَاءِ

---

[1] التذکرۃ فی احوال الموتی وامور الآخرۃ، باب ماجاء فی قراءۃ القرآن عند القبر، صفحہ: ۲۷۹

وَأَنَّهَا قِيعَانٌ وَأَنَّ غِرَاسَهَا سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ

جس رات مجھے معراج کرائی گئی اس رات میری جناب ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ جناب ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اے محمد ﷺ! اپنی امت کو میری طرف سے سلام کہہ دیں اور انہیں بتا دیں کہ جنت کی مٹی بہت اچھی ہے، اس کا پانی بہت میٹھا ہے اور وہ خالی پڑی ہوئی ہے اور اس کی باغبانی سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ سے ہوتی ہے۔ [1]

ایک دوسرا وظیفہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ بھی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

كَلِمَتَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ

دو کلمے رب رحمٰن کو بڑے پیارے ہیں جو کہ زبان پر ہلکے ہیں لیکن میزان پر بڑے بھاری ہیں۔ وہ دو کلمے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ ہیں۔ [2]

ان صدقات کو قبول کرو اور اللہ کی بارگاہ میں پیش کرتے رہو۔

---

[1] سنن ترمذی، کتاب الدعوات، باب فی ان غراس الجنة سبحان الله الحمد لله، صفحہ: ۷۸۷، رقم الحدیث: ۳۴۶۲/ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے اور البانی صاحب نے اس حدیث کو حسن قرار دیا/ المعجم الاوسط للطبرانی، من اسمہ علی، جلد: ۳، صفحہ: ۱۵۷، رقم الحدیث: ۴۱۷۰/ المعجم الکبیر للطبرانی، جلد: ۱۰، صفحہ: ۱۷۳، رقم الحدیث: ۱۰۳۶۳

[2] صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالی ونضع الموازین القسط لیوم القیامة، صفحہ: ۱۸۶۹، رقم الحدیث: ۷۵۶۳/ صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب فضل التهليل والتسبيح والدعاء، صفحہ: ۱۱۷۲، رقم الحدیث: ۶۸۴۶

عبادت کی اقسام

یہاں ایک بات یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ عبادت کی تین قسمیں ہیں۔

۱: بدنی، ۲: مالی اور ۳: مرکب

بدنی عبادت وہ ہے جس میں بدن مشقت برداشت کرے جیسے کہ میں سبق پڑھا رہا ہوں جبکہ آپ سبق پڑھ رہے ہو اگر نیت رضائے الٰہی ہو تو یہ بھی عبادت ہے اور یہ بدنی عبادت ہے اسی طرح دعا، تلاوت قرآن حکیم، نماز اور روزہ بھی بدنی عبادات ہیں کیونکہ ان سے بدن مشقت برداشت کرتا ہے۔

مالی عبادت وہ ہے جس میں مال خرچ ہو جیسے زکوۃ، صدقات اور خیرات وغیرہ

مرکب عبادت: وہ ہے جس میں بدن مشقت بھی برداشت کرتا ہے اور مال بھی خرچ ہوتا ہے جیسے کہ حج وعمرہ وغیرہ۔

بدنی عبادت کا ثواب بھی پہنچتا ہے

کچھ لوگ کہہ دیتے ہیں کہ مالی عبادت کا ثواب تو پہنچتا ہے لیکن بدنی عبادت کا ثواب نہیں پہنچتا۔ ایسے لوگوں سے ہاتھ جوڑ کر عرض کرتا ہوں کہ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ دلیل پر ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ ارے اللہ کے بندو! جب یہ دنیاوی صدقات کا ثواب پہنچتا ہے تو جن کو اللہ صدقہ فرما رہا ہے ان کا ثواب کیوں نہیں پہنچتا؟

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے مفسر اور محدث ہیں اگرچہ ان پر تساہل کا الزام لگتا ہے کہ یہ ضعیف حدیثوں کو صحیح کہہ دیتے تھے لیکن ان میں کمالات بہت زیادہ ہیں۔ ان کا ایک کمال دارالعلوم دیوبند کے سابق شیخ الحدیث مولانا انور شاہ صاحب کشمیری نے نقل کیا ہے۔

علامہ انور شاہ صاحب کہتے ہیں:

اَنَّہٗ رَآہُ ﷺ اِثْنَیْنِ وَعِشْرِیْنَ مَرَّۃً وَسَأَلَہٗ عَنْ أَحَادِیْثَ ثُمَّ صَحَّحَھَا بَعْدَ تَصْحِیْحِہٖ ﷺ

بیشک امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بائیس مرتبہ نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی ہے اور آپ ﷺ سے احادیث کے بارے میں پوچھا ہے۔آپ ﷺ کی تصحیح کے بعد امام سیوطی نے احادیث مبارکہ کی تصحیح کی ہے۔[1]

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَبِأَنَّ الْمُسْلِمِیْنَ مَا زَالُوْا فِي کُلِّ عَصْرٍ یَجْتَمِعُوْنَ وَیَقْرَؤُوْنَ لِمَوْتَاھُمْ مِنْ غَیْرِ نَکِیْرٍ فَکَانَ ذٰلِکَ إِجْمَاعًا

ہمیشہ سے ہر زمانہ میں مسلمان جمع ہوکر اپنے مردوں کے لیے قرآن خوانی کرتے رہے ہیں اور کسی نے اس کا انکار نہیں کیا تو یہ اجماع ہو گیا۔[2]

حنفی عالم امام بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ یَجْتَمِعُوْنَ فِي کُلِّ عَصْرٍ وَزَمَانٍ وَیَقْرَءُوْنَ الْقُرْآنَ وَیُھْدُوْنَ ثَوَابَہٗ لِمَوْتَاھُمْ وَعَلٰی ھٰذَا اَھْلُ الصَّلَاحِ وَالدِّیَانَۃِ مِنْ کُلِّ مَذْھَبٍ مِّنَ الْمَالِکِیَّۃِ وَالشَّافِعِیَّۃِ وَغَیْرِھِمْ وَلَا یُنْکِرُ ذٰلِکَ مُنْکِرٌ فَکَانَ إِجْمَاعًا

---

[1] فیض الباری شرح صحیح بخاری، جلد اول، صفحہ: ۲۰۴

[2] شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور، باب فی قراءۃ القرآن للمیت او علی القبر، صفحہ: ۳۰۲

بیشک ہر زمانہ میں مسلمان جمع ہو کر قرآن خوانی کرتے رہے ہیں اور اس کا ثواب اپنے مردوں کو ہدیہ کرتے رہے ہیں اور ہر مذہب یعنی مالکیہ، شافعیہ وغیرہ کے اہل صلاح و دیانت کا یہی طریقہ ہے اور اس طریقہ کا منکر کوئی بھی نہیں ہے۔ اس طرح اس مسئلہ میں بھی اجماع ہو چکا ہے۔[1]

دونوں بزرگوں علامہ سیوطی اور علامہ عینی رحمہما اللہ نے اجماع کا دعوی کیا ہے کہ مرنے والے کے لیے قرآن خوانی کرنے اور پھر اس کا ثواب ایصال کرنے پر مسلمانوں کا اجماع ہو چکا ہے۔ ہم غریب سنیوں نے آپ کا کیا بگاڑا ہے کہ ذرا بھی قرآن خوانی کرتے دیکھا تو فوراً بدعت کے فتووں کا رخ ہماری طرف کر دیا۔ ہم قرآن پڑھتے ہیں کوئی گرنتھ تو نہیں پڑھتے یا گانے تو نہیں پڑھتے۔ قرآن پڑھنے کے لیے جمع ہوتے ہیں کہ دیکھا دیکھی کوئی تو قرآن پڑھے گا۔ اگر کوئی کسی کو قرآن پڑھتا دیکھ کر قرآن پڑھنا شروع کر دے تو جس کو دیکھ کر قرآن پڑھنا شروع کیا ہے اس کو بھی ثواب ہو گا۔ لوگوں کو امید دلایا کرو۔ ناامید نہ کیا کرو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا وَبَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا** آسانی کرو اور سختی نہ کرو اور خوش کرو اور نفرت نہ دلاؤ۔[2] جب کسی مسئلہ میں اجماع ہو جائے (عام طور پر اجماع سکوتی ہوتا ہے) تو اس مسئلہ سے انکار نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت کی توفیق نصیب فرمائے۔

---

[1] البنایہ شرح ھدایہ، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر، شروط جواز الحج عن الغیر، جلد: ۴، صفحہ: ۴۶۷

[2] صحیح بخاری، کتاب العلم، باب ما کان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یتخولھم بالموعظۃ والعلم کی لاینفروا، صفحہ: ۳۰، رقم الحدیث: ۶۹

۱۲: جلیل القدر تابعی امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

كُنَّا عِنْدَ أَبِي هُرَيْرَةَ لَيْلَةً فَقَالَ: اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأَبِي هُرَيْرَةَ، وَلِأُمِّي وَلِمَنِ اسْتَغْفَرَ لَهُمَا قَالَ لِي مُحَمَّدٌ: فَنَحْنُ نَسْتَغْفِرُ لَهُمَا حَتّٰى نَدْخُلَ فِي دَعْوَةِ أَبِي هُرَيْرَةَ

ایک رات ہم حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت ابو ہریرہ نے دعا مانگی: اے اللہ! ابو ہریرہ اور اس کی ماں کی بخشش فرما اور ہر اس کی بخشش فرما جو ان دونوں (ابو ہریرہ اور ان کی والدہ ماجدہ) کے لیے بخشش کی دعا مانگے۔ امام محمد بن سیرین فرماتے ہیں: ہم ان دونوں کے لیے بخشش کی دعا مانگتے رہتے ہیں تاکہ ہم بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دعا میں داخل ہو جائیں (ہماری بھی بخشش ہو جائے)۔[1]

پتہ چلا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ دوسروں کی بخشش کی دعا مانگا کرتے تھے اور مشہور تابعی امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ یہ تھا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دعا سے دوسروں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اگر دعا سے فائدہ نہیں ہوتا تو جلیل القدر تابعی دعا کیوں مانگتے تھے؟

۱۳: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ مِنَ الْبِرِّ بَعْدَ الْبِرِّ أَنْ تُصَلِّيَ عَلَيْهِمَا مَعَ صَلَاتِكَ وَأَنْ تَصُومَ عَنْهُمَا مَعَ صِيَامِكَ وَأَنْ تَتَصَدَّقَ عَنْهُمَا مَعَ صَدَقَتِكَ

---

[1] الادب المفرد للبخاری، باب بر الوالدین بعد موتھما، صفحہ:۹، رقم الحدیث:۳۷، مطبوعہ بیروت/ البانی صاحب نے صحیح الادب المفرد میں اس حدیث کو صحیح الاسناد قرار دیا ہے۔

نیکی پر نیکی یہ ہے کہ تو اپنی نماز کے ساتھ والدین کے لیے نماز پڑھے اور اپنے روزوں کے ساتھ ان کی طرف سے روزے رکھے اور اپنے صدقہ کے ساتھ والدین کی طرف سے صدقہ کرے۔ؔ۱

معلوم ہوا کہ اگر کسی نے والدین کی طرف سے نوافل ادا کیے، روزہ رکھا یا صدقہ کیا تو ان سب چیزوں کا ثواب والدین کو پہنچے گا۔ والدین کی طرف سے اگر نفلی روزے رکھے جائیں تو اللہ کی رحمت سے بڑی امید ہے کہ ان کا ثواب ماں باپ کو پہنچے گا لیکن اگر والدین کے ذمہ فرض روزے ہوں تو تب ان کی طرف سے روزہ رکھنا ان کے فریضے کو ساقط نہیں کرے گا۔ جن احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کے ذمہ روزے ہوں تو ولی ان روزوں کو رکھے وہ احادیث یا ضعیف ہیں یا منسوخ۔ؔ۲

قاری قرآن کے متعلق ایک روایت ملاحظہ کیجیے:

۱۴: ثُمَّ يُكْسٰى أَبَوَاهُ إِنْ كَانَا مُسْلِمَيْنِ حُلَّةً خَيْرًا مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا فَيَقُوْلَانِ: أَنّٰى لَنَا هٰذَا؟ وَمَا بَلَغَتْهُ أَعْمَالُنَا؟ فَيُقَالُ: إِنَّ وَلَدَ كُمَا كَانَ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ

پھر اس (قاری قرآن) کے والدین کو اگر وہ مسلمان ہوں تو ایک ایسا حلہ پہنایا جائے گا جو کہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا۔ وہ دونوں عرض کریں گے: پروردگار! ہمارے

ؔ۱ شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور، باب ماینفع المیت فی قبرہ، صفحہ:۳۰۱ / المصنف لابن ابی شیبہ، کتاب الجنائز، ماتبع المیت بعد موتہ، جلد:۳، صفحہ:۵۹، رقم الحدیث:۱۲۰۸۴

ؔ۲ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو شرح صحیح مسلم از علامہ غلام رسول سعیدی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جلد:۳، صفحہ:۱۳۹

اعمال تو اس درجہ تک نہیں پہنچے پھر یہ حلہ ہمیں کیسے مل گیا تو انہیں جواب دیا جائے گا کہ تمہارا بیٹا قرآن پڑھا کرتا تھا۔ ۱؎

وہ لوگ جن کی اولاد حافظ قرآن، قاری قرآن اور عامل قرآن ہے ان کو مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے بیٹے کے اس عمل کی وجہ سے جنتی جوڑا پہنائے گا۔ مندرجہ بالا احادیث سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ عبادات بدنیہ کا ثواب اللہ کی رحمت سے مردوں کو پہنچتا ہے۔

عبادات مالیہ کا ثواب بھی پہنچتا ہے

اب ہم ان احادیث مبارکہ کا ذکر کریں گے جن سے یہ بات واضح ہوگی کہ میت کو عبادات مالیہ کا ثواب بھی پہنچتا ہے۔

۱: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ أُمِّي افْتُلِتَتْ نَفْسُهَا وَأَظُنُّهَا لَوْ تَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ فَهَلْ لَهَا أَجْرٌ إِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا؟ قَالَ: نَعَمْ

ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ میری ماں اچانک فوت ہوگئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر وہ کوئی بات کرتی تو صدقہ کرتی۔ اگر میں ماں کی طرف سے کوئی چیز صدقہ کروں تو کیا میری ماں کو اس کا اجر و ثواب ملے گا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں ملے گا۔ ۲؎

۱؎ شعب الایمان للبیہقی، کتاب تعظیم القرآن، فصل فی ادمان تلاوۃ القرآن، جلد سوم، صفحہ: ۳۷۶، رقم الحدیث: ۱۸۳۷ / شعب الایمان کے محقق الدکتور عبدالعلی عبدالحمید حامد نے اس حدیث کے بارے میں لکھا کہ اس کی سند ضعیف ہے / المعجم الکبیر للطبرانی، جلد: ۲۰، صفحہ: ۲۷، رقم الحدیث: ۱۳۶ / مجمع الزوائد، کتاب التفسیر، باب منہ فی فضل القرآن ومن قراءہ، جلد: ۷، صفحہ: ۱۶۰، رقم الحدیث: ۱۱۶۳۷

۲؎ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب موت الفجاءۃ البغتۃ، صفحہ: ۳۳۵، رقم الحدیث: ۱۳۸۸

صدقے میں بہتر یہی ہے کہ بندہ کہے کہ یا اللہ! یہ میں اپنی ماں کی طرف سے کر رہا ہوں۔ یا اللہ! یہ جو دیگ پکوا رہا ہوں یہ اپنے والد کی طرف سے پکوا رہا ہوں اس کا ثواب انہیں پہنچا۔

نوٹ

یہ حدیث مسلم شریف میں بھی موجود ہے۔[1] مسلم شریف میں اس حدیث سے پہلے جو عنوان قائم کیا گیا ہے اسے پڑھ کر اندازہ لگایئے کہ جملہ سلف صالحین اہل سنت و جماعت تھے۔ فرماتے ہیں: **بَابُ وُصُوْلِ ثَوَابِ الصَّدَقَةِ عَنِ الْمَيِّتِ اِلَيْهِ** مشہور غیر مقلد عالم وحید الزماں نے اس کا ترجمہ کیا: باب صدقہ کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔[2]

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا:

وَفِي هٰذَا الْحَدِيْثِ أَنَّ الصَّدَقَةَ عَنِ الْمَيِّتِ تَنْفَعُ الْمَيِّتَ وَيَصِلُهٗ ثَوَابُهَا

اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ میت کی طرف سے صدقہ میت کو نفع دیتا ہے اور اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔[3]

ہم لوگ بھی صدقہ خیرات کرتے ہیں۔ قل خوانی، تیجے اور ساتے وغیرہ پر کھانا پکاتے ہیں۔ کھانا پکا کر عرض کرتے ہیں: یا اللہ! یہ جو کھانا ان کی خدمت میں پیش کیا جاتا

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، باب وصول ثواب الصدقۃ عن المیت، صفحہ:۴۰۶، رقم الحدیث:۱۰۰۴

[2] ترجمہ صحیح مسلم، جلد چہارم، صفحہ:۲۵۶

[3] شرح النووی علی مسلم، جلد:۷، صفحہ:۹۰، تحت الحدیث:۱۰۰۴

ہے اس کو قبول فرما۔ اس کا ثواب ہماری والدہ اور ہمارے والد گرامی قدر کی روح کو عطا فرما۔

۲: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اِنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ تُوُفِّيَتْ أُمُّهُ وَهُوَ غَائِبٌ عَنْهَا، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِنَّ أُمِّي تُوُفِّيَتْ وَأَنَا غَائِبٌ عَنْهَا، أَيَنْفَعُهَا شَيْءٌ إِنْ تَصَدَّقْتُ بِهِ عَنْهَا؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَإِنِّي أُشْهِدُكَ أَنَّ حَائِطِيَ الْمِخْرَافَ صَدَقَةٌ عَلَيْهَا

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ان کی عدم موجودگی میں فوت ہو گئیں تو انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میری والدہ کا انتقال میری عدم موجودگی میں ہوا ہے۔ اگر میں ان کی طرف سے کوئی چیز صدقہ کروں تو انہیں اس کا کچھ فائدہ ہوگا؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں تو انہوں نے عرض کیا میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میرا مخراف باغ ان کی طرف سے صدقہ ہے۔[۱]

مخراف اس باغ کا نام تھا یا اس باغ کو کہتے ہیں جو بہت زیادہ پھل دے۔ جب سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی چیز کے صدقہ کرنے کے متعلق پوچھا تو آپ نے یہ نہ فرمایا کہ اللہ کے بغیر کوئی چیز نفع نہیں دیتی بلکہ فرمایا ہاں! اگر تو کوئی چیز اپنی ماں کی طرف سے صدقہ کرے گا تو تیری ماں کو نفع پہنچے گا۔ سیدنا سعد نے عرض کی پیارے آقا!

---

[۱] صحیح بخاری، کتاب الوصایا، باب اذا قال ارضی او بستانی صدقۃ للہ عن امی، صفحہ:۶۸۱، رقم الحدیث:۲۷۵۶ / المصنف لعبدالرزاق، کتاب الوصایا، الصدقۃ عن المیت، جلد:۹، صفحہ:۵۸، رقم الحدیث:۱۶۳۳۷

آپ گواہ ہو جائیے جو میرا سب سے اچھا باغ ہے وہ اپنی ماں کی طرف سے صدقہ کرتا ہوں۔ آقا! آپ کی امت کے غریب اور مسکین لوگ آئیں گے اور اس باغ میں سے پھل کھائیں گے اور اس کا ثواب میری والدہ ماجدہ کو پہنچتا رہے گا۔

۳: حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے عرض کیا:

إِنَّ أُمَّ سَعْدٍ مَاتَتْ، فَأَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: الْمَاءُ قَالَ: فَحَفَرَ بِئْرًا وَقَالَ هٰذِهِ لِأُمِّ سَعْدٍ

اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! سعد کی ماں کا انتقال ہو گیا ہے تو کون سا صدقہ افضل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پانی تو حضرت سعد نے ایک کنواں کھدوایا اور فرمایا یہ سعد کی ماں کے لیے ہے۔[1]

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایک گلاس، ایک جگ یا ایک ٹب پانی نہیں لیا بلکہ پورا کنواں کھدوا دیا تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت آ کر پانی پیتی جائے اور اس کا ثواب ان کی والدہ کو پہنچتا رہے۔

کئی ساتھیوں نے مذاق اڑانے اور گالیاں دینے کو اپنی عادت بنا لیا ہوا ہے۔ ظاہر ہے جس کے اندر جو کچھ ہوتا ہے وہی کچھ باہر آتا ہے۔ جب ہم ایصال ثواب کی تقریب میں ختم شریف پڑھتے ہیں۔ چند آیات یا کسی جگہ پورا قرآن ختم کیا جاتا ہے تو

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الزکاۃ، باب فی فضل سقی الماء، صفحہ: ۲۴۹، رقم الحدیث: ۱۶۸۱ / البانی صاحب کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے/ جامع المسانید والسنن لابن کثیر، سعد بن عبادۃ الانصاری الخزرجی، جلد: ۳، صفحہ: ۲۹۸ /تحفۃ الاشراف للمزی، جلد: ۳، صفحہ: ۲۷۳، رقم الحدیث: ۳۸۳۳

وہاں پھل بھی رکھ لیتے ہیں مثلاً چار کیلے، دو آم اور ایک پانی کا گلاس تو ایسے لوگ فٹ پوچھتے ہیں کہ یہ کہاں سے ثابت ہے؟ میری ایسے حضرات سے گذارش ہے کہ چیخیں مت۔ یہ بات احادیث سے ثابت ہے۔تم چار کیلوں اور دو آموں پر چیختے ہو صحابی نے پورا مخراف باغ اپنی ماں کے ایصال ثواب کے لیے صدقہ کر دیا۔تم ایک گلاس پانی کی بات کرتے ہو صحابی نے پورا کنواں کھدوا کر اپنی ماں کے ایصال ثواب کے لیے وقف کر دیا۔

اس کنویں کا نام سقاية ام سعد (سعد کی ماں کے نام کی سبیل) پڑ گیا تھا۔[1]

مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

کنز العمال میں طبقات ابن سعد کے حوالے سے روایت ہے: حضرت حسن سے کسی نے پوچھا: کیا آپ مسجد سے پانی پیتے ہیں؟ حالانکہ وہ تو صدقہ کا ہے؟ حضرت حسن نے جواب دیا: حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے ام سعد کی سبیل سے پانی پیا ہے تو (اگر میں نے پی لیا تو) کیا ہوا؟[2]

یہ سبیل غیر اللہ کے نام کی سبیل ہے۔لوگ پوچھتے ہیں کہ آپ کے اور علمائے دیوبند کے اختلافات کیا ہیں؟ ان سے گزارش ہے کہ اختلافی مسائل میں سے ایک مسئلہ ایصال ثواب بھی ہے۔

---

[1] کنز العمال، کتاب الزکاۃ من قسم الافعال، باب فی السخاء والصدقۃ، فصل فی المصرف، جلد:٦، صفحہ:٦٠٥، رقم الحدیث:١٧٠٨٠ پر ہے: قد شرب أبو بكر وعمر من سقاية أم سعد فمه: حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے ام سعد کی سبیل سے پانی پیا/ الطبقات الکبری لابن سعد، الطبقۃ الاولی وھم البدریین من المھاجرین والانصار، جلد:٣، صفحہ:٤٦٢، رقم الترجمہ:٣٣٢

[2] تقلید کی شرعی حیثیت، صفحہ:٤٢

ایک دیو بندی عالم مولانا رشید احمد گنگوہی سے کسی نے پوچھا: ہندو جو پیاؤ (سبیل) پانی کی لگاتے ہیں سودی روپیہ صرف کر کے مسلمانوں کو اس کا پانی پینا درست ہے یا نہیں۔ مولانا گنگوہی صاحب نے جواب میں کہا: اس پیاؤ سے پانی پینا مضائقہ نہیں۔ [1]

لیکن جب انہی رشید احمد گنگوہی صاحب سے پوچھا گیا کہ محرم میں عشرہ وغیرہ کے روز شہادت کا بیان کرنا مع اشعار بروایت صحیحہ یا بعض ضعیفہ بھی و نیز سبیل لگانا اور چندہ دینا اور شربت دودھ بچوں کو پلانا درست ہے یا نہیں؟ تو مولانا موصوف جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: محرم میں ذکر شہادت حسین علیہ السلام کرنا اگرچہ بروایات صحیحہ ہو یا سبیل لگانا شربت پلانا یا چندہ سبیل اور شربت میں دینا یا دودھ پلانا سب نادرست اور تشبہ روافض کی وجہ سے حرام ہیں۔ [2]

لوگ سمجھتے ہیں کہ روافض کا رد کرنے کے لیے اہلِ بیت کی مخالفت ضروری ہے۔ ارے بھئی جب ہندو سود کے پیسے سے سبیل لگائے تمہارے نزدیک وہ پانی پینا جائز ہے تو جو پانی سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے ایصال ثواب کے لیے پلایا جاتا ہے وہ پانی پینا بھی جائز ہے حرام نہیں ہے۔

مشہور دیو بندی محدث خلیل احمد انبیٹھوی لکھتے ہیں:

وَهٰذَا الْحَدِيْثُ يَدُلُّ عَلٰى أَنَّ ثَوَابَ الْعِبَادَاتِ الْمَالِيَةِ يَصِلُ إِلَى الْمَوْتٰى بِإِجْمَاعِ أَهْلِ السُّنَّةِ

---

[1] فتاوی رشیدیہ، صفحہ: ۶۱۴، مکتبہ رحمانیہ لاہور

[2] فتاوی رشیدیہ، صفحہ: ۱۳۹، مکتبہ رحمانیہ لاہور

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مالی عبادات کا ثواب مردوں کو پہنچتا ہے۔ اہلسنت کا اس بات پر اجماع ہے۔[1]

جس بات پر اہل سنت کا اجماع ہو اس پر سنی کہلوانے والے کو ضد نہیں کرنی چاہیے۔

۴: حضرت ابن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

اِنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا كَانَا يُعْتِقَانِ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بَعْدَ مَوْتِهٖ

سیدنا امام حسن اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہما دونوں حضرت سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان کی موت کے بعد غلام آزاد کیا کرتے تھے۔[2]

۵: حضرت حنش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

رَأَيْتُ عَلِيًّا يُضَحِّي بِكَبْشَيْنِ فَقُلْتُ لَهٗ مَا هٰذَا؟ فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْصَانِي أَنْ أُضَحِّيَ عَنْهُ فَأَنَا أُضَحِّي عَنْهُ

میں نے حضرت سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ کو دو مینڈھوں کی قربانی کرتے ہوئے دیکھا تو عرض کیا یہ کیا ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے قربانی کیا کروں اس لیے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے (بھی) قربانی کرتا ہوں۔[3]

---

[1] بذل المجہود فی حل سنن ابی داؤد، کتاب الزکاۃ، باب فی فضل سقی الماء، جلد:۶، صفحہ:۵۴۳

[2] شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور، باب ماینفع المیت فی قبرہ، صفحہ:۳۰۱ / المصنف لابن ابی شیبہ، کتاب الجنائز، ماتبع المیت بعد موتہ، جلد:۳، صفحہ:۵۹، رقم الحدیث:۱۲۰۸۸ /تفسیر مظہری، جلد:۹، صفحہ:۱۲۹، تحت آیت سورۃ نجم:۳۹

[3] سنن ابی داود، کتاب الضحایا، باب الاضحیۃ عن المیت، صفحہ:۴۹۵، رقم الحدیث:۲۷۹۰ / البانی صاحب نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا/فضائل الصحابۃ لاحمد بن حنبل، ومن فضائل علی رضی اللہ عنہ من حدیث ابی بکر بن مالک، جلد:۲، صفحہ:۷۰۲، رقم الحدیث:۱۲۰۰

مذکورہ بالا دو حدیثوں سے معلوم ہوا کہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما، حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے وصال شریف کے بعد ان کی طرف سے غلام آزاد کیا کرتے تھے یعنی اس کا ثواب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ہدیہ کرتے تھے اور حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے آپ کی طرف سے قربانی کیا کرتے تھے یعنی اس کا ثواب بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تحفے کے طور پر بھیجا کرتے تھے۔ اگر قربانی اور غلام آزاد کرنے کا ثواب نہ پہنچتا ہوتا تو یہ بزرگ حضرات کیوں اتنا خرچہ کرتے؟ خرچہ کسی نہ کسی مقصد کے لیے کیا جاتا ہے۔ فضول خرچی درست نہیں ہے۔

۶: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ذَبَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الذَّبْحِ كَبْشَيْنِ أَقْرَنَيْنِ أَمْلَحَيْنِ مَوْجُوئَيْنِ فَلَمَّا وَجَّهَهُمَا قَالَ: إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ عَلٰى مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَأُمَّتِهٖ بِسْمِ اللهِ وَاللهُ أَكْبَرُ ثُمَّ ذَبَحَ رَوَاهُ أَحْمَدُ[1] وَأَبُودَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَفِي رِوَايَةٍ لِأَحْمَدَ[2] وَأَبِي دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيِّ: ذَبَحَ بِيَدِهٖ

---

[1] البانی صاحب نے اسی رواہ احمد پر حاشیہ لگایا کہ اس کی یہ سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں اسماعیل بن عیاش ہے جو کہ ضعیف ہے پھر البانی صاحب نے یہ دعوی بھی کیا کہ اس حدیث کے الفاظ علی ملۃ ابراہیم صرف ابوداؤد کی روایت میں ہیں اور یہ الفاظ میرے نزدیک شاذ ہیں اور اسی طرح ہیں جیسے کسی راوی کا ادراج ہوتا ہے۔

[2] البانی صاحب کہتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔

وَقَالَ بِسْمِ اللهِ وَاللهُ أَكْبَرُ اللّٰهُمَّ هٰذَا عَنِّي وَعَمَّنْ لَمْ يُضَحِّ مِنْ أُمَّتِيْ

قربانی کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو چتکبرے، خصی، سینگوں والے مینڈھے ذبح فرمائے۔[1] جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کو لٹایا تو پڑھا: إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ عَلٰى مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ حَنِيْفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اے اللہ! یہ قربانی تیری عطا سے ہے اور خاص تیری ہی رضا کے لیے ہے تو اس کو محمد اور اس کی امت کی جانب سے قبول فرما۔ اللہ کے نام کے ساتھ اور اللہ سب سے بڑا ہے۔ اس کے بعد آپ نے ذبح فرمایا۔ احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی نے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ احمد، ابوداؤد اور ترمذی کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (دونوں مینڈھے) اپنے ہاتھ سے ذبح فرمائے اور فرمایا: بِسْمِ اللهِ وَاللهُ أَكْبَرُ اے اللہ! یہ قربانی میری جانب سے ہے اور میری امت کے ہر اس فرد کی طرف سے ہے جس نے قربانی نہیں کی۔ [2]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غریب امتی! اپنی قسمت پر ناز کر، تو فکر کرتا ہے کہ تیرے پاس پیسے نہیں ہیں اس لیے قربانی نہیں کر سکتا۔ تیرے میرے لجپال جو کہ ہم سب کے سہارا نبی ہیں انہوں نے پہلے ہی ہماری طرف سے قربانی ادا فرما دی ہے۔

---

[1] پتہ چلا خصی مینڈھا قربان کیا جا سکتا ہے۔ ثواب زیادہ ہوتا ہے۔

[2] مشکوۃ شریف، کتاب الصلاۃ، باب فی الاضحیۃ، الفصل الثانی، صفحہ: ۴۵۹، رقم الحدیث: ۱۴۶۱ / مسند احمد، مسند جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ، جلد: ۲۳، صفحہ: ۲۶۷، رقم الحدیث: ۱۵۰۲۲ / سنن ابی داود، کتاب الضحایا، باب ما یستحب من الضحایا، صفحہ: ۵۶۸، رقم الحدیث: ۲۷۹۵ / سنن دارمی، کتاب الاضاحی، باب السنۃ فی الاضحیۃ، الفصل الثانی، صفحہ: ۴۹۵، رقم الحدیث: ۱۹۴۶

مشکوۃ شریف کی ایک شرح مظاہر حق جو کہ علامہ قطب الدین نے تحریر کی ہے اور علماء دیوبند اس کو بڑا پسند کرتے ہیں اس میں لکھا ہے:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذبح کے وقت یہ الفاظ فرما کر اپنی قربانی کے ثواب میں اپنی امت کو بھی شریک فرما لیا۔ ؎۱

بذل المجہود شرح ابوداؤد میں ہے:

ثُمَّ الْمُشَارَكَةُ إِمَّا مَحْمُولَةٌ عَلَى الثَّوَابِ وَإِمَّا عَلَى الْحَقِيقَةِ فَيَكُونُ مِنْ خُصُوصِيَّةِ ذٰلِكَ الْجَنَابِ وَالْأَظْهَرُ أَنْ يَّكُونَ أَحَدُهُمَا عَنْ ذَاتِهِ الشَّرِيفَةِ وَالثَّانِي عَنْ أُمَّتِهِ الضَّعِيفَةِ

پھر یہ مشارکت یا تو ثواب پر محمول ہے یا حقیقت پر۔ اگر اس کو حقیقت پر محمول کیا جائے تو یہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہوگی۔ ظاہر ہے کہ ایک مینڈھا سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ہے اور دوسرا آپ کی غریب امت کی طرف سے۔ ؎۲

نوٹ: بذل المجہود کے یہ الفاظ لفظ بہ لفظ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، کتاب الصلوۃ، باب فی الاضحیۃ، جلد سوم، صفحہ: ۱۰۸۳ پر موجود ہیں لیکن بذل المجہود کے مصنف دیوبندی عالم خلیل احمد انبیٹھوی صاحب نے مرقاۃ کا حوالہ دیئے بغیر اسے اپنی کتاب میں درج کر دیا۔ پتہ نہیں دونوں میں سے کس نے دوسرے کے لفظ چوری کیے۔ پہلے والے

؎۱ مظاہر حق جدید شرح مشکوۃ، جلد اول، صفحہ: ۹۵۱

؎۲ بذل المجہود فی حل سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، باب مایستحب من الضحایا، جلد: ۹، صفحہ: ۵۴۱

نے بعد والے کے لفظ چوری کیے ہیں یا بعد والے نے پہلے والے کے لفظ چوری کیے ہیں۔ دیانت کا تقاضہ یہ تھا کہ لکھ دیتے کہ امام ملا علی قاری یہ فرماتے ہیں کیونکہ کسی کی محنت کو چوری کر کے اپنے نام لگانا علمی خیانت ہے۔

۷: عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ أَنَّ الْعَاصَ بْنَ وَائِلٍ نَذَرَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ أَنْ يَنْحَرَ مِائَةَ بَدَنَةٍ، وَاَنَّ هِشَامَ بْنَ الْعَاصِ نَحَرَ حِصَّتَهٗ خَمْسِيْنَ بَدَنَةً، وَأَنَّ عَمْرًوا سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ ذَالِكَ فَقَالَ: أَمَّا أَبُوْكَ فَلَوْ كَانَ أَقَرَّ بِالتَّوْحِيْدِ فَصُمْتَ وَتَصَدَّقْتَ عَنْهُ نَفَعَهٗ ذَالِكَ

عاص بن وائل نے زمانہ جاہلیت میں سو اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی تھی۔ (اس کے بیٹے) ہشام نے اپنے حصہ کے پچاس اونٹ ذبح کر دیئے۔ (دوسرے بیٹے) حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے حصہ کے اونٹ ذبح کرنے کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے ارشاد فرمایا: اگر تیرے باپ نے توحید کا اقرار کیا ہوتا تو پھر تو اس کی طرف سے خواہ روزہ رکھتا خواہ صدقہ کرتا تو اس کو نفع پہنچتا۔[1]

اس حدیث کے متعلق علامہ ساعاتی لکھتے ہیں:

لَمْ أَقِفْ عَلَيْهِ لِغَيْرِ الْإِمَامِ أَحْمَدَ وَسَنَدُهٗ جَيِّدٌ

---

[1] الفتح الربانی لترتیب مسند الامام احمد بن حنبل الشیبانی، القسم الثانی من الکتاب، قسم الفقہ، کتاب الجنائز، جلد: ۸، صفحہ: ۹۹، ۱۰۰ / مسند احمد، مسند عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، جلد: ۱۱، صفحہ: ۳۰۷، رقم الحدیث: ۶۷۰۴ / مجمع الزوائد، کتاب الاحکام، باب قضاء النذر عن المیت، جلد: ۴، صفحہ: ۱۹۲، رقم الحدیث: ۶۹۸۲

مجھے اس بات کا علم نہیں ہے کہ اس حدیث کی تخریج امام احمد کے علاوہ بھی کسی نے کی ہے یا نہیں لیکن اس حدیث کی سند جید ہے۔[1]

۸: اسی سے ملتی جلتی ایک حدیث مزید ملاحظہ کیجیے:

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ الْعَاصَ بْنَ وَائِلٍ أَوْصٰى أَنْ يُّعْتَقَ عَنْهُ مِائَةُ رَقَبَةٍ فَأَعْتَقَ ابْنُهُ هِشَامٌ خَمْسِيْنَ رَقَبَةً فَأَرَادَ ابْنُهُ عَمْرٌو أَنْ يُعْتِقَ عَنْهُ الْخَمْسِيْنَ الْبَاقِيَةَ فَقَالَ حَتّٰى أَسْأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ أَبِي أَوْصٰى بِعِتْقِ مِائَةِ رَقَبَةٍ وَاَنَّ هِشَامًا أَعْتَقَ عَنْهُ خَمْسِيْنَ وَبَقِيَتْ عَلَيْهِ خَمْسُوْنَ رَقَبَةً أَفَأُعْتِقُ عَنْهُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُ لَوْ كَانَ مُسْلِمًا فَأَعْتَقْتُمْ عَنْهُ أَوْ تَصَدَّقْتُمْ عَنْهُ أَوْ حَجَجْتُمْ عَنْهُ بَلَغَهُ ذٰلِكَ

عاص بن وائل نے وصیت کی کہ اس کی طرف سے سو غلام آزاد کیے جائیں تو اس کے بیٹے ہشام نے پچاس غلام آزاد کر دیئے۔ اس کے بیٹے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے باقی کے پچاس غلام آزاد کرنے کا ارادہ کیا لیکن انہوں نے یہ طے کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھنے کے بعد ایسا کروں گا چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے والد نے سو غلام آزاد کرنے کی وصیت کی تھی اور میرے بھائی ہشام نے اپنی

---

[1] بلوغ الامانی شرح الفتح الربانی لترتیب مسند الامام احمد، جلد: ۸، صفحہ: ۱۰۰

طرف سے پچاس آزاد کردیئے ہیں اور پچاس باقی ہیں تو کیا میں اپنے والد کی طرف سے پچاس غلام آزاد کردوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر تیرا باپ مسلمان ہوتا تو پھر تو اس کی طرف سے غلام آزاد کرتا یا صدقہ کرتا یا حج کرتا تو ان اعمال کا ثواب اسے پہنچ جاتا۔[1]

ایک غیر مقلد عالم شمس الحق عظیم آبادی لکھتے ہیں:

فِيهِ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَنْفَعُ الْكَافِرَ وَعَلَى أَنَّ الْمُسْلِمَ يَنْفَعُهُ الْعِبَادَةُ الْمَالِيَّةُ وَالْبَدَنِيَّةُ

اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ صدقہ کافر کو نفع نہیں دیتا اور اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمان کو مالی اور بدنی عبادت کا نفع پہنچتا ہے۔[2]

پتہ چلا کہ اگر مرنے والا اور ثواب بھیجنے والا دونوں مسلمان ہوں تو ثواب پہنچتا ہے لیکن اگر دونوں میں سے ایک بھی بے ایمان ہو تو پھر بھیجنے کا کوئی فائدہ نہیں، ثواب نہیں پہنچتا۔ شاید یہی وجہ ہے جو بعض لوگ ثواب نہیں بھیجتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ثواب بھیجتے رہنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

مرکب عبادت کا ثواب بھی پہنچتا ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الوصایا، باب ما جاء فی وصیۃ الحربی یسلم ولیہ ایلزمہ ان ینفذھا، صفحہ: ۵۱۲، رقم الحدیث: ۲۸۸۳ / البانی صاحب نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے/ السنن الکبریٰ للبیھقی، کتاب الوصایا، باب ما جاء فی وصیۃ الحربی یسلم ولیہ ایلزمہ ان ینفذھا، جلد: ۳، صفحہ: ۱۱۸، رقم الحدیث: ۲۸۸۳

[2] عون المعبود شرح ابی داؤد، جلد: ۸، صفحہ: ۶۴، تحت الحدیث: ۲۸۸۳

إِنَّ امْرَأَةً مِنْ جُهَيْنَةَ جَاءَتْ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: إِنَّ أُمِّي نَذَرَتْ أَنْ تَحُجَّ فَلَمْ تَحُجَّ حَتّٰى مَاتَتْ، أَفَأَحُجُّ عَنْهَا؟ قَالَ: نَعَمْ، حُجِّي عَنْهَا، أَرَأَيْتِ لَوْ كَانَ عَلٰى أُمِّكِ دَيْنٌ أَكُنْتِ قَاضِيَةً، اِقْضُوا اللّٰهَ فَاللّٰهُ أَحَقُّ بِالْوَفَاءِ

قبیلہ جہینہ کی ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی اور کہا میری ماں نے حج کی نذر مانی تھی لیکن وہ حج کرنے سے پہلے ہی فوت ہوگئی۔کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں! اس کی طرف سے حج کرو۔ مجھے بتاؤ اگر تمہاری ماں پر قرضہ ہوتا تو کیا تم اس کو ادا کرتی؟ اللہ کا قرض ادا کرو کہ اللہ زیادہ لائق ہے کہ اس کا قرض ادا کیا جائے۔[1]

پتہ چلا کہ مرنے والے کو حج کا ثواب بھی پہنچتا ہے۔

تنبیہ حج کو بعض فقہاء نے مرکب عبادت کی بجائے بدنی عبادت میں شمار کیا ہے۔[2]

حج تین قسم کا ہوتا ہے۔

حج کی اقسام

۱: حج افراد وہ حج ہے جس میں عمرہ نہیں کیا جاتا بس احرام باندھا، حج کیا اور احرام کھول دیا۔حج افراد کے لیے قربانی لازم نہیں ہے چونکہ اس میں مال خرچ نہیں ہوتا شاید اس لیے بعض فقہاء نے حج افراد کو بدنی عبادت کہا ہے۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب جزاء الصید، باب الحج والنذ ورعن المیت، صفحہ: ۴۴۷، رقم الحدیث: ۱۸۵۲ / المعجم الکبیر للطبرانی، جلد: ۱۲، صفحہ: ۵۰، رقم الحدیث: ۱۲۴۴۴

[2] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو عینی شرح ہدایہ، باب الحج عن الغیر، شروط جواز الحج عن الغیر، جلد: ۴، صفحہ: ۴۶۷

۲: حج تمتع پہلے عمرے کا احرام باندھا، اس احرام کے ساتھ عمرہ کیا اور احرام کھول دیا پھر حج کے دنوں میں دوبارہ احرام باندھا اور حج کر لیا چونکہ اس میں ایک ہی سفر میں عمرے کا فائدہ بھی اٹھایا جاتا ہے اس لیے اسے حج تمتع کہتے ہیں۔ عام طور پر لوگ یہی والا حج کرتے ہیں۔ الحمدللہ! ہم بھی یہی حج کرتے ہیں۔ میں نے ۱۹۸۲ء میں جب پہلا حج کیا تو حج افراد کیا تھا۔ پانی کی ایک بوتل اور چھتری پاس تھی۔ مدینہ منورہ سے آٹھ ذوالحج کو چلے اور منی میں پہنچ گئے۔ وہاں جب رات آئی تو کوئی تمبو یا چھت موجود نہیں تھی ایک بس یا ٹرک کے نیچے رات گزاری۔ اتنا بھی خیال نہیں آیا کہ اگر یہ بس یا ٹرک چل پڑا تو کیا بنے گا۔ وہ تو جب گاڑی کے سٹارٹ ہونے کی آواز آئی تو تب آنکھ کھلی اور میں گاڑی کے نیچے سے نکل آیا ورنہ شہید حج بن جانا تھا۔

۳: حج قران بندے نے احرام باندھا اور نیت یہ ہے کہ اسی احرام کے ساتھ پہلے عمرہ کروں گا اور پھر اسی احرام سے حج بھی کروں گا یعنی اس نے عمرے اور حج کو ایک ہی احرام کے ساتھ ملا دیا۔ اسے حج قران کہتے ہیں۔

نوٹ مسئلہ ایصال ثواب کے سلسلے میں صحیح احادیث بھی موجود ہیں اور ضعیف احادیث بھی لیکن ضعیف احادیث اس لیے قبول کی جائیں گی کیونکہ قرآن بھی مسئلہ ایصال ثواب بیان کرتا ہے اور صحیح احادیث بھی۔ قرآن اور صحیح احادیث کی وجہ سے ضعیف احادیث کو بھی تقویت ملے گی۔

میت کے لئے ثواب کے تحائف

میت کو ثواب کے تحائف سے سکون اور راحت ملتی ہے:

احادیث ملاحظہ کیجیے۔

۱: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

اِنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! إِنَّا نَتَصَدَّقُ عَنْ مَوْتَانَا وَنَحُجُّ عَنْهُمْ وَنَدْعُوْ لَهُمْ فَهَلْ یَصِلُ ذٰلِكَ إِلَیْهِمْ فَقَالَ: نَعَمْ إِنَّهٗ لَیَصِلُ إِلَیْهِمْ وَیَفْرَحُوْنَ بِهٖ كَمَا یَفْرَحُ أَحَدُكُمْ بِالطَّرِیْقِ إِذَا أُهْدِیَ إِلَیْهِ

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم اپنے مردوں کی طرف سے صدقہ، حج اور ان کے لیے دعا کرتے ہیں تو کیا ان چیزوں کا ثواب انہیں پہنچتا ہے؟ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان چیزوں کا ثواب یقینا ان کو پہنچتا ہے۔ جس طرح تم میں سے کسی کو ہدیہ دیا جائے تو وہ خوش ہوتا ہے مردے بھی اسی طرح ثواب پہنچنے پر خوش ہوتے ہیں۔[1]

غیر مقلد انکار کریں تو ان کی مرضی لیکن حنفی کہلوانے والے دیوبندی حضرات کو انکار نہیں کرنا چاہیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرما رہے ہیں کہ جس طرح تم دنیا میں ایک دوسرے کو تحائف دیتے ہو اور جس کو تحفہ ملتا ہے وہ خوش ہوتا ہے اسی طرح قبر والے کو جب تم ثواب بھیجتے ہو تو قبر والا بھی قبر کے اندر خوش ہوتا ہے۔

---

[1] البنایہ شرح الھدایہ، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر، شروط جواز الحج عن الغیر، جلد: ۴، صفحہ: ۴۶۶، ۴۶۷

۲: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

مَا مِنْ أَهْلِ بَيْتٍ يَمُوتُ مِنْهُمْ مَيِّتٌ فَيَتَصَدَّقُونَ عَنْهُ بَعْدَ مَوْتِهِ إِلَّا أَهْدَاهَا لَهُ جِبْرِيلُ عَلَى طَبَقٍ مِنْ نُورٍ ثُمَّ يَقِفُ عَلَى شَفِيرِ الْقَبْرِ فَيَقُولُ يَا صَاحِبَ الْقَبْرِ الْعَمِيقِ هٰذِهِ هَدِيَّةٌ أَهْدَاهَا إِلَيْكَ أَهْلُكَ فَاقْبَلْهَا فَتَدْخُلُ عَلَيْهِ فَيَفْرَحُ بِهَا وَيَسْتَبْشِرُ وَيَحْزَنُ جِيرَانُهُ الَّذِينَ لَا يُهْدٰى إِلَيْهِمْ شَيْءٌ

جس میت کے لیے اس کے مرنے کے بعد اس کے گھر والے اس کی طرف سے صدقہ کرتے ہیں تو جبریل علیہ السلام اس کو ایک نورانی طبق میں رکھ کر میت کی قبر کے کنارے پر کھڑے ہو کر کہتے ہیں: اے گہری قبر والے! تیری طرف تیرے گھر والوں نے ہدیہ بھیجا ہے اس کو قبول کر پھر وہ میت ہدیہ حاصل کرنے کے بعد بہت زیادہ مسرور اور شاد ہوتا ہے جبکہ میت کے وہ پڑوسی جن کو کبھی تحائف نہیں پہنچتے بڑے غمگین ہوتے ہیں۔[1]

میت ثواب کا تحفہ پہنچنے پر جشن مناتی ہے۔ اس بات کو یوں سمجھو کہ مثال کے طور پر جب کوئی تحفہ کسی بچے کے لیے آتا ہے تو وہ بہت خوش ہوتا ہے اور خوش ہو کر تھوڑی دیر بعد اس تحفے کو لے کر باہر نکلتا ہے تاکہ دوستوں کو دکھا سکے۔

میں جب دبئی گیا تو میں نے محمد ذیشان سعید سے پوچھا کہ بیٹا تمہارے لیے وہاں

---

[1] شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور للسیوطی، باب ما ینفع المیت فی قبرہ، صفحہ: ۳۰۰/تفسیر مظہری، جلد: ۹، صفحہ: ۱۲۸، تحت آیت سورۃ نجم: ۳۹/ المعجم الاوسط للطبرانی، من اسمہ محمد، جلد: ۵، صفحہ: ۳۷، رقم الحدیث: ۶۵۰۴/ مجمع الزوائد، کتاب الصیام، باب الصدقۃ علی المیت، جلد: ۳، صفحہ: ۱۳۹، رقم الحدیث: ۴۷۷۰

سے کیا لاؤں؟ تو یہ کہنے لگے کہ اڑنے والا ہوائی جہاز لے کر آیئے گا۔ میں ایک دن مارکیٹ گیا اور وہاں سے کھلونا ہوائی جہاز لے آیا۔ جب میں نے وہ تحفہ محمد ذیشان کو دیا تو اس نے تھوڑی دیر کھولا، اسے دیکھا پھر اسے پیک کر کے باہر جانے لگا۔ میں نے پوچھا کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ تو کہنے لگا میں اپنے دوست کو تحفہ دکھانے جا رہا ہوں۔ یہی حال قبر والے کا ہوتا ہے۔ جب قبر والے کو ثواب کا تحفہ ملتا ہے تو وہ بڑا خوش ہوتا ہے۔ پھر وہ دوسروں کو دکھاتا ہے کہ دیکھو میرے گھر والوں نے مجھے تحفہ بھیجا ہے۔ اب جس بچے کو تحفہ دکھایا جاتا ہے اگر اس کا بھی کوئی لا کر دینے والا ہو تو وہ کہتا ہے ٹھہر! میں بھی تجھے دکھاتا ہوں میرے ابو نے بھی مجھے تحفہ لا کر دیا تھا اور جس کا کوئی نہیں ہوتا وہ پھر اس وقت روتا ہے، شرمسار اور غمگین ہوتا ہے کہ ہائے میرا بھی کوئی ہوتا مجھے بھی لا کر دیتا۔ بس اسی طرح سمجھو کہ قبر والا جب جبریل کے ہاتھوں گفٹ موصول کرتا ہے تو وہ بھی خوش ہوتا ہے اور اس کے وہ پڑوسی جن کو تحائف ملتے رہتے ہیں وہ بھی خوش ہوتے ہیں اور جن کو نہیں ملتے وہ اس وقت پریشان ہوتے ہیں کہ ہائے ہمارا بھی کوئی ہوتا تو آج ہمارے لیے تحفہ بھیجتا۔

میرے بھائی! ضعیف حدیث کہہ کے اس کا انکار نہ کرنا، سوچنا اگر کہیں قبر میں تیرے ساتھ یہ معاملہ پیش آیا تو پھر تو کیا کرے گا۔ تیرا پڑوسی تو خوش ہوگا کہ اس کے بیٹے اس کے لیے بھیجیں گے لیکن تجھے ثواب بھیجنے والا کوئی بھی نہیں ہوگا۔

کئی لوگوں کی مت ماری جاتی ہے وہ شرعی مسائل میں بھی مذاق کرتے ہیں۔ ہمارے ایک بہت بڑے مناظر مولانا حشمت علی خان رحمۃ اللہ علیہ گزرے ہیں وہ کہیں جا رہے

تھے کہ راستے میں ایک آدمی ملا کہنے لگا حضرت! یہ جو آپ کے مردے ہیں، آپ ان کو کھانے وغیرہ بھیجتے ہیں کیا یہ کھاتے ہیں؟ وہ بڑے ہوشیار آدمی تھے فورا کہنے لگے ہاں! کھاتے ہیں۔ وہ آدمی کہنے لگا: حضرت! پھر وہ ہگتے بھی ہوں گے۔ آپ نے کہا: ہاں ہگتے بھی ہیں۔ وہ کہنے لگا وہاں کوئی فلش وغیرہ نہیں ہے پھر تو آپ کے مردوں کی قبریں بہت گندی ہو چکی ہوں گی۔ آپ نے کہا: نہیں گندی نہیں ہیں۔ ہمارے مردوں کو پہنچتا رہتا ہے وہ کھاتے رہتے ہیں۔ تم اپنے مردوں کو کچھ نہیں بھیجتے وہ بھوکے ہوتے ہیں بس وہ اسی انتظار میں ہوتے ہیں کہ ہمارے والے ہگیں اور تمہارے والے آن کے کھائیں۔ لوگ اس طرح کے مذاق کرتے رہتے ہیں۔ جواب بھی ہوتا رہتا ہے۔ شرعی مسائل میں مذاق نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کرم فرمائے۔

مسئلہ ایصال ثواب میں صحابہ کرام کا عمل ﷺ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَحُثُّ عَلَى الدُّعَاءِ وَالصَّدَقَةِ وَالْقُرْبِ الْمُهْدَاةِ لِلْاَمْوَاتِ مِنْ اَقَارِبِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ وَيَقُوْلُ اِنَّ ذٰلِكَ كُلَّهٗ يَنْفَعُهُمْ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں ترغیب دیتے تھے کہ اموات کو عزیز و اقارب کی طرف سے دعا، صدقہ اور عبادت کا تحفہ پہنچتے رہنا چاہیے اور فرمایا کرتے تھے کہ ان میں سے ہر چیز اموات کو نفع دیتی ہے۔[1]

---

[1] کشف الغمہ از مبین مذاہب امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ، جلد اول، صفحہ: ۱۷۴

جلیل القدر تابعی حضرت طاوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إِنَّ الْمَوْتٰى يُفْتَنُوْنَ فِيْ قُبُوْرِهِمْ سَبْعًا، فَكَانُوْا يَسْتَحِبُّوْنَ أَنْ يُّطْعَمَ عَنْهُمْ تِلْكَ الْأَيَّامَ

مردے اپنی قبور میں سات روز تک آزمائش میں رہتے ہیں (تنہائی اور وحشت محسوس کرتے ہیں) اس لیے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مسلسل سات روز تک ان اموات کی طرف سے (مستحقین کو) کھانا کھلاتے تھے۔ [1]

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے ایک ایک راوی کی ثقاہت ثابت کرنے کے بعد اس حدیث کو مرفوع مرسل قرار دیا ہے۔ [2]

طاوس تابعی ہیں درمیان میں ایک راوی صحابی نہیں ہیں۔ طاوس بیان کر رہے ہیں کہ صحابہ یہ کیا کرتے تھے۔ جب اس طرح کی بات ہو کہ صحابہ یہ کیا کرتے تھے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے نہیں بلکہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم سے اس طرح کیا کرتے تھے۔

امام ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

[1] الحاوی للفتاوی، کتاب البعث، مبحث المعاد، طلوع الثریا باظہار ما کان خفیا، جلد دوم، صفحہ:۲۱۶ / حلیۃ الاولیاء لابی نعیم الاصبھانی، رقم الترجمہ: طاؤس بن کیسان، جلد:۴، صفحہ:۱۱ / در منثور، جلد:۵، صفحہ:۳۸، تحت آیت سورۃ ابراہیم:۲۷ / شرح الصدور للسیوطی، باب فتنۃ القبر وسؤال الملکین، صفحہ:۱۴۱ / المطالب العالیۃ بزوائد المسانید العشرۃ لابن حجر العسقلانی، کتاب الجنائز، باب صنعۃ الطعام لاھل المیت، جلد:۵، صفحہ:۳۳۰، رقم الحدیث:۸۳۴ / صفۃ الصفوۃ لابن الجوزی، ذکر المصطفین من طبقات اھل الیمن من التابعین ومن بعدھم، من الطبقۃ الثانیۃ، رقم الترجمہ:۲۴۳، طاؤس بن کیسان، جلد اول، صفحہ:۴۵۴

[2] الحاوی للفتاوی، کتاب البعث، مبحث المعاد، طلوع الثریا باظہار ما کان خفیا، جلد دوم، صفحہ:۲۱۶

وَهٰذَا مِنْ بَابِ قَوْلِ التَّابِعِيِّ كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ وَفِيْهِ قَوْلَانِ لِأَهْلِ الْحَدِيْثِ وَالْأُصُوْلِ: أَحَدُهُمَا أَنَّهٗ أَيْضًا مِنْ بَابِ الْمَرْفُوْعِ وَأَنَّ مَعْنَاهُ كَانَ النَّاسُ يَفْعَلُوْنَ ذٰلِكَ فِي عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَعْلَمُ بِهٖ وَيُقِرُّ عَلَيْهِ وَالثَّانِي أَنَّهٗ مِنْ بَابِ الْعَزْوِ إِلَى الصَّحَابَةِ دُوْنَ انْتِهَائِهٖ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلٰى هٰذَا قِيْلَ إِنَّهٗ إِخْبَارٌ عَنْ جَمِيْعِ الصَّحَابَةِ فَيَكُوْنُ نَقْلًا لِلْإِجْمَاعِ

جب کوئی تابعی یہ کہے کہ وہ کرتے تھے تو محدثین اور اہل اصول کے نزدیک اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ بھی باب مرفوع میں سے ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ اطہر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یوں کیا کرتے تھے اور یہی بات معلوم ہوتی تھی اور اسی کا اقرار کیا جاتا تھا۔ دوسرا یہ کہ یہ چیز صرف صحابہ کرام تک منسوب ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک منتھی کیے بغیر۔ اس قول کے مطابق یہ دعوی کیا گیا ہے کہ یہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خبر ہے اس طرح یہ کلام اجماع کی نقل کہلائے گا۔[1]

کھانے کے اوپر قرآن پڑھنا

اعتراض

تم نے ایصال ثواب کے ثبوت میں جتنے دلائل پیش کیے ہم تسلیم کرتے ہیں۔ ہمیں ایصال ثواب کے بارے میں کوئی اشکال نہیں لیکن یہ جو تم کھانے کی چیزوں کے اوپر قرآن شریف کی مخصوص آیات پڑھتے اور ان کے پڑھنے کو لازم قرار دیتے ہو یہ درست

[1] الفتاوی الفقھیۃ الکبری لابن حجر المکی، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز، جلد: ۲، صفحہ: ۳۱

نہیں ہے۔اس پر کتاب وسنت کے دلائل پیش کرو۔

جواب ہر بندے کو دیانت وامانت سے کام لینا چاہیے۔سوال اور اعتراض اس نظریہ پر کرنا چاہیے جس پر مدمقابل کا اعتقاد ہو۔میں اہلسنت کا خادم ہونے کی حیثیت سے برملا اعلان کرتا ہوں کہ ہمارے نزدیک کھانے کے اوپر چند مخصوص سورتوں کا پڑھنا لازمی نہیں ہے۔ہم یہ ہرگز نہیں کہتے کہ ایصال ثواب کے لیے کھانا شرط ہے اور کھانے پر قرآن حکیم پڑھنا شرط ہے۔ ہمارے نزدیک اگر کسی نے صرف کھانا پکا کر کسی کو کھلا کر اس کا ثواب میت کو پہنچایا تب بھی جائز۔اگر صرف قرآن حکیم پڑھ کر اس کا ثواب میت کو بخشا تب بھی جائز۔اگر کسی نے قرآن حکیم بھی پڑھا اور کھانا بھی پکایا لیکن کھانے پر قرآن حکیم نہیں پڑھا بلکہ الگ پڑھا اور ان دونوں چیزوں کا ثواب میت کو ہدیہ کیا تب بھی جائز اور اگر کسی نے کھانا پکایا اور کھانا سامنے رکھ کر اوپر قرآن حکیم کی چند آیات بھی پڑھ دیں اور پھر اس طعام اور کلام الٰہی کا ثواب میت کو پہنچایا تب بھی جائز ہے لیکن اگر کوئی یہ سمجھے کہ جب تک کھانے پر قرآن حکیم کی چند مخصوص آیات نہ پڑھی جائیں اتنی دیر تک میت کو ثواب پہنچ ہی نہیں سکتا وہ درحقیقت شریعت مطہرہ پر افتراء کرنے والا ہے۔اس کو اپنے اس برے نظریے سے توبہ کرنی چاہیے۔اسی طرح اگر کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ اگر صرف کھانے کا ثواب میت کو بھیجا جائے تو پہنچے گا اسی طرح اگر صرف قرآن خوانی کی جائے تو اس کا ثواب بھی پہنچے گا لیکن اگر کھانا سامنے رکھ کر کھانے کے اوپر قرآن پڑھا جائے تو ثواب نہیں پہنچے گا بلکہ ایسا کرنا بدعت اور گناہ ہوگا۔ایسا نظریہ رکھنے والا بھی شریعت پر افتراء کرنے والا ہے۔ایسے شخص کو

بھی اپنے برے نظریے سے توبہ کرنی چاہیے۔اگر کوئی اس برے نظریے پر اصرار کرے تو اس پر لازم ہے کہ وہ قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ سے ایسی تصریح پیش کرے کہ قرآن حکیم اور طعام کا ثواب الگ الگ ہونے کی صورت میں تو میت کو پہنچے گا لیکن اگر کھانے کے اوپر قرآن حکیم پڑھا تو گناہ ہوگا۔اب آیئے قرآن وسنت سے راہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾

اور ہم قرآن میں وہ چیز نازل فرماتے ہیں جو کہ ایمان والوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور اس سے ظالموں کا خسارہ ہی بڑھتا ہے۔[۱]

قرآن حکیم سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ مومن قرآن حکیم سنتے ہیں تو ان پر رحمت کا نزول ہوتا ہے اور ان کے دلوں کو شفا نصیب ہوتی ہے لیکن اگر اسی قرآن کو ظالم سنیں تو ان کے دلوں کی جلن میں اضافہ ہوتا ہے۔غور کیجیے کہ شرع شریف نے کھانے پر قرآن حکیم پڑھنے کی ممانعت ہرگز نہیں فرمائی اب اگر محض حصول برکت کے لیے قرآن حکیم کی چند آیات پڑھ دی جائیں تو سننے والا اگر دل میں جلن اور کڑھن محسوس کرے تو اس کو اپنے انجام کی فکر کرنی چاہیے کہ کہیں وہ خسارہ پانے والوں میں تو شامل نہیں؟ اور اگر قرآن حکیم کی آیات سن کر اپنے دل میں ٹھنڈک اور فرحت محسوس ہو تو یہ ایمان کی نشانی ہے۔

---

[۱] سورۃ بنی اسرائیل:۸۲

لطیفہ ﷺ بہت عرصہ پہلے مجھے ٹیلی فون آیا کہ چند مختلف مکاتب فکر کے علماء آپ سے ملنے کے لیے آ رہے ہیں اور وہ کھانا بھی آپ کے پاس کھائیں گے۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا: ٹھیک ہے میں بھی آج انہیں گیارھویں شریف کا ختم پڑھ کے کھانا کھلاؤں گا۔ میں نے کھانا وغیرہ تیار کروایا۔ ایک اہلحدیث عالم جو کہ اب بھی فیصل آباد میں موجود ہیں مجھے دارالحدیث میں ملے۔ انہوں نے معانقہ بھی کیا اور کہنے لگے اسعد صاحب! ہم تو قرآن حدیث کے ماننے والے ہیں۔ اللہ کی قسم! جب نبی کریم ﷺ کی حدیث آ جاتی ہے تو ہم سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ ہم نے کبھی کسی حدیث میں پڑھا ہی نہیں کہ کھانے کے اوپر بھی قرآن کی آیات پڑھی جا سکتی ہیں۔ اگر حدیث مل جائے تو ہم نے کیوں اعتراض کرنا ہے۔ میں نے ان کو کہا: مولوی صاحب! آپ لوگ صرف نام کے ہی اہلحدیث ہو، پکے اہلحدیث نہیں ہو اور اپنی جماعت کے بڑے پکے مقلد ہو۔ ہم باتیں کرتے کرتے چھوٹے کمرے میں جا کر بیٹھ گئے۔ وہ مجھے کہنے لگے کہ آپ ایسے ہی ہمارے بارے میں شک کرتے رہتے ہیں ایسی بات نہیں ہے۔ میں نے کہا مجھے شک نہیں بلکہ یقین ہے۔ تھوڑی دیر باتیں ہوئیں پھر میں نے علامہ عبدالمجید صاحب سے کہا بیٹا! ذرا تفسیر درمنثور لے کر آنا۔ تفسیر درمنثور آ گئی تو میں نے ان کے سامنے یہ حدیث کھول کر رکھ دی اور کہا اسے پڑھیں دیکھیں کہ کیا لکھا ہوا ہے:

سیدہ طیبہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

اِنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَشَكَا إِلَيْهِ أَنَّ مَا فِي بَيْتِهٖ مَمْحُوقٌ مِّنَ الْبَرَكَةِ فَقَالَ: أَيْنَ أَنْتَ مِنْ آيَةِ الْكُرْسِيِّ مَا تَلَيْتَ عَلٰى طَعَامٍ وَلَا عَلٰى إِدَامٍ إِلَّا أَنْمَى اللهُ بَرَكَةَ ذٰلِكَ الطَّعَامِ وَالْإِدَامِ

ایک شخص نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور اس نے اپنے گھر میں برکت نہ ہونے کی شکایت کی۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم آیۃ الکرسی کیوں نہیں پڑھتے؟ جس کھانے پر یا سالن پر آیۃ الکرسی پڑھو گے اللہ تعالیٰ اس کھانے اور سالن میں برکت پیدا فرمادے گا۔[1]

وہ حدیث پڑھ کر کہنے لگے اسعد صاحب! آپ کے پاؤں میں چنبل تھی اس کا کیا حال ہے؟ میں نے کہا اللہ کرے گا تو چنبل ٹھیک ہو جائے گی آپ بس یہ بتائیں کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے؟ وہ کہنے لگے آپ یہ بتائیں آپ کی طبیعت ٹھیک رہتی ہے؟ وہ اس طرف آئے ہی نہیں۔ خیر مختلف مکاتب فکر کے علماء آئے میں نے ان کو کھانا پیش کیا۔ جب کھانا کھا کر فارغ ہوئے تو میں نے کہا حضرت! دعا کر دیں۔ انہوں نے دعا کی اور یہ دعا بھی کی کہ یا اللہ! یہ جو ہم نے کھانا کھایا ہے اس کا ثواب مولانا سعید اسعد صاحب کی والدہ ماجدہ کو پہنچا۔ جب انہوں نے دعا کر لی تو میں نے جزاک اللہ کہا اور کہا اب مسئلہ ایصال ثواب پر لڑائی ختم ہوگئی ہے کیونکہ آپ نے کھانے کا ثواب میری والدہ ماجدہ کو بھیجا ہے اسی کو ہم ختم شریف کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

---

[1] تفسیر در منثور، جلد: ۲، صفحہ: ۶، زیر آیت سورۃ البقرہ: ۲۵۵

چند احادیث ملاحظہ کیجیے:

۱: حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قَالَ أَبُوْ طَلْحَةَ لِأُمِّ سُلَيْمٍ لَقَدْ سَمِعْتُ صَوْتَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِي ضَعِيْفًا أَعْرِفُ فِيْهِ الْجُوعَ فَهَلْ عِنْدَكِ مِنْ شَيْءٍ ؟ فَقَالَتْ نَعَمْ فَأَخْرَجَتْ أَقْرَاصًا مِنْ شَعِيْرٍ ثُمَّ أَخْرَجَتْ خِمَارًا لَهَا فَلَفَّتِ الْخُبْزَ بِبَعْضِهٖ ثُمَّ دَسَّتْهُ فِي يَدِيْ وَرَدَّتْنِيْ بِبَعْضِهٖ ثُمَّ أَرْسَلَتْنِيْ إِلٰى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَذَهَبْتُ بِهٖ إِلَيْهِ فَوَجَدْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا فِي الْمَسْجِدِ وَمَعَهُ النَّاسُ قَالَ: فَقُمْتُ عَلَيْهِمْ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَرْسَلَكَ أَبُوْ طَلْحَةَ؟ فَقُلْتُ نَعَمْ قَالَ: بِطَعَامٍ؟ فَقُلْتُ: نَعَمْ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَنْ مَعَهٗ: قُوْمُوْا قَالَ: فَانْطَلَقُوْا فَانْطَلَقْتُ بَيْنَ أَيْدِيْهِمْ حَتّٰى جِئْتُ أَبَا طَلْحَةَ فَأَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ أَبُوْطَلْحَةَ: يَا أُمَّ سُلَيْمٍ قَدْ جَاءَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ مَعَهٗ وَلَيْسَ عِنْدَنَا مَا نُطْعِمُهُمْ قَالَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ: اَللهُ وَرَسُولُهٗ أَعْلَمُ قَالَ: فَانْطَلَقَ أَبُوْطَلْحَةَ حَتّٰى لَقِيَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَقْبَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُوْطَلْحَةَ مَعَهٗ حَتّٰى دَخَلَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَلُمِّي يَا أُمَّ سُلَيْمٍ مَا

عِنْدَكِ ؟ فَأَتَتْهُ بِذٰلِكَ الْخُبْزِ فَأَمَرَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَفُتَّ وَعَصَرَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ بِعُكَّةٍ لَهَا فَآدَمَتْهُ، ثُمَّ قَالَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَّقُوْلَ ثُمَّ قَالَ: ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَأَذِنَ لَهُمْ فَأَكَلُوْا حَتّٰى شَبِعُوْا ثُمَّ خَرَجُوْا ثُمَّ قَالَ:ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَأَذِنَ لَهُمْ فَأَكَلُوْا حَتّٰى شَبِعُوْا ثُمَّ خَرَجُوْا فَأَكَلَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ وَشَبِعُوْا وَالْقَوْمُ سَبْعُوْنَ أَوْ ثَمَانُوْنَ رَجُلًا

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سنی ہے جو کہ ضعیف معلوم ہوتی ہے۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ آپ کو بھوک لگی ہوئی ہے۔ کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! ہے پھر انہوں نے جو کی چند روٹیاں نکالیں اور ایک اوڑھنی کے کونہ میں لپیٹ کر مجھے پکڑائیں اور باقی اوڑھنی مجھے اوڑھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں بھیجا۔ جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہاں کافی لوگ موجود تھے۔ میں (نے معاملہ تو عرض نہ کیا) لیکن دوسرے لوگوں کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا: کیا تجھے ابوطلحہ نے بھیجا ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! آپ نے فرمایا: کھانا دے کر بھیجا ہے؟ میں نے پھر عرض کی جی ہاں! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پاس حاضر لوگوں سے فرمایا: اٹھو! حضرت انس فرماتے ہیں وہ سب چل پڑے تو میں نے ان کے آگے آگے چل کر ابوطلحہ کے پاس آ کر انہیں اس چیز کی خبر دی تو ابوطلحہ نے ام سلیم رضی اللہ عنہا سے کہا کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ دوسرے لوگ

بھی آرہے ہیں اور ہمارے پاس کوئی ایسی چیز موجود نہیں کہ سب کو کھلا سکیں۔ حضرت ام سلیم نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ نے رسول اللہ ﷺ کا استقبال کیا۔ نبی کریم ﷺ اور ابوطلحہ دونوں گھر میں داخل ہوئے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اے ام سلیم! تیرے پاس جو کچھ ہے لے آ تو وہ وہی روٹیاں لے کر حاضر ہوئیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ان روٹیوں کو توڑنے کا حکم دیا پھر ام سلیم نے ان روٹی کے ٹکڑوں پر (گھی) کی ڈبیہ الٹا کر ان کو روغنی کر دیا پھر رسول اللہ ﷺ نے ان ٹکڑوں پر جو اللہ نے چاہا پڑھا پھر ارشاد فرمایا: دس آدمیوں کو بلاؤ۔ وہ آئے اور سیر ہو کر کھا کے چلے گئے پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دس اور لوگوں کو بلاؤ وہ بھی آئے اور سیر ہو کر کھا کے چلے گئے پھر فرمایا: دس اور لوگوں کو بلاؤ وہ بھی سیر ہو کر کھا کے چلے گئے۔ غرض سب لوگ سیر ہو گئے اور یہ ستر یا اسی لوگ تھے۔ [1]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کھانے پر سرکار دوعالم ﷺ نے اللہ کے حکم سے کچھ پڑھا۔ سوال یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کھانے پر کیا پڑھا تھا؟ دو ہی صورتیں ہیں یا تو قرآن پڑھا تھا یا اپنی طرف سے کچھ پڑھا تھا۔ اگر اپنی طرف سے کچھ پڑھا تھا تو ثابت ہوا کہ کھانے پر کلام رسول ﷺ پڑھا گیا۔ جب کھانے پر کلام رسول پڑھے

---

[1] سنن ترمذی، کتاب المناقب عن رسول اللہ ﷺ، باب فی کفایۃ بعض اقراص من شعیر، صفحہ: ۸۲۶، رقم الحدیث: ۳۶۳۰/ امام ترمذی اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور البانی صاحب نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا/ صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، صفحہ: ۸۸۱، رقم الحدیث: ۳۵۷۸/ صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، باب جواز استتباعہ غیرہ الی دار من یثق برضاہ بذلک، صفحہ: ۹۰۹، ۹۱۰، رقم الحدیث: ۲۰۴۰

جانے سے اتنی زیادہ برکت ہوگئی تو کلام الٰہی پڑھنے سے کتنی برکت ہوگی۔ میرے بھائی! ضد نہ کرو اور یہ نہ کہا کرو کہ جس کھانے پر قرآن کی آیات پڑھی جائیں وہ ضائع اور پلید ہوجاتا ہے۔

۲: حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ طَعَامًا فَلْيَقُلْ بِسْمِ اللهِ فَإِنْ نَسِيَ فِي أَوَّلِهِ فَلْيَقُلْ بِسْمِ اللهِ فِي أَوَّلِهِ وَآخِرِهِ

جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو بِسْمِ اللهِ پڑھ لے۔ اگر کوئی کھانے کی ابتداء میں بِسْمِ اللهِ پڑھنا بھول جائے تو اسے چاہیے کہ بِسْمِ اللهِ فِي أَوَّلِهِ وَآخِرِهِ پڑھے۔[۱]

اس حدیث میں حکم دیا کہ کھانے پر بسم اللہ پڑھو۔ کھانے پر بسم اللہ پڑھنے کا مطلب یہ نہیں کہ کھانے کو پیچھے رکھ کر بسم اللہ پڑھو بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کھانا سامنے ہو تو بسم اللہ پڑھو۔ بِسْمِ اللهِ فِي أَوَّلِهِ وَآخِرِهِ کلام رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے جبکہ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کلام الٰہی ہے۔

---

[۱] المستدرک علی الصحیحین، کتاب الاطعمہ، جلد: ۴، صفحہ: ۱۲۱، رقم الحدیث: ۷۰۸۷ / امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ صحیح الاسناد حدیث ہے/ حافظ ذھبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا/ سنن ابی داود، کتاب الاطعمہ، باب التسمیۃ علی الطعام، صفحہ: ۶۷۸، رقم الحدیث: ۳۷۶۷ / البانی صاحب ابوداؤد میں موجود حدیث کو صحیح قرار دیتے ہیں/ مسند احمد، مسند الصدیقۃ عائشہ بنت الصدیق، جلد: ۴۲، صفحہ: ۴۷۹، رقم الحدیث: ۲۵۷۳۳ /سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمہ، باب التسمیۃ عند الطعام، صفحہ: ۵۹۷، ۵۹۸، رقم الحدیث: ۳۲۶۴ /سنن ترمذی، ابواب الاطعمہ، باب ماجاء فی التسمیۃ علی الطعام، صفحہ: ۵۷۳، رقم الحدیث: ۱۸۵۸

۳: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اصحاب نے عرض کیا:

يَا رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! إِنَّا نَأْكُلُ وَلَا نَشْبَعُ قَالَ: فَلَعَلَّكُمْ تَفْتَرِقُونَ؟ قَالُوا: نَعَمْ قَالَ: فَاجْتَمِعُوا عَلَى طَعَامِكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللهِ عَلَيْهِ يُبَارَكْ لَكُمْ فِيهِ

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! ہم کھانا کھاتے ہیں لیکن سیر نہیں ہو پاتے۔ فرمایا: شاید تم الگ الگ کھانا کھاتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں! ہم الگ الگ کھانا کھاتے ہیں۔ ارشاد فرمایا: مل کر کھانا کھاؤ اور کھانے پر اللہ کا نام لو، تمہارے لیے اس کھانے میں برکت رکھ دی جائے گی۔[۱]

اس حدیث سے بھی واضح طور پر معلوم ہوا کہ کھانے پر اگر اللہ کا نام لیا جائے تو کھانے میں برکت پیدا ہو جاتی ہے۔ برکت صرف بسم اللہ میں ہی نہیں بلکہ سارے کلام الٰہی میں ہے۔ جہاں سے بھی پڑھو برکت ہو جائے گی۔

۴: حضرت امیہ بن مخشی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا وَرَجُلٌ يَأْكُلُ فَلَمْ يُسَمِّ حَتَّى لَمْ يَبْقَ مِنْ طَعَامِهِ إِلَّا لُقْمَةٌ فَلَمَّا رَفَعَهَا إِلَى فِيهِ قَالَ: بِسْمِ اللهِ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ:

---

[۱] سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمہ، باب فی الاجتماع علی الطعام، صفحہ: ۶۷۷، رقم الحدیث: ۳۷۶۴/ البانی صاحب نے اس حدیث کو حسن قرار دیا/سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمہ، باب الاجتماع علی الطعام، صفحہ: ۶۰۱، ۶۰۲، رقم الحدیث: ۳۲۸۶

مَا زَالَ الشَّيْطَانُ يَأْكُلُ مَعَهُ فَلَمَّا ذَكَرَ اسْمَ اللهِ عَزَّوَجَلَّ اسْتَقَاءَ مَا فِي بَطْنِهِ۔

نبی کریم ﷺ جلوہ گر تھے کہ ایک صاحب کھانا کھا رہے تھے۔ انہوں نے بِسْمِ اللهِ نہیں پڑھی یہاں تک کہ صرف ایک لقمہ ہی کھانے سے باقی رہ گیا کہ انہوں نے وہ ایک لقمہ اپنے منہ تک اٹھایا اور بِسْمِ اللهِ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ پڑھا۔ نبی اقدس ﷺ مسکرا دیئے اور ارشاد فرمایا: شیطان اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہو گیا تھا پھر جب اس نے اللہ کا نام لیا تو جو کچھ شیطان کے پیٹ میں تھا اس نے قے کر دی۔ [1]

سبحان اللہ! کیا شاندار نظارہ ہوگا جب نبی کریم ﷺ مسکراتے ہوں گے۔

یہ ستاروں کا تبسم ہے نظر نواز لیکن

جو حضور مسکراتے تو کچھ اور بات ہوتی

شہروں میں تاروں کے چمکنے کا دلکش منظر نظر نہیں آتا۔ کسی گاؤں، جنگل یا صحرا میں چلے جاؤ تو وہاں تاروں کے چمکنے کا بڑا شاندار منظر ہوتا ہے۔ میں ایک مرتبہ بلوچستان میں خاران تقریر کر کے کوئٹہ واپس آیا، بہت طویل سفر تھا تقریباً آٹھ گھنٹے کی مسافت تھی۔

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمہ، باب التسمیۃ علی الطعام، صفحہ: ۶۷۸، رقم الحدیث: ۳۷۶۸/ البانی صاحب نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا جبکہ زبیر علی زئی صاحب نے اس حدیث کو حسن قرار دیا/ المستدرک علی الصحیحین، کتاب الاطعمہ، جلد: ۵، صفحہ: ۳۰۷، رقم الحدیث: ۷۲۴۱/ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو صحیح الاسناد قرار دیا اور حافظ ذہبی نے اس کی موافقت کی/ مسند احمد بن حنبل، حدیث امیۃ بن مخشی، جلد: ۳۱، صفحہ: ۲۹۶، رقم الحدیث: ۱۸۹۶۳/ السنن الکبری للنسائی، کتاب الولیمہ، باب اذنسی الذکر ثم ذکر، جلد: ۶ صفحہ: ۲۶۳، رقم الحدیث: ۶۷۲۵

سڑکیں بھی کچی تھیں۔ٹائر پنکچر ہوگیا۔ہم گاڑی سے اترے۔رات کا وقت تھا۔جب نگاہ آسمان کی طرف اٹھی تو تاروں کے چمکنے کا بڑا پر لطف منظر تھا۔

نبی کریم ﷺ کے پاس صحابہ کرام بھی بیٹھے ہوئے تھے لیکن صحابہ کو شیطان کا قے کرنا نظر نہیں آیا۔ پتہ چلا اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کی آنکھوں سے پردے ہٹا دیتا ہے تو آپ کی آنکھ غیبی چیزوں کو بھی دیکھ لیتی ہے۔کبھی بھی مصطفیٰ کریم ﷺ کو اپنے جیسا بشر نہ سمجھنا۔

یہاں سے ایک مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا کہ پڑھائی والی روٹی شیطانوں کو ہضم نہیں ہوتی۔جو لوگ کہہ دیتے ہیں کہ چونکہ تم نے کھانے کے اوپر قرآن پڑھ دیا ہے اس لیے یہ کھانا حرام ہوگیا ہے ان کو سوچنا چاہیے کہ وہ کس گروپ میں شامل ہورہے ہیں؟ قرآن پاک ہے، کھانا بھی پاک ہے اور کھانے پر اللہ کا پاک نام لیا تو اس میں پلیدی کہاں سے آگئی؟

بِسْمِ اللّٰهِ أَوَّلَهٗ وَآخِرَهٗ کلام مصطفوی ہے اس اعتبار سے کہ یہ الفاظ نبی کریم ﷺ نے سکھائے تھے یا یوں کہہ لیجیے کہ یہ الفاظ جو صحابی رسول نے کھانے پر پڑھے تھے وحی غیر متلو کے الفاظ ہیں۔جب کھانے پر وحی غیر متلو میں سے پڑھنے سے اتنی برکت نازل ہوتی ہے تو وحی متلو (قرآن) میں سے پڑھنے سے کس قدر برکت نازل ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ (۱۱۸)
وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ

جس چیز پر اللہ کا نام لیا گیا اس کو کھاؤ اگر تم اللہ کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جس چیز پر اللہ کا نام لیا گیا تم اسے کھاتے کیوں نہیں اور جو چیزیں اللہ نے تم پر حرام کی ہیں اللہ ان چیزوں کو تفصیل سے بیان کر چکا ہے۔ [1]

اللہ تعالیٰ حکم دے رہا ہے کہ حلال چیز یا جانور جس پر بوقت ذبح اللہ کا نام لیا گیا اسے کھاؤ۔ پتہ چلا جس چیز پر اللہ کا نام لیا جائے وہ چیز اللہ کا نام لینے کی وجہ سے حرام نہیں ہوتی۔ حرام چیزوں کو اللہ تعالیٰ بڑی تفصیل سے بیان کر چکا ہے۔

میرے بھائی! میرے عزیز! میرے بیٹے! جس کھانے پر قرآن مجید کی چند آیات برکت کے لیے پڑھی جائیں اور ان کا ثواب ایصال کیا جائے تو وہ بھی انہی چیزوں میں سے ہے جن پر اللہ کا نام لیا گیا۔ اللہ فرما رہا ہے کہ تم ان چیزوں کو کیوں نہیں کھاتے؟ جبکہ اللہ حرام چیزوں کو مفصل بیان کر چکا ہے۔ کیا اللہ نے کسی جگہ فرمایا ہے کہ جس روٹی پر قرآن پڑھا جائے تم نے اس روٹی کو نہیں کھانا کیونکہ وہ حرام ہے؟

میرے بیٹے! دین میں دھاندلی نہیں کرنی چاہیے۔ دین نام ہی نبی کریم ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے سامنے سر جھکانے کا ہے۔

۵: ابو جعفر محمد بن علی (امام محمد باقر) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مَنْ وَجَدَ فِي قَلْبِهِ قَسْوَةً فَلْيَكْتُبْ {يس وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ} فِي جَامٍ بِزَعْفَرَانَ، ثُمَّ يَشْرَبُهُ

---

[1] سورۃ الانعام: ۱۱۸، ۱۱۹

جو شخص اپنے قلب میں کچھ سختی اور قساوت محسوس کرتا ہو اسے چاہیے کہ ایک پیالے میں زعفران اور گلاب سے سورۃ یٰسین لکھے اور پی جائے۔[1]

اگر کوئی زعفران اور گلاب کو ملا کر سورۃ یٰسین لکھے اور اسے پیے تو اس کی قلبی قساوت دور ہوتی ہے تو جس کھانے پر سورۃ یسین، آیۃ الکرسی اور اللہ کا کلام پڑھا جائے اس کو کھانے سے بھی اللہ تعالیٰ بے ایمانی والی نحوست کو باہر نکال دے گا۔

۶: حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَدَغَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَقْرَبٌ، فَدَعَا بِمَاءٍ وَمِلْحٍ وَجَعَلَ يَمْسَحُ عَلَيْهَا وَيَقْرَأُ: {قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ} وَ{قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ} وَ{قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ}

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بچھو نے کاٹ لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی اور نمک منگوا کر زخم پر ملنا شروع کر دیا اور آپ یہ سورتیں پڑھتے جاتے تھے: قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ، قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔[2]

---

[1] شعب الایمان للبیھقی، تعظیم القرآن، فصل فی فضائل السور والآیات، ذکر سورۃ یسین، جلد: ۴، صفحہ: ۹۹، رقم الحدیث: ۲۲۴۰ / شعب الایمان کے محقق الدکتور عبدالعلی عبدالحمید حامد اس حدیث کی سند کو ضعیف قرار دیتے ہیں/ الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی، جلد: ۴، النوع الخامس والسبعون، فی خواص القرآن، صفحہ: ۱۶۳ / المستدرک علی الصحیحین، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ یسین، جلد: ۲، صفحہ: ۴۶۵، رقم الحدیث: ۳۶۰۳ / امام حاکم اور امام ذھبی دونوں نے اس حدیث کے متعلق سکوت اختیار کیا۔

[2] الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی، جلد: ۴، النوع الخامس والسبعون، فی خواص القرآن، صفحہ: ۱۶۴ / شعب الایمان للبیھقی، تعظیم القرآن، فصل فی فضائل السور والآیات، تخصیص المعوذتین بالذکر، جلد: ۴، صفحہ: ۱۶۹، رقم الحدیث: ۲۳۴۰۔ شعب الایمان کے محقق الدکتور عبدالعلی عبدالحمید حامد اس حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کے سارے راوی ثقہ ہیں/ المعجم الاوسط للطبرانی، من اسمہ محمد، جلد: ۴، صفحہ: ۲۵۱، ۲۵۲، رقم الحدیث: ۵۸۹۰ / المعجم الصغیر للطبرانی، صفحہ: ۴۱۷، رقم الحدیث: ۸۳۰ / البانی صاحب نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا

پانی پینے والی چیز ہے جبکہ نمک کھانے والی چیز ہے۔ جب نبی کریم ﷺ کو بچھو نے کاٹا تو آپ نے اس کو اپنے زخم پر لگایا اور اوپر قرآن شریف کی آیات تلاوت کیں تو اللہ تعالیٰ نے شفا عطا فرما دی۔

میاں! تم کس بل بوتے پر کہتے ہو کہ اگر کھانے والی چیز پر قرآن کی آیتیں پڑھی گئیں تو وہ پلید ہو جائے گا؟ دل کی پلیدی دور کرنے کا بہترین نسخہ قرآن پڑھنا ہے۔

۷: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ذَبَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الذَّبْحِ كَبْشَيْنِ أَقْرَنَيْنِ أَمْلَحَيْنِ مَوْجُوئَيْنِ فَلَمَّا وَجَّهَهُمَا قَالَ: إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ عَلٰى مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَأُمَّتِهٖ بِسْمِ اللهِ وَاللهُ أَكْبَرُ ثُمَّ ذَبَحَ رَوَاهُ أَحْمَدُ[1] وَأَبُودَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَفِي رِوَايَةٍ لِأَحْمَدَ[2] وَأَبِي دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيِّ: ذَبَحَ بِيَدِهٖ وَقَالَ بِسْمِ اللهِ وَاللهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُمَّ هٰذَا عَنِّي وَعَمَّنْ لَمْ يُضَحِّ مِنْ أُمَّتِي

---

[1] البانی صاحب نے اسی رواہ احمد پر حاشیہ لگایا کہ اس کی یہ سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں اسماعیل بن عیاش ہے جو کہ ضعیف ہے پھر البانی صاحب نے یہ دعوی بھی کیا کہ اس حدیث کے الفاظ علی ملة ابراہیم صرف ابوداؤد کی روایت میں ہیں اور یہ الفاظ میرے نزدیک شاذ ہیں اور اسی طرح ہیں جیسے کسی راوی کا ادراج ہوتا ہے۔

[2] البانی صاحب کہتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔

قربانی کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو چتکبرے، خصی، سینگوں والے مینڈھے ذبح فرمائے۔[1] جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کو لٹایا تو پڑھا: إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ عَلٰى مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اے اللہ! یہ قربانی تیری عطا سے ہے اور خاص تیری ہی رضا کے لیے ہے تو اس کو محمد اور اس کی امت کی جانب سے قبول فرما۔ اللہ کے نام کے ساتھ اور اللہ سب سے بڑا ہے۔ اس کے بعد آپ نے ذبح فرمایا۔ احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی نے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ احمد، ابوداؤد اور ترمذی کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (دونوں مینڈھے) اپنے ہاتھ سے ذبح فرمائے اور فرمایا: بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ اے اللہ! یہ قربانی میری جانب سے ہے اور میری امت کے ہر اس فرد کی طرف سے ہے جس نے قربانی نہیں کی۔[2]
نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مینڈھے ذبح فرمانے سے پہلے قرآن پاک کی آیات پڑھیں اور ساتھ کچھ اور بھی پڑھا۔ اگر کھانے والی چیز پر قرآن پڑھنا حرام ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی مینڈھے ذبح کرتے وقت آیات کی تلاوت نہ کرتے۔ آپ نے بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ

---

[1] پتہ چلا خصی مینڈھا قربان کیا جا سکتا ہے۔ ثواب زیادہ ہوتا ہے۔

[2] مشکوۃ شریف، کتاب الصلاۃ، باب فی الاضحیۃ، الفصل الثانی، صفحہ:۴۵۹، رقم الحدیث:۱۴۶۱ / مسند احمد، مسند جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، جلد:۲۳، صفحہ:۲۶۷، رقم الحدیث:۱۵۰۲۲ / سنن ابی داود، کتاب الضحایا، باب ما یستحب من الضحایا، صفحہ:۵۶۸، رقم الحدیث:۲۷۹۵ / سنن دارمی، کتاب الاضاحی، باب السنۃ فی الاضحیۃ، الفصل الثانی، صفحہ:۴۹۵، رقم الحدیث:۱۹۴۶

اَللّٰہُ اَکْبَرُ پڑھ کر ذبح فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی یا اللہ! یہ میری طرف سے ہے اور میرے ان غریب امتیوں کی طرف سے ہے جو قربانی نہیں کر سکتے۔ پتہ چلا کھانے والی چیزوں پر قرآن کی آیتیں تلاوت کرنا حرام نہیں ہے۔ آج کل کے مولویوں نے من گھڑت مسئلہ بیان کیا ہے کہ کھانے کی چیز پر آیتیں تلاوت نہ کرو۔ اللہ سب کو ہدایت نصیب کرے۔

ایک بزرگ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو کہ ہم اہلسنت وجماعت، دیوبندی حضرات اور اہلحدیث حضرات سب کے استاد جی ہیں۔ پاکستان ہندوستان کے اندر بالعموم علم حدیث پڑھنے والوں کی سند شاہ عبدالعزیز صاحب تک جاتی ہے۔

آپ فرماتے ہیں:

جس کھانے کا ثواب حضرات امامین کو پہنچایا جائے اور اس پر فاتحہ وقل ودرود پڑھا جائے وہ کھانا تبرک ہو جاتا ہے۔ اس کا کھانا بہت خوب ہے۔[1]

وہابیو! خود سوچو! یہ ہم سب کے استاد جی ہیں۔ اگر استاد جی مشرک اور بدعتی ہیں تو مشرک اور بدعتی استاد سے تو حدیث روایت کرنا جائز ہی نہیں ہوتا۔ تم حدیث کس طرح بیان کر سکتے ہو؟ شاہ صاحب فرما رہے ہیں کہ امامین کریمین مولا حسن اور مولا حسین رضی اللہ عنہما کو ثواب پہنچایا جائے۔ کھانے پر فاتحہ، قل اور درود پڑھا جائے تاکہ وہ کھانا تبرک بن جائے اور اس کا کھانا اچھا ہے گناہ نہیں ہے۔

---

[1] فتاوی عزیزی، باب التصوف، صفحہ: ۱۸۹، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی

پاکستان، ہندوستان میں وہابیت کے معمار اول اسماعیل دہلوی صاحب لکھتے ہیں:

اگر شخصے بزے را خانہ پرور کند تا گوشت اوخوب شود او را ذبح کردہ و پختہ فاتحہ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ خواندہ بخوراند خللے نیست۔

اگر کوئی شخص گھر میں بکری اس لیے پالے کہ اس کا گوشت خوب ہو۔ اس کو ذبح کر کے پکا کر حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی فاتحہ پڑھ کر کھلانے میں کوئی حرج نہیں۔[1]

جب شاہ اسماعیل بھی کہہ رہے ہیں کہ اس طرح غوث اعظم کی فاتحہ کرنے میں حرج اور گناہ نہیں تو آپ کیوں خوامخواہ فتوے لگاتے پھرتے ہو؟ دلیل میں پیش کرنے کے لیے نہ تو آپ کے پاس قرآن ہے اور نہ ہی کوئی حدیث ہے بس ایسے ہی خوامخواہ ضد شروع کی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت عطا کرے۔

یہاں سے ایک مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت میراں محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو غوث اعظم کہنا شرک نہیں ہے۔

غیر مقلد دوستوں[2] کی فہمائش کے لیے ایک حوالہ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی

---

[1] تقریر ذبیح بحوالہ فتاویٰ رضویہ، جلد:۹، صفحہ:۵۷۸، ۵۷۹، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور

[2] غیر مقلد حضرات بھی ہمارے دوست ہیں۔ ہم ان سے ملتے جلتے رہتے ہیں۔ ملنے جلنے میں میری نیت یہ ہوتی ہے کہ ان تک حق بات پہنچ جائے۔ ہمارے کئی ساتھی مجھ سے ناراض ہوجاتے ہیں کہ آپ ان سے کیوں ملتے ہیں لیکن اصل بات یہ ہے کہ اللہ ناراض نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ میری نیت کو جانتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھر گھر جا کے اللہ کا پیغام پہنچایا تھا تو قیامت کے دن اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پوچھ لیا کیا تم نے ان کو اپنی بات سمجھائی اور سنائی تھی؟ یا خوامخواہ تقریریں ہی کرتے رہے تھے؟ تو میرے پاس کیا جواب ہوگا۔ میں ان تک اپنی آواز پہنچانے کی کوشش کرتا رہتا ہوں۔ ویسے بھی ملاقات کرتا رہا اور اب بھی ہزاروں لوگ میرا درس قرآن بذریعہ نیٹ دیکھ اور سن رہے ہیں۔

صاحب کا بھی ملاحظہ کیجیے۔نواب صاحب نے ایک کتاب بنام الداء والدواء لکھی جس کو نعمانی کتب خانہ اردو بازار لاہور نے کتاب التعویذات کے نام سے شائع کیا ہے۔اس کتاب سے چند اقتباسات ملاحظہ کریں۔نواب صاحب لکھتے ہیں:

ختم قادریہ اس کو مشائخ نے واسطے برآمد امر مہم کے مجرب سمجھا ہے۔عروج ماہ میں پنجشنبہ سے شروع کر کے تین دن تک پڑھے بسم اللہ ومعہ فاتحہ وکلمہ تمجید و درود سورۃ اخلاص ہرایک کو ایک سو گیارہ بار پھر شیرینی پر فاتحہ پڑھ کر اور ثواب اس کا روح پر فتوح آنحضرت ومشائخ طریقت کو دے کر تقسیم کرے۔

دیگر ختم قادریہ

پہلے دو رکعت نماز پڑھے۔ہر رکعت میں سورہ اخلاص گیارہ بار پھر سلام کے بعد یہ درود ایک سو گیارہ بار پڑھے: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَسَلِّمْ پھر شیرینی پر فاتحہ شیخ جیلی رضی اللہ عنہ پڑھ کر تقسیم کردے۔[1]

پتہ چلا کہ یہ جو ہمارے معمولات پر شرک و بدعت کی فتوی بازی ہوتی ہے یہ اس بات کا نتیجہ ہے کہ یہ دوست ہم سے سمجھنے اور پوچھنے کی کوشش نہیں کرتے۔میں نے بڑے بڑے لوگوں کو غلط فہمی میں مبتلا دیکھا مثلا ایک غلط فہمی یہ ہے کہ سنی چاند کی گیارہ کو ہی گیارھویں شریف کا ختم دلواتے ہیں۔اس کے علاوہ کسی تاریخ میں گیارھویں شریف کا ختم

---

[1] کتاب التعویذات المعروف الداء والدواء، صفحہ: ۱۵۴

دلوانا جائز نہیں سمجھتے حالانکہ تاریخ مقرر کرنا بدعت اور گناہ ہے۔ جب شریعت نے تاریخ مقرر نہیں کی تو تم کون ہوتے ہو تاریخ مقرر کرنے والے۔

میں ایک قصہ کئی بار بیان کر چکا ہوں کہ ایک بار ملی یکجہتی کونسل بنی تھی جبکہ شیعہ اور دیوبندی حضرات کے درمیان قتل مقاتلہ ہو رہا تھا۔ ایک دوسرے کے مولوی صاحبان کو قتل کیا جا رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ فتنہ پیدا ہو چکا تھا۔ ملک میں بدامنی تھی۔ یہ بات بھی حقیقت ہے چاہے کوئی غصہ کرے چاہے نہ کرے کہ ہم سارے ملکر بھی قادیانیوں کو پاکستان سے نہیں نکال سکتے۔ جب قادیانیوں کو نہیں نکال سکتے تو شیعوں کو اور دیوبندیوں کو کیسے نکال سکتے ہیں؟ سارے ملکر بھی شیعوں اور دیوبندیوں کو قتل نہیں کر سکتے۔ وہ تو آہستہ آہستہ نسلوں کے بدلنے سے عقائد میں تبدیلی آتی ہے۔ نئے فرقے جنم لیتے ہیں اور پچھلے فرقے ختم ہو جاتے ہیں لیکن یہ جو فرقے جنم لیتے ہیں ان میں زیادہ تر تعلق غلط فہمی کا ہوتا ہے۔ فتنہ اور فساد کو روکنے کے لیے ایک جماعت ملی یکجہتی کونسل بنی تھی جس کو قائد اہلسنت حضرت مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی رحمۃ اللہ علیہ چیئر کر رہے تھے۔ آپ کو یاد ہونا چاہیے کہ جامعہ امینیہ رضویہ شیخ کالونی مدرسے کا سنگ بنیاد حضرت مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے رکھا تھا اور جامعہ مسجد النور شیخ کالونی کا سنگ بنیاد اباجی قبلہ رحمۃ اللہ علیہ اور میرے استاد (جو کہ حضور تاج الشریعہ حضرت مولانا مفتی اختر رضا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بھی استاد تھے، بریلی شریف میں پڑھاتے رہے پھر پاکستان میں تشریف لے آئے۔ میں جامعہ قادریہ میں ان سے پڑھنے

کے لیے جایا کرتا تھا) بحر العلوم حضرت مولانا مفتی سید محمد افضل حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے رکھی تھی۔ نورانی صاحب ملی یکجہتی کونسل کے چیئر مین تھے۔ ہم بھی نورانی صاحب کے چاہنے والوں میں سے تھے اور آج بھی نورانی صاحب کے عقیدت مند ہیں۔ آج بھی کبھی طبیعت بوجھل ہو جائے تو نیٹ پر ان کی تلاوت قرآن حکیم کھول کر سنتے ہیں اور روتے رہتے ہیں۔ بڑی عظیم شخصیت تھی۔

ملی یکجہتی کونسل میں سارے مسالک کے نمائندے موجود تھے۔ قائد ملت اسلامیہ حضرت مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی رحمۃ اللہ علیہ اس کونسل کے صدر تھے۔ میں بھی اس کے مرکز کا رکن تھا۔ ایک مرتبہ کوئٹہ میں میٹنگ تھی۔ میں اور میرے داماد مولانا غلام مصطفیٰ شاکر (اللہ ان کی حفاظت فرمائے۔ سلامت رکھے) ہم اس میٹنگ میں شرکت کے لیے کوئٹہ گئے۔ ہم ہوٹل کے اندر داخل ہو رہے تھے کہ سامنے سے مشہور دیوبندی عالم میاں اجمل قادری صاحب جو کہ اس دعوت کے میزبان تھے وہ آ گئے۔ ان سے علیک سلیک ہوئی۔ میں نے ان سے پوچھا کہ ماشاءاللہ! میاں صاحب آج تو پھر خوب جیب ڈھیلی ہو گی۔ وہ فوراً کہنے لگے بس جی یہ لنگر قادریہ ہے۔ میں نے کہا: لنگر قادریہ؟ کہنے لگے بیشک لنگر قادریہ ہے۔ میں نے دل میں کہا کہ میاں صاحب پھنس گئے۔ خیر وہ آگے چلے گئے۔ ہم بھی آگے آ گئے۔ میٹنگ شروع ہوئی۔ پہلا سیشن ختم ہوا۔ اب نماز اور کھانے کا وقفہ ہوا۔ ہم کھانے کی میز پر بیٹھے ہوئے تھے۔ میاں صاحب نے چونکہ بل دینا تھا اس لیے وہ ہر کسی کی میز پر جا کر پوچھ رہے تھے کہ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔ ہمارے پاس بھی آئے مجھے

بھی پوچھنے لگے کہ پروفیسر صاحب!۱؎ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟ میں نے کہا: میاں صاحب! ایک بات تو بتائیں کہ جب میں نے آپ سے پوچھا تھا کہ آج آپ کا خرچہ بہت ہوگا تو آپ نے کہا یہ لنگر قادریہ ہے۔ میں اس کا مطلب یہ سمجھا ہوں کہ آج آپ کی منشاء یہ ہے کہ ہمیں کھانا کھلا کر جو آپ کو ثواب ملے گا وہ سارے کا سارا آپ حضور غوث اعظم کی بارگاہ میں نذرانہ پیش کریں گے۔ کہنے لگے بالکل یہی مطلب ہے۔ میں نے کہا: میاں صاحب! ہم اسی کو گیارھویں شریف کہتے ہیں۔ آج ہم آپ کے ہاتھوں سے گیارھویں شریف کھا رہے ہیں۔ حیران ہو کر کہنے لگے خواہ چاند کی گیارہ نہ بھی ہو۔ میں نے کہا بالکل خواہ چاند کی پہلی ہو، پانچویں ہو، ساتویں ہو، دسویں ہو، گیارھویں ہو، سولویں ہو، پچیسویں ہو، انتیسویں ہو جب بھی گیارھویں والے پیر کی بارگاہ میں نذرانہ پیش کرو گے ہم اسے گیارھویں شریف کہیں گے۔ مجھے کہنے لگے اگر یہ بات ہے تو ہم یہ گیارھویں ہر مہینے دلواتے ہیں۔

اپنی سہولت کے لئے وقت معین کرنا

گیارھویں شریف کے مسئلہ میں جھگڑا صرف اور صرف غلط فہمی کی وجہ سے ہے۔ ہم برملا کہتے ہیں کہ تاریخ مقرر کرنا ضروری نہیں ہے۔ جو یہ سمجھے کہ ثواب صرف تیسرے دن پہنچتا ہے دوسرے اور چوتھے دن نہیں پہنچتا یا کسی تاریخ میں باقی کے مہینے سے زیادہ ثواب پہنچتا ہے بالکل غلط بات اور بدعت ہے۔ ہم تو اپنی سہولت کے لیے تاریخ متعین کرتے ہیں۔ بعض اوقات بعض مناسبات کی وجہ سے ایک خاص اہمیت حاصل ہو جاتی ہے اس کی بحث الگ ہے۔

۱؎ میں نے آج تک کبھی سرکاری ملازمت نہیں کی۔ مجھے علم نہیں کہ میرے نام کے ساتھ پروفیسر کا لفظ کیسے مشہور ہو گیا۔ پہلے پہل میں یہ لفظ بولنے سے منع کرتا تھا لیکن جب بڑوں بڑوں نے بھی کہنا شروع کر دیا تو پھر میں خاموش ہو گیا۔ (امام المناظرین دامت برکاتھم العالیہ)

امام اہلسنت اعلی حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

آرے ہر عامی کہ ایں تعیین عادی را توقیت شرعی داند وگمان برد کہ ایصال ثواب در غیر ایں ایام صورت نہ بندد یا روا نہ باشد یا ثواب ایں ایام از ایام دیگر اتم ست وافر بلاشبہ غلط کار و جاہل و دریں خاطی و مبطل ست۔ اما ایں قدر گمان معاذ اللہ در اصل ایمان خلل نیارد نہ موجب عذاب قطعی و وعید حتمی گردد

ہاں! ہر وہ آدمی کہ اس تعیین عادی کو توقیت شرعی سمجھ کر گمان کرے کہ ان دنوں کے علاوہ ایصال ثواب جائز نہ ہوگا یا ان دنوں میں ثواب دیگر دنوں کی نسبت زیادہ ہوگا بلاشبہ غلط کار جاہل ہے اور وہ اس مسئلہ میں خطا پر ہے، حق پر نہیں ہے لیکن صرف اتنے گمان سے نہ تو وہ بے ایمان ہو جائے گا اور نہ ہی عذاب قطعی اور وعید حتمی کا موجب۔[1]

مثال کے طور پر رات ہی ہم نے سیدہ طیبہ طاہرہ سیدہ زاہرہ سلام اللہ علی ابیھا وعلیھا کی بارگاہ میں ایصال ثواب کا نذرانہ پیش کیا تھا، تاریخ مقرر کی تھی لیکن ہمیں شریعت نے تو نہیں کہا تھا کہ چودہ تاریخ کو ہی ثواب پہنچنا ہے، آگے پیچھے نہیں پہنچنا۔ ہم نے اپنی سہولت کے لیے جو وقت آسانی سے میسر تھا تاریخ مقرر کر لی۔ یہ توقیت عادی ہے توقیت شرعی نہیں ہے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھیں کہ بریلویت کا تشخص میری، آپ کی یا کسی بھی بڑے سے بڑے عالم کی وجہ سے نہیں ہے۔ بریلویت کا تشخص صرف اور صرف اعلی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی حسام الحرمین کی وجہ سے ہے۔ بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ تمہارے فلاں عالم نے یہ

---

[1] فتاوی رضویہ، جلد: ۴، صفحہ: ۱۹۲

لکھا ہے تو ٹھیک ہے لکھا ہو گا، بریلویت کا تشخص ان کی وجہ سے نہیں ہے۔ اگر کسی نے بریلویت پر اعتراض کرنا ہے تو صرف سرکار اعلیٰ حضرت کی حسام الحرمین کا حوالہ پیش کرے اور اس پر اعتراض کرے۔

لطیفہ: ایک مرتبہ میرا ایک وہابی مولوی صاحب کے ساتھ مناظرہ تھا۔ وہ مجھے یہی کہی جائے کہ جو تم مقرر کرتے ہو یہ مقرر کرنا حرام اور بدعت ہے۔ میں نے اس کو کہا ہم اس مقرر کرنے کو شرعاً ضروری نہیں سمجھتے یہ تو اپنی سہولت کے لیے ہوتا ہے لیکن وہ پھر بھی سارا زور اسی بات پر لگائے کہ مقرر کرنا حرام اور غلط ہے۔ اب جو ضدی ہو تو اس کو سمجھانے کے لیے اللہ نے کئی طریقے سمجھا رکھے ہیں۔ میں نے اس کو کہا: مولوی صاحب! تم نے اپنی بیٹی کی شادی کرنی ہے کہ نہیں کرنی؟ وہ کہنے لگا: کیا مطلب؟ میں نے کہا: ہم محلے دار ہیں، ایک دوسرے کو پوچھ سکتے ہیں۔ بتاؤ! تم نے اپنی بیٹی کی شادی کرنی ہے کہ نہیں کرنی؟ وہ کہنے لگا: کرنی ہے۔ میں نے کہا: لڑکے والوں کو کہہ دینا کہ مقرر کرنا حرام ہے اس لیے کوئی بھی تاریخ مقرر نہیں، جب مرضی آ جائیں۔ پھر میں نے ایک اور بات بھی کہی۔ میں نے کہا: یہ بھی کہہ دینا کہ مقرر کرنا حرام ہے اس لیے جو مرضی آ جائے۔ ایک بات اور بھی کی جا سکتی تھی لیکن میں نے اس کو نہیں کہی کیونکہ دوائی اتنی دینی چاہیے جتنی کوئی بندہ ہضم بھی کر سکے لیکن آپ کو بتا دیتا ہوں کسی موقع پر استعمال کر لینا۔ یہ بھی کہا جا سکتا تھا کہ چونکہ مقرر کرنا حرام ہے تو آ کر جس کو مرضی لے جایا جائے۔

اب ہم آپ کی خدمت میں چند تصریحات پیش کر دیتے ہیں تا کہ بات واضح ہو جائے کہ کسی کام کے لیے اپنی سہولت کی خاطر وقت مقرر کرنا سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی ہے اور سنت صحابہ بھی۔

۱: ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

لَمْ أَعْقِلْ أَبَوَيَّ قَطُّ إِلَّا وَهُمَا يَدِينَانِ الدِّينَ وَلَمْ يَمُرَّ عَلَيْنَا يَوْمٌ إِلَّا يَأْتِينَا فِيهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَرَفَيِ النَّهَارِ بُكْرَةً وَعَشِيَّةً

جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے اپنے والدین کو دین اسلام پر ہی پایا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمارے پاس ہر روز بلا ناغہ صبح وشام تشریف لایا کرتے تھے۔[۱]

دوپہر کے وقت یا شام سے پہلے آنا گناہ نہیں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی اور اپنے امتیوں کی سہولت کے لیے وقت مقرر کر لیا۔ پتہ چلا اپنی سہولت کے لیے وقت مقرر کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنت ہے۔

۲: حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمَ الْخَمِيسِ فِي غَزْوَةِ

---

[۱] بخاری شریف، کتاب الکفالۃ، باب جوار ابی بکر فی عھد النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، صفحہ:۵۵۰، رقم الحدیث:۲۲۹۷/مسند احمد، مسند الصدیقۃ عائشہ بنت الصدیق، جلد:۴۲، صفحہ:۴۱۹، رقم الحدیث:۲۵۶۲۶

تَبُوكَ وَكَانَ يُحِبُّ أَنْ يَخْرُجَ يَوْمَ الْخَمِيسِ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ تبوک میں جمعرات کے روز تشریف لے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعرات کے ہی روز تشریف لے جانا پسند فرماتے تھے۔[1]

کیا جمعہ، ہفتہ، اتوار، پیر، منگل یا بدھ کو جانا غلط تھا؟ بالکل بھی نہیں بلکہ جائز تھا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی سہولت اور امت کی تعلیم کے لیے جمعرات کو مقرر فرمالیا۔ آپ اکثر جمعرات کو مدینہ شریف سے باہر جایا کرتے تھے۔

۳: حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ عَبْدُ اللهِ يُذَكِّرُ النَّاسَ فِي كُلِّ خَمِيسٍ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کے روز لوگوں کو وعظ و نصیحت فرمایا کرتے تھے۔[2]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بڑے مشہور صحابی ہیں۔ کوئی بندہ جو مدینہ شریف کا رہنے والا نہ ہوتا جب مدینہ شریف آتا تو اسے کئی دن پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کون ہیں۔ وہ انہیں اہل بیت نبوت کا ہی ایک فرد سمجھتے تھے کیونکہ ان کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں بہت زیادہ آنا جانا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے وعظ و نصیحت کے

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب من اراد غزوۃ فوری بغیرھا، صفحہ:۷۲۷، رقم الحدیث:۲۹۵۰ / شرح السنۃ للبغوی، کتاب السیر والجھاد، باب متی یخرج الی السفر، جلد:۱۱، صفحہ:۱۸، ۱۹، رقم الحدیث:۲۶۷۲

[2] صحیح بخاری، کتاب العلم، باب من جعل لاھل العلم ایاما معلومۃ، صفحہ:۳۰، رقم الحدیث:۷۰

لیے جمعرات کے دن کو مقرر کیا ہوا تھا۔آپ ہر جمعرات وعظ فرماتے تھے۔کیا بدھ،منگل اور جمعہ کو تقریر کرنا ناجائز ہے؟ بالکل بھی نہیں۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی سہولت کے لیے وقت مقرر کیا ہوا تھا۔لوگوں کو بھی پتہ تھا وہ مقررہ وقت پر درس سننے آجایا کرتے تھے۔ پتہ چلا یہ توقیت شرعی نہیں ہے بلکہ اپنی سہولت کے لیے ہے۔اگر اپنی سہولت کے لیے وقت مقرر کیا جائے تو یہ ناجائز نہیں ہے۔

میں یہ مسئلہ ایک مثال کے رنگ میں پیش کرتا ہوں۔اگر میں اعلان کروں کہ حضرات ایک اعلان سماعت فرمائیں! کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی مسجد میں کوئی نہ کوئی مولوی صاحب تقریر کریں گے۔شرکت فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔اگر میں جگہ، وقت،تاریخ اور مولوی صاحب کا تقرر نہ کروں تو سننے کے لیے کون آئے گا؟ کوئی بھی نہیں کیونکہ پتہ ہی نہیں کہ جلسہ کس وقت،کہاں اور کس تاریخ کو ہے اور خطاب کس نے کرنا ہے؟ یہ تاریخ اور وقت اپنی سہولت کے لیے مقرر کیا جاتا ہے۔یہ توقیت شرعی نہیں ہے۔

۴: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِي مَسْجِدَ قُبَاءٍ كُلَّ سَبْتٍ مَاشِيًا وَرَاكِبًا وَكَانَ عَبْدُاللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَفْعَلُهُ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر ہفتہ کے روز مسجد قباء میں کبھی پیدل اور کبھی سوار ہو کر تشریف لاتے۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی ایسا ہی کرتے تھے۔[1]

---

[1] صحیح بخاری،کتاب فضل الصلاۃ فی مسجد مکۃ والمدینۃ،باب من اتی مسجد قباء کل سبت،صفحہ:۲۸۸،رقم الحدیث:۱۱۹۳

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو مسجد قبا میں حاضری کی توفیق نصیب فرمائے۔ مسجد قبا بڑی برکت والی مسجد ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَنْ تَطَهَّرَ فِي بَيْتِهِ ثُمَّ أَتَى مَسْجِدَ قُبَاءَ فَصَلَّى فِيهِ صَلَاةً كَانَ لَهُ كَأَجْرِ عُمْرَةٍ جو بندہ اپنے گھر سے غسل اور وضو کر کے چلے پھر مسجد قبا میں آئے اور اس میں نماز پڑھے تو اسے ایک عمرہ کا ثواب ملے گا۔[1]

۵: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إِنْ كُنَّا لَنَفْرَحُ بِيَوْمِ الْجُمُعَةِ كَانَتْ لَنَا عَجُوزٌ تَأْخُذُ أُصُولَ السِّلْقِ فَتَجْعَلُهُ فِي قِدْرٍ لَهَا فَتَجْعَلُ فِيهِ حَبَّاتٍ مِنْ شَعِيرٍ إِذَا صَلَّيْنَا زُرْنَاهَا فَقَرَّبَتْهُ إِلَيْنَا وَكُنَّا نَفْرَحُ بِيَوْمِ الْجُمُعَةِ مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ

ہم جمعہ کے دن بہت خوش ہوا کرتے تھے کیونکہ ایک بڑھیا مائی صاحبہ ہمارے لیے چقندر کی جڑیں لیتیں جس کو ہم اپنی کیاریوں میں لگاتے تھے۔ ان جڑوں کو ایک ہنڈیا میں ڈالتیں اور اس میں چند جو کے دانے بھی ڈال دیتیں۔ اس میں چربی یا چکنائی نہ ہوتی تھی۔ جب ہم جمعہ کی نماز پڑھ لیتے تو ہم اس مائی صاحبہ کے پاس جاتے۔ وہ ہمارے سامنے مذکورہ پکوان رکھ دیتیں اس لیے ہمیں جمعہ کے دن کی بڑی خوشی ہوتی تھی۔[2]

---

[1] سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیھا، باب ما جاء فی الصلاۃ فی مسجد قباء، صفحہ:۲۵۱، رقم الحدیث:۱۴۱۲ / البانی صاحب اس حدیث کو صحیح قرار دیتے ہیں۔

[2] صحیح بخاری، کتاب الاطعمہ، باب السلق والشعیر، صفحہ:۱۳۷۶، رقم الحدیث:۵۴۰۳

صحابہ کرام کا زمانہ بڑی عسرت کا زمانہ تھا۔آج کل کے دور کی طرح نہیں تھا کہ اچھا کھانے اور پینے کو ملتا ہے۔صحابہ کرام نے اس دعوت کے لیے بھی وقت اور تاریخ معین کی ہوئی تھی۔ پتہ چلا کہ اپنی سہولت کے لیے وقت مقرر کر لینا نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کی سنت مبارکہ ہے۔

٦: قبروں کی زیارت کے لیے جانے کے لیے شریعت نے کوئی وقت مقرر نہیں کیا۔ ابتداء نبی کریم ﷺ قبروں کی زیارت سے منع فرماتے تھے لیکن جب پوری طرح توحید واضح ہوگئی، شرک اور قبر پرستی کا شائبہ نہ رہا تو نبی کریم ﷺ نے قبروں کی زیارت کی اجازت دے دی۔

حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزُوْرُ قَبْرَ حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ كُلَّ جُمُعَةٍ وَعَلَّمَتْهُ بِصَخْرَةٍ

رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت سیدہ طیبہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہر جمعہ کے دن سید الشہداء حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی قبر انور کی زیارت فرماتیں[1] اور آپ نے قبر انور پر ایک پتھر بطور نشانی رکھ دیا تھا۔[2]

---

[1] المصنف لعبد الرزاق، کتاب الجنائز، باب فی زیارۃ القبور، جلد:٣، صفحہ:٥٧٢، رقم الحدیث:٦٧١٣/ شرح صحیح بخاری لابن بطال، باب زیارۃ القبور، جلد:٣، صفحہ:٢٧٠/ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، جلد:٨، صفحہ:٧٠، تحت الحدیث:١٢٨٣

[2] تفسیر قرطبی، تفسیر سورۃ الکہف:٢١، جلد:١٠، صفحہ:٣٨١/ تاریخ المدینہ لابن شبۃ، قبر عمرو بن الجموع وعبد اللہ بن عمرو بن حرام، جلد:١، صفحہ:١٣٢/ التمہید لابن عبد البر، جلد:٣، صفحہ:٢٣٤

یہاں سے ایک مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا کہ مستحبات کے لیے شریعت نے وقت مقرر نہیں کیا۔ اپنی سہولت کے لیے وقت مقرر کرنا اور قبر پر کوئی نشان رکھ دینا تاکہ یہ قبر دوسری قبروں سے ممتاز رہے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی سنت ہے۔

۷: حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر سال شہدائے احد کی قبروں پر تشریف لے جاتے اور فرماتے سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ (جو تم نے صبر کیا اس کے بدلے تم پر سلام ہو، کتنا اچھا ہے آخرت کا ٹھکانا)۔[۱]

مندرجہ بالا سطور سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ دن مقرر کر کے کسی نیک کام کا بجالانا نہ حرام ہے اور نہ ہی بدعت۔

مسئلہ ایصال ثواب میں حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ

علماء اہلسنت اور علماء دیوبند میں جب مختلف مسائل میں نزاع پیدا ہوا تو اس وقت علماء دیوبند کے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے سات مسائل کے متعلق فتوی بنام ''فیصلہ ہفت مسئلہ'' شائع فرمایا۔ اگر تمام علماء اسی ''فیصلہ ہفت مسئلہ'' میں درج مسائل کو اختیار کرلیں تو کافی حد تک نزاع ختم ہوسکتا ہے۔ حاجی صاحب نے مسئلہ ایصال ثواب میں بھی اپنا فیصلہ صادر فرمایا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

---

[۱] جذب القلوب مترجم، صفحہ: ۲۰۲ از حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ/ المصنف لعبدالرزاق، کتاب الجنائز، باب فی زیارۃ القبور، جلد: ۳، صفحہ: ۵۷۳، رقم الحدیث: ۶۷۱۶/ تاریخ المدینہ لابن شبۃ، قبر عمرو بن الجموع، جلد: ۱، صفحہ: ۱۳۲/ شرح صحیح البخاری لابن بطال، باب زیارۃ القبور، جلد: ۳، صفحہ: ۲۷۰/ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، جلد: ۸، صفحہ: ۶۷، تحت الحدیث: ۳۸۲۱/ المغازی للواقدی، غزوۃ احد، تسمیۃ من قتل المشرکین، جلد: ۱، صفحہ: ۳۱۳/ دلائل النبوہ للبیہقی، جماع ابواب غزوۃ احد، باب قول اللہ عزوجل ولا تحسبن الذین قتلوا، جلد: ۳، صفحہ: ۳۰۶، ۳۰۸/ البدایہ والنہایہ لابن کثیر، سنۃ ثلاث من الھجرۃ، غزوۃ احد فی شوال سنۃ ثلاث، جلد: ۴، صفحہ: ۵۱

فاتحہ مروجہ: اس میں بھی وہی گفتگو ہے جو اوپر میلاد شریف کے سلسلہ میں گزر چکی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ میت کی روح کو ثواب پہنچانے میں اصولی طور پر کسی کو کلام نہیں لیکن یہاں بھی اگر کوئی اس ثواب کو مخصوص باتوں پر موقوف سمجھے جو آج کل کی مجالس فاتحہ میں رائج ہیں یا ان باتوں کو واجب یا فرض تصور کرے تو یہ ممنوع ہو جائیں گی اور اگر یہ عقیدہ نہیں ہے بلکہ اس خاص شکل کو محض مصلحت سے اختیار کیا جائے تو کچھ حرج نہیں۔ اسی طرح فقہائے کرام نے نماز میں کسی مصلحت سے خاص سورتیں مقرر کرنا جائز رکھا ہے اور تہجد میں اکثر مشائخ کا یہی معمول ہے۔ اگر اس سوال پر غور کیا جائے کہ یہ فاتحہ کی شکل جس کا اس زمانے میں رواج ہے کس طرح وجود میں آئی تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء میں یہ عادت تھی کہ مثلاً کھانا پکا کر مسکینوں کو کھلا دیا اور دل میں نیت یہ کی کہ اس کا ثواب فلاں کو پہنچ جائے۔ بعد کے لوگوں میں کسی کو خیال ہوا کہ جیسے نماز میں نیت، ہر چند دل سے کافی ہے مگر موافقت قلب ولسان کے لیے عوام کو زبان سے بھی کہنا مستحسن ہے اسی طرح اگر یہاں زبان سے کہہ لیا جائے کہ یا اللہ! اس کھانے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچ جاوے تو بہتر ہے پھر کسی کو خیال ہوا کہ لفظ ”اس“ کا مشار الیہ اگر روبرو موجود ہو تو زیادہ استحضار قلب ہو، کھانا روبرو لانے لگے۔ کسی کو خیال ہوا کہ یہ ایک دعا ہے۔ اگر کچھ کلام الٰہی پڑھا جاوے تو قبولیت دعا کی بھی امید ہے اور اس کلام کا ثواب بھی پہنچ جاوے گا کہ جمع بین العبادتین ہے۔

چہ خوش بود کہ برآید بیک کرشمہ دو کار

(کیا اچھی بات ہے کہ ایک ہی کرشمہ سے دو کام ظاہر ہو جائیں)

(ولہذا) قرآن شریف کی بعض سورتیں بھی جو لفظوں میں مختصر اور ثواب میں بہت زیادہ ہیں پڑھی جانے لگیں۔ کسی نے خیال کیا دعا کے لیے رفع یدین سنت ہے، ہاتھ بھی اٹھانے لگے۔ کسی نے خیال کیا کھانا جو مسکین کو دیا جائے گا اس کے ساتھ پانی پلانا بڑا ثواب ہے۔ اس پانی کو بھی کھانے کے ساتھ رکھ لیا پس یہ ہیئت کذایہ حاصل ہوگئی۔ رہا تعیین تاریخ تو یہ بات تجربے سے معلوم ہوتی ہے کہ جو امر کسی خاص وقت میں معمول ہو تو اس وقت وہ یاد آ جاتا ہے اور ضرور ہو رہتا ہے اور نہیں تو سال ہا سال گزر جاتے ہیں کبھی خیال بھی نہیں آتا۔ اسی قسم کی مصلحتیں ہر امر میں ہیں جن کی تفصیل طویل ہے۔ محض بطور نمونہ تھوڑا سا بیان کیا گیا ہے۔ ذہین آدمی غور کر کے سمجھ سکتا ہے اور قطع نظر مصالح مذکورہ کے، ان میں بعض اسرار بھی ہیں پس اگر یہی مصالح بنائے تخصیص ہوں تو کچھ مضائقہ نہیں۔۔۔۔۔۔ اور گیارھویں حضرت غوث پاک قدس سرہ کی اور دسویں، بیسویں، چہلم، ششماہی، سالانہ وغیرہ اور توشہ حضرت شیخ احمد عبدالحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ اور سہ منی حضرت شاہ بو علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ و حلوائے شب برات اور دیگر طریق ایصال ثواب کے اسی قاعدے پر مبنی ہیں اور مشرب اس فقیر کا اس مسئلہ میں یہ ہے کہ فقیر پابند اس ہیئت کا نہیں ہے مگر کرنے والوں پر انکار نہیں کرتا۔[1]

اگر علمائے دیوبند ہمارے ساتھ بیٹھنا چاہتے ہیں تو اس کی بنیاد فیصلہ ہفت مسئلہ بھی بنائی جا سکتی ہے۔ اس کو بنیاد بنا کر اختلافی مسائل کے بارے میں فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] فیصلہ ہفت مسئلہ، دوسرا مسئلہ، فاتحہ مروجہ، صفحہ: ۷، ۸، ۹، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

آیت نمبر: ۱۳۵

وَقَالُوۡا كُوۡنُوۡا هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰى تَهۡتَدُوۡا ؕ قُلۡ بَلۡ مِلَّةَ اِبۡرٰهٖمَ حَنِيۡفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۱۳۵﴾

اور اہل کتاب نے کہا یہودی بنو یا عیسائی بنو تب تم جنت میں جاؤ گے۔ محبوب اعلان کر دیجیے کہ ہم تو ابراہیم علیہ السلام کے دین کی اتباع کرتے ہیں جو ہر باطل سے الگ تھے اور وہ مشرک نہیں تھے۔

اہل کتاب میں جو یہودی تھے انہوں نے کہا یہودی بنو گے تو بات بنے گی جبکہ عیسائیوں نے کہا عیسائی بنو گے تو بات بنے گی۔ اللہ فرماتا ہے: محبوب! اعلان کر دیجیے کہ تمہارا یہودیت والا دعویٰ بھی غلط ہے اور تمہارا عیسائیت والا دعویٰ بھی غلط ہے۔ مِلَّةَ کا عامل نَتَّبِعُ محذوف ہے۔ معنی یہ ہے کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کی اتباع کریں گے۔ حَنِيۡف کا معنی ہر باطل سے الگ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان یہ ہے کہ آپ ہر باطل سے الگ تھے اور مشرک نہیں تھے۔

اس آیت مبارکہ سے پتہ چلا کہ ہم محمدی ہونے کے ساتھ ساتھ ابراہیمی بھی ہیں کیونکہ دین اسلام، دین ابراہیم علیہ السلام کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے۔ اگر ہم مسلمان ہو کر دین ابراہیمی کی اتباع کرتے ہیں تو سمجھ لیجیے کہ دین ابراہیمی اور دین اسلام میں کوئی فرق نہیں۔ اسی طرح ہم دین اسلام اختیار کرتے ہیں لیکن ہم میں کوئی حنفی ہے، کوئی شافعی ہے، کوئی حنبلی اور کوئی مالکی ہے کیونکہ مختلف علماء نے اپنے حساب سے قرآن وسنت کا نچوڑ

نکالا ہے۔ایک گروپ جس کے سرخیل حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تھے وہ حنفی کہلایا۔ جس گروپ کے سرخیل حضرت محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ تھے شافعی کہلایا۔ جو امام مالک کے پیروکار تھے مالکی کہلائے اور جو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے پیروکار تھے وہ حنبلی کہلائے۔اس بات کو ضد نہیں بنانا چاہیے کہ تم حنفی ہو تو لہذا تم مسلمان نہیں۔جس طرح ہم محمدی ہو کر ابراہیمی ہیں اسی طرح مسلمان ہو کر جو قرآن وسنت پر براہ راست عمل کرے تو وہ غیر مقلد ہے اور جو کسی ماہر کی راہنمائی میں قرآن وسنت پر عمل کرے تو وہ ماہر اگر شافعی ہوگا تو شافعی بن جائے گا حنفی ہوگا تو حنفی بن جائے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کئی جگہ پر حنیف کہا گیا ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام حنیف تھے۔ہم لوگ اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں۔حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی کسی بیٹی کا نام حنیفہ نہیں تھا۔لوگ خوامخواہ مذاق اڑاتے ہیں کہ یہ حنیفہ کے باپ کی پیروی کرتے ہیں حالانکہ یہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت ہے۔ ابوحنیفہ اصل میں اَبُوالْمِلَّۃِ الْحَنِیْفَۃِ تھا۔ملۃ محذوف ہو گیا اور ابوحنیفہ رہ گیا۔امام اعظم کے ماننے والے حنفی کہلائے۔

شیعہ واعظین کی دھاندلی

حضرت ابراہیم علیہ السلام حنیف تھے،شیعہ نہیں تھے۔بعض حضرات بڑی ضد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو شیعہ کہہ رہا ہے پھر یہ آیتیں پڑھتے ہیں سَلٰمٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۹﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّهٗ

مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ﴿۸۱﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ﴿۸۲﴾ وَ اِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ﴿۸۳﴾ نوح پر سلام ہو جہان والوں میں۔ بیشک ہم نیکوں کو ایسا ہی صلہ دیتے ہیں۔ بیشک وہ ہمارے اعلی درجہ کے کامل الایمان بندوں میں سے ہے پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا اور بیشک نوح کے ہی گروہ میں سے ابراہیم ہیں۔ ۱؎ یعنی حضرت نوح علیہ السلام کا جو نبیوں والا گروہ تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اسی گروہ میں سے ہیں۔ شیعہ واعظین اس آیت کو بڑا پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ابراہیم تو شیعہ تھے۔ مزید یہ بھی تقریر کرتے ہیں کہ دیکھو قرآن پاک میں ہے: وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ جناب موسیٰ علیہ السلام شہر میں داخل ہوئے جبکہ شہر والے دوپہر کے خواب کے وقت بے خبر تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ دو آدمی آپس میں لڑ رہے تھے۔ ایک موسیٰ علیہ السلام کا شیعہ تھا اور ایک موسیٰ علیہ السلام کا عدو تھا۔ ۲؎ اس آیت کو پڑھ کر شیعہ ذاکرین کہتے ہیں کہ گروپ دو ہی ہیں یا تو شیعہ ہے یا عدو۔ ابراہیم علیہ السلام بھی شیعہ تھے اس لیے تم بھی شیعہ بنو۔ تم خوامخواہ اعداء کی جماعت میں چلے گئے ہو۔ بیچارے شیعہ سامعین جو کہ ہر جھوٹ سن کر خوب داد دیتے ہیں اس پر بھی داد دیتے ہیں۔ جو جتنا زیادہ جھوٹ سناتا ہے اس کو داد بھی اتنی زیادہ ملتی ہے۔

جواب: قرآن پاک میں جو شیعہ کا لفظ استعمال ہوا ہے یہ پنجابی کا لفظ نہیں بلکہ عربی کا لفظ ہے اور اس کا معنی ہے: گروہ، جماعت اور ٹولہ۔ ہر گروہ کو شیعہ کہا جا سکتا ہے مثلاً جب

۱؎ سورۃ الصافات: ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳ ۲؎ سورۃ القصص: ۱۵

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف بلوی شروع ہوا تھا تو اس وقت یہ لفظ بولا گیا کہ یہ عثمان کا شیعہ ہے یعنی حضرت عثمان کے گروہ کا ہے۔

شیعہ حضرات کی معتبر تفسیر میں ہے:

وَالشِّيَعُ: اَلْفِرَقُ وَكُلُّ فِرْقَةٍ شِيْعَةٌ عَلٰى حِدَةٍ سُمُّوْا بِذٰلِكَ لِاَنَّ بَعْضَهُمْ يُشَيِّعُ بَعْضًا عَلٰى مَذْهَبِهٖ

شیع لفظ کا معنی گروہ، فرقہ ہے اور ہر گروہ علیحدہ شیعہ ہے۔ ہر گروہ کو شیعہ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ ان میں سے بعض، بعض کی اپنے مذہب کے مطابق پیروی کرتے ہیں۔[1]

پتہ چلا کہ قرآن میں شیعہ لفظ کا معنی گروہ ہے۔ آیت کریمہ کا ترجمہ صاف سمجھ میں آ گیا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے گروہ میں سے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

آج کل شیعہ اس کو کہتے ہیں جو قرآن کریم کو محرف مانے، قرآن کریم کا انکار کرے، جو سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا عمر فاروق، سیدنا عثمان غنی، سیدہ طیبہ طاہرہ عائشہ صدیقہ اور دیگر امہات المؤمنین رضوان اللہ علیہم اجمعین کو گالیاں دے۔ آج کل کے شیعہ حضرات بڑے دھڑلے سے کہتے ہیں کہ ہمارے مذہب کے دو ہی اصول ہیں: تبرا اور تولی۔ تبرا برأت کا اظہار کرنے کو کہتے ہیں کہ ہمارا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، برا بھلا کہنا اور گالیاں دینا جبکہ تولی کا معنی پیار کرنا ہے یعنی باقی صحابہ کو گالیاں دینا اور اہل بیت سے پیار کرنا۔ یہ لوگ خوامخواہ ایک لفظ کو قرآن میں دیکھتے ہیں اور پھر اس کو اپنے اوپر چسپاں کر لیتے ہیں۔

---

[1] تفسیر مجمع البیان، جلد: ۴، صفحہ: ۳۰۴

سورۃ قصص کی آیت پڑھ کر انہوں نے کہا کہ ایک حضرت موسیٰ کا شیعہ تھا اور ایک حضرت موسیٰ کا عدو تھا پھر تاثر یہ دیا کہ گروہ دو ہی ہیں یا تو کوئی شیعہ ہے یا پھر عدو تو اس کے بارے میں گزارش یہ ہے کہ پہلے تحقیق کرلو کہ حضرت موسیٰ کے شیعہ سے مراد کون ہے۔

شیعہ حضرات کی معتبر تفسیر میں لکھا ہے:

(هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ) آں یک از پیروان موسیٰ علیہ السلام بود یعنی از بنی اسرائیل نام اوسامری بود۔

یہ شیعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برادری بنی اسرائیل میں سے تھا اور اس کا نام سامری تھا۔[1]

شیعہ تفسیر سے پتہ چلا کہ موسیٰ علیہ السلام کے شیعہ سے مراد سامری ہے۔ سامری وہ ہے جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عدم موجودگی میں بچھڑا بنا کر دیا تھا۔

هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ کے بعد کے لفظ بھی پڑھ لینے چاہیے تھے۔ اس کے بعد ہے:

فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ
مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ
مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ
الرَّحِيْمُ ﴿۱۶﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۷﴾
فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ

---

[1] تفسیر منہج الصادقین، جلد: ۷، صفحہ: ۷۹

يَسۡتَصۡرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوۡسٰۤی اِنَّكَ لَغَوِیٌّ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۸﴾

جو موسیٰ علیہ السلام کے گروہ میں سے تھا اس نے اپنے دشمن کے خلاف مدد مانگی تو موسیٰ علیہ السلام نے اسے ایک گھونسا مارا تو وہ بندہ مر گیا۔ فرمایا: یہ تو شیطان کا کام ہے۔ بیشک شیطان کھلا گمراہ کرنے والا ہے پھر جناب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا: اے میرے رب میں نے اپنی جان پر زیادتی کی تو مجھے بخش دے تو رب نے اُسے بخش دیا بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔ عرض کی اے میرے رب جیسا تو نے مجھ پر احسان کیا تو اب ہرگز میں مجرموں کا مددگار نہ ہوں گا پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اگلے دن تشریف لائے تو وہی کل والا بندہ جو لڑ رہا تھا اور جس نے دشمن کے خلاف مدد مانگی تھی وہ پھر جناب موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کر رہا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اسے فرمایا: بیشک تو کھلا گمراہ ہے۔ [1]

شیعہ واعظین! بتاؤ کیا تم هٰذَا مِنۡ شِیۡعَتِهٖ والا شیعہ بننا پسند کرو گے؟ شیعہ کا معنی گروہ ہے۔ گروہ اچھا بھی ہوتا ہے اور برا بھی۔ یہ طریقہ درست نہیں کہ قرآن میں جہاں بھی لفظ شیعہ آ گیا تو وہاں تم لوگ ہی مراد ہو۔ اگر تم لوگ ہی مراد ہو تو پھر قرآن شریف کی آیات ملاحظہ کرو:

۱: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَهُمۡ وَكَانُوۡا شِیَعًا لَّسۡتَ مِنۡهُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ

بیشک وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کیے وہ شیعہ تھے (وہ کئی گروہ بن گئے) [2]

---

[1] سورۃ القصص: ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸ [2] سورۃ انعام: ۱۵۹

کیا یہاں بھی تم لوگ مراد ہو؟ یا صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام تک ہی بات رہنی ہے؟ لفظ شیعہ برا نہیں ہے۔ برا گروہ ہو تو برا جبکہ اچھا گروہ ہو تو اچھا۔ اس آیت کے تحت شیعہ حضرات کے مفسر علامہ طبرسی لکھتے ہیں:

أُخْتُلِفَ فِي الْمَعْنِيِّيْنَ بِهٰذِهِ الْآيَةِ عَلٰى أَقْوَالٍ (أَحَدُهَا) أَنَّهُمُ الْكُفَّارُ وَأَصْنَافُ الْمُشْرِكِيْنَ عَنِ السُّدِيِّ وَالْحَسَنِ وَنَسَخَتْهَا آيَةَ السَّيْفِ (وَثَانِيْهَا) أَنَّهُمُ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى لِأَنَّهُمْ يَكْفُرُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا عَنْ قَتَادَةَ (وَثَالِثُهَا) أَنَّهُمْ أَهْلُ الضَّلَالَةِ وَأَصْحَابُ الشُّبُهَاتِ وَالْبِدَعِ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ رَوَاهُ أَبُوْ هُرَيْرَةَ وَعَائِشَةُ مَرْفُوْعًا وَهُوَ الْمَرْوِيُّ عَنِ الْبَاقِرِ (عَلَيْهِ السَّلَامُ)

اس آیت کے معانی میں مختلف اقوال ہیں: ان میں سے ایک یہ کہ اس سے مراد کافر ہیں اور مشرکین کی کئی قسمیں ہیں۔ یہ معنی سدی اور حسن سے مروی ہے اور اس کو میں نے آیت سیف کے تحت بیان کیا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہودی اور عیسائی ہیں اس لیے کہ وہ ایک دوسرے کا انکار کرتے ہیں۔ یہ قول حضرت قتادہ سے مروی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد اس امت کے گمراہی والے، شبہ ڈالنے والے اور اصحاب بدعت ہیں۔ اس کو حضرت ابوہریرہ اور سیدہ عائشہ نے مرفوعا رویت کیا اور حضرت امام باقر علیہ السلام نے بیان کیا۔ [1]

---

[1] مجمع البیان للطبرسی، تحت آیت سورۃ انعام:۱۵۹

شیعہ حضرات شبہ ڈالتے ہیں کہ ابوبکر، فاطمہ زاہرہ کا فدک کھا گئے۔ حضرت عمر نے بڑا ظلم کیا۔ خوامخواہ ہی شبہات ڈالتے ہیں اور یہ اس امت کے بدعتی لوگ ہیں۔

شیعہ ذاکرین! قرآن کریم میں تحریف کرنے سے باز آجاؤ اور اگر تمہارا خیال ہے کہ قرآن کریم میں جہاں بھی لفظ شیعہ آیا ہے وہاں تم لوگ مراد ہو تو بسم اللہ اس کو بھی قبول کرو۔

۲: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَ جَعَلَ اَهْلَهَا شِیَعًا

بیشک فرعون نے زمین پر غلبہ پایا اور اس نے زمین والوں کو شیعہ بنا دیا (اپنے تابع کرلیا)۔ [1]

شیعہ کا معنی گروہ اور تابع ہے۔ فرعون کا تابع ہو تو برا شیعہ جبکہ حضرت عثمان کا تابع ہو تو اچھا شیعہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے نبیوں والے گروہ میں سے ہیں۔ آپ اچھے ہیں۔

ہر بندے کے بارے میں یہ نہ سمجھو کہ وہ صحابہ کرام کو گالیاں دینے والا ہے۔ صحابہ کو گالیاں دینے والے نہیں بلکہ صحابہ کو اچھا کہنے والے ہی جنت میں جائیں گے۔

۳: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰۤی اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ یَلْبِسَكُمْ شِیَعًا

---

[1] سورۃ قصص: ۴

محبوب! فرما دیجیے کہ (اللہ بڑی قدرتوں والا ہے) وہ اس بات پر قادر ہے کہ تم پر تمہارے اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے عذاب بھیجے یا تمہیں شیعہ بنا دیوے[1]

شیعہ بننا بھی اللہ کا عذاب ہی ہے۔ کیوں جناب! یہاں بھی تم ہی مراد ہو؟ یا پھر یہاں یہ معنی بیان کیا جائے کہ یہ اللہ کا عذاب ہے کہ تمہیں گروہوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

اہلسنت کو بھی سوچنا چاہیے کہ یہ جو گروہوں میں بٹ گئے ہیں، زیادہ دھڑے بن گئے ہیں اور نفرتیں شروع ہوگئی ہیں یہ بھی اللہ کے عذاب کی ایک شکل ہے۔ سب کو توبہ کرنی چاہیے۔ کسی کے بارے میں دل میں نفرت نہ رکھو۔ حق بات بیان کرو لیکن نفرتیں مت پالو۔ نبی کریم ﷺ کی امت کے لیے محبت اور پیار کی دعا مانگو۔

تفسیر قمی میں اس آیت کے تحت لکھا ہے:

وَهُوَ اِخْتِلَافٌ فِي الدِّيْنِ وَطَعْنُ بَعْضِكُمْ عَلٰى بَعْضٍ

دین میں اختلاف کرنے اور ایک دوسرے پر طعنہ زنی کرنے کا نام شیعہ بننا ہے۔[2]

اب ذرا ٹھنڈے دل سے سوچو! موجودہ دور کے شیعہ دین میں اختلاف کرتے ہیں یا نہیں؟ قرآن کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں حالانکہ قرآن تو دین کا مرکز ہے لیکن یہ لوگ صاف کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے بزرگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن محرف، مغیر اور مبدل ہے۔ صحابہ نے قرآن میں تحریف کر دی تھی۔ کئی آیتیں اپنی طرف سے شامل کر دی تھیں اور کئی آیتیں اپنی مرضی سے نکال دی تھیں۔ یہ لوگ طعنہ زنی بھی کرتے ہیں۔ یہ

---

[1] سورۃ انعام: ۶۵   [2] تفسیر قمی، جلد اول، صفحہ: ۲۰۴

حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان اور سیدہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہم کو طعنے بھی دیتے ہیں۔ واقعی یہ آیت مکمل طور پر تم پر چسپاں ہو رہی ہے۔ قرآن میں تحریف کرنے سے باز آ جاؤ۔ صاف صاف کہہ دو کہ شیعہ کا معنی گروہ ہے اور گروہ اچھا بھی ہوتا ہے اور برا بھی۔ اگر هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ میں تم مراد ہو تو پھر یہاں يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا میں بھی تم ہی مراد ہو۔

۴: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۳۱﴾ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا

تو اپنا منہ سیدھا کرو اللہ کی طرف اطاعت کے لیے اکیلے اسی کے ہو کر اللہ کی ڈالی ہوئی بنا جس پر لوگوں کو پیدا کیا اللہ کی بنائی چیز کو تبدیل نہ کرنا یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے اس کی طرف رجوع لاتے ہوئے، اس سے ڈرتے ہوئے اور نماز قائم کرو اور مشرک نہ بننا، ان میں سے نہ بننا جنہوں نے اپنے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کیے اور شیعہ ہو گئے۔ [1]

کیا یہاں بھی شیعہ سے مراد تم ہی ہو؟ یہاں شیعہ کا صحیح معنی یہ ہے کہ جنہوں نے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کیے وہ مختلف گروہوں میں تبدیل ہو گئے۔ ہماری گزارش یہ ہے کہ

---

[1] سورۃ روم: ۳۰، ۳۱، ۳۲

شیعہ کا لفظی معنی اس کی جگہ پر رہنے دو۔اس کو اپنے مذہب پر چسپاں نہ کرو۔اگر هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ کو اپنے مذہب پر چسپاں کرو گے تو پھر وَكَانُوْا شِيَعًا بھی تمہارے مذہب پر چسپاں ہوگا۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کبھی بھی دین کو تبدیل کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے جیسے کہ کوئی کہے کہ مغرب کی تین رکعات کیا ہوتی ہیں؟ ہم دو رکعت پڑھیں گے یا چار رکعت پڑھیں گے۔

۵: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۰ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۱

اور بیشک ہم نے تم سے پہلے شیعوں (گروہوں) میں کئی رسول بھیجے اور ان کے پاس جو بھی رسول آتا وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے۔[۱]

کیا خیال ہے شیعہ لفظ کا ترجمہ کرنا ہے؟ یا یہاں بھی تم ہی مراد ہو؟ اگر یہاں بھی تم ہی مراد ہو تو معنی یہ بنتا ہے کہ جو پہلے شیعہ تھے وہ رسولوں کا مذاق اڑاتے تھے لیکن اگر اس آیت کا صحیح ترجمہ کرو تو معنی یہ ہے کہ اللہ نے تم سے پہلے گروہوں کی طرف رسول بھیجے اور کفار رسولوں کا مذاق اڑاتے تھے۔اب یہ تمہاری اپنی صوابدید ہے کہ تم نے شیعہ لفظ کا صحیح معنی بیان کرنا ہے یا اسے اپنے اوپر چسپاں کرنا ہے۔

---

[۱] سورۃ الحجر:۱۰،۱۱

٦: اللہ ارشاد فرماتا ہے:

ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴿٦٩﴾ ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ﴿٧٠﴾

ہم ہر شیعہ (گروہ) میں سے اسے نکالیں گے جو رحمٰن پر سب سے زیادہ بے باک ہوگا پھر ہم خوب جانتے ہیں جو اس آگ میں زیادہ بھوننے کے لائق ہیں۔[1]

شیعہ صاحب! صحیح صحیح ترجمہ کرنا ہے یا یہاں بھی اپنے آپ کو مراد لینا ہے؟ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر گروہ میں سے سرکش لوگوں کو نکالے گا اور پھر ان کو جہنم کے اندر داخل کیا جائے گا۔

شیعہ حضرات جو کہ اپنے آپ کو شیعان علی ظاہر کرتے ہیں کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی جو کہ ان کی اپنی معتبر کتاب روضۃ الکافی میں درج ہے ملاحظہ کیجیے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت مولا مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

هُمْ شِيْعَتُكَ فَسَلِّمْ وَلَدَكَ مِنْهُمْ أَنْ يَّقْتُلُوْهُمْ

علی! یہ جو تیرے شیعہ بنے پھرتے ہیں اپنی اولاد کو ان سے بچا کے رکھنا کیوں کہ یہ ان کو قتل کریں گے۔[2]

---

[1] سورۃ مریم: ٦٩

[2] روضۃ الکافی لابن یعقوب کلینی، صفحہ: ٢٠٨، رقم الحدیث: ٣٧٣، دار التعارف للمطبوعات بیروت لبنان

کافی وہ کتاب ہے کہ جب اس کتاب کی تکمیل ہوئی تو چونکہ اہل تشیع کے نظریے کے مطابق امام مھدی ایک غار میں چھپے ہوئے ہیں، اس کتاب کو امام مھدی کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا: کَافٍ لِشِیْعَتِنَا یہ ہمارے شیعوں کے لیے کافی ہے۔ [1]

حضرت مولا مرتضی فرماتے ہیں:

لَوْ مَیَّزْتُ شِیْعَتِیْ لَمْ أَجِدْھُمْ إِلَّا وَاصِفَةً وَلَوْ اِمْتَحَنْتُھُمْ لَمَا وَجَدْتُّھُمْ إِلَّا مُرْتَدِّیْنَ

اگر میں اپنے شیعوں کے گروہ بناؤں تو یہ منافق ہی نکلیں گے اور اگر میں ان کا امتحان لوں تو سارے مرتد بن جائیں گے۔ [2]

حضرت ابراہیم علیہ السلام حنیف تھے، شیعہ نہ تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے نبیوں والے گروہ میں سے تھے۔ شیعہ کا معنی گروہ ہے۔ اگر وَ اِنَّ مِنْ شِیْعَتِہٖ لَاِبْرٰھِیْمَ اور ھٰذَا مِنْ شِیْعَتِہٖ میں شیعہ سے مراد شیعہ مذہب ہے تو پھر قرآن شریف میں جہاں جہاں بھی لفظ شیعہ آیا ہے ہر جگہ مذہب شیعہ ہی مراد ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن کی صحیح سمجھ نصیب فرمائے۔

آیت نمبر: ۱۳۶

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ

---

[1] الکافی لابن یعقوب کلینی، المقدمہ، جلد اول، صفحہ: ۲۵

[2] روضۃ الکافی لابن یعقوب کلینی، صفحہ: ۱۸۴، رقم الحدیث: ۲۹۰، دار التعارف للمطبوعات بیروت لبنان

وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَمَاۤ اُوۡتِیَ مُوۡسٰى وَعِيۡسٰى وَمَاۤ اُوۡتِیَ النَّبِيُّوۡنَ
مِنۡ رَّبِّهِمۡ‌ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيۡنَ اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ ۖ وَنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۳۶﴾

کہو: ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر ایمان لائے جو ہماری طرف اترا اور جو اتارا گیا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کے اسباط پر اور جو کچھ موسیٰ کو دیا گیا اور جو کچھ عیسیٰ کو دیا گیا اور جو نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا، ہم ان کے درمیان کسی میں فرق نہیں کرتے اور ہم تو اسی کے فرمانبردار ہیں۔

گزشتہ آیت میں بیان ہوا تھا کہ یہودیوں نے کہا جنت جانے کے لیے یہودیت اختیار کرنا ضروری ہے جبکہ عیسائیوں نے کہا جنت جانے کے لیے عیسائیت اختیار کرنا ضروری ہے تو اب اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہو کہ ہم اللہ پر، جو کچھ ہم پر اترا، جو کچھ ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کے اسباط پر اترا سب پر ایمان لائے۔

اَسۡبَاط، سِبۡطٌ کی جمع ہے۔ سِبۡطٌ پوتے اور نواسے کو کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے سِبۡطٌ کا معنی اولاد بنا لیکن یہ ایک خاص اصطلاح بھی ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کی جو مختلف شاخیں نکلیں ان کو قبائل کہا گیا جبکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کی شاخوں کو اسباط کہا جاتا ہے۔

اس آیت میں بیان ہوا کہ ایمان والے نبیوں کے درمیان فرق نہیں کرتے اس کا معنی یہ ہے کہ ایمان والے ایسا نہیں کرتے کہ کسی نبی کو مانیں اور کسی کو نہ مانیں۔ نبیوں کے

درمیان فضیلتیں اور درجے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا
بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ یہ رسولوں کا گروہ ہے ہم نے اس میں سے بعض کو بعض پر فضیلت
دی۔ ۱؎ درجات میں فرق ہے لیکن نفس نبوت میں کوئی فرق نہیں۔ مرزا قادیانی نے
تشریعی، غیر تشریعی، ظلی اور بروزی کی تقسیم کر کے نبوت کے درمیان تفریق قائم کی
اور دیوبند کے بانی مولوی قاسم نانوتوی صاحب نے نبوت بالذات اور نبوت بالعرض کی
تقسیم کر کے نبوت میں تفریق کر دی حالانکہ یہ بات قرآن کی صراحت کے خلاف ہے۔
نبوت کے اندر کوئی تفریق نہیں ہے۔

آیت نمبر: ۱۳۷

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ
فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾

پھر اگر وہ لوگ بھی ایسا ہی ایمان لائیں جیسا کہ محبوب کے صحابہ! تم ایمان لائے تو
بیشک وہ جنت میں چلے جائیں گے اور اگر وہ منہ پھیریں تو وہ نری ضد میں ہیں۔ محبوب!
عنقریب اللہ تعالیٰ تمہیں ان سے کفایت فرمائے گا اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

پتہ چلا صحابہ معیار ایمان ہیں۔ اللہ تعالیٰ اہل کتاب یہودیوں عیسائیوں سے
مطالبہ فرما رہا ہے کہ اگر جنت جانا چاہتے ہو تو ویسا ہی ایمان لے کر آؤ جیسا کہ میرے
محبوب کے صحابہ ایمان لائے۔

۱؎ سورۃ البقرہ: ۲۵۳

نوٹ: دفاع صحابہ کے موضوع پر تفصیلی بحث سورۃ بقرہ کی آیت نمبر: ۱۳۰ کے تحت گزر چکی ہے۔ وہاں ملاحظہ کیجیے۔

اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ سے فرما رہا ہے کہ محبوب! فکر نہ کرنا کہ تمہارے حمایتی تھوڑے ہیں۔ عنقریب میں ان کے مقابلے میں تمہارے لیے کافی ہو جاؤں گا۔ یہ آپ کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکیں گے۔ یہ پیشین گوئی ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک بے مثل اور قادر ہے، وہ کسی بھی لشکر کا محتاج نہیں ہے، جتنے مرضی میرے مصطفیٰ ﷺ کے مخالف بن جائیں اللہ عنقریب ان سے کفایت کرے گا۔ قرآن کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے۔ مصحف شریف سامنے موجود تھا۔ بلوائیوں نے آکر وار کیا۔ خون کا قطرہ اسی آیت فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ پر گرا۔[1] قرآن پاک کا وہ نسخہ جس پر حضرت عثمان کا خون گرا تھا آج بھی موجود ہے۔

آیت نمبر: ۱۳۸

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

(یہ کہو کہ ہم نے قبول کیا ہے) اللہ کا رنگ اور اللہ سے بڑھ کر کس کا رنگ حسین ہے اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔

---

[1] نبی کریم ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ عثمان! تمہیں شہید کیا جائے گا درانحالیکہ تم سورۃ بقرہ کی تلاوت کر رہے ہو گے اور تمہارا خون اس آیت فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ پر گرے گا۔ (المستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفۃ الصحابۃ، باب فضائل امیر المؤمنین ذی النورین عثمان بن عفان، ذکر مقتل امیر المؤمنین عثمان بن عفان، جلد: ۳، صفحہ: ۳۱۷، رقم الحدیث: ۴۶۱۲)

عیسائیوں کے ہاں جب بچہ پیدا ہوتا تو وہ اسے پیلے رنگ میں نہلاتے اور کہتے کہ اب یہ پکا عیسائی بنا ہے۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ رنگوں میں نہلانے سے کیا ہوتا ہے۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ سے پہلے قُوْلُوْا قَبِلْنَا محذوف ہے۔ اللہ ارشاد فرما رہا ہے کہ کہو ہم نے اللہ کا رنگ قبول کیا اور اللہ سے بڑھ کر کس کا رنگ حسین ہے۔ سبحان اللہ! جس پر اللہ کا رنگ چڑھ جاتا ہے اسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں مٹا سکتی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر اللہ کا رنگ چڑھا تھا، یہی وجہ تھی کہ مار کھاتے ہوئے بھی احد احد کہے جا رہے تھے۔ دوسرے رنگوں کی کوئی حیثیت نہیں، اللہ کا رنگ چڑھنا چاہیے۔

آیت نمبر:۱۳۹

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾

فرما دیجیے! کیا تم ہمارے ساتھ اللہ کے دین کے بارے میں جھگڑتے ہو؟ حالانکہ وہ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی، ہمارے لیے ہمارے عمل ہیں اور تمہارے لیے تمہارے عمل ہیں اور ہم تو اسی کے ساتھ مخلص ہیں۔

آیت نمبر:۱۴۰

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾

کیا تم یہ کہتے ہو کہ بیشک ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کے بیٹے یہودی یا عیسائی تھے؟ محبوب! ان سے پوچھیے تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ زیادہ جانتا ہے؟ اور اس بندے سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس کے پاس اللہ کی گواہی ہو اور وہ اس کو چھپائے اور اللہ تعالیٰ اس سے جو تم کرتے ہو بے خبر نہیں ہے۔

یہودی اور عیسائی جھوٹ بولتے تھے کہ حضرات انبیائے کرام ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کے بیٹے یہودی یا نصرانی تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس جھوٹ پر گرفت فرما رہا ہے اور ارشاد فرما رہا ہے کہ حبیب! ان سے پوچھیں انہیں زیادہ علم ہے یا اللہ کے پاس زیادہ علم ہے؟ پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ اس بندے سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ کی گواہی یعنی دین کو چھپائے۔ پتہ چلا دین کو چھپانے والا ظالم ہے۔ مذہب شیعہ ایسا مذہب ہے جو اپنے دین کو چھپانا مستحسن اور باعث ثواب سمجھتا ہے۔ ان کی کتابوں میں باقاعدہ ابواب بَابُ التَّقِيَّةِ اور بَابُ الْكِتْمَانِ موجود ہیں[1] اور انہوں نے یہاں تک لکھا ہے کہ جو دین کو چھپائے گا اللہ اسے عزت دے گا جبکہ جو دین کو ظاہر کرے گا اللہ اس کو ذلیل کر دے گا۔[2]

آیت نمبر: ۱۴۱

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٤١﴾

---

[1] اصول الکافی (الکلینی)، کتاب الایمان والکفر، باب التقیۃ، باب الکتمان، جلد: ۲، صفحہ: ۲۴۵، ۲۵۰

[2] اصول الکافی (الکلینی)، کتاب الایمان والکفر، باب الکتمان، جلد: ۲، صفحہ: ۲۵۰، رقم الحدیث: ۲۲۵۸

یہ ایک گروہ ہے جو گزر گیا، ان کے لیے ان کی کمائی ہے اور تمہارے لیے تمہاری کمائی ہے اور جو وہ کرتے تھے اس کے بارے میں تم سے نہیں پوچھا جائے گا۔

ہر کسی سے سوال اس کے اپنے بارے میں ہوگا۔ ان سے ان کے بارے میں پوچھا جائے گا اور تم سے تمہارے بارے میں پوچھا جائے گا۔

میرے بیٹو! ہم سے بھی پوچھا جانا ہے کہ تم نے زندگی کیسے گزاری۔ اللہ کی نعمت قرآن حکیم ہمارے پاس موجود ہے۔ اللہ کرے کہ ہم قبر اور حشر میں یہ عرض کر سکیں کہ ہم نے قرآن کریم کے مطابق زندگی بسر کی تھی۔

یادداشت